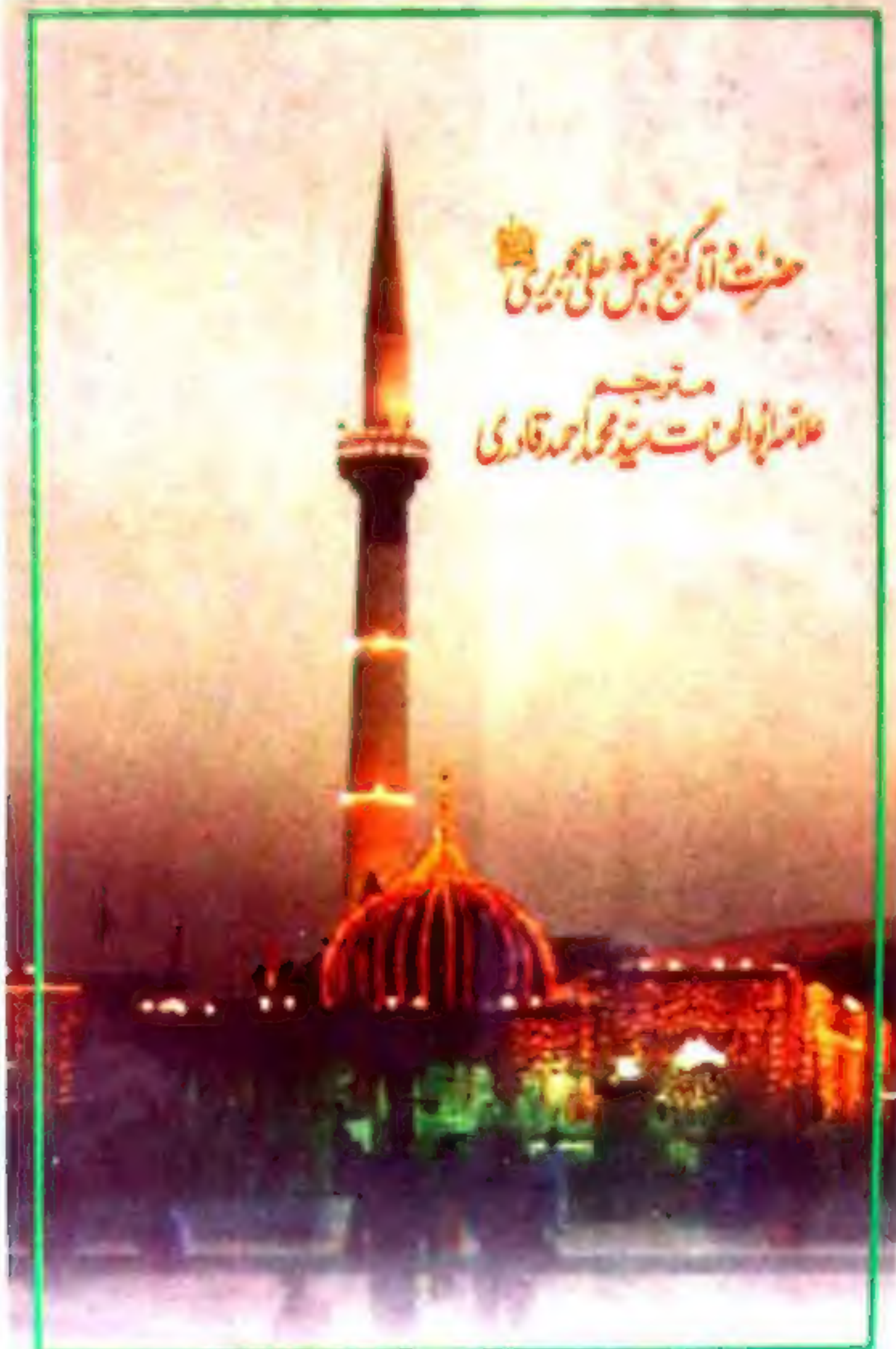


کشف المحجوب

حضرت آقا کبیر علی ہمدانی

مترجم
علامہ ابوالحسن علی محمد قادری



ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

کلام المہر غوثؒ
جلد ۱۰۰ | ترجمہ ۱۲

کشف المحجوبؒ

تصوف کی لازوال اور شہرہ آفاق کتاب

تصنیف عظیم
ابو الحسن علی بن عثمان محمدری قدس سرہ العزیز

مترجم
علامہ ابوبکرت سنا سید محمد احمد قادری رحمہ اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق بحق جامع حسنات العلوم نزد مسجد وزیر خان محفوظ ہیں

کشف المحجوب	نام کتاب
ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	تصنیف عظیم
ابوالحسنات سید محمد احمد قادری	مترجم
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور	ناشر
اپریل 2002ء	تاریخ اشاعت
ایک ہزار	تعداد
1241	کمپیوٹر کوڈ
150/- روپے	قیمت

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ المکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:- 042-7238010

14۔ انٹخال سٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

marfat.com

Marfat.com

ترتیب

باب	عنوان	صفحہ
—	دیباچہ از حکیم محمد موسیٰ ارسری	۵
—	مقدمہ از حضرت داتا گنج بخش بھیری رحمۃ اللہ علیہ	۶۵
۱	اثبات علم	۸۲
۲	اثبات فقر	۱۰۱
۳	تعارف	۱۱۹
۴	خود پوشی	۱۳۹
۵	فقر و سفوت	۱۵۷
۶	علامت	۱۶۲
۷	صحابہ کرام	۱۷۲
۸	اہل بیت	۱۸۱
۹	اصحابِ سُنّہ	۱۹۵
۱۰	ائمۃ تابعین	۱۹۸
۱۱	شیخ تابعین تا بہ زمانہ حال	۲۰۹
۱۲	صوفیائے متاخرین	۲۱۷
۱۳	مختلف ممالک کے مشائخ متاخرین	۲۳۱
۱۴	صوفیاء کے مختلف مکاتب و مذاہب	۲۴۶
۱۵	توبہ اور متعلقات توبہ	۲۸۴
۱۶	محبت اور متعلقات محبت	۲۹۷
۱۷	محبت اور متعلقات محبت	۵۲۵

باب	عنوان	صفحہ
۲۱	آداب محبت	۵۳۸
۲۲	آداب محبت اقامت	۵۴۲
۲۳	آداب محبت سفر	۵۴۶
۲۴	کھانے کے آداب	۵۴۹
۲۵	چلنے پھرنے کے آداب	۵۵۱
۲۶	سفر و حضر میں سونے کے آداب	۵۵۳
۲۷	بولنے اور چپ رہنے کے آداب	۵۵۷
۲۸	آداب سوال و ترک سوال	۵۶۱
۲۹	آداب نکاح و تہجد	۵۶۵
۳۰	سماع قرآن اور اس کے متعلقات	۶۰۰
۳۱	سماع شعر اور اس کے متعلقات	۶۰۷
۳۲	سماع لحن و نفس	۶۰۹
۳۳	احکام سماع	۶۱۳
۳۴	اختلاف سماع	۶۱۷
۳۵	مقامات سماع	۶۱۸
۳۶	وجد، وجود، تواجد	۶۲۵
۳۷	رقص اور متعلقات رقص	۶۲۸
۳۸	جامدوری	۶۳۰
۳۹	آداب سماع	۶۳۱

ویساچہ

۲۰ حکیم محمد موسیٰ اہر سہری

حاصل اوفصلیاً

مخدوم الاولیاء سلطان الامنیاء حضرت شیخ علی بجوری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز اس قدس گروہ کے سرخیل ہیں جو امام رسل ہادی سبل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی کمال محبت و متابعت سے ولایت کے رفیع و اعلیٰ مقام اور بلند مراتب پر فائز ہو کر خلافت النبی اور حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کبریٰ کے منصب علیہ مستکن ہوتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اپنے آپ کو محبوب خدا کی محبت میں فنا کر دیا ہوتا ہے انہیں بھی مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے اور وہ زمین پر خلیفہ اللہ اور منظر انوار خدا اور نائب محبوب خدا ہوتے ہیں۔ لہذا

- ۱۔ ان کی ظاہری زندگی میں بے پناہ فیض رشد و ہدایت جاری ہوتا ہے۔
- ۲۔ برزخی زندگی میں قاسم فیوض و برکات ہوتے ہیں اور ان کا روحانی فیض عوام و خواص کے لئے بکساں ہوتا ہے۔

- ۳۔ ان کی تعلیمات وارشادات طالبان راہ خدا کے لئے رشد طریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ استدعا کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

- چنانچہ عطاء النبی و فیض سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ نے
- ۱۔ اپنی حیات مبارکہ میں کفرستان ہند میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی قوت اور نظر کیا اللہ کے ذریعے بے شمار گم گشتگان بادیہ کفر و ضلالت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا اور ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور فرمایا۔

- ۲۔ بعد وصال حضرت شیخ کا مزار پر انوار فیض رسالہ عالم اور منبع روحانیت و طہانیت ہے ع

نام فقیر تنہا نخابا ہو قبر جہا ندری جیوے ہو

۳۔ ان کے ارشادات گرامی و افاضات مالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرض کہ ایسی محبوبیت و مقبولیت امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بہت کم ادیان کرام کو حاصل ہوئی ہے
 ایں سعادت بزورِ بازو نیست
 تانہ بخشہ خدا نے بخشندہ

حالات زندگی

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ برصغیر پاک و ہند کے اولین مسلمان اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار گوہر باران کے فیضان کی وجہ سے عرصہ نو سو سال سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے اور ان کی کشف المحجوب اطراف و اکناف عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ بایں یہ ان کے حالات و بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہیں۔

(ا) جس زمانے میں حضرت داتا صاحب نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی۔ اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمتے اور پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مورخین نے تاریخ نویسی کا آئینہ زکریا۔ انھوں نے تاریخ کو اپنے آقا یا نبوت (تائیدین) کے گرد گھمانا شروع کر دیا۔ اور بعد کے مورخین صرف ان بزرگوں کے مختصر حالات لکھے جن کے آثار ان پر ان کے مہدیین کو شرفِ حاضری نصیب ہوا۔

(ب) جن حضرات نے بادشاہوں سے ہٹ کر صرف ان نفوسِ قدسیہ جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی، کے حالات زندگی اور ان کی اسلامی و روحانی خدمات حلیہ کی تفصیلات کو قلم بند کیا ان کی "لیغات کو اس خطے کی ادبی بڑھبڑ (بہ سلسلہ آفات کتب) نے محفوظ نہیں رہنے دیا۔

ظاہر ہے کہ بزرگانِ دین کے تذکرہ نویسوں میں سے اکثر فنِ تاریخ کے ماہر نہ تھے۔ لہذا وہ بزرگوں کے حالات لکھتے وقت واقعات کے سین کا صحیح تعین نہ کر سکے جس کے باعث تاریخ دانوں پر بڑھتی کا موقع مل گیا۔

قدیم مآخذ ہیں۔ ان کے بعد لالہ سحان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التہذیب میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے آثار اکرام میں مختصراً ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے لالہ گنیش داس و ذریعہ نے حیار باغ پنجاب میں مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاسعیا اور حدیقۃ اللہ لیاہ میں مولوی غلام حسی نے تحقیقات حشریہ میں حالات لکھے ہیں اور ان کے بعد کے مؤلفین نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

مگر ان سب تذکروں اور تاریخوں کے مندرجات کے پڑھنے سے مستند قابل استناد تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بن پیدائش بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ تاریخ وصال میں بھی اختلاف ہے۔ اور حضرت کے والد و لاہور کا مسئلہ بھی خاصا پریشان کن ہے۔ غرض کہ حضرت کا صاحبِ سہ سند حالات زندگی، اسی تسلسلے میں جتنے انھوں نے خود کشف المحجوب میں بیان کئے ہیں۔

نام و نسب

ابو الحسن کنیت، علی اکرم گرامی ہے۔ مفتی غلام سرور نے بحوالہ تالیف متقدمین شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے۔
حضرت مخدوم علی، بن عثمان، بن سید علی، بن عبدالرحمن، بن شاہ شجاع۔
بن ابوالحسن علی، بن حسین اصغر، بن سید زید شہید، بن حضرت امام حسن رضى الله تعالى عنه، بن علی کرم اللہ وجہہ لہ
مشہور۔ ماہر علم انساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم (م ۱۳۵۵ھ) نے یہی شجرہ نسب تاریخ جلیلیہ اور بزرگان لاہور میں درج کیا ہے۔ مگر پانچویں بزرگ کا نام عبداللہ اور حسین میں شجاع شاہ تحریر کیا ہے اور درج ذیل نوٹ دیا ہے:

لے خزینۃ الاسعیا، جلد دوم، ص: ۲۲۲

لے تاریخ جلیلیہ طبع دوم، ص: ۲۰۴

لے بزرگان لاہور، ص: ۱۸۳

۱۔ مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے، وہ ٹھیک نہیں
کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین بن علی کے
فرزند تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

آریانا دائرۃ المعارف میں حضرت داتا صاحب پر جو مختصر اور غیر تحقیقی مقالہ درج ہے اس میں لکھا ہے

مولوی غلام سرور لاہوری درختِ نیتِ الامعیاء در شرح حال اور زیادتِ آثار
ذکر می نماید، و از آخذِ خویش نام نمی برد، جز آنیکه می گوید و تواند بچ قدیم نسب او
را چنین شمرده اند..... به هر حال در ذکرِ نسب او آنچه
مورخین و علماء است و جامی و داراشکوه نیز آن را واثق دانسته اند، همان ذکر
مختصر است که خود شیخ در کشف المحجوب نموده و در آن هیچ گونه اشارتی نه تصریحاً و نه
کنایتاً به طرف سیادت خود نموده است تنها در غزلی خانوادہ که خود را به شیخ
منسوب و اولاد او می دانند خود را سید می شمارند. لہ
ترکِ نسب شان مقرانہ نشانِ عشق ہے ۵

بندۂ عشق شدی ترک بنسب کُن جاسی

کہ دیر راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

اسی بنا پر سیدنا عزت الثقلین حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غزنیہ جو ایک خاص حالت میں لکھا گیا، کے سوا کہیں اپنے آپ کو سید نہیں لکھا۔ لہذا صاحب مقالہ مذکور کا اس طرف خیال جانا تعجب کی بات ہے۔ بہر حال ایسے لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ داراشکرہ سے دو سو سال پہلے فوت ہونے والے سید محمد نور بخش جو ہار انساب بھی تھے، نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب شجر الاولیاء میں حضرت داماد صاحب کو سید لکھا ہے۔ اور جو یہ لکھا ہے کہ غزنی میں وہ خانوادہ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ سے منسوب

۱۴۴

سلسلة الذهب: الجزء الأول، ص ٢٢

کرتا ہے اور ان کی اولاد جانتا ہے اصابنے آپ کو سادات میں شمار کرتا ہے۔ ”کچھ عجیب سی بات ہے۔ یہ لوگ حضرت داتا صاحب کے ہم جدمہوں گے۔

مولد و موطن

حضرت داتا صاحب قدس سرہ اقلستان کے شہر غزنی کے رہنے والے تھے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں،

”علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم البجوری:
دادا شکوہ لکھتا ہے،

”حضرت غزنی کے رہنے والے تھے۔ جلاب اور بجوری غزنی کے محلوں میں سے دو محلے ہیں۔ پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے۔ پھر بجوری میں منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے والد ماجد کی قبر غزنی میں ہے۔۔۔۔۔ اور ان کی والدہ محترمہ کی مقبرہ بھی ان کے ماموں تاج الادنیاء کے مزار سے متصل ہے، اہل ان کے خاندان کے تمام افراد صاحبِ نذر تقویٰ تھے۔۔۔۔۔ میں ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔“

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے تحریر کیا ہے۔

”ذہیری صاحب کشترباہا و پور نے ۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ (ذہیری صاحب) غزنی گئے تھے اور انھوں نے ان قبروں کو موجود پایا۔“

سبب ولادت

حضرت داتا صاحب قدس سرہ کا سبب ولادت کسی قدیم کتاب میں درج نہیں۔ اس دور کے مؤرخین نے ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ پروفیسر نکسن کا خیال ہے:

لے سفیہ، ادبیات (فارسی) طبع کانپور ۱۹۵۹ء، باب دوم، ص: ۱۶۴

لے ص: ۱۶۵

لے اختلاف دینی و علم ہند اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ۱۹۵۹ء، ص: ۲۲۲

marfat.com

Marfat.com

”ان کی پیدائش دسویں صدی کے آخری دہاکہ میں یا گیارہویں صدی کے ابتدائی دہاکہ میں ہوئی ہوگی۔ یعنی ۱۱۰۰ء تا ۱۱۵۰ء
ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں :

”اغانزے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی۔“

ڈاکٹر معین الحق کی رائے یہ ہے :

”بعض لوگوں نے ان کی پیدائش کا سال ۱۱۰۰ء لکھا ہے۔ لیکن اس کو یقین نہیں کہا جاسکتا۔“

منشی محمد دین فوق رقم فرماتے ہیں :

”ان کی پیدائش کا قریباً ۱۱۰۰ء یا ۱۱۵۰ء کو حاصل ہوتا ہے۔“

سہل ولادت کے باب میں مذکورہ الصدہ قیاس آرائیوں کی تائید رسالہ ابدالیہ سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی رسالہ مذکور کے مولف نے لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ و قاتل قاتل محمد و غزنوی کے دربار میں جاتے تھے اور انھوں نے معنواں شباب میں ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ بھی کیا تھا۔ معنواں شباب سے بیس اکیس سال عمر فرض کر سکتے ہیں۔ محمد و ۱۱۰۰ء میں فوت ہوا لہذا رسالہ ابدالیہ کی اس روایت کی بنا پر حضرت کا سہل ولادت ۱۱۰۰ء کے لگ بھگ قرار دیا جاسکتا ہے۔

بقول لین پل، محمد و غزنوی ۱۱۰۰ء/۱۱۰۱ء میں سربراہان سلطنت ہوا۔ گو یا حضرت داتا صاحب سلطان محمد کے دور حکومت میں اس وقت پیدا ہوئے۔ جب کہ وہ پاک و ہند پر متعدد بار حملہ آور ہو چکا تھا۔ اور حضرت داتا صاحب اس غازی کے پاس اس کی زندگی کے آخری دو برسوں میں آتے جاتے رہے ہوں گے۔

۱۔ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکسن، ص ۱۱۰ (دیباچہ) ۲۔ مقالات دینی و ملی، ص ۲۲۲

۳۔ معاشری و ملی تاریخ طبع کراچی، ص ۲۱ ۴۔ داتا گنج بخش، ص ۵

۵۔ فرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لاہور، مرتبہ ایچ۔ اے۔ ۱۰۴۴ اور دیباچہ کشف المحجوب

انگریزی ترجمہ از نکسن، ص ۱۰

استاذہ

حضرت داتا صاحب قدس سرہ علوم ظاہری و باطنی کے بزرگ تھے۔ ان کی عظمت اسی کی واضح دلیل ہے۔ کہ انھوں نے متعدد علماء و فضلاء سے اکتساب علوم کیا ہوگا۔ مولانا جامی نے مرثیہ "عارف و عالم بود" لعل بیگ لعل نے "ورقون علوم باہر بود" اور مفتی غلام سرور نے "جامع بود" میاں علوم ظاہر و باطن" لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مگر کشف المحجوب جہاں داتا صاحب کے مختصر حالات سے آگاہ کرتی ہے وہاں ان کے ایک باقاعدہ استاد کے نام نامی کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ — حضرت نے اپنے ایک استاد گرامی حضرت ابو العباس بن محمد شکانی کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں،

"مرا بادی انسی عظیم بود و دی را بر من شغفتی صادق" و در بعضی از علماء استاد من بود....."

حضرت داتا صاحب قدس سرہ جہاں عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے۔ انھیں نظر ثانی اور ترقی کا مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ یعنی وہ بطن ماوری سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے۔ صاحب رسالہ اہدالیہ کا بیان ہے۔ حضرت شیخ علی بھویری نے سلطان محمود غزنوی (م ۶۴۱ھ) کی موجودگی میں بگرام غزنی ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کیا اور اسے اپنی روحانی قوت سے ساکت و صامت کر دیا۔ — ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ سلطان محمود کی زندگی کے آخری برسوں میں ہوا ہوگا اور اس وقت حضرت کی عمر بیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔

مرشد ارشد

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ جیدیہ میں حضرت ابو الفضل محمد بن حسن انشلی

۱۔ کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۲۱۰

۲۔ دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ از نکسن) ص: ۱۰

۳۔ نخل باختلان، چخاں کے مغرب میں دریائے جیوں کے دائیں کنارے پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔

قدس سرہ (ام شکر) سے بیعت تھے۔ شجرۂ طریقت سلطان ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک اس طرح ختمی ہوتا ہے۔

”حضرت شیخ علی ابوری مرید شیخ ابوالفضل محمد بن حسن خٹلی کے وہ مرید حضرت شیخ حصری کے وہ مرید شیخ ابوبکر خٹلی کے وہ مرید حضرت جنید بغدادی کے وہ مرید شیخ ستری سقلی کے وہ مرید حضرت معروف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائی کے وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے وہ مرید حضرت حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)“

حضرت داماد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے پیرومرشد کے علو مقام کے بارے میں

کہتے ہیں:

”صوفیہ متاخرین میں سے اداؤ کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن خٹلی ہیں۔ طریقت میں میری اقتدار (بیعت) ان ہی سے ہوئی، علم فقیر اور روایات (حدیث) کے عالم تھے۔ اور تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت حصری کے رازدار مرید تھے، ابو قمر قرظونی اور ابو الحسن سائبہ کے ہم عصر تھے۔ صبیح گزشتہ نشینی کے لئے ساٹھ سال تک تنہائی کی تلاش میں پھرتے رہے اور مخلوق کے ذہنوں سے اپنا نام محو کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ زیادہ تر جبل لکام میں قیام پذیر رہے۔ عمر طویل پائی۔ اپنی ولایت کی بہت سی ویلےں اور نشانیاں رکھتے تھے لیکن صوفیہ کی رسوم اور لباس کے پابند نہ تھے اور رسوم میں جکڑے ہوئے صوفیوں سے درشتی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ کسی کو با بیعت نہیں دیکھا تھا۔“

جس روز حضرت خٹلی کا وصال ہوا حضرت داماد صاحب ان کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشد خٹلی نے مرید ابوری کی گرد میں جان جان آفریں کے سپرد کی تھی اس واقعہ

لے جبل لکام، سلسلہ کرہ لبنان کو وہ حصہ ہے جو انطاکیہ اور حمص سے متصل ہے

لے کشف المحجوب جلد تیراں، صفحہ: ۲۰۸

کہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

”حضرت شیخ خٹکی بروز صبح بیت الحنن میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے،

گھائی پر جو بانسار (دود بانسار) اور مشق کے درمیان واقع ہے۔ دم رحلت

ان کا سر میری گردن میں تھا، اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک پتے

دست کی جدائی پر رنجیدہ تھا، اس حال میں انہوں نے فرمایا: اے بیٹا میں

تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے

تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ تمام مواقع اور حالات میں

نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدا ہے عزوجل ہے، لہذا اس کے کسی فعل پر کبیرہ

نہ ہونا اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا۔ اس کے سوا اور کوئی لمبی وصیت

میں کی اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔“

حضرت بایزید بسطامی اور مشائخ طیفوریان (رحمہم اللہ) شکر کو ترجیح دیتے تھے۔ اور

حضرت جنید اور ان کے پیرو صحو کو شکر پر فضیلت دیتے تھے۔ حضرت خٹکی اور حضرت بخوری

(رحمہما اللہ) جنیدی ہونے کی وجہ سے صحو کی افضلیت کے قائل تھے۔ کشف المحجوب میں

اپنے مرشد کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ شکر بازیچہ اطفال اور محمردوں کا میدان قنا ہے۔

”شیخ من گفتی دوی جنیدی مذہب بود کہ شکر بازی گا و کردکان است

وصو فنا گا و مردان و منکہ علی بن عثمان البطلانی ام۔ می گویم، بر موافقت

شیخم۔“

سید محمد نور بخش رحمہ اللہ (دم ۱۳۹۹ھ) بانی سلسلہ نور بخش، جن کے سلسلے سے متبعین

اپنے شیخ کے مسلک سے ہٹ کر گمراہ اور بے دین ہو چکے ہیں، نے حضرت داماد صاحب

کو دو بزرگوں شیخ خٹکی اور شیخ ابوالقاسم گرگانی کا مرید و خلیفہ لکھا ہے:

”..... حضرت علی بخوری ہم ازیں سلسلہ جنیدیہ اشک است

لہ کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۱۰۹

لہ ایضاً ص: ۲۳۲

marfat.com

Marfat.com

کہ ابو مرید (د) خلیفہ و مشائخ اند، یکے شیخ ابوالقاسم گرگانی دوم
 شیخ ابوالفضل ابن ختل
 مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ گرگانی، داماد صاحب کے شیخ صحبت یا شیخ تربیت ہیں :
 کہ پیر بیت ۔

ہم عصر مشائخ سے استفادہ

حضرت شیخ خُتَل کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کرام کے فیض صحبت و شرف مکالمات
 سے بہرہ یاب ہوئے جن کا ذکر بغیر کشف المحجوب میں مسطور ہے۔ مثلاً ابوالقاسم بن علی بن عبد اللہ
 الکرگانی قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں :

”مرا بادی اسرار بسیار بود و اگر با ظہار آیات مشغول شوم از
 مقصود بازمانم“ لہ

ابوالقاسم امام قشیری قدس سرہ سے بھی صحبتیں رہیں۔ اور ان کا ذکر بڑی عقیدت کے
 ساتھ کیا ہے :

”أستاذ امام وزین اسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن جواہر القشیری اند
 زمانہ خود بدیع ست و قدس و رفیع ست و منزلت بزرگ و معلوم ست
 اہل زمانہ را از روزگار دی و از انواع فضائل اندر ہر فن ویرا الطالیف بسیار
 است و تصانیف نفیس جملہ بالتحقیق و خداوند تعالیٰ حال و زبان ویرا از حشو
 محفوظ گردانید ست“ لہ

حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی قدس سرہ کے ساتھ ماوراء النہر میں محبت و دوستی
 رہی۔ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں :

لہ کتاب سلسلۃ الذہب، شجر الاولیاء از سید نور عین، طبع لاہور ۱۹۶۲ء، حصہ دوم ص ۲۲

لہ کشف المحجوب طبع تہران، ص ۲۱۲

لہ ایضاً ص ۲۰۹

”خواجہ احمد قادی سرخی میاں وقت و مدتی رفیق من بود و از کاروی

عجائب بسیار دیدیم، وی از جوان مروان مقتوفہ بود۔۔۔“

حضرت ابو جعفر محمد بن مصباح عیدلانی قدس سرہ، جو صاحب تصانیف عالم و عارف تھے، ان کی تصانیف ان ہی کے رو برو پڑھیں:

”شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح العیدلانی از روسا مقتوفہ بود و زبانی نیکو داشت اندر تحقیق، و ملی عظیم داشت بحسین بن منصور و بعضی از تصانیف وی برو خواندم۔“

حضرت ابوسعید ابوالخیر، شیخ ابوالاحمد المنظرین احمد بن حمدان رحمہما اللہ اور متعدد دیگر ادباء اللہ سے ملاقاتوں کا سال کشف المحجوب کے مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ صرف خراسان میں تین سو صوفیہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے استفادہ

علی بیگ لعلی نے لکھا ہے حضرت شیخ علی بجوری بہت سے ادباء وقت کو ملے اور ان کے ہم صحبت رہے نیز حضرت خضر علیہ السلام سے گہری دوستی رکھتے تھے اور ان سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا تھا:

”دبیاری از ادباء وقت را دریافت و با ایشان ہم صحبت بود و با خضر علیہ السلام دوستی عظیم داشتہ و از وی علم ظاہری و باطنی فراہم ستہ۔“

حنفی المذہب

حضرت داماد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی المذہب تھے، سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اسی سبب سے انھوں نے امام موسوی کا نام نامی واکم گرای

۱۔ کشف المحجوب طبع تہران ۱۳۱۹ھ ۲۔ کشف المحجوب طبع تہران ۱۳۱۱ھ

۳۔ کشف المحجوب طبع سمرقند ۱۳۱۹ھ ۴۔ ثمرات القدس خطی دملکہ صاحبزادہ نصرت نیشاپوری (شرق و شریعت)

marfat.com

Marfat.com

نہایت تعظیم و تکریم سے اس طرح رقم فرمایا ہے:

”امام اماں و معتدائی ستیاں، شریف مختار و عزہ عطاء، ابو حنیفہ بن نعمان بن ثابت

الخبر از رضی اللہ عنہ“

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کلمات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنا ایک ایمان

افروز خواب بیان کیا ہے اور اس سے ایک نہایت لطیف نکتہ اخذ کیا ہے، فرماتے ہیں:

”میں ملک تمام میں تھا کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے مدفن اطہر کے سرانے سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ میں کہ منظر میں ہوں اور جنت خلد میں صلی اللہ علیہ

وسلم باب بنی شیبہ سے اخذ تشریف لائے ہیں اور ایک بڑے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں جس

طرح کہ شفقت سے بچے کو گود میں لیتے ہیں۔ میں دیکھ کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار کے

پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بزرگ کون میں جن میں حضور نے اٹھایا ہوا ہے جنس

صلی اللہ علیہ وسلم بر قوت معجزہ میرے اس بلنی خیال سے آگاہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا: یہ شخص تیرا

تیرے ملک والوں کا امام مین ابو حنیفہ ہے۔ مجھے اس خواب کے اپنے آپ اور اپنے وطن والوں کے

بڑی اُمیدیں قائم ہوئیں اور مجھے اس خواب سے یہ راز بھی شکشف ہوا کہ حضرت امام اعظم ان

برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی لطیف بات و مسائل کا فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع

کے لئے باقی وقائم ہیں۔ اس لئے کہ ان کے مال اور رہبر خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور

انہیں خود چلتے دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ وہ ذاتی الصفات ہیں اور جو باقی الصفات ہوتا ہے وہ جہل و

امور میں غفل ہوتا ہے۔ یا مصیب چونکہ انہیں اٹھا کر لے جانے والے حضور پر نور ہیں اس لئے

وہ اپنی ذاتی صفات سے ذاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات باقی ہیں جب پیغمبر سے

کسی خطا کا صدور ممکن نہیں تو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے

اس سے بھی خطا کا صدور ممکن نہیں۔ یہ ایک لطیف رمز ہے۔“

نکاح

عبداللہ ماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

”قیما ننداج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ از ادوی رہی البتہ ایک مقام پر آپ مہی

لے کشف المحجوب طبع سمرقند، ص ۱۱۰

لے کشف المحجوب طبع سمرقند، ص ۱۱۰

یوں بیان کر چیا کہ جیسے غائبانہ کسی سے قطعاً محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخمِ لطیف کے لعل بنے رہے، پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان ہے اتنا محل کہ تفصیلات کا کچھ پتا نہیں چلتا، لکھا ہے ۱۷

”شکریہ بن عثمان الحمیدی ہم از پس آنکہ مراحق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزدیک نگاہ داشتہ بود، ہم بقدری روی بختہ اثنا قدم و ظاہر و باطن اسیر غنی شد کہ با من کردن بی آنکہ مدیت بود و یک سال مستغرق بودم، چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود، تاحق تعالیٰ مرا بحالِ لطف و تمام فضل خود عصمت را با استقبالِ دل بپارہ من فرستاد، بر حمتِ خلاصی ارزانی داشت و آنکہ شد محل جزلی نفاذ ۱۸

پروفیسر نکلسن نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

”ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔
ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس سلسلے میں اپنے رائے کا اظہار یوں کیا ہے:
”شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ خوش آئند ثابت نہ ہوا ۱۹

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

”میور (۱۲۸۹) یہ خیال کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت بغیر شادی کے رہے۔
سید صباح الدین عبدالرحمن رقمطراز ہیں:
”تعلقات زناشوی سے پاک رہے ۲۰

مگر اسی محل عبارت سے جناب محمد دین فوق مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت نے ایک شادیاں کیں، لکھتے ہیں:

”حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی کہاں ہوئی جہاں انھوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا، مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا، اور میں خیال کا بہت میں دل بجان بن دیکھے

۱۷ تصدیت اسلام، طبع سوم، ص: ۲۷ ۱۸ کشف المحجوب طبع سمرقند، ص: ۲۲۰

۱۹ دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ نکلسن) ص: ۱۰

۲۰ مقدمہ کشف المحجوب، سنہ مولوی محمد شفیع شہداء، ص: ۲۷ ۲۱ ہزم صوفیہ، ص: ۷

ہی گرفتار ہو گیا۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ یحییٰ بن یساک کی زنجیروں میں جکڑ
 دیئے گئے تھے۔ اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا، معلوم
 ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی
 یحییٰ بن یساک کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی۔
 پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

”چنانچہ (داتا صاحب) لکھتے ہیں: ”ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا،
 یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور
 بخشش اور رحمت سے مجھے خلاص و طاق کی۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے
 بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے تا دمِ دصال نکاح کا نام
 نہیں لیا.....“

فوق صاحب نے اس عبارت کا محض ترجمہ نقل نہیں کیا اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے
 وہ بھی درست نہیں۔ لہذا زیر بحث اقتباس کا ترجمہ میاں بخش کرنا ضروری ہے۔
 داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا
 ہوا تھا۔ مگر یہ تقدیر الہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہو گیا اور میرا ظاہر و باطن اس
 (کسی عورت) کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہو گیا، اور اسے
 دیکھ کر میری ایک سال تک اس کے خیال میں شغور رہا۔ چنانچہ قریب تھا کہ میرا
 دین تباہ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ لطف اور فضلِ تمام سے عصمت (گناہ سے
 بچنے کی تربت) کو میرے بے پارہ دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے
 (اس فتنہ) سے نجات دلانی تھے۔“

اس عبارت پر غور کیا جائے تو حسبِ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(۱) حضرت نے نکاح کیا تھا، مگر اہلیہ جو ان کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں۔ پھر گیارہ سال

۱۔ داتا گنج بخش علیہ السلام: ج ۱۳-۱۴ لکھ کشف المحجوب طبع سہ ماہی: ۲۶۶

تک تزویج کے تصور و خیال سے بھی نا آشنا ہے۔

(ب) گیارہ سال بعد ایک عورت جسے انھوں نے دیکھا بھی نہیں تھا، محض دوسروں سے اس کی خبریاں معلوم ہونے پر اس کی محبت میں میر ہو گئے اسی ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا ہے۔

(ج) صوفیہ کے نزدیک عشق مجازی میں گرفتار رہنا، ابتلا میں مبتلا رہنا ہے۔ یہ حضرات مجاز میں گواری کو محبت و آفت کہتے ہیں اس لئے کہ یہ منزل نہیں ہے الْمَجَازُ قُطْرٌ وَالْحَقِيقَةُ تَوْقِدُتُ النَّارِ نے انھیں مجاز سے نکال کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا اور جو لوگ صورت ظاہری اور مظاہر عسوسہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں وہ برباد ہو جاتے ہیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں:

ہر کشتہ در عشق صورت مبتلا ہم ازلی صورت فتنہ و صدمہ

حاصل کلام یہ کہ حضرت نے ایک شاہی کشتی، البیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خبروں پر فریقتہ ہو گئے جسے انھوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہنے والا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرمادیا۔ لہذا دوسری شاہی کشتی کا افسانہ محض اختر مایع ہے۔

تصانیف

حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نواد تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ بعض کے سرکہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے۔ بہر حال ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ دیوان۔ اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا د کشف، ص ۱۱، مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعہ شاہ عربی میں تھا یا فارسی میں، اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا۔ اس کے باوجود کشف الاسرار کے دوا میں نے ان کا قلم تخلص گھر کر ایک غیر میاری غزل اور چند اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔

۲۔ کتاب فنا و بقا۔ مسئلہ فنا و بقا میں (کشف، ص: ۹۷)

۳۔ اسرار الخرق والمونيات۔ ظاہری اور باطنی مرتبہ کے آداب میں (کشف، ص: ۹۳)

اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں

اسرار الخرق والمونيات صحت ہے۔

۴۔ الزماہیت بحقوق اللہ تعالیٰ: سبائی و حیدر دکن (ص: ۳۹۰) اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضریہ متوفی سنہ ۱۰۰۰ھ کی ہے جو کشف المحجوب کے مآخذوں میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابو عبد اللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م سنہ ۲۲۳ھ) کی تصنیف میں ہے جو لندن سے چھپ چکی ہے۔

۵۔ کتاب البیان لاہل العیان - در معنی جمع و تفرق (دکن: ۲۲۳)

۶۔ سخراقلوب - مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے (دکن: ۲۲۳)

۷۔ منہاج الدین - طریقت نقیوت اور مناقب اصحاب متہ میں ہے اور حسین بن منصور علاج کا حال بھی بیان کیا ہے (دکن: ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰) دیوان کی طرح اسے بھی کسی سنہ اپنی طرف منسوب کر لیا۔

۸۔ ایمان - ایمان اور ثبات اعتقاد شائع میں ایک سلا لکھا جس کا نام نہیں بتایا (دکن: ۳۹۸)

۹۔ شرح کلام منصور - حسین بن منصور علاج کے کلام کی شرح (دکن: ۱۹۲)

ثرد کو فکلی کا سہو۔ فاضل برصوف نے حضرت شیخ کی تصانیف میں ایک نام قرق و فرق دیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کشف المحجوب کے ایک باب کا نام ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب نے بغداد شریف کے فواح میں ملاحدہ کا ایک ایسا گروہ دیکھا جو حضرت حسین بن منصور علاج رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کا مدعی تھا اور ان کے کلام سے اپنی زندگی و تقیت کو سہارا دیتا تھا اور علاج کے معاملہ میں مبالغہ کرتا تھا جس طرح کہ ردائق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت میں غلو کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

”اندر مذکورات ایشان بابی بیادرم اندر فرق و فرقی انشاء اللہ عزوجل“

”بابی بیادرم“ سے ثرد کو فکلی کا ذہن یا ایک مستقل تصنیف کی طرف متقل ہو گیا حالانکہ اس

کی معتمد و محشی کشف المحجوب کا تیر حواں اور مطبوعہ سمرقند کا یہ چودھواں باب ہے۔

”باب فی فرق فرقیہم و مذاہبہم و آیاتہم و مقاماتہم

و حکایاتہم“

یہ مقدمہ کشف المحجوب از ثرد کو فکلی طبع تہران ص: ۵۰ لکھ کشف المحجوب طبع تہران ص: ۱۹۲

نہالہ لکھ المحجوب طبع تہران ص: ۲۱۸

کشف الاسرار: آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحب کی طرف منسوب ہے۔
جہ غالباً پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا۔ پھر اس کے متعدد اردو ترجمے شائع ہوئے۔ طرز
یہ کہ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحب کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استناد کرتے رہے۔
حالانکہ یہ رسالہ بڑا بڑا حال اپنے وضعی ہونے کی خود شہادت دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حال
مقالہ پھر بھی لکھا جائے گا۔ سر دست اس کی صرف نقاب کشائی کرنا مقصود ہے۔

(ا) کشف الاسرار کے جعلی ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ یہ سبک ہندی میں ہے اور کشف المحجوب کی نثر
دور اول یعنی دور سامانیاں کی ہے اور ان دونوں کی زبان میں فرق کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(ب) اس کا مولف اپنے پراگندہ خیالات کو ایک مشہور و معروف بزرگ کے نام سے مشہور دیکھنے کا
خواہاں تھا، یا اپنے کسی بڑے (جیسا کہ حسام الدین کا نام لیا ہے) کو داتا صاحب سے پہلے کا بزرگ
ثابت کر کے اپنی دکان چمکانا چاہتا تھا، علمی اعتبار سے بھی بے مایہ ہے۔

(ج) یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے
یعنی حضرت داتا صاحب کے کئی سو سال بعد۔ مگر کشف الاسرار کا واضح لکھا ہے،

”بعنم اگر ہفت ہزاری گردی چشد مشتبہ گرد ہستی نہ“

ہفت ہزاری کی بات تو کچھ ایسی ہے کہ آج کوئی صاحب اپنے ابا جان کا تذکرہ لکھنے نہیں

تو یہ بیان فرمائیں کہ دائرہ اسے ہند نے انھیں اعلیٰ خدات کے صلے میں ستارہ خدمت کا خطاب
عطا کیا تھا۔

لے اس رسالہ پر سن اشاعت تقریباً نہیں مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بیان ہے کہ چھ صدق کا ایک رسالہ فقر نامہ
مشہور یہ کشف الاسرار کے نام سے کشف المحجوب ہی پر معنی کر کے شاید ۱۸۷۰ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا۔
(مقالات دینی دہلی حصہ اول ص: ۱۲۸)

۱۷۷۰ء حضرت داتا صاحب کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر گئی اور مزار میں کے مجاوروں نے یہ مشورہ کر دیا کہ یہ
داتا صاحب کے پہلے کے بزرگ ہیں اور داتا صاحب یہاں حاضری دیتے تھے ہیں۔ چنانچہ سید احمد قزوینی
کی صاحبزادیوں کے مزارات (قبر بی بیان پاکداس) کے مجاوروں نے وجہ آخر کے نفعوں سے یہ لکھوا دیا
کہ یہ سیدزادیاں کر بلا کے حادثہ فاجعہ کے بعد لاہور آگئی تھیں ۱۰۱۰ھ حضرت پیر کی کے مجاوروں نے غلام میں پیشکش
کر رکھا ہے کہ داتا صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضر کاویں۔ صوفیہ ہی نہیں بلکہ سنی
لوگ تو حضرت پیر کی کو حضرت داتا صاحب کا استاد کہتے ہیں چوتھے وزیر وزیر۔ مگر کشف الاسرار طبع لاہور میں ۱۲۷۰ھ

(۵) لکھا ہے..... پسری تولد شد امام بخش نام سادہ.....
 ظاہر ہے کہ داماد صاحب کے زمانہ میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

(۶) آخر سال میں تحریر ہے :
 ”از گفتہ من رہی نہ کنی و غفہ نہ کنی کہ من است گفتہ ام ع
 بر رسولان بلاغ باشد و من“

سعدی کا مصرعہ داماد صاحب کا نقل کرنا کراست ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

(۷) لکھا ہے :

”اے علی! ترا خلق می گوید گنج بخش دانہ پیش خود نہ داری
 در دل خود جامہ کہ پندار است گنج بخش و در حق است“

کشف الاسرار پر اکتفا کرنے والے مولفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شیخ علی بھوری
 اپنی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب ہو گئے تھے مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت
 شیخ اس صبح اور جانز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے۔ مفتی غلام سرور نے جو
 یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ حسین الدین اجمیری قدس سرہ نے انھیں گنج بخش کہا، قدیم تذکرہ
 لغویات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(۸) اس و ضاع (مؤلف کشف الاسرار) کی دین سے خبرداری ملاحظہ ہو :

”در تفسیر آمدہ است و از حسام الدین لاہوری شنیدم اگر

مردی بر گویہ مادر و پدر سجدہ کند کا فر نمی شود“

اب کشف الاسرار اور کشف المحجوب کے بیانات میں تضاد ملاحظہ ہو :

کشف المحجوب

کشف الاسرار

علی بن عثمان بن ابی علی البجلالی

از قبلہ خود شنیدہ بودم

شم البھوری

زاد من بھویراست

۱۔ کشف الاسرار طبع لاہور ص: ۱، ۲۔ کشف الاسرار ص: ۸، ۳۔ کشف الاسرار ص: ۵

۴۔ کشف الاسرار ص: ۳، ۵۔ کشف الاسرار ص: ۲

یعنی ہجویران کا دوسرا مسکن تھا۔

..... :مشتوق بجز دجان خودما

فدای او کن و بگو کہ اگر جان حصہ او

فدا شود... ہر است :۱۷

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از بس

آنکہ مرا حق تعالی یازده سال از آفت زد

نگاہ داشتہ بود ہم بہ تقدیر دی بختہ اند

انقادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ

بامن کردندی آن کہ ریت ہر وہ دیک

سال مستغرق بودم چنانکہ نزدیک بود

کہ دین من تباہ شود تا حق تعالی بہ کمال

لطف و تمام نصیب خود رحمت بہ استقبال دل برد

من فرستاد و بر رحمت خلاصی اندالی داشت

والحمد للہ علی جزیل نعمائہ :۱۸

حضرت داتا صاحب عشق مجازی سے نجات پر خدا کا شکر بجا لارہے ہیں۔ اس لئے

کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کا خطرہ تھا اگر صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی توفیق

کدہا ہے۔ اگر اس سے عشق حقیقی مراد ہو تو یہی یہ داتا صاحب کا انداز بیان نہیں ہے۔

چوں در بندستان آدم فوجی لاہور

را جنت مشال یافتہ گے

من اندد دیا بہ بند در پردہ لہا نور کہ اند

معافات ملتان ہاست در بیان نامہ

گرفتار شدہ ہووم گے

کشف المحجوب کی عبارت تو یہ واضح کر رہی ہے کہ حضرت داتا صاحب لاہور میں اپنے آپ

کو نا جنسوں میں قید سمجھ رہے ہیں اور کشف الاسرار ان کے لئے اس ماحول کو جنت مشال قرار

دے رہی ہے اور داتا صاحب کے زمانے میں لاہور کو لہا نور یا لہا نور وغیرہ لکھا جاتا تھا۔

لاہور اس وقت نہیں لکھا جاتا تھا۔

۱۷ کشف المحجوب، طبع سر قند، ص: ۲۲۷

۱۸ کشف الاسرار، ص: ۲۰

۱۹ کشف المحجوب، طبع سر قند، ص: ۱۵۱

۲۰ کشف الاسرار، ص: ۳۰

بیت و اشعار بسیار گفتہ ام دیوانی گفتہ
 بہارِ مطہر و پسندیدہ و از تکرار خود گزینان
 برآمدہ : اے طالب من ! ہر روز برآ
 ویدان و دیدار یار می روم، لیکن گاہی گنج
 جگر من آن ما و خندان می آید و دیوان
 را بدین حالت گفتہ بودم وقتی کہ روی
 یار ویدی غزل اندام بے فکر آمدی
 صاف فکری نہ کردہ ام۔ لے

..... مرا ایں حاوٹ افناد دوبارہ کی
 آنکہ دیوان شعرم کسی خواست و باز
 گرفت و اصل مستہ جزاں نہ بود، آن
 جگہ جگر و انید و نام من از سہ آں
 بینند و مستی من ضائع گردانید
 کتاب اللہ علیہ : لے

کشف الاسرار کے ان اقتباسات سے واضح ہے کہ یہ انداز بیان اور طرز زندگی صاحبِ محترم
 و اما صاحب کا نہیں ہے۔ اور انھوں نے اپنے دیوان کے سرفہ کا ذکر بڑے دکھ کے ساتھ کیا
 ہے نیز پوری کشف المحجوب میں اپنا کوئی شعر درج نہیں کیا۔ مگر اس دفتار نے ایک غیر معیار
 غزل اور دو شعر بھی ان کے سر منڈھ دیئے ہیں۔

کارین کرام کی تفریح طبع کے لئے ایک اور اقتباس نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں:
 ”پیری بو و شیخ بزرگ نام ادیشان مرا گفتند کہ اے علی کتابی درین عمر
 تصنیف کین کہ یادگاری تو بہ اند گفتہ یَا اَیُّهَا الشَّيْخُ اِنَّ لَا یَعْلَمُ مَنْ عِلْمُ
 بسیار چسپید سن من الحال اشنا عشر کہ ہستند، در میان ہمیں عمر در بلکہ بخویر
 تصنیف کردہ ام، اود۔ ا و ادم او مرا گفت کہ تو بزرگ خواہی شد..... لے

اس زبان کی خوبیاں اور لطافتیں تو عیاں ہی ہیں مگر کشف المحجوب میں اس واقعہ کا
 کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تفریح طبع کا سامان اس میں یہ ہے کہ اس کا نعت چونکہ لاہور کا
 باشندہ ہے اور یہاں بے حد اصرار کرنے والے کو کہتے ہیں ”چھڑای گیا۔ اے یعنی چٹ
 ہی گیا ہے۔ لہذا اس نے شیخ بزرگ کے بہت زیادہ اصرار کو ”بسیار چسپید“ کے

لے کشف المحجوب، ص ۲۰

لے کشف الاسرار، ص ۷

لے کشف الاسرار، ص ۳

کے ذریعے واضح کیا ہے۔

کشف المحجوب

حضرت داماد گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف حقیقت کشف المحجوب جو انھوں نے آغوشِ رحمتِ خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے، مسائلِ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک ہمیشہ ہانگیندہ اور اولیاءِ متقدمین کے حالاتِ بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے۔ نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ کشف المحجوب کا طبع کے لئے رہنا ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولتِ عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے۔ اور شک و شبہات کی راوی میں بھگنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے محاباتِ اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس تدار و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ اکابرِ اولیاء اللہ نے خود اس سے استفادہ کیا اور طالبانِ حق کو اس سے مستفید ہونے کی تلقین فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں ناقصوں اور کاملوں کے لئے سامانِ ہدایت موجود ہے اور اس کے برعکس بعض کتب تصوف فصوص الحکم وغیرہ میں صرف خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے رہنمائی ہے اور ناقصین کے لئے حیرانی و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۱۔ اگرچہ "کتاب الشرف لہذیب اہل التصوف" (عربی) تالیف امام ابو بکر بخاری کلابادی قدس سرہ (م ۳۸۵ھ یا ۳۹۰ھ) کی تفسیر فارسی شروح بنام "شرح معرفت" تالیف امام ابراہیم بن اسماعیل مستطی بخاری قدس سرہ (م ۳۳۳ھ) جو ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۲ھ میں پہلی بار لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ کشف المحجوب سے پہلے لکھی گئی تھی۔ مگر مستقل تصنیف نہیں بلکہ عربی متن (تعرفت) کی فارسی شرح ہے۔

وجہ تسمیہ و کیفیت کشف المحجوب

کشف المحجوب حضرت دامادِ پنجش رحمتہ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے جو انھوں نے جناب ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر لکھی ایمان کے سوالات کی اساس پر یہ نورانی مہینہ تیار ہوا۔ اس مبارک کتاب کی وجہ تسمیہ اور غایت تصنیف حضرت شیخ کے قلمِ مجاہد رقم لے کر لکھی ہے۔

”یہ جو میں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کو کشف المحجوب (چھپاؤں کو عیاں کرنے والی) کے نام سے موسوم کیا ہے اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے موضوع اور مطالب کو عیاں کر دے اور اصل بصیرت اس کا نام سننے ہی جان لیں کہ اس میں کیا ہے اور یہ واضح کرے کہ اولیاء اللہ اور عزیزانِ بارگاہِ خداوندی کے سوا تمام عالم (دو عالمیاں) رموز و اسرارِ خداوندی کے حقائق کو سمجھنے سے محجوب و مستور ہیں چونکہ یہ کتاب سیدِ راہ بنانے اور عارفانہ کلمات کی تشریح و توضیح اور بشریت کے حجاب رفع کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لہذا اسے کسی اور نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حجاب کا اٹھنا محجوب (پوشیدہ) کی موت ہوتا ہے۔ اسی طرح حجاب کا اٹنا کشف (ظاہر شد) کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔“

حضرت نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تحریر فرمائی اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔ وہ ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں:

”اس وقت اس سے زیادہ ممکن نہیں اس لئے کہ میری کتابیں غزنی (حرمِ شاہ) میں رہ گئی ہیں اور میں ہند کے شہر لاہور میں جو مصنفاتِ ملتان میں سے ہے صاحبوں کے درمیان گرفتار ہوں۔“

حضرت نے اپنی کتابوں کے غزنی رہ جانے کا جو ذکر کیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان کے پاس کتابیں بالکل نہیں تھیں بلکہ وہ شاکی اس کے ہیں کہ ایک متبحر عالم اور فاضل مصنف کچھ جس بہتات

سے کتابوں کی نہایت ہوتی ہے، وہ میان پوری نہیں ہو سکتی تھی۔
 پروفیسر غنیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

”امام قشیری کی طرز شیخ بھیری نے تصوف کو اسلامی شریعت کے قریب لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، شیخ کے خیالات میں بڑی صفائی اور آغاز بیان میں بڑی گیرائی ہے، تصوف کی کتابیں اب تک عربی میں تھیں اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے۔“
 پھر لکھتے ہیں:

”شیخ بھیری کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔“
 شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی رباعات، شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ بھیری نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعہ تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے متکم ہونے کا سلسلہ ہم پہنچا پایا ہے۔“

کشف المحجوب

صوفیہ کرام اور مریدین کی تقریریں

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الہی دہلوی قدس سرہ (م ۷۵۰ھ) کی مناسبت اہم رائے ان کے محفوظات و در نظامی (خطی) مرتبہ شیخ علی محمد جاناں صاحب نے لکھی۔
 یہ نظامی حرام ہے یہ فیشن کے لادہ پر لکھ دیا ہے۔ دگر وہ جاتے ہیں کہ تصوف اور شریعت جدا جدا نہیں ہیں۔

۱۰۰۰ء تاریخ مشائخ چشت طبع دہلی، بار اول ۱۳۵۲ء، ص ۹۸

۱۰۰۰ء ایضاً، ص ۹۹

۱۰۰۰ء ایضاً، ص ۱۰۲

۱۰۰۰ء در نظامی کا اردو ترجمہ دہلی سے چھپ چکا ہے مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔

marfat.com

Marfat.com

”ومی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف علی ہجویری است قدس اللہ بکرہ العزیز
اگر کسی را پیرانہ باشد، چوں این را مطالعہ کند ادا پیدا شود.....

من این کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام۔

چنانچہ حلقہ بگوشان حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ، جن کتب تصوف کے
مطالعہ کے شائق تھے ان میں کشف المحجوب شامل تھی۔ برنی لکھتا ہے :

”واثرات واکابر کہ بخدمت شیخ پیوستہ بودند در مطالعہ کتب سلوک

صحائف احکام طریقت مشاہدہ می شد و کتاب قوت القلوب احیاء العلوم

و ترجمہ احیاء العلوم و عوارف و کشف المحجوب و شرح توفیق و رسالہ

نیشری و مرصدا العباد و مکتوبات عین العقائد و لوائح و لامع قافی حمید الدین

ناگوری و فوائد الفوائد امیر حسن را بواسطہ محفوظات شیخ خریداران بسیار

پیدا آمدند و مردمان بیشتر از کتابان از کتب سلوک و حقائق باز پرس کردند

سلطان اتارکین حمید الدین حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ (دم ۸۳۷ھ) خلیفہ حضرت شیخ

رکن الدین سرودی طنائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد ارشد (حضرت رکن الدین)

کی شان میں متعدد مدحیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایک نظم میں اپنے مرشد کے کمالات کو تیس معتبر

کتب کے اسماء سے بیان کیا ہے۔ کثافت اور کشف المحجوب کی بندش ملاحظہ ہو۔

گشت کثافت کشف ہم محبوب — ہم قاسم ہنیم ذوالاقدار کے

شہزادہ محمد داراشکوہ (دم ۹۶۹ھ) نے لکھا ہے :

”حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب

مشہور و معروف است و هیچ کس را بران سخن نیست و مرشدی است کامل

۱۔ بحوالہ تصوف اسلام از عبد الماجد دریابادی طبع اعظم گڑھ، بار سوم، ص : ۵۲

۲۔ تاریخ فیروز شاہی برنی سرسید پبلیکیشن کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص : ۲۴۶

۳۔ گلزار (دیوان حاکم) مرتبہ قاسمی طبع لاہور، ۱۹۴۶ء، ص : ۱۳۰

در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابی تصنیف نہ شدہ لہ
شیخ محمد اکرم براسوی صابری علیہ الرحمۃ (د م ۱۱۵۹ھ) اپنی مشہور تصنیف اقباس الاولیاء
ج ۱۳۲ھ میں لکھی گئی۔ میں رقم طراز ہیں :

”صوفیہ کے طبقہ اول میں علوم و اسرار مشائخ، طالبوں کو رموز و اشارات
میں تعلیم کئے جاتے تھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور چند
تصانیف بھی ان کی تھیں، جنہیں عوام پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر طبقہ ثانی میں
جب سید الطائفہ جنید بغدادی، خواجہ ابوالحسن نوری، خواجہ ابوسعید خرازمی
خواجہ ابوبکر شبلی کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے رموز و اشارات یعنی اخفا
کے طریقہ کو ترک کر کے طالبوں کو ان علوم کا ملانیہ درس دینا شروع کر دیا،
اس وقت سے ہر سلسلہ کے مشائخ نے تصوف پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں
جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی لہذا اس موقع پر صرف ان چند معتبر
کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا مطالعہ جمیع مشائخ کا معمول سے پہلی
کتاب جو خانوادہ جنیدیہ میں لکھی گئی طبقات صوفیہ تصنیف ابوالحسن علی
ہے، اور اس کے بعد شیخ علی بن عثمان ہجویری غزنوی جنیدی نے
کشف المحجوب لکھی.....“ (ترجمہ بتعزیر میر)

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم (د م ۱۳۳۸ھ) لکھتے ہیں :

”شیخ علی ہجویری ما تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب از مشہور
معروف ترین کتب دی است و هیچ کس را بروی جائے سخن نی، بلکہ پیش
ازیں در کتب تصوف هیچ کتابی بہ زبان فارسی تصنیف نہ شدہ بود کہ
محمد بن عبدالوہاب قرطبی (ایران) مقدمہ تذکرۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں :

لہ سفینۃ الاولیاء طبع کا پورہ ص ۱۲۴

لہ اقباس الاولیاء (فارسی) مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ۱۹۹۵ء ص ۲۹۰

لہ خزینۃ الاصفیاء طبع لکھنؤ، جلد دوم، ص ۲۴۲ -

marfat.com

Marfat.com

”ولی در زبان فارسی آنچه در نظر است دو کتاب است کہ قبل از
تذکرۃ الاولیاء تالیف شدہ یعنی کشف المحجوب لاریاب القلوب لابی الحسن علی
بن عثمان البجلانی البجوری الغزنوی المتوفی سنہ ۴۶۵
و دیگر ترجمہ طبقات الصوفیہ نسلی کہ آں را شیخ الاسلام
ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الغزنوی المتوفی ۴۸۱ در مجالس مخط
و تذکیر اظاہرودہ“

کشف المحجوب بحیثیت مأخذ کتب تصوف

کشف المحجوب کو صوفیہ کرام کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں
کا مأخذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے — حضرت خواجہ فرید الدین عطار حمزہ اللہ
علیہ (م ۷۴۲ھ) نے اپنی معروف ترین کتاب تذکرۃ الاولیاء میں کشف المحجوب سے صوفیہ
مستقذین کے حالات اور ان کے اقوال معمولی سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ نقل کئے ہیں۔
ملک الشرا بہار نے لکھا ہے:

”عطار ظاہراً از کتاب کشف المحجوب استفادہ کردہ است و غالباً
عبادات آں بدون ذکر خود کتاب یا مؤلف با اندک تشریف کہ تبدیل کنند
بہ نو باشد نقل نمودہ است“

ملک الشرا بہار نے سبک شناسی (ص: ۲۰۹-۲۰۹) میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش
کی ہیں۔

لہ کشف المحجوب کے نام کے ساتھ ”لاریاب القلوب“ کا اضافہ غلط ہے اس غلطی کا سبب آئندہ بیان ہوگا۔

لہ مقدمہ تذکرۃ الاولیاء طبع تہران بارہم، ص: ۸

لہ سبک شناسی یا تاریخ و طور نشر فارسی از شادریان محمد تقی بہار ملک الشرا ”جلد دوم

طبع تہران بارہم، ص: ۳۶۰

روسی مستشرق ڈاکٹر نسکی کی تحقیق یہ ہے:

”شیخ عطار در تذکرۃ الاولیاء، خود مکرر از کشف المحجوب، بحوری
جلابی عزیزی استفادہ کردہ و در موارد متعدّد بدون ذکر یاخذ، از او
اقتباساتی کردہ است و در اغلب این موارد فقط بذکر عبارت (نقلست)
اکتفا در زیدہ“

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیاء میں صرف دو مقام پر حضرت
داتا گنج بخش قدس سرہ کا اسم گرامی تحریر کر کے ان کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اول سیدنا
حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (م ۱۵۰ھ) کے حالات میں، دوم حضرت ابن عطا
رحمۃ اللہ تعالیٰ (م ۱۵۰ھ) کے ذکر میں۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا استفادہ:

نفحات الانس میں مولانا جامی نے کشف المحجوب سے چند بزرگوں کے حالات
لئے ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ خٹلی قدس سرہ کے حالات کشف المحجوب ہی سے ماخوذ ہیں۔
اسی طرح دیگر مقامات پر بھی اخذ و استفادہ کیا ہے۔ اس موقع پر یہ واضح کرنا ضروری
ہے کہ زمانہ قدیم میں اخذ و استفادہ کا یہی طریقہ تھا لہذا اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔
حضرت خواجہ شرف الدین عجمی منیری قدس سرہ (م ۸۱۲ھ) اپنے مکاتیب شریفہ
میں کشف المحجوب کی عبارات بطور سند نقل کرتے ہوئے، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

”صاحب کشف المحجوب کہ مقتدا الی عصر خود بودہ است“

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر کھننی قدس سرہ (م بعد از ۸۱۵ھ) کے مجموعہ ملفوظات

۱۔ ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب معجم ڈاکٹر نسکی طبع تہران، ص ۹۰

۲۔ تذکرۃ الاولیاء، طبع لاہور، ص ۱۲۳، طبع تہران حصہ اول، ص ۱۹۰

۳۔ ایضاً، ص ۲۵۰، طبع تہران حصہ دوم، ص ۵۸

۴۔ صدی کتبائے از شیخ عجمی منیری، طبع لاہور ۱۳۱۹ھ، حصہ اول، ص ۲۹۰

marfat.com

Marfat.com

لطائف اشرفی مرتبہ حضرت نظام غریب امینی میں متعدد مقامات پر کشف المحجوب کے حوالے
لئے ہیں: مثلاً

۱۔ "می فرمودند کہ صاحب کشف المحجوب را..... لے

۲۔ "صاحب کشف المحجوب گوید..... لے

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲۲ھ) کا استفادہ:

حضرت خواجہ پارسا نے اپنی مایہ ناز تصنیف فصل الخطاب کی متعدد فضول اور

مختلف مقامات پر کشف المحجوب کی عبارتیں نقل کی ہیں اور نہایت تعظیم و تکریم سے حضرت
و اما گنج بخش کا ذکر کیا ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"شیخ عالم، عارف، زاہد، مجاہد شیخ الشیوخ قدوة اہل الطريقة

کا کشف اسرار بحقیقت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الغزنوی رحمۃ اللہ

کہ اذہا قرآن سلطان طریقہ و برہان حقیقت شیخ ابوسعید بن ابوالخیر

فصل اللہ بن محمد بن احمد المہسنی است قدس اللہ تعالیٰ روحہ و اقتدائی

ہر دو بزرگوار طریقیت بزمین او تاود شیخ عباد ابوالفضل محمد بن الحسن السرخسی

است قدس اللہ روحہ و در کتاب کشف المحجوب لا باب القلوب آوردہ

است..... لے

التباس حضرت پارسا رحمۃ اللہ

حضرت خواجہ پارسا رحمۃ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری اور حضرت

ابوسعید بن ابی الخیر (رحمۃ اللہ) حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن سرخسی رحمۃ اللہ کے مرید تھے،

صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے پیران طریقیت کا ایک ہی نام تھا مگر ممکن

لے لطائف اشرفی طبع دہلی ۱۲۹۵ھ، جلد اول، ص ۱۱۲، س ۱۵۔

لے ایضاً جلد دوم، ص ۵۸، س ۱۹

لے فصل الخطاب غلطی، ص ۱ (ملکوت حضرت ملا ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ العالی۔ لاہور) یہ کتاب
ناشہ قدس طبع ہر جگہ ہے لیکن بیاں کیا ہے۔

ملیحدہ علیحدہ۔ — محض ہم نامی کی وجہ سے انہیں یہ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت ابوسعید کے حالات کے سلسلے میں کشف المحجوب میں بتایا گیا ہے کہ ان کے مرشد سرخس میں رہتے تھے۔
 ”دورانِ وقت والی سرخس شیخ ابوالفضل حسن بوذلی“

مولانا جامی قدس سرہ نے شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہ کے حالات کے شروع میں لکھا ہے :

”شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہ نام وی محمد بن الحسن است،
 وی مرید ابونصر سراج است۔ پیر شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے
 پیر شیخ ابوسعید کے حالات میں رقم فرمایا ہے :

”پیر وی در طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔ تہ
 ہم نامی کی وجہ سے جو التباس و اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر
 حضرت داماد صاحب کے مرشد ارشد کے حالات لکھتے وقت شروع ہی میں وضاحت کر دی ہے“
 ”ابوالفضل محمد بن الحسن اکتلی قدس سرہ وی غیر ابوالفضل بن حسن
 سرخسی است۔ تہ“

معلوم ہوتا ہے کہ فضل الخطاب، حضرت خواجہ یعقوب چرخ غزنوی صاحب رسالہ
 ابدالیہ کے پیش نظر تھے لہذا انہوں نے فضل الخطاب کے اس بیان پر اعتماد کرتے ہوئے
 لکھ دیا کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر اور حضرت علی مجوری دونوں بھائی (پیر بھائی) تھے۔ اور
 خواجہ پارسا کے تتبع میں کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کا اضافہ بھی روا
 رکھا۔ کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کے اضافے پر بحث آگے
 آئے گی۔ انشاء اللہ۔

۱۔ کشف المحجوب، طبع تہران، ص ۲۰۶

۲۔ نقات الانس، طبع کھٹو، ص ۲۹۴

۳۔ ایضاً، ص ۲۹۰

۴۔ ایضاً، ص ۲۰۰

۵۔ فرست مخطوطات ناریہ انڈیا انس لائبریری نمبر ۱۰۴۴ (۱)

marfat.com

Marfat.com

حضرت ابو فتح سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ تبارک و العزیز (م ۸۲۵ھ)
حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنی بے مثل تصانیف میں کشف المحجوب کے
حوالے دیے ہیں۔ ان کے مکتوبات شریف کا مجموعہ پیش نظر ہے۔ ایک مکتوب میں
لکھتے ہیں:

”آن محقق مدقق آن شیخ برحق آن صوفی معنوی و صوری ابو علی عثمان

(علی بن عثمان) جویری قدس نقل کردہ است“ لہ

ان مکاتیب شریفہ کا متن اغلاط سے پر ہے۔ مجمع نے تصحیح کی امکانی کوشش کی ہے
مگر پھر بھی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ حضرت داماد صاحب کے اسم گرامی کو جو ”ابو علی عثمان“
لکھا ہے یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

شیخ محمد اکرم صابری رحمہ اللہ نے اقتباس الانوار کے ماخذوں کی فہرست اس کے صفحہ ۳
پر دی ہے۔ جس میں کشف المحجوب کا نام درج ہے۔

شبکوشتکی لکھتا ہے:

”ردتالیف و تدوین سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء،

نامہ دانشوران و طرائق الحکمتائق، نیز از کشف المحجوب

استفادہ ہای بسیار و اقتباسات مکرر و متعددی شدہ

است۔“ لہ

لہ مکتوبات حضرت خواجہ گیسو دراز مرتبہ مولانا رکن الدین ابو فتح ملا، قریشی طبع حیدرآباد دکن
۱۲۹۲ھ۔ ص ۸۰۱

لہ عصر حاضر کی مشہور تصنیف جو ایران کے متعدد مفتلا کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

لہ طرائق المحتائق تالیف نائب الصدراعاج میرزا معصوم بن رحمت علی شہا، قزوینی نعت اللہی
شیرازی ستونی ۱۳۳۳ ق ۲۰ جلد تہران (فہرست کتب ہاسی چاپی جلد اول از خان بابا شا
طبع تہران (کالم ۱۰۹۰)

لہ ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب طبع تہران ص ۶۱

مراجع و منابع کشف المحجوب

کشف المحجوب سے استفادہ و استفادہ کرنے والے اولیاء کرام اور مؤرخین کے ذکر کے بعد حضرت گنج بخش قدس سرہ کی نہانی تصنیف کے مراجع و منابع کا بیان اشد ضروری ہے ۱۔
 (۱) فیض عالم قدس - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - فَمَنْ يُرِِدْ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
 لِلْاِسْلَامِ (الانعام ۱۵۷) یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو اس کا سینہ
 اسلام کے لئے کھول دیتا ہے - اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى
 نُورٍ مِّنْ رَّبِّهِۦ - یعنی جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو وہ اپنے
 پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہوتا ہے - اور جسے حق تعالیٰ شرح صدر کی نعمت سے
 سرفراز فرماتا ہے تو اُسے اپنے انوار و تجلیات سے نوازتا ہے اور عالم قدس سے جو انوار اس کے
 قلب پر وارد ہوتے ہیں ان کی برکات سے کشف حقائق ہوتا ہے اور موزن حقیقت و امر و نہی
 مشکشف ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کا صحیح فہم و ادراک حاصل ہوتا ہے۔ غرض کہ
 حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیعت کا منبع اول یہی فیض عالم قدس ہے۔
 وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ

(ب) قرآن مجید

(ج) احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

پروفیسر ڈاکٹر کی نے کشف المحجوب کے دقیق مطالعہ کے بعد اس کے منابع و مأخذ طائش
 کئے ہیں اور اپنے مقدمہ کشف المحجوب میں ان کے نام درج کئے ہیں:
 ۱۔ تاریخ اہل صفہ - تالیف حضرت ابو عبد الرحمن سلمی متوفی ۵۸۷ھ (کشف ص ۹۹) حاجی خلیفہ
 نے کشف الظنون میں اس تالیف کا نام نہیں لکھا مگر تاریخ اہل الصفوۃ کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ
 یہ زیر بحث کتاب ہی ہو (جلد دوم - نمبر شمار ۲۱۶۰)
 ۲۔ کتاب سلمی - (کشف ص ۱۳۱) جو بعد میں طبقات الصوفیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

۳۔ کشف المحجوب کے صفات زیر چاپ تہران سے دیے گئے ہیں اور کشف سے مراد کشف المحجوب ہے۔

marfat.com

Marfat.com

- ۳۔ غائب قشیری - (کشف، ص ۱۴۱) جوال رسالۃ القشیریہ کے نام سے معروف ہے۔
- ۴۔ کتاب محبت - (کشف، ص ۲۹۹) تالیف عربین عثمان کی متوفی ششہ ۹۶۰ھ شیخ مطاع نے بھی تذکرۃ الاولیاء میں اس سے استفادہ کیا ہے (تذکرہ طبع لاہور، ص ۲۳۲)
- ۵۔ لمع (فی التصوت) تالیف ابو نصر سراج (یا فی نے مرآۃ البجنان میں لکھا ہے کہ اس کا سال انعام تصنیف ششہ ۷۷۷ھ ہے)
- ۶۔ تاریخ المشائخ - تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی (کشف، ص ۵۰)
- ۷۔ کتاب مقدسی - (کشف، ص ۲۲۳) ممکن ہے کہ یہ وہی رسائل انخوان الصفا ہوں جن کے مؤلفین میں سے ایک ابو سلیمان البستی المقدسی ہے۔
- ۸۔ حکایات عراقیاں - (کشف، ص ۵۱) از تصانیف شیوخ صوفیہ عراق۔
- ۵۔ حکایات - حضرت علی ہجویری قدس سرہ نے کشف المحجوب میں بابا بزرگ مالک ہے: اندر حکایات یہ ختم بنا بریں یہ واضح ہے کہ یہ کتاب کشف المحجوب کے ماخذوں میں سے ہے۔

منابع درجہ دوم

- مشہور ادب ہم کتاب میں جو کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت دوسرے درجہ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر ہیں ان کے نام یہ ہیں:
- ۱۔ تصانیف حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب کے بیان کے مطابق ان کی تعداد پچاس اور قطارہ و کتاب خورستان، فارس اور خراسان میں نشر جوعلی ہیں (کشف، ص ۱۹۱)
- ۲۔ تالیف ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی..... (کشف، ص ۲۱۴، ۲۳۲)
- ۳۔ رسائل ابو العباس سیاری - حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پیروں کو مرودار نسا میں دیکھا، لہذا یہ رسائل بھی ان ہی شہوں میں دیکھے ہوں گے۔
- ۴۔ رسائل حکیم ترمذی - یہ رسائل حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی توجہ کا مرکز ہے (کشف، ص ۱۷۸، ۲۲۹) ادمان کے نام یہ ہیں: بیان آداب المریدین ختم الولایت، کتاب المنہج نوادر الاصول (فی معرفۃ اخبار الرسول)

- ۵۔ کتاب سماع - از ابو عبد الرحمن نسلی (کشف، ص ۵۲۳)
- ۶۔ روایات - از ابو الفضل خلی مرشد بجوری رحمہما اللہ (کشف، ص ۱۱۰)
- ۷۔ غلط الواجدین - از تقایف ابو محمد روی - (کشف، ص ۱۸۰)
- اب ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مستقلاً حضرت بجوری قدس سرہ کا مراجع نہیں رہیں بلکہ کبھی کبھی ان کی طرف رجوع کیا گیا۔
- ۱۔ تصحیح الاراۃ - از تقایف حضرت جنید بغدادی قدس سرہ (کشف، ص ۴۳۹)
- ۲۔ الرعایہ بحقوق اللہ - از تالیف احمد بن خفروہ - (کشف، ص ۴۲۹)
- ۳۔ کتاب اندرا باحت سماع - مؤلف نامعلوم (کشف، ص ۵۲۳)
- ۴۔ کتاب اندر مرقعہ - از تقایف ابو محمد اسمعانی (کشف، ص ۱۱۰)
- ۵۔ کتاب رغایب - از تقایف ابو عبد اللہ الحارث بن اسد الحماسی، در اصل تصوف (کشف، ص ۱۲۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے۔
- ۶۔ مرآة الحكماء - از تقایف شاہ شجاع کرمانی (کشف، ص ۱۴۴)
- آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مذکورہ الصد کتب در رسائل کے علاوہ از تقایف تالیف بھی صاحب کشف المحجوب کے زیر نظر ہی ہیں جن کے معنیس و توفیق کے صفت اسماء گرامی تحریر کرتے ہیں۔ کشف المحجوب بھی رازی (کشف، ص ۱۵۳) تالیف ابو بکر وراق (کشف، ص ۱۴۹ و ۴۳۹) آثار سل بن عبد اللہ (کشف، ص ۴۳۹) کتب مشائخ (کشف، ص ۳۴۴) اور ابو حمزہ غفار و صوفیہ تصاریف کے اقوال کو نقل کئے ہیں۔ (کشف، ص ۳۲۸)۔

رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب

حضرت امام ابو القاسم قشیری قدس سرہ (م ۴۶۵ھ) حضرت شیخ علی بجوری

لہ کشف سے مراد کشف المحجوب ہے۔

۷۔ تغیر قبل از مقدمہ کشف المحجوب طبع تہران، ص ۶۰ - ۵۸ -

marfat.com

Marfat.com

قدس سرہ کے معاصر ہیں اور حضرت مخدوم بجوری نے ان سے ملاقات بھی کی ہے اور کشف المحجوب میں ان کی جلالت شان کے معترف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت داماد صاحب کاتنا بھی ہیں۔ مگر کشف المحجوب سے اس خیال کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی۔ امام قشیری نے الرسالة القشیریہ ۱۲۳۲ھ میں لکھنا شروع کیا اور اوائل ۱۲۳۳ھ میں مکمل کر لیا تھا اور رسالہ قشیریہ کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت حضرت داماد صاحب کے پیش نظر تھا۔ یہ دونوں کتابیں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ہم عصر بزرگوں کی تصانیف ہیں ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے اسے سمجھنے کے لئے درج ذیل آراء مفید ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر پیر محمد حسن مترجم و محشی رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں:

"بجوری نے اس کتاب (کشف المحجوب) میں قشیری کے رسالہ کا

تمثیل کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں

کوئی ذکر نہیں ہے۔"

مخدومی پیر صاحب نے حضرت داماد صاحب کو امام قشیری کا متبع سمجھنے کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ شیخ بجوری نے بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر کشف المحجوب کے تمثیل اور مقدمہ نگار ڈاکٹر کوٹلی نے قشیری کو حضرت داماد صاحب کے شیوخ صحبت میں شمار کرنے کے باوجود یہ تسلیم نہیں کرتا کہ بجوری نے اپنی تصنیف میں قشیری کا تمثیل کیا ہے۔ لکھتا ہے:

"الرسالۃ القشیریہ فی علم التصوف للامام العالم ابی القاسم عبدالکریم ہوازن

القشیری و کشف المحجوب بجوری مہلابی غزنوی، اولیٰ بتاری دوومی بیارسی

ہر دو از کتب طراز اول تصوف، و ہر دو در حدود اداسط قرن پنجم ہجری تالیف شدہ

است۔ باوجود درست کامل و مبنیہ، بہر بحث نہ در کیفیت و کثرت مسائل مورد نظر و نہ

در تعبیر و تفسیر مطالب مطروحہ هیچ گونه وجہ اشتراکی بین این دو اثر نفیس و اسرار مشاہدہ

نی شود و نقطہ گاہ گاہی در بعضی اصطلاحات فنی اندک مشابہتی بین آن دو ملاحظہ شود

لے مقدمہ رسالہ قشیریہ مترجم اردو طبع راولپنڈی ۱۹۷۹ء، ص: ۲۹

مردود (فی المثل قشیری گوید: المحمود الاثبات (ص - ۲۶ - رسالہ) و بجوری ہی فرماید:

النقی والاثبات (ص - ۹۲ - کشف) کا غیر: ۱۰

عبدالماجد دربادی، جو رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب میں سے کسی کے بھی دیباچہ لگا نہیں ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے:

”اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیریہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہے، دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کروئے پر اکتفا کی ہے، برخلاف اس کے مخدوم، بجوری ایک محققانہ، مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مباحثات و غیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں، اور مباحث سلوک پر توجہ و قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے، اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔“ ۱۱

سبک کشف المحجوب

ملک الشعرا ببار نے کشف المحجوب کی نثر کو دورِ اول یعنی دورِ سامانیوں میں شامل کیا ہے لکھتے ہیں:

”اس کتاب از حیث سبک بالاتر و امیل تر و بدورہ اقل تر و یک تر است، تا سائر کتب صوفیہ، دی قواں آل را یکی از کتب طراز اول شمر و کہ ہر چند در قرن پنجم تالیف شدہ و ہمیش از کتب قدیم دست خوش تازی و لغت ہی آل زمان است، اما باز تونہ سبک قدیم را از دست نہ آدہ و روی ہر فتنہ دارای سبک کندہ است۔ افعال و لغات کہنہ و غریب و استعمالات دورہ اول

۱۰ ترجمہ مقدمہ کشف المحجوب روی بخاری، طبع تہران، ص - ۵۰

۱۱ تصوف اسلام از عبدالمجاہد دربادی طبع سوم، ص - ۵۳ - ۵۲

بتماہا بدر کتاب دیدہ می شود و ازین گزشتہ اصطلاحات خاصی نیز از خود
 دارد کہ غالب آن را بعد ازین در کتب تصوف مصطلح گردیدہ است^۱۔
 اس کے بعد ملک الشیرانی نے ذیل کے مترادفات کے تحت داد و تحقیق دی ہے :
 لغات فارسی — اصطلاحات و کلمات تائید عربی — موازنہ و بیج — حذف افعال
 بقرینہ^۲۔

کشف المحجوب کے نام اور زبان کے بار میں غلط فہمیوں کا ازالہ

کشف المحجوب کے تمام قدیم خطی نسخوں میں اس کا پورا نام کشف المحجوب ہی لکھا ہے
 اور قدیم ترین مصنفین نے بھی اس کا یہی نام تحریر کیا ہے، مگر بعض مصنفین نے اس کا
 پہلا نام کشف المحجوب لارباب القلوب لکھا ہے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت
 خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصل الخطاب میں یوں لکھا ہے :
 ”در کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است“۔^۳

چونکہ کشف المحجوب حاجی خلیفہ کے پیش نظر نہ تھی، اس لئے انھوں نے کشف الظنون
 میں اس کا نام اور کیفیت فصل الخطاب سے نقل کی۔
 ثر و کوئی لکھتا ہے :

”دریں مورد می توان گفت کہ مشارالیه (حاجی خلیفہ) اصلاً خود
 متن کتاب کشف المحجوب را ندیدہ بودہ است، نہ براسم معمولاً حاجی خلیفہ ہر گاہ
 بحث از کتابہای کہ مختصاً برای العین دیدہ، آغاز و انجام نسخہ نیز نقل می کند
 دل در مورد کشف المحجوب چنین چیزی نیابدہ است“۔^۴

^۱ سبک شناسی یا تاریخ تطور فارسی ص - ۱۸۴۔ ۱۸۵ ایضاً۔ ص - ۱۹۷ - ۱۸۷۔
^۲ فصل الخطاب خطی ص - ۶۰ (ملوک حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری لاہور)
^۳ مقدمہ ثر و کوئی کشف المحجوب طبع تہران، ص - ۵۲۔

لہذا کشف الظنون پر اعتماد کرتے ہوئے متاخرین نے اس کا نام کشف المحجوب باب القلوب
لکھنا شروع کر دیا۔

پھر لکھا ہے:

”خواجہ محمد یار سا از غزالی طریقہ نقشبندیہ متوفی ہشت صد و بیست و
دو ہجری قمری، کہ در حدود دو قرن قبل از حاجی خلیفہ می زیستہ، در تالیف
خود بنام فصل الخطاب لوصول الاحباب اظہار داشتہ کہ کشف المحجوب
عنوان اختصاری کتاب ہجویری است و نام کامل آن چنین می باشد:
کشف المحجب المحجوب لارباب القلوب“

ادعاشیہ میں لکھا ہے:

”در فهرست آغاز نسخہ بدین عنوان آمدہ: کتاب کشف المحجب
لارباب القلوب باضافہ کلمہ تیسرے (نسخہ خطی دانش گاہ لینن گراڈ)
اس اقتباس میں ثرور کو فکلی کی بد باتیں محل نظر ہیں: اول یہ کہ فصل الخطاب کے
نام کے ساتھ لوصول الاحباب کا اضافہ غلط ہے۔ اس کتاب کا جو خطی نسخہ راقم السطور
کے پیش نظر ہے اس سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی دوم: حاجی خلیفہ نے اس کا نام
فصل الخطاب بنی المحاضرات لکھا ہے یہ پھر آگے چل کر ایک اور کتاب کا تعارف کرایا
ہے جس کا نام فصل الخطاب لوصول الاحباب ہے۔ کشف الظنون کی عبارت کا خط جو:
”فصل الخطاب لوصول الاحباب — منظوم فی اثنی عشرت

الف بیت للشیخ بدر الدین محمد بن محمد المعروف بابن رضى الدين الغزالي
م ۹۸۴“

۱۔ مقدمہ ثرور کو فکلی کشف المحجب طبع تہران م ۵۱۰

۲۔ ایضاً، حاشیہ ص: ۵۲

۳۔ کشف الظنون (ظہر گل ایڈیشن) نمبر ۹۰۵۸ جلد چہارم ص - ۳۲۲

۴۔ ایضاً، نمبر ۹۰۶۰

marfat.com

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ ژوکوفسکی کو کشف الظنون دیکھتے وقت غلطی لگی ہے۔ دوسرے جو یہ لکھا ہے۔

”فصل الخطاب میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشف المحجوب اختصاراً

نام ہے اور پورا نام کشف المحجب المحجوب لارباب القلوب ہے۔“

مجیب بات ہے۔ — ۱۱۔ صفحات پر مشتمل فصل الخطاب پیش نظر ہے اس میں ہیں تو ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ملا۔ اس کتاب میں سائنڈ سٹرنگ کے کشف المحجوب کے اقتباسات صرف کشف المحجوب کے نام سے نقل ہوئے ہیں بلا کسی وضاحت کا اور صرف یہ مقام پر اس طرف کے نام نظر آئے ہیں۔
۱۔ ”کشف المحجوب لارباب القلوب“

۲۔ ”کشف محجب المحجوب لارباب القلوب“

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ پارسیا جوش عقیدت اور کتاب کے موضوع کی مزید وضاحت کی خاطر اپنی طرف سے الفاظ بڑھاتے رہے ہیں۔ جیسا کہ نسخہ مخزومہ دانش گاہ سین گراڈ کی فہرست میں ایک تیسرا اضافہ یہ ہے: ”کشف ستر المحجوب لارباب القلوب“

غرض کہ فصل الخطاب کے مطالعہ ہی سے رسالہ ابدالیہ اور کشف الظنون کے مولفین کو اشتباہ ہوا ہے وگرنہ حضرت وانا صاحب کی کتاب کا نام صرف اور صرف کشف المحجوب ہی ہے۔

پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ یونیورسٹی) جو تجارت کے مسلمانوں کے اذہان کو کمپیوٹر کے ذریعے اثرات سے مسموم کرنے پر مامور تھے اسی لئے انہیں دارا شکوہ کے دور الحاد و مذمت کی تحریریں بہت پسند تھیں۔ یہ صاحب سلسلہ ۱۹۳۳ء میں کابل گئے تو بقول ان کے حضرت نورالشیخ غلام صاحب شور بازار رحمانی نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا۔ عربی اصل شائع ہو گئی فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس رائے کو قبول کر لیا اور آخر تک اس پر قائم رہے۔

۱۔ فصل الخطاب قلمی ص ۶۔

۲۔ انشا ص ۶۱۔

۳۔ سالہ مذکورہ انڈیا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جلد ۲ ص ۱۲ بحوالہ تاریخ متنازعہ ص ۹۰۔

خدا جانے حضرت نور المشائخ نے کیا فرمایا اور انہوں نے کیا سمجھا۔ بہر حال یہاں بالکل غلط ہے اس کتاب کی ترتیب قدیم میں ہے جو بعد میں نہیں لکھی جاسکتی تھی۔ نیز قدیم کتابوں میں جو اس کے اقتباسات ملتے ہیں وہ بالکل اس کے مطابق ہیں۔

کشف المحجوب فارسی کے مطبوعہ نسخے

اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کے خلی نسخے بہت جلد اطراف و اکناف عالم میں پھیل گئے تھے جیسا کہ تذکرۃ الاولیاء میں اس کے حوالے ملتے ہیں اور اس کے قطعی نسخے دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں اور بعض لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی اس کے قطعی نسخے پائے جاتے ہیں۔ مگر بخوف طوالت اس وقت اس کی تعداد اور ضروری کوائف بیان نہیں کیے جاسکتے۔ مرن مطبوعہ فارسی نسخوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ کشف المحجوب۔ مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور، صفحات ۲۹۷۔ راقم الحروف کے سامنے اس کا جو نسخہ (ملوکہ میان محمد الدین کلیم) ہے اس کا پہلا منظر رسیدہ چھپنے کے باعث پرنٹنگا بجیم خود پڑھ نہیں سکا۔ ڈیوگن نے اپنے مضمون میں اس کا سن طباعت ۱۱۱۷ھ دیا ہے۔

۲۔ مطبوعہ مبادل۔ پرنس لاہور اس طباعت خاور، صفحات ۲۲۸۔ اس نسخہ میں مطبع خیالی کے نسخہ کے حواشی من و عن و سبب ہیں۔ گویا یہ اسی کی نقل ہے۔ یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے اس پر سن طباعت درج نہیں، مگر ڈیوگن نے اس کا سن طباعت ۱۱۱۷ھ دیا ہے۔ خدا جانے اس نے یہ کیسے جانا۔ بہر حال یہ نسخہ ہے خاصہ قدیم۔

۳۔ مطبوعہ مطبع نامی کرامی حرمت مند سلیمانوف (سمرقند) سن طباعت ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۶ء۔ یہ نسخہ بہت شوق سے چھاپا گیا ہے اور آخر میں مصنف کے سوانح و اشکوار کی سفینۃ الاولیاء سے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

۴۔ مطبوعہ مطبع اسلامیہ استیم پرنس لاہور اس طباعت ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۶ء صفحات ۲۲۹۔ یہ

۱۰۔ جنرل ایڈیٹنگ سوسائٹی بنگال کلکتہ، جلد ۸، ۱۸۳۳ء مقالہ کشف المحجوب از ایل۔ ایس ڈیوگن

نسخہ نمبر ۱ اور ۲ کی نقل ہے اور اس کے تصحیح میں مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور، آخر میں مصنف کے مختصر سوانح بزبان فارسی مرقومہ فشی حبیب اللہ درج ہیں اور یہ نسخہ منہ ذکرہ میں دوبار طبع ہوا۔

۳۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت ۱۹۳۳ء، صفحات ۲۲۸۔

۴۔ نسخہ ڈوکوفسکی مطبوعہ لینن گراڈ (روس) سن اشاعت ۱۹۳۳ء/۱۹۳۴ء صفحات مع

فہارس ۰۶۰۔ یہ نسخہ اس کے مرتب پروفیسر والنتین ڈوکوفسکی (م ۱۹۱۵ء) کی تصحیح مقدمہ بزبان روسی اور ضمیمہ ہشت فہارس کے لحاظ سے سب نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ چونکہ اس کے صرف اڑھائی سو نئے طبع ہوئے تھے اس لئے نایاب کے حکم میں داخل ہے۔ راقم نے بھی اس کی زیارت نہیں کی۔

۵۔ نسخہ ڈوکوفسکی طبع تہران۔ ڈوکوفسکی کا تصحیح کردہ نسخہ ادارہ انتشارات امیرکبیر تہران نے

۱۳۳۶ شمسی/۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ ڈوکوفسکی کے مقدمہ کو فارسی میں مقفل کر کے شامل

کیا گیا ہے۔ ناضل محمد لوی عباسی نے اس کے ابتدا میں دو مقالے تجلیات تصوف ایرانیہ اور

تحقیقات نوین راجع بکشف الحجب شامل کر کے اس کی انادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ محمد لوی

عباسی کے پہلے دو مقالے اور ڈوکوفسکی کا مقدمہ ۶۲ صفحات کو محیط ہیں اور متن کتاب کے

۵۴۶ صفحات ہیں۔ آخری آٹھ فرستوں کے ۶۱ صفحے میں غرض کہ یہ بہترین نسخہ ہے۔

۸۔ مطبوعہ نای پریس لاہور، سن اشاعت ندارد، صفحات ۲۲۸۔ کاغذ اور صحت کے لحاظ سے بہت

ناقص ہے۔ اس پر سن اشاعت تحریر نہیں لیکن راقم کو معلوم ہے کہ قریباً ۱۹۶۰ء میں طبع

ہوا تھا۔ اس کے آخر میں ۲۸ صفحات پر مشتمل فصول و ابواب کی وضاحتی فہرست موجود ہے

۹۔ نسخہ مولوی محمد شفیع۔ مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز، لاہور، سن طباعت ۱۹۶۸ء، صفحات ۲۸۱

ناشر احمد ربانی۔ اس کے شروع میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی نشری تقریریں بطور پیش لفظ

اور مقدمہ دے دی گئی ہیں، چونکہ یہ نسخہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب

نسخے کی نقل بتایا جاتا ہے اس لئے حضرت زکریا قدس سرہ کے حالات زندگی مرقومہ مولوی صاحب

موسون بھی شامل کر دیئے گئے ہیں مگر اہل علم اس خطی نسخے کا حضرت زکریا سے انتساب صحیح

نہیں سمجھتے۔ مولانا نور احمد خان فریدی مولف تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا و مولف کتب کثیرہ رقم فرماتے ہیں:

”الغریز بہاولپور کے شہر فروری ۱۹۲۵ء میں ایک معنوں شائع ہوا تھا جس میں صاحب معنوں نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے سید جویری کی مشہور عالم تصنیف کشف الجوب کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا، یہ قیمتی نسخہ جیسا کہ صاحب معنوں نے تحریر کیا، پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے مترجم بجانب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا، خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی، لیکن اس گنج شایگان کا پتہ نہیں چل سکا۔ حال ہی میں جناب احمد بانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے کشف الجوب کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے۔ جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی، انہوں نے اس نسخے کا پتلے اور آخری نسخے کا عکس بھی دیا ہے، مگر اسے حضرت شیخ الاسلام سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام ۱۲۹۳ھ درج ہے، حالانکہ حضرت کا سنہ وصال بالاتفاق ۱۲۶۱ھ ہے۔ دوسرے یہ کہ دستخط کی عبارت بہاء الدین زکریا پر مشتمل ہے، لیکن حضرت شیخ الاسلام کا نام صرف زکریا ہے۔ ابو محمد کنیت اور بہاء الدین لقب ہے۔ کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ اپنے قلم سے لقب نہیں لکھا کرتا، چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام جیسے منکسر المزاج شخصیت اپنے نام سے پتلے اپنے لیے بہاء الدین لکھنا پسند کرتی۔ لہذا اس قلم نسخے کا حضرت سے انتساب صحیح نہیں ہے۔“

مولانا فریدی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت کا سن وصال بالاتفاق ۱۲۶۱ھ ہے، صحیح نہیں، اختلاف ہے، کسی نے ۱۲۶۱ھ تو کسی نے ۱۲۶۲ھ لکھا ہے۔ اگر ۱۲۶۲ھ ہی کو صحیح قرار دے دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹۵ برس سے کچھ اور بڑھ چکی۔ کیا اس عمر میں وہ اتنی ضخیم کتاب کی نقل کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے؟ مزید طرہ یہ کہ ترقیمہ میں بہاء الدین کو بہاؤ الدین داؤد کے اضافہ کے ساتھ اور زکریا کو ذکریا ذال کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، حضرت شیخ الاسلام ہرگز ہرگز

لے تاریخ طہان بعد ازل، طہان ۱۹۷۱ء، ص ۱۸۶-۱۸۵

marfat.com

Marfat.com

اس طرح کی غلطیاں نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا اس فنے کا حضرت شیخ الاسلام کی طرف انتساب کا تہ کا
جمل ہے۔ — ہر حال یہ نفع صحت کے اعتبار سے سمرقندی نسخے بہتر ہے۔

تراجم

پروفیسر نکسن (م ۱۹۴۵ء) کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۱۱ء میں رجب
میوہیل لندن نے شائع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن چھپا۔ پھر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۷ء
میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے کہ اس کا انگریزی
ترجمہ بھی چار بار چھپ چکا ہے۔

میں سے زائد اردو تراجم چھپ چکے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بار بار شائع ہوئے
اس وقت ان سب تراجم کی تفصیل دیتے کی گنجائش نہیں۔

سیاحت

مردانِ خدا کی زیارت اور مزاراتِ اولیاء اللہ سے استفادہ و استفانہ کی غرض سے سفر کی
سوتیں برداشت کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے، جو مشاہدہ کی دولت سے نوازتا ہے حضرت واثما صاحب
نے یہ مجاہدہ بھی مد کمال کو پہنچا دیا۔ تقریباً تمام عالم اسلام کی سیاحت کی اور وقت کے اعظم مشائخ و
موفیہ سے اکتسابِ فیض کیا، انہوں نے جن جن ملکوں اور شہروں کے بزرگوں سے ملاقات کا شرف
حاصل کیا تھا، اس کا ذکر کشف المحجوب میں کیا ہے۔ ان اماکن کی نامکمل فہرست درج ذیل ہے۔

ماوراءالنہر، آذربائیجان، بسطام، خراسان، کش، گند، نیشاپور، بخارا،
سمرقند، سرخس، طوس، شام، بیت الحن، دمشق، رملہ، عراق، بغداد، فارس،
نواحی خوزستان، فرمانہ، شلائک، اوزکند، میمنہ، مرو، ترکستان
پاک و ہند۔

کشف المحجوب حضرت واثما صاحب کا سفر نامہ نہیں ہے، اس میں ان کے سفر و سیاحت
کا ذکر ضمناً ہوتا چلا گیا ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے اتنے ہی ملکوں اور شہروں کی سیاحت

کی جن کے نام ان کی کتاب میں مذکور ہوئے ہیں۔ اودان کا سفر پاک و ہند بھی صرف اس حد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ غزنی سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاک و ہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی، یہاں کے علماء سے ملے تھے اور یہاں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج اور ہندوؤں کے عقائد سے گہری واقفیت حاصل کی تھی۔ فتاویٰ بقا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں میرا ایک عالم سے مناظرہ ہوا تھا:

”ہندوستان کے اندر میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا، اس نے مجھ سے فتاویٰ بقا کے مسئلہ پر مناظرہ کیا، جب میں نے اس کی تقریر سنی تو معلوم ہوا کہ یہ خود فتاویٰ بقا کو بالکل نہیں سمجھتا اور قدیم و محدث کے فرق کو بھی نہیں جانتا“ ۱۵

حلولیہ کے عقائد باطلہ کے بیان میں روح کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”..... اور مجدد اہل ہند و تبت اور چین و ماچین یہی عقیدہ رکھتے ہیں شیعوں قرامطیوں اور باطنیوں کا بھی اسی پر اجماع ہے...“ ۱۶

محبت کی شہرت اور تعریف کی بحث کے دوران سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہندو کی قلبی ناراضی اور ان کی بے بسی کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا ہے۔

”ہندوؤں کے نزدیک محبت کی قید محمود کی قید سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ اور محبت کا زخم اور داغ ہندوؤں کے نزدیک اس زخم سے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے جو محمود نے انہیں لگایا تھا“ ۱۷

باب سماع الاصوات والالمان میں رقم طراز ہیں:

”مشہور ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو جنگل میں جا کر گائے اور سُر ملی آواز نکالتے ہیں، ہر آن حیرت ان کے غنا اور لہجہ کو سنتے ہیں تو وہ ان کی طرف آ جاتے

۱۵ کشف المحجوب، طبع تہران، ص: ۲۱۳-۲۱۴

۱۶ ایضاً، ص: ۲۲۷

۱۷ ایضاً، ص: ۲۹۹

ہیں "اُدشکاری" ان کے گرد گھوم کر گھسنے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہرن گاسنے کی لذت سے
ست ہرک آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور وہ انھیں پکڑ لیتے ہیں" لے

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

"میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا تھا اور اس کی
زندگی اسی زہر پر موقوف تھی" لے

غرض کہ انھوں نے بے سرو سامانی میں پا پیادہ اس قدر سفر کے مکہ آج کے ذرائع میں ایک بے سرو
سامان فقیر کے لئے ان کا تصور بھی ناممکن ہے چنانچہ لعل بیگ لکھتا ہے:

"مسافرت بسیار نمودہ و ریاضت و مجاہدات شادہ کہ از طاقت بشری
بیرون بود، کشیدہ" لے

لاہور میں ورود مسعود

خاک پنجاب از دم اوز زندہ گشت

صبح ما از مہر اوتاب سندرہ گشت

ظہار شکوہ نے لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے تجرید و توکل کی بنیاد پر
بارہا طویل سفر کئے اور بہت زیادہ سیاحتی کے بعد دارالسلطنت لاہور میں اقامت گزین ہوئے
اور اس شہر کے تمام باشندے ان کے مرید و معتقد ہو گئے:

"بارہا ہر قدم تجرید و توکل سفر بسیار کردہ اند و بعد از سیاحتی بسیار در دارالسلطنت

لاہور رسیدہ اقامت در زندہ اہل آل و یار مہر مرید و معتقد او گشتند" لے

لاہور شریف لاہر اسی مقام پر خیم پذیر ہوئے جہاں ان کا مزار پرانہ قرار ہے۔ مرزا لعل بیگ لکھتا ہے:

لے کشف المحجوب، طبع تہران، ص: ۵۲۲

لے ایضاً - ص: ۵۲۱

لے ثمرات القدس خطی (محلہ کہ صاحبزادہ نصرت (نشاہی) شرق چہ شریف)

لے سفینۃ الاولیاء طبع لاہور، ص: ۱۶۳

”اکنوں قبرش در خط لاہور، وہاں زمین است کہ درج پاکش از جبد مظهر
وی مفارقت کردہ“ ۱

لاہور کب تشریف لائے؟

اس باب میں مختلف کراہ ہونے کے سبب یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ لہذا سببان رائے ہٹا کر
متم طراز ہے ۱

”محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔“ ۲

کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح ان ہی کی توجہ سے ہوئی ۳۔

یہ روایت واضح طور پر غلط ہے اس لئے کہ بقول سید محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور سلطان محمود غزنوی
نے لاہور ۳۹۳ھ میں فتح کیا اور بقول لیلین پول سلطان محمود ۳۹۲ھ میں پہلی بار پاک و ہند کی
طرف متوجہ ہوا۔ گویا اسی وقت تک حضرت دانا صاحب کی اس جہان رنگ و بومیں تشریف آوری
بھی نہیں ہوئی تھی۔

فوائد الغواہ میں ایک ایسی روایت درج ہے جو بعض غلط فہمیوں کا باعث ہوئی، لہذا وہ
آج تک بدلتے متعین جتنی چلی آ رہی ہے وگھر ہذا:

”شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما دونوں ایک ہی پیر
کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے عہد کے قلعہ وقت تھے، شیخ حسین زنجانی دیشیخ
علی ہجویری سے پہلے ہی لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ علی
سے فرمایا کہ لاہور جہاد اور وہیں مقیم ہو جاؤ۔ شیخ علی ہجویری نے عرض کی کہ
وہاں حسین زنجانی مقیم ہیں، پیر نے فرمایا: تم جہاد اور عیب علی ہجویری ان کے
حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا، صبح ہوئی تو دیکھا کہ لیگ حسین
زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے ہیں۔“ ۴

۱۔ ثمرات القدس ملی ۲۔ خلاصۃ السوانح مترجم اردو از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی۔ ص ۱۰۶

۳۔ فوائد الغواہ ص ۱۰۶

marfat.com

Marfat.com

اس روایت کی تکذیب و تردید میں راہم احقر اس قسم کی گرامر بحث نہیں کر سکتا، جس طرح کہ
 علامہ محمد حسن اور پروفیسر محمد اسلم نے کی ہے، اس لئے کہ یہ ان ہی مفقود کا حق ہے۔ یہ فقیر یہ کہ
 حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ، جن کا مزار مبارک چاہ میراں لاہور میں مرجع خلافت ہے،
 ان کا سال وفات خزینۃ الاصفیاء میں ستلہ ۸۰۰ اور تحقیقات حشری میں ستلہ ۸۰۰ درج ہے، اور
 ان کی لاہور میں آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے اور سید یعقوب زنجانی
 کے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ ستلہ ۵۲۵ میں وارد لاہور ہوئے۔ حضرت سید محمد معصوم شاہ
 قادری رحمۃ اللہ علیہ ساکن چک سادہ شریف (دم ستلہ ۱۲۰۰) نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ: میں نے شیخ
 زنجانی کے مزار پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا بن وصال ستلہ ۸۰۰ کنہ تھا جو مزار کی مرمت
 کے وقت اٹھایا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ مفتی غلام سرور اور مولوی نور احمد حشری سنان کا بن وصال
 ستلہ ۸۰۰ اور ستلہ ۸۰۰ اپنی اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود فوائد الغزاد کی اس روایت کو حضرت
 داتا صاحب کی لاہور میں آمد کے سلسلے میں درج کر کے اسے حضرت حسین زنجانی مدفون چاہ میراں پر منطبق
 کر دیا ہے۔ سر حال یہاں ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا صاحب
 قدس سرہ سے قریباً ایک سو تیس سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے حضرت خواجہ خواجگان حسین الدین حسن
 سجزی (س ۱۰۰۰، ز ۱۰۰۰) چشتی اجمیری قدس سرہ (دم ستلہ ۸۰۰) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں
 بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور تذکرہ نویس اور صوفی بزرگ حضرت شیخ
 جمال (دم ستلہ ۸۰۰) نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

”حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی، جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ قدس سرہ کے پیروں میں، ان

۱۰۰۰ء نامہ فکر و نظر اسلام آباد ستمبر ۱۹۷۱ء مقالہ سید علی جمیری اور حسین زنجانی ”از محمد علی ڈاکٹر بر محمد حسن اور تاریخی
 مقالات طبع لاہور از پروفیسر محمد اسلم ملاحظہ ہوں۔

۱۰۰۰ خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم، ص ۲۵۰۔ ۱۰۰۰ خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم، ص ۲۵۲

۱۰۰۰ آثار الکرام میں بھی لکھا ہے کہ سعد الدین حمویہ شیخ زنجانی کے مرید تھے۔ شیخ فخر الدین زنجانی پر ارشاد
 شیخ سعد الدین حموی ”دم ۱۰۰۰“ شیخ حمویہ ستلہ ۸۰۰ میں فوت ہوئے۔ جملہ تذکروں میں ان کے بزرگانہ
 حضرت نجم الدین کبرنی تحریر ہے۔ حضرت زنجانی سے بھی استفادہ کیا ہوگا۔

دنوں بقیہ حیات تھے۔ حضرت ذبذۃ المشائخ والا ولیا معین الحق والدین قدس سرہ
اور حضرت شیخ المشائخ والا ولیا شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان حد سے
زیادہ ربط و محبت کا اظہار ہوا ہے۔

ابوالفضل آئین اکبری میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :
"شیخ حسن (حسین) زنجانی فراوان آگاہی داشت، خواجہ معین الدین در لاهور
بمحبت رسید و خواب گاہ او در انجاست۔"
مولانا محمد غوثی شکاری رقم طراز ہیں :

"حبیب خواجہ معین الاولیا چشتی اجمیری ہندکو تشریف لائے تو اس وقت
چند روز لاہور میں پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا، باہم ملازمتی
اور خدا شناسی کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔"
علامہ صاحب کتبہ بھی ان بیانات کی تائید کرتا ہے :
"بالمثل در لاہور بہ محبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ و زانجا توجہ جانب الی اختیار نمود
دارا شکوہ کی تائید مزید بھی ملاحظہ ہو :

..... شیخ حسین زنجانی را در لاہور دیدہ اند۔"

اس مقام پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ لاہور کب تشریف لائے؟
مولانا سید عبدالبادی معنی اجمیری اپنی تنقیدی تالیف تاریخ السلف میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ
شہرہ میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد شہرہ اجمیر تشریف پہنچ گئے۔

سیر العارفین قلی از شیخ جمالی مخزنہ پنجاب پرنسپلٹی لائبریری بحوالہ تاریخی مقالات از پروفیسر
محمد اسلم، ص: ۲۸۲

آئین اکبری جلد سوم از ابوالفضل سرسید ایڈیشن ۱۳۴۴ھ - ص: ۲۰۶

از کارا برابر ترجمہ گلزارا برابر از محمد غوثی بسال ۱۳۲۴ھ طبع آگرہ، ص: ۲۵۰، ۶

کے مل صاحب (شاہ جہاں ناس) طبع لاہور، جلد اول، ص: ۵۰

سہ سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص: ۹۳۔ تاریخ السلف طبع آگرہ ۱۳۴۳ھ، ص: ۹۴، ۸

marfat.com

Marfat.com

انہیں صورت فوائد العواد کی اس روایت کو اٹھاتی سمجھ لینا کوئی گناہ نہیں۔ مگر جب یہ نہیں
 سما جاسکتا کہ یہاں کی تاریخ نے سب بزرگوں کے حالات کو محفوظ کر لیا ہے تو عنان فکر کو اس طرف
 بھی مڑا جاسکتا ہے کہ حضرت داتا صاحب سے پہلے لاہور تشریف لائے والے حسین زنجانی ان سے
 ملنے ہوں گے اور ان کا مزاد وہ حالات محفوظ نہیں رہ سکے، مگر ہم نامی کی وجہ سے پہلے حسین زنجانی
 سے متعلق روایت کو بعد والے حسین زنجانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ہم نام بزرگوں کے حالات
 کے سلسلے میں اکثر ایسا ہوا ہے اور اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت خواجہ پارا
 قدس سرہ کے تلامذہ کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے کہ انھوں نے حضرت داتا صاحب اور حضرت ابو سعید
 (رحمہما اللہ) دونوں کو ایک ہی پیر کا مرید قرار دے دیا۔ یا جس طرح کہ جامی لاہوری کے قطعہ تاریخ وفا
 حضرت داتا صاحب کو حضرت عبدالرحمن جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ لہذا اس معاملہ میں
 بھی التباس و اشتباہ کا قوی امکان ہے۔

انہیں حال حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ علیہ سے متعلق روایت مندرجہ فوائد العواد اس مسئلے کو سلجھانے
 کے بجائے مزید الجھا دیتی ہے۔

بہر حال جس طرح حضرت کی تاریخ ولادت اور دیگر حالات زندگی کے باب میں قدیم تاریخیں کوئی
 رہنمائی نہیں کرتیں، اسی طرح ان کے ناجور میں درود مسعود کے سلسلے میں بھی کوئی نشان ہی نہیں کہیں
 لہذا اس کے متعلق بھی صرف قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے۔

ہائے بہار کنیا لال نے بسال ۱۱۹۲ھ کسی ناخذ کا حوالہ دے بغیر لکھا ہے،

”یہ بزرگ سلطان مسعود سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آیا۔“

سید محمد لطیف نے بسال ۱۱۹۲ھ سن درود کا تعین بھی کر دیا:

”آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے ۱۱۹۲ھ میں لاہور تشریف لائے۔“

سید محمد لطیف نے سن کا تعین کر کے اس قیاسی سن کو مزید مشکوک بنا دیا ہے اس لئے کہ ۱۱۹۲ھ میں

سلطان مسعود دور ابتلاء میں مبتلا ہو جاتا ہے ۱۰ سال ترکمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کر کے اسے شکست

دے کر تاریخ لاہور از کنیا لال طبع لاہور ۱۱۹۲ھ میں ۹۱۰

۱۰۰۰ء تاریخ لاہور انگریزی بحوالہ سوانح داتا گنج بخش از محمد الدین فوق، ص ۲۰۰

دے دی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خزانوں کو لے کر لاہور ہٹا تھا کہ وہ اپنے جہلم کے کنارے اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اپنے بھائی محمد کا قیدی بن گیا (مختصر)۔

اس کے باوجود ۱۲۱۱ھ پر اکثر مورخین ملحق نظر آتے ہیں۔ مگر اسے بہادر کھنیا لال کی تاریخ لاہور سے ۲۲ سال قبل لکھی جانے والی کتاب چارباغ پنجاب مولانا گنیش داس میں ان کی تشریف آوری کا سال ۱۲۵۱ھ تحریر ہے۔

”در ۱۲۵۱ھ چار صد و پچاھ و یک ہجری در لاہور تشریف آہندہ..... بعد چار و ہ سال در سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی جاری شد ۱۲۹۵ھ چار صد و شصت و پنجم ہجری در لاہور در وصیت حیات سپرد شد۔“

جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت داماد صاحب نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گزارے تھے تو پیر گنیش داس و ڈیرہ نے جو سن ۱۲۵۱ھ دیا ہے اسے رتیج دینا چاہئے ۱۲۵۱ھ کو قرن قیاس قبلہ سے لیا جائے تو حضرت داماد صاحب سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ بن مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ بین پول نے ابراہیم کے سرکار آئے سلطنت ہونے کا سال ۱۲۵۱ھ لکھا ہے۔ مگر یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داماد صاحب قدس سرہ کے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن خلی قدس سرہ کی تاریخ وصال خیرۃ الاصفیاء میں ۱۲۵۲ھ درج ہے اور بقول ذہبی وہ ۱۲۵۲ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ اسی سال کے وصال کے وقت حضرت داماد صاحب بیت النجف (دشک) میں مقیم تھے اور پیر نے مرید کی گود میں جان جاں آفریں کے سپرد کی تھی۔ ڈاکٹر محمد شفیع نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے: ”وہ یا تو لاہور ۱۲۵۲ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے۔“

حق زحرف اول بلند آوازہ شد

اس نائب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قیام لاہور کے دوران ہزار بابائت پرست

۱۔ تاریخ بیہقی جلد اول طبع تہران - ص: ۴، ۵، ۶، ۷

۲۔ چارباغ پنجاب فارسی از گنیش داس ڈیرہ رتیج پر ذخیرہ کراچی سنگہ شائع کردہ سکہ ہندی ڈیپارٹمنٹ خالصہ کراچی ۱۲۹۵ھ

۳۔ مقالات دینی و ملی حصار اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ص: ۲۲۸ -

یاد کو کلہ توحید پڑھا کر ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور کیا اور سینکڑوں خداؤں کو پہنچنے والوں کو صرف ایک خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے پر آمال کیا اور لاتعداد گمشدگان بادیہ منکلات کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا اور کتنے ہی خوش نصیبوں کو اپنی نظر کیا اثر کی بدولت ولایت کی بلند رتبہ پر فائز کیا۔

یہ درست ہے کہ محمود کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی میانِ مسلمان ایک عالم قوم کی حیثیت سے دھنکے تھے اور یہاں کے کفار مسلم عوام سے بظاہر مرعوب تھے، لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے اور وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے، مگر یہاں تشریف لانے والے صوفیہ کرام بالخصوص حضرت داماد صاحب کے درودِ مسعود کے بعد میل کی مقامی آبادی میں سے لاتعداد لوگ ان کی تبلیغ کے سبب بگوشِ اسلام ہو گئے چنانچہ یہاں کے باشندوں میں سے ایک کثیر گروہ کی دلی ہمدردیاں فاتحین کے ساتھ ہو گئیں "نظرِ وطنیت" خاک میں مل گیا اور دو قومی نظریہ کی بنیادیں دکھ دی گئیں اور بعد میں آنے والے صوفیہ کرام کی مسابلی جملہ سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمانوں کی حکومت استحکام پڑتی گئی۔ فاتحین نے کفار کو تیر و شان سے زیر کیا تو ان مائینِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انھیں تیر و شرف سے خدائے احد کا طبع و مستاد بنا دیا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حضرت داماد صاحب قدس سرہ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند اشعار میں جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ذیل میں ان کے دو جاذبِ اشعار ملاحظہ ہوں:

سید بجزیرِ محسودم اُمم	مرقد از پیرِ سبِّد را حرم
بندایِ کوہِ آسمانِ گیسخت	دندِ بنِ ہندِ تخمِ سجدہ ریت
عہدِ فادقِ بازِ جالشِ تازہ شد	حقِ زحرفِ ادبِ بندِ آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُممِ الکتاب	از نگاہِ شاخِ باطلِ خراب
خاکِ پنجابِ از دمِ آفرندہ گشت	صبحِ ما از مہرِ آوازہ بندہ گشت

علامہ اقبال عظیمی کے نزدیک سببِ کھٹنا میچ ہے۔ استادِ سعید نقوی نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے شعر میں پیرِ سبب غلط چھپ گیا ہے اصل میں یہ شعر یوں ہونا چاہئے: سید بجزیرِ محسودم اُمم۔
مرقد از پیرِ سببِ را حرم۔ (جول فارسی، کراچی بحوالہ از کابریل از محمد ریکی ص: ۵۱)

ماشق و ہم قاصد طیار عشق از جنبش آشکارا سر از عشق

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرسبزی قدس سرہ نے لاہور کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا ہے اصل میں یہ
اس قطب الاقطاب (علی ہمدانی) کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
"فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی
خیر و برکت تمام بلاد ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت نے اپنی روحانی قوت سے کھڑستان ہند میں جو
"نغم سجدہ کی کاشت کی تھی" اسے باور کنیا لال نے بدی الفاظ اس کا اعتراف کیا ہے:

"مسلمانی دین پھیلانے میں بڑی بڑی کوشش کی۔"

ارد گنیش داس دوپڑہ رقم طراز ہے:

"ہاں بعد اکثر قوم گوجران ہندو شرب و لاہور وطن گاہ داشتند معتقد او شدہ اسلام قبول کرند"
مولوی نذیر احمد چشتی نقل کرتے ہیں:

"جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نائب
حاکم پنجاب، حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہوا، اور اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا، اس کی
اولاد تا حال خادم و مجاہد ہے۔"

تعمیر مسجد اور ایک کرامت

حضرت داماد صاحب قدس سرہ نے لاہور تشریف لائے ہی اپنی فرہاد گاہ کے ساتھ ایک
چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ داراشکرہ لکھتا ہے:
"انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جس کی عراب دیگر مساجد کی نسبت جنوب کی طرف
مائل ہے، کہتے ہیں کہ اس وقت کے ملا، جو لاہور میں موجود تھے، اس عراب کی کثرت کے
سلسلے میں حضرت شیخ پر معترف ہوئے۔ چنانچہ ایک روز حضرت نے سب ملا کو جمع کیا اور

۱۔ مکتوبات مجدد الف ثانی اردو ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی طبع کراچی، دفتر اول حصہ اول، ص: ۲۲۸

۲۔ تاریخ لاہور از کنیا لال، ص: ۹۱ ۳۔ چارباغ پنجاب، طبع امرتسر، ص: ۲۴۹

۴۔ تحقیقات چشتی، طبع لاہور، ۱۳۲۲ھ، ص: ۱۴۷

خود امت کے فرائض انجام دیئے اور بعد امانے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو کہ میری
مس سبت میں ہے! دیکھا تو مجھ پر اے اللہ گئے اور کعبہ شریف مہراب کی سیدہ میں ٹوٹا
ہو گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے۔ ۱۰

سابل وصال

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے سابل وصال میں بھی خاصا احتکات پایا جاتا ہے۔ بعل بیک علی
نے ثمرات القدس میں اور شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ان کے بہن وفات ۱۰۵۶ھ اور
۱۰۶۶ھ رقم کئے ہیں۔ عہد جمالیہ کے ایک عالم و طاقتور مولانا جامی لاہوری (مدفن بکراہ حضرت
شیخ طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے قلعہ تاریخ میں ۱۰۵۶ھ قلم کیا ہے۔ میر نظام علی آزاد بلگرامی
نے مائثر الکرام میں، کنیش داس وڈیرہ نے چارباغ پنجاب میں، سامی بیک نے قاموس الاعلام میں
۱۰۵۶ھ ہی لکھا ہے اور دیگر متعدد مؤلفین نے بھی یہی سن نقل کیا ہے۔ نکلسن نے ۱۰۶۵ھ تا ۱۰۶۹ھ
کا کوئی سا سال لکھا ہے۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے تاریخ تصوف در اسلام جلد دوم میں در حدود ۱۰۶۵ھ
تجزیہ کیا ہے۔

مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور عبدالحی حبیبی قندھاری (کابل) ان سب سے آگے نکل گئے ہیں۔
مولوی صاحب نے ۱۰۵۹ھ اور حبیبی صاحب نے ۱۰۵۸ھ تک کا تعین کیا ہے۔ ان فاضلوں نے
کشف المحجوب کے چند ایک مختلف ایڈیشن سامنے رکھ کر اس قسم کی داخلی شادیں فراہم کی ہیں کہ
داتا صاحب نے فلاں فلاں بزرگ کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ" یا "رضی اللہ عنہ" لکھا ہے۔ اور فلاں فلاں
بہ صیغہ ماضی کیا ہے۔ لہذا یہ کتاب بقول مولوی محمد شفیع ۱۰۵۹ھ اور بقول حبیبی ۱۰۵۸ھ کے بعد تک لکھی
جا رہی تھی۔ حبیبی صاحب نے اپنی طویل بحث کالب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے:
"لازمی طور پر ۱۰۵۸ھ اور ۱۰۵۹ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی" کہ

۱۔ سفینۃ الاولیاء فارسی طبع کا پندرہ ص: ۱۶۴۔ ۲۔ مقالات بدینی دہلی از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع جلد اول ص: ۲۳۱
۳۔ مقالات منتخبہ مبلدہ بالشکوہ خاورشای دانش گاہ پنجاب مقالہ تاریخ وفات داتا گنج بخش علی ہجویری خزنی
از عبدالحی حبیبی۔ فاضل موصوف کا یہ مقالہ پہلی بار اورینٹل کالج میگزین شمارہ فروری ۱۹۶۷ء میں طبع ہوا تھا

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں۔ مختصر یہ کہ بیشتر مقامات پر ”رحمہ اللہ“ اور ”رضی اللہ عنہ“ کا تہوں کے خود ساختہ اختلاف نے اس اور اسی طرح کہتے ”کو بود“ بھی بنایا ہوا ہے۔ ایسی تحقیق کی بنیاد مصنف کا اپنا مکتوبہ نسخہ ہونا چاہئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو قدیم ترین متحدہ خطی نسخے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ کاتبوں کی کمی بیشی تحقیق کا مدار نہیں بن سکتی۔ اس جدید تحقیق کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ فاضل جیبی نے کشف المحجوب نسخہ سمرقند سے ذیل کا اقتباس پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب زیر تصدیق محض کہ حضرت امام قشیری قدس سرہ ۲۹۵ھ میں وفات پانگے تھے۔

”استاد امام زین الاسلام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ
اندروزمانہ خود بدیع بود و قدش رفیع و منزلت بزرگ“

مگر یہ عبارت ڈوکونکی ایڈیشن میں اس طرح ہے :
”استاد امام زین الاسلام عبدالکریم ابو القاسم بن ہوازن القشیری اندر
زمانہ خود بدیع ست و قدش رفیع ست و منزلت بزرگ“

پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں کشف المحجوب کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۰۸۰ھ موجود ہے
اس میں بھی :

”اندروزمانہ خود بدیع ست.....“

تحریر ہے — گویا اس بحث برائے بحث یا تحقیق کی بنیاد محض اختلاف نسخ اور کاتبوں کے اضافات پر رکھی گئی ہے۔ مگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ ”رحمہ اللہ“ وغیرہ حضرت نے خود ہی لکھا ہے تو پھر ان کے اپنے اسم گرامی کے ساتھ شریعت کتاب ہی میں ”رضی اللہ عنہ“ بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور اگر انہوں نے اپنے لئے یہ دعائیہ کلمہ خود تحریر

۱۔ مقالات منتخبہ، ص: ۲۹۴

۲۔ کشف المحجوب طبع تہران ص: ۲۰۹

۳۔ تفصیل ذرست مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری مرتبہ منکدر حسن عباسی ۱۹۶۳ء نمبر ۱۹۷۱

ص: ۱۵۷

مجھ سے تو دوسرے زندہ بزرگوں کے لئے بھی کر سکتے تھے۔ بہر حال حضرت کا صحیح سن و سال کسی صاحبِ علم نے نہیں لکھا لہذا ۱۳۳۵ھ قلعاً غلط ہے، ۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۵ھ ہی قرینِ محبت سمجھا جاسکتا ہے۔

مزار پر انوار

یوں تو محلہ اربابِ یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار ہیں مگر جہاں وہ مجراستراحت ہیں وہ مقام بوسہ گاہِ عالم، قبلۂ اہل صفا اور کعبۂ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقاماتِ مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے جہاں سب سے زیادہ ذکرِ خدا اور ذکرِ محبوبِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا ہے اور یہ تبلیغِ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ جہاں ہر وقت حاجت مند زائرین کا تاشابند عمارت ہے اور داتا دہنی کے دیئے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

گنج بخش فیضِ عالم منکرِ نورِ حشا
حضرت کا مزارِ فائزِ الانوار زمانہ قدیم سے مرجعِ خواص و عوام چلا آ رہا ہے، بڑے بڑے عارفین اور سرخیلِ اولیاء یہاں سے فیضِ یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا نور بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔ مولانا جامی لاہوری لکھتے ہیں:

خانقاہِ عسلی بھوری است	خاکِ مبارک از ویش بردار
طوہیاں کن بدیدہ حق میں	تاشوی واقعہ وراسرار
چوں کہ سردارِ ملک مسنی بود	سابل و شمش بر آید از سرِ دار

۱۔ عبدالحی حبیبی نے اس بحث کا اعادہ مقدمہ طبعاتِ اصفیہ میں بھی کیا ہے۔ اول ازل میں نے ان کی یہ تحقیق اسی میں دیکھی تھی اور میں ان کی ثقاہت کے پیش نظر اس کا قائل ہو گیا تھا اور مقدمہ کتباتِ امام ربانی لکھتے وقت ان کا اتباع کیا تھا۔ مگر اب کشف المحجوب کے متعدد نسخے دیکھنے سے اس تحقیقِ جدید سے اعتماد ٹوٹ گیا۔

۲۔ مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ ص ۱۰۰

میر عبد العزیز دہلوی جو غالباً شاہ جہاں کے زمانہ کا شاعر ہے، نے عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ لکھا، اس میں حضرت داتا صاحب کے روضہ انور کا طریقہ پر جو زائرین کا انجوم رہتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

مزار دُر شاہ شاہِ ہجویری غریب سستی کہ محلِ آساہ پر پرورشِ جوشِ ہنس و جہاں بینی
گدای درگش از مترت شاہِ جہاں یابی غلامِ خادمش اندر تہ مجسدم جہاں بینی
داتا شکوہ لکھا ہے :

”ہر مہجرات کو خلقت انبوء در انبوء روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس مہجراتیں یا چالیس دن متواتر ان کے روضہ شریف کا طواف کرے اس کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ فقیر (داتا شکوہ) نے بھی ان کے روضہ منورہ کی زیارت کی ہے۔“
مفتی علی الدین رقم طراز ہیں :

”ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہزار ہا مروج برائے زیارت ایشاں مع قدوات می روند، مرادات دلی راستہ علی می شوند۔“
داتا شکوہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں لکھا ہے :-
”قبر در میانِ شہر لاہور مغربی قلعہ | ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے واقع شدہ۔“
مغرب کی جانب واقع ہے کہ
اس جملے کا محمّد وارث کمالی نے یوں ترجمہ کیا ہے :
”مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔“

۱۔ مقدّم کشف الحجب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ص: ۸

۲۔ سفینۃ الاولیاء طبع لاہور ص: ۱۶۵

۳۔ عبرت نامہ، طبع لاہور مجلہ دوم ص: ۶۴

۴۔ سفینۃ الاولیاء طبع لاہور ص: ۱۶۵

۵۔ ایضاً، اردو ترجمہ از علامہ کمالی طبع لاہور ص: ۱۶۸

marfat.com

Marfat.com

لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب دلا شکوہ کی یہ تقریر مبہم ہو گئی ہے۔ پھر ترجمہ کرنے والے نے غلطی کھالی تو آج سے قریباً پندرہ سال قبل لاہور کے ایک ایسے مولوی صاحب نے جو صوفیہ کے مزارات پر حاضری بدست و شرک سمجھتے تھے یہ اعلان دیا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں۔ اُن کا مزار قلعہ لاہور میں ہے۔ اس وقت مولوی صاحب موصوف کے اس بیان کے خلاف متعدد مسلمان شائع ہوئے تھے۔ دلا شکوہ کی اس تقریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے:

”دلا شکوہ نے یہ کہا ہے کہ ”قبر شر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے“ یہ کچھ عجیب سا بیان ہے۔ اس لئے کہ قبر شر کی تفصیل کے باوجود البتہ شر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کتنا زیادہ صیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلا شکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام دیا گئے راوی کو گھاٹ تھا۔ دیا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بتاتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی شرک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا۔ چنانچہ ایک انگریز سیاح پنچ نامی نے جو ۱۷۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ہوا، اس کے قریب لاہور میں مزار دلا کی ترتیب سے اس موضوع کا ذکر کیا ہے۔ گودہ مسجد شکر گنج کتنا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے۔“

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سعود بن محمود کے عہد حکومت میں داخل الی اللہ ہوئے تھے اور اسی سلطان نے حضرت کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ جود و قبر میں ہیں۔ وہ شیخ احمد حادہی سرخسی اور شیخ ابوسعید بھویری کی ہیں۔ داتا اعظم بالصواب۔

۱۔ مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ ص: ۷-۶

۲۔ تحقیقات حسنی، ص: ۱۲۵، ۶

کچھ مترجم کے بارے میں

حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خلیف اکبر حضرت مولانا سید محمد رفیع رحمانی شاہ
الوری (رحمۃ اللہ علیہما) متورع علوم و فنون کے ماہر اور بے مثل خطیب طہیب اور قادری تھے
تحریک پاکستان پر تعمیر پاکستان اور دستور اسلامی کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی مساعی نامتابل
فراموش ہیں۔ جہاد کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ کی
خدمات جلیلہ اس امر کی مستغنی ہیں کہ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جائے۔ اس وقت مولانا کے
صاحبزادے مکرّمی حکیم سید خلیل احمد قادری کی موت ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے
سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے جس روز کشف المحجوب کا ترجمہ جس کا تذکرہ
نام کلام المرغوب ہے، مکمل کیا تو اسی رات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں
زیارت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند مقام پر رونق افروز
ہیں اور چاروں طرف بہت زیادہ روشنی ہے۔ لوگوں کی قطاریں بندھی ہوئی ہیں حضرت
داتا صاحب کچھ تعظیم فرما رہے ہیں اور لوگ ملے کر ایک طرف ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی
قطار میں علامہ ابوالحسنات بھی شامل ہیں۔ تو جس وقت وہ داتا صاحب کے سامنے ہوئے
تو حضرت نے مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے دائیں طرف بٹھالیا۔ اس کے بعد علامہ
ابوالحسنات بیدار ہو گئے۔“

علامہ ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے یہ خواب اپنے صاحبزادے سید خلیل احمد قادری کو سنایا اور اس انعام پر
بیمہ سرور تھے۔ چند سال بعد مولانا بیمار ہو گئے اور علالت نے طویل کھینچا اور مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔
انتقال سے آٹھ روز قبل رات کے آخری حصے میں سید خلیل احمد صاحب کے آواز دی اور جب وہ حاضر ہوئے تو
فرمایا میرے کانز سے دباؤ اور دماغیہ الفاظ کے بعد فرمایا تمہارا علم کہ ترجمہ علیہ الرحمۃ آج میان کے قبرستان کے
کسی کونے میں لیٹے ہوئے ہیں۔ غریب ہم بھی اس کے کسی حصے میں لیٹے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرمایا:
”ابوالحسنات ابوالحسنات کیا ہے ابوالحسنات؟ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں ان خوش نصیب میں

وہ لوگ جو حضرت داتا صاحب کے جوار میں آسمان میں :

۶۔ شعبان ۱۲۸۵ھ بروز جمعہ صبح کے وقت اپنے وظائف سے فارغ ہوئے اور یہ شعر

زبان پر لائے ۔

حافظ زندہ باش مرگ کجا تو کجا تو شدہ قاتل محمد محمد بود بقاء تو

اس کے بعد یہ شعر کیا :

کائنات مشق بس اتنی مرینم کی تھی ایک بچکی میں طلسم آرزو باطل ہوا
اس کے بعد حزب الہیہ کا ورد شروع کر دیا اور سید خلیل احمد صاحب کو فرمایا کہ مجھے خوشبو
لگا دو اور نئے کپڑے پہنا دو۔ جناب سید خلیل احمد نے عرض کیا کیا بات ہے ؟ فرمایا جمعہ پڑھنے جانا
ہے اور پھر ذکر میں مشغول ہو گئے اور اسی حال میں ایک بچکی آئی اور اپنے مالک حقیقی سے حساب لے
یا نائشیا و یا نائیا لئیسہ لا جعوت ا

مولانا امین الحسنات سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرات کی خواہش کے مطابق میں نے
متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا تو یہ تقریب داتا صاحب قدس سرہ بلا وقت حضرت داتا صاحب
کے احاطہ نزار میں مولانا کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر راقم السطور نے چند تادیبی مادے نکالے تھے۔ ان میں سے دو
(۱) مشہور زمانہ مفسر قرآن (۲) "خلیل المراتب سید ابوالحسنات" ان کی مرقد منورہ

پر کندہ ہیں۔ "اعتد دخیل الجستہ مولانا" بھی ان کی تاریخ راقم ہی نے لکھی تھی۔

امین الحسنات سید خلیل احمد قادری نے کشف الجوب کے زیر نظر ترجمہ کا گرانقدر مسودہ
رضوی کتب خانہ کو بغرض طباعت مرحمت فرمایا۔ محذومی جناب مفتی اعجاز ولی خاں رضوی
مدظلہ العالی کی نگرانی میں طباعت کے مراحل طے ہوئے۔ تعلیمات گنج بخش قدس سرہ کا یہ سدا بہا
مکملہ رضوی کتب خانہ مارگاہ گنج بخش میں عرس ۱۳۹۵ھ کے مبارک موقع پر نذرانہ عقیدت
کے طور پر۔ — پیش کر رہا ہے۔ یہ حضرات سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔
جزا ہم الشدا حسن الجراء۔

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ جس طرح حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی

خوشنودی کا باعث ہوا اسی طرح اس ماضی پر ماضی کی بھی یہ تدریجیت (ویاچہ) ان کے حضور مقبول ہوا اور ان کے غلاموں کے غلاموں کے ساتھ محسوس ہونا نصیب ہو۔ آمین ثم آمین بجا
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وَاٰھلہٖ وَاَصْحَابہٖ وَسَلَّمَ۔

محمد ہونی مبنی عنہ

لاھور

۴۔ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ

قطعہ تاریخ طباعت

نتیجہ فکر یہ شریف احمد شرافت قادری نوشا ہی نڈلہ

بھلائی کتاب کشف محبوب	کہ رشد و معرفت زان بہت مطلوب
ز تقنیہ مقدس قلب عالم	کہ دانش گنج بخش پاک محبوب
بتوحید و تصوف لوح عرفان	برائے سالکان یقینے مست محبوب
مترجم شد مدین اردو زبانے	ز بواکسناات احمد گشت مکتوب
چو افشائے رموزش شد بحالم	ہمہ اعدائے دین غشائے غلب
با حواسش حکیم نیک موی	بتحقیق و تفکر مہیا محرب

شرافت جنت اہل سال طباعت

شدہ مسودہ "باسمِ سلیم مرغوب"

۱۳۹۲ھ

فقہ عمر حضرت مفتی اعجاز علی خان رضوی نے تاریخ طباعت کے حسب ذیل مادے

نکالے ہیں:

"فیض امام المرسلین"

۱۳۹۲ھ

"مخزن برکات جلیل"

۱۳۹۲ھ

مُقَدِّمَةٌ

بِحَمْدِهِ وَتُحِيَّاتٍ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَبِّهِ اِيْتَانِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَآخِرَةَ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
رَبِّهِ اِيْتَانِي لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهُدًى لَنَا مِنْ اَمْرِنَا شَدَّادِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

كَشَفَ لَنَا ذُلِّيَّاتِهِ بِوِجْهِ مَلَكُوتِهِ وَقَشَعَ لَنَا صُغْيَاتِهِ
سَرَائِرَ جَبَرُوتِهِ وَارَاقَ دَمَ الْمُحِبِّينَ بِسَيْفِ جَلَالِهِ وَ
اَرَاقَ سَرَ الْعَارِفِينَ رُوحَ وَصَالِهِ هُوَ الْمُخَيُّ الْمَوَارِدِ الْقُلُوبِ
بِأَنْوَارِ اِدْنَالِكِ صَمَدِيَّتِهِ وَكِبَرِيَّاتِهِ وَالْمُنْعَشِ لَهَا بِرَاحَةِ
رُوحِ الْمَعْرِوَةِ بِنَشْرِ اسْمَائِهِ وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى رَسُولِهِ
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

تمام محامد اسی وجہ منیر کو ہیں جس نے اپنے مقربین خاص پر عالم ملکوت کے امور منکشف فرمائے، اور اپنی صاف باطن بستوں پر عالم جبروت کے راز کھیسے، اور اپنی شمشیر جلال و بے نیازی سے اپنے محبوبوں کے خون بہائے اور فادان کامل کو اپنے وصلی تقرب کا ذائقہ چکھایا۔ وہی ذات مقدس مردہ دلوں کو اپنے صمدیت اور کسب رسانی کے نور... سے زندہ فرمانے والی ہے، اور وہی ان زندوں کو اپنے عرفان کی راحت اور روح حیات ابدی عطا فرمانے والی ہے، اور اپنے اسماء ذاتی کے اثرات ان پر طاری و ساری فرمانے والی ہے۔

اور صلوة بے غایت اور سلام بے نہایت اس کے خاص رسول پر، جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ان کے متبعین اور اولاد اطہار پر اور ان کے اصحاب کبار پر ازواج مطہرات پر آمین!

حضرت علی بن عثمان بن علی الجلابی غزنوی فرماتے ہیں جو محلہ مجیر عندی کے رہنے والے ہیں کہ میں نے استفادہ کیا، اور اغراض نفسانیہ کو دے نکالا، اور اپنی دلی آرزو کے مطابق ثابت قدم ہو کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کی مرادیں پوری فرمائے، اور اس کتاب کا نام میں نے اس لیے کشف المحجوب رکھا کہ پڑھنے والا مقصود کو نام سے سمجھے، اور مسائل کا جو مقصود ہوتا ہے وہ مجھے معلوم ہے اسکے ذریعہ اس کی مراد پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں اور تکمیل کتاب کی توفیق چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے ارادہ قوت پر بھروسہ نہیں اور اس خیال خام سے میں اظہار برارت کرتا ہوں۔

فصل - ابتدا کتاب میں جو میں نے اپنا نام لکھا اس سے دو باتیں مطلوب ہیں۔ ایک خواص کے لیے دوسری عوام کے لیے۔ عوام کے لیے تو یہ کہ جب جاہل

بے علم کوئی نئی کتاب دیکھتا ہے اور اس پر مصنف کے نام کا پتہ نہیں ملتا، وہ اس کتاب کو اپنے نام پر شائع کر لیتا ہے اور اس رویہ سے مصنف کا جو مقصد ہوتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے، اور مصنف جو کتاب تالیف و تصنیف کرتا ہے۔ اس سے اس کا پہلا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے ذریعہ اس کا نام زندہ رہے اور اس کتاب کے پڑھنے والے مصنف کو دمانے خیر سے یاد کرتے رہیں۔ مجھے یہ تلخ تجربہ دو بار ہوا۔ ایک بار کسی نے میرے اشعار کا دیوان ماریٹہ لیا، اور چونکہ صرف وہی ایک نسخہ میرے پاس تھا۔ اس نے میرے تمام دیوان میں میرے نام کی جگہ اپنا تخلص لگا کر شائع کر دیا، اور میری تمام محنت ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطا کو معاف فرمائے۔ دوسری بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے ایک کتاب فن تصوف میں تالیف کر کے اس کا نام منہاج الدین رکھا۔ ایک متصوف نے اسے لے کر اپنے نام پر شائع کر دیا۔ خدا کرے وہ گناہ ہو۔ اس نے عوام میں اس کتاب کو اپنی تالیف ظاہر کر کے شائع کیا، حالانکہ جاننے والے اس کی اس حرکت پر استہزام کرتے تھے۔ جتنے کہ اللہ نے . . . اس کی حرکت نامزد کی وجہ سے برکت سلب فرما لی، اور اپنی بارگاہ کے طالبوں میں سے اس کا نام محو فرما دیا۔

دوسری وجہ اول میں نام لکھنے کی عجاہیں کے لیے ہے، وہ یہ کہ جب وہ کسی کتاب کو دیکھتے ہیں تو اول مؤلف کا نام معلوم کرتے ہیں۔ تاکہ اگر مؤلف کو وہ محقق اور عالم فن جانیں تو اس کے احترام میں خاص رعایت کرتے ہیں، اور اس کے

مطالبہ اور اشاعت میں کوشاں ہوتے ہیں۔
اس حقیقت کے اظہار سے مؤلف کی مراد واضح ہو گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں نے جو لکھا ہے کہ میں نے استخارہ کیا اس سے میری مراد بھی رب العزت
فصل تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ کا ادب محفوظ رکھنا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
 محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین کو حکم فرمایا ہے: **فَإِذَا قَرَأْتَ
 الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ**۔ یعنی اے محبوب!
 جب آپ قرآن کریم پڑھنا چاہیں، تو اول شیطان مردود سے اللہ کے ساتھ
 پناہ لیں۔ چنانچہ استعاذہ اور استخارہ اور استعانت سب کے معنی پناہ مانگنے
 اور اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مدد لینے کے ہیں، جس سے انسان
 ہر قسم کے فتنوں سے مامون ہو جاتا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی
 مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
 کاموں میں قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق استخارہ تعلیم فرمایا کرتے تھے۔
 اور یہ حقیقت ہے کہ تمام امور کی بہتری **کوشش اور تدبیر پر**
 موقوف نہیں، بلکہ ہر بندہ کی عبلائی برائی خدائے قدوس جانتا ہے اور جو
 تکلیف و راحت بندے کو پہنچتی ہے وہ پہلے سے اس کی قسمت میں مقرر ہوئی
 ہے۔

اذہیں صورت ہر بندے کو اپنا معاملہ قضاء قدر کے سپرد کرنے اور اس
 کی تکمیل کے لیے مؤثر حقیقی سے مردمانگنے کے سوا چاروہی نہیں ہے۔
 لہذا ایسا ہی کرنا بہتر ہے تاکہ رب العزت تعالیٰ شانہ اس سے اس
 کے نفس کے بڑے اثرات دور فرمائے، اور اس کام کی بہتریوں سے اسے
 متمتع کرے۔ بنا بریں ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہر کام کے لیے اول استخارہ کرے
 تاکہ اللہ تعالیٰ اسے خلا و خلل اور قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھے۔
 میں نے جو یہ کہا ہے کہ نفسانی امراض سے دل کو پاک کر کے یہ کام شروع کیا
فصل یہ ہے۔ اس کے اظہار سے غرض یہ ہے کہ جس کام میں غرض نفسانی آجاتی ہے

اس سے برکت اٹھ جاتی ہے اور دل راستی دیانت کے راستہ سے نکل کر کسی گنہگاروں میں پھنس جاتا ہے۔ اور یہ صورت حال سے خالی نہیں۔ یا تو نفس کی غرض پوری ہوگی یا نہ ہوگی۔ اور نفسانی غرض پوری ہوئی تو اس میں تمام ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اس لیے کہ جہنم کے دروازہ کی کنپی مراد نفس کا حصول ہے۔ اور اگر غرض نفس پوری نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس غرض بد کو پہلے ہی دل سے دور کیا جوتا، اس لیے کہ نجات اسی میں ہے۔ اور دروازہ بہشت کی کنپی اغراض نفسانی سے مجتنب رہنا ہے۔ جیسا کہ حضرت رب العزت تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ
 ”یعنی جس نے روکا اپنی خواہش نفسانی کو اس کا جنت
 ٹھکانا ہے۔“

اور ہمارے کاموں میں نفسانی اغراض یہ ہیں کہ:

انسان جو کام کرے اس کا بدلہ رضا الہی اور عذاب نفس سے رہائی مانگنے کے سوا کچھ اور مانگے، اور اقسام تکبر اور خود بینی کی حدود غایت نہیں، اور نفس کا حیلہ جو وہ نکالتا ہے، ان پر انسان قبضہ کر سکتا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اس کتاب میں نفس امارہ کے کیدوں پر اپنے مقام پر ایک باب مستقل لکھا جائیگا۔

اور جو کہ میں نے لکھا ہے کہ پختہ ارادہ کر کے ولی آرزو کے مطابق ثابت قدم
 فصل ہو کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ سائل نے مجھے قابل سوال سمجھ کر مجھ سے دل کی بات پوچھی اور تالیف کتاب کی آرزو زبان حال سے کی، جس میں اس کی مراد کا پورا ہونا تھا۔ یہاں سوال سائل کا حق ادا کرنا مجھ پر لازم تھا تو جب سوال سائل کے تمام حقوق ادا کرنے پر مجھ پر لازم ہوئے تو میں نے عزم بالجزم کیا، تاکہ میں اپنے ذمہ سے سبکدوش ہو جاؤں

اس لیے کہ انسان کے ذمہ کسی کام کو شروع کرنا اور اس کے پورا کرنے کی نیت کر لینا ہے۔ پھر اگر اس کے اتمام میں غلّ واقع ہو جائے تو وہ اس سے معذور ہے جیسا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نِيَتُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ

یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کام شروع کرنے کی ابتداء میں نیت کرنا اس کام کے شروع کرنے سے بہتر ہے اور تمام معاملات میں نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے اور اس پر یہ بدیہی دلیل واضح ہے کہ انسان نیت کے ساتھ ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں آجاتا ہے۔ عام اس سے کہ ظاہر میں عمل ہو یا نہ ہو۔

مثلاً ایک شخص روزہ رکھنے کی نیت کے بغیر بھوکا رہے تو اس کو کچھ ثواب نہیں اور جب روزہ کی نیت سے بھوکا رہے تو اس بھوکے بہنے میں اتنا ثواب ہوتا ہے کہ مقربین بارگاہ کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ روزہ دار رہنے سے ظاہر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر میں جا کر رہے تو جب تک وہاں قیام شرعی کی نیت نہ کرے (جو پندرہ یوم سے زائد ہے) مقیم نہیں ہو سکتا، مسافر ہی رہے گا، اور قیام شرعی کی نیت کرنے سے (جو پندرہ یوم سے زائد ہو) مقیم ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

تو حاصل مقصود یہ ہوا کہ کام کے ابتدا میں نیک نیت کرنی، اس کام کا حق ادا کرنے کے مترادف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

اور جو ہم نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا نام ہم نے کشف المحجوب ہے
فصل رکھا، اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ کتاب میں ہے۔ اس کی ترجمان اس
کتاب کا نام ظاہر کر دے، جس کی چشم باطن کھلی ہو وہ جب کتاب کا نام سننا
ہے تو جان لیتا ہے کہ اس میں کیا کیا مضامین درج ہیں۔

اور واضح رہے کہ سوا مقربین بارگاہ کے عوام حقیقت آشنائی سے
محبوب ہیں اور محض بے خبر چونکہ یہ کتاب یہاں راہ حق میں ہے، اور کلمات
تحقیق کی شرح اور کشف حجاب شریعت کے موجب ہیں۔ اس لیے اس
کتاب کا نام اس کے سوا اور کوئی موزوں نہ تھا، اور وہ حقیقت کشف محبوب کے
لیے ہکت ہے، جیسے کشف میں حجاب، یعنی جس طرح قرب متحمل بعد نہیں ہوتا۔
اسی طرح بعد متحمل قرب نہیں۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ اس کے میں پیدا ہوتا ہے
وہ جس چیز میں پڑے گا مر جائے گا، اور جو کچھ دوسری چیزوں میں پیدا ہوا، وہ اگر
سرکہ میں ڈالا جائے تو مر جائے گا۔

اسی طرح معافی اور تحقیق حقیقت کا راستہ اختیار کرنا اسی کا کام ہے
جو اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، بخلاف اس کے جو اس کام سے نابلد ہے
اگر وہ اس کام میں ڈالا جائے تو اسے اس کا پورا کرنا دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ قَسِيْرٍ لِّمَآ خُلِقَ لَهُ

جو انسان جس کام کے لیے بنایا گیا ہے، اسے وہی کام آسان ہے
اور اس پر اس کام کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

لیکن حجاب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک حجاب رُئی۔ یہ وہ حجاب ہے جس سے
ہم اللہ کے ساتھ پہناہ مانگتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ حجاب جس پر آیا، پھر دُور ہی
نہیں ہوتا، دوسرا حجاب غیبی ہے۔ یہ جلد دفع ہو جاتا ہے۔ اسکی نصیب
یوں ہے کہ ایک انسان وہ ہے کہ اس کی ذات تصدیق حق کے لیے جب

حجاب ہو جاتی ہے، تو اس کے نزدیک حق و باطل برابر ہوتا ہے۔
 اور ایک انسان وہ ہوتا ہے کہ اس کی ذات تصدیق حق کے لیے حجاب تو ہوتی
 ہے۔ مگر اس کی جبلت طالب حق رہتی ہے اور باطل پرستی سے اجتناب کرتی ہے
 تو وہ حجاب جو زینی سے کسی اٹھتا ہی نہیں اور زینِ خضر۔ طبع مترادف المعنی
 ہیں۔ جیسا کہ حضرت رب العزت نے فرمایا:

كَذَلِكَ بَلَّغْنَاكَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

یعنی ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا ہوا ہے۔

ان کے کرتوت کی وجہ سے اور اس زنگ کا اثر دوسری آیت کریمہ میں فرمایا:

إِنَّ الْكَافِرِينَ كَفَرُوا أَسْوَأَ الَّذِي هُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَتَذَرْتَهُمْ

أَمْ لَمْ تَنْتَهِ لَهُمْ أَنْ يَتَوَكَّبُوا

بے شک جو لوگ کافر قطعی ہیں برابر ہے اے محبوب! خواہ انہیں

خوف دھمیانہ والا، ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

اس لیے کہ ختم اللہ علی قلوبہم اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی

ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ طبع اللہ علی قلوبہم۔ مہر لگائی اللہ نے ان کے

دلوں پر، اور اس صفت کا حجاب جو غیبی ہے، وہ کسی وقت دور بھی ہو سکتا

ہے، اور زین و غین کے معنی میں مشائخ نے ایک لطیف خیال بھی ظاہر

فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت حبیبہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الرَّيْنُ مِنَ جَمَلَةِ الْمُؤَطَّاتِ وَالْقَيْنُ مِنَ جَمَلَةِ

الْخَطَرَاتِ

یعنی دین ذاتیات موطن سے ہے اور غین و سادس خطرات

موطن سے ہے۔

اور یہ امر ظاہر ہے کہ ذات موطن پائیدار ہے اور خطرات موطن ناپائیدار، مثلاً خالص پتھر

کو ہمیشہ نہیں ہو سکتا۔ خواہ کتنی ہی جلا دیتے رہو اور اگر شیشہ مکدر ہو جائے تو چونکہ

جلا اس کی ذات میں ہے۔ اس وجہ سے وہ دونی جلا دینے سے بھلی ہو جائے گا۔
 اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پتھر کی ذات میں خلعت و تاریکی ہے، اور شیثہ کی ذات میں
 جلا و روشنی، تو چونکہ اصل پاسیدار ہوتی ہے۔ بتائیں بوجہ اصلیت پتھر کس جلا سے
 بھلا نہیں ہوگا اور شیثہ اونٹنے جلا دینے سے جلا پا جائے گا۔ تو میں نے یہ کتاب اس
 لیے تألیف کی ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے حجاب کا کشف ہو جائے۔ جو حجاب طبع
 میں محتجب ہیں، اور درحقیقت مایہ نوز حق ان میں موجود ہے۔ تاکہ اس کتاب کے
 پڑھنے سے ان کا حجاب کھل جائے اور حقیقت کا راستہ انھیں مل جائے، اور
 جو انکار حق اور تحقیق باطل سے محبت رکھنے والے ہیں وہ برگزیدہ مشاہدہ حق کی راہ
 نہیں پاتے انھیں اس کتاب سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَتِہِ الْعِزِّیَّاتِ

فصل ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ مقصود سائل ہیں معلوم ہو گیا اور سائل کی جو طرز و
 نفاذ ہے وہ اس کتاب میں مفصل مذکور ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ
 تک مسئلہ مقصود سائل ذہنی سمجھے مراد جواب پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔
 اور سائل کو نامستول سے امور مشکلہ کا حل چاہتے ہیں۔ پھر جب مقصود
 سائل سمجھے بغیر جواب دیا جائے تو مقصود سائل حل نہیں ہوتا اور اس جواب سے
 کوئی فائدہ بھی نتیجہ خیز حاصل نہیں ہوتا۔

اور یہ امر واضح ہے کہ جب تک سوال مشکل کا عرفان مسئلہ کو نہ ہو، اس کا
 حل کرنا محال ہے۔

اندر جو ہم نے کہا کہ اس کتاب کے ذریعہ سائل کی مراد پوری ہوگی۔ اس سے یہ
 مطلب ہے کہ جو سوال جامع ہوگا اس کا جواب بھی اس کتاب میں جامع ملے گا بشرطیکہ
 سائل اپنے سوال کے صغیر و کبیر درجات اور پہلوؤں کا عالم ہو اور اگر مبتدی سائل
 ہے تو اسے تفصیل کی احتیاج نہیں اس کے لیے حدود اور درجات کے بیان
 کی ضرورت ہی نہیں۔

الحاصل خدا بر سائل کی غرض نیک کرے۔ میرا مقصد اس کتاب کی تالیف سے یہی ہے کہ سوال سائل کی تفصیل پر ایک کتاب مرتب ہو جائے۔

فصل

اور میں نے جو کتاب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے آتام کتاب کی توفیق اور مدد طلب کرتا ہوں۔ اس سے جو مراد ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے لیے جو اس حقیقی کے کوئی ایسا نام نہیں جو اعمال صالحہ پر اس کی اعانت کرے اور اس کی تکمیل کی توفیق بخشنے۔

اب یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ توفیق کیا ہے؟

توفیق کہتے ہیں امور خیر میں انسان کے ہر فعل کے اندر فعال حقیقی جل مجدہ کی اعانت، اور امور خیر وہ ہیں جن میں کتاب و سنت اور ان کے نیک ہونے پر ناطق ہو اور اختراع امت اس کے استحقاق پر پایا جائے، اور لفظ توفیق کو سوائے جماعت معززہ اور گروہ قدریہ سب اسی معنی میں لائے ہیں، برخلاف معتزلہ و قدریہ کے کہ وہ اس لفظ توفیق کو تمام معانی سے خالی سمجھتے ہیں، اور ایک جماعت مشائخ طریقت کے نزدیک توفیق کے معنی یہ ہیں:

التَّوْفِيقُ هُوَ الْقُدْرَةُ عَلَى الطَّاعَةِ عِنْدَ الْإِسْتِعْثَالِ

”یعنی توفیق کیا ہے، یہ کہ انسان بوقت عمل اپنے میں قدرت اطاعت پائے۔“ اس لئے کہ جب بندہ اپنے رب جل مجدہ کی اطاعت کیلئے تلبسے تو وہ اپنے میں منجانب اللہ بہ نسبت سابق بہت زیادہ استعداد پاتا ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً جو حرکات و سکنات ان سے سرزد ہوتے ہیں وہ منجانب اللہ اس کی پیدائش سے قبل اس کے لیے مقرر ہوتے ہیں تو اس فن کو جس سے انسان مطیع و فرماں بردار حکم الہی ہو تلبسے۔ توفیق کہتے ہیں۔

اور اس کتاب میں اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے گنجائش نہیں، اس لیے کہ یہ بحث جداگانہ ہے۔ بنا بریں میں اپنے بیان کو اصل مطلب کی طرف لے جاتا ہوں اور اصل مدعا پر جانے سے قبل میں اس سوال کو بعینہ بیان کرتا

ہوں۔ حقیقت کتاب ہذا کا شروع بھی اسی سوال سے ہے۔ وباللہ التوفیق!

استقرار

فرماتے ہیں اہل البوسعیدہ جویری نے مجھ علی جویری سے سوال کیا کہ جبل
طریقیت و تصوف کی کیفیت اور ان کے مقامات و مذاہب بیان کرو۔ اور
ارباب تصوف کے رموز و اشارات ظاہر کر، اور یہ بھی واضح کر کہ اللہ جل مجدہ
کی ذات و صفات کے ساتھ ربط محبت کیوں کرتا ہے اور اس کا لطف ہے
کیف قلوب صوفیاء پر کس طرح متکشف ہوتا ہے، اور اس کی مابیت معلوم ہونے
سے عقول کا حجاب اور اس کی حقیقت آشنائی سے نفس کی متافرت اور اس کی
منیا و صفا سے روع کو آرم کیوں کر ہے!
مسئل علی بن عثمان حلابی نے کہا، اللہ اُس کے اس جواب دینے میں
اعانت فرمائے۔

ہمارے اسی زمانہ میں علم حقیقت و معرفت مند ہیں اور معدوم جیسا
ہو گیا ہے۔ خاص کر ان مالک میں یہ حال ہے جو حواشات انسانیہ کے پیرو ہیں
اور اہل رضا و استقامت سے خوف!

اور عام طور پر ہمارے صورت طریقیت کو اس کی اصلیت کے خلاف ظاہر
کر کے عوام کی بیہوشیاں بدل دیتے ہیں۔ لہذا آؤ اور کرمیت چست کر دو۔ اسلئے
کہ اس سوال کی حقیقت تک خواص کے سوا عوام کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور عوام
اہل ارادہ کی امیدیں اسکے حصول کی امید سے مایوس ہیں!
اور درحقیقت حضرت جبل مجدہ تعلیٰ شائستہ کے خواص کے علاوہ تمام
مردعیان عرفان کی معرفت بے کار ہے۔

نے اہل البوسعیدہ جویری شائخ فزنی میں سے ہیں۔ کہ رضا اصطلاح صوفیاء میں نا اعل حقیقی
کے خیر و شر پر خوش رہنے کو کہتے ہیں۔

اس لئے خواہم نے معرفت سے مراد محض اس کے لغوی معنی لئے ہیں ، اور بدل و جان اس کے حجاب کے خریار ہو چکے ہیں اور یہ کام تحقیق کا تھا مگر اب محض تعلیم میں رہ گیا ہے۔ جسے کہ وہ تحقیق ان سے معنی ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ خواہم بھی کہتے مگسے کہ ہم حق شناس مارت ہیں ! اور خاص ان سے اس سے خوش ہیں کہ ان کے دلوں میں عرفان کی تمنا چاہتے ہیں اور سوز محبت ان میں دیکھتے ہیں۔

اور مدعی تصوف و عرفان اپنے دعوے میں استقدر ہو چکے کہ معانی حقیقی حل کرنے میں عاجز ہیں۔ پیر و مرید دونوں نے مجاہدہ چھوڑ دیا اور محض اپنے وہم و ظن کا نام شاہدہ رکھ لیا۔

میں نے اس فن میں کئی کتابیں لکھیں مگر سب ضائع ہو گئیں۔ مدعیان کا ذہن نے لوگوں کو دام تزییر میں پھانسنے کے لیے چند الفاظ صرفیہ کے یاد کر لیے ہیں اور اصل مفہوم نسیا کر ڈالا اور دل میں انکار کے سوا کچھ نہیں ! اور اسے نہ نصرت ہلتے ہیں۔

ایک گروہ اس علم کے حاصل کرنے کو آمادہ ہو کر بیٹھا مگر کچھ حاصل نہ کر سکا۔ دوسرے گروہ نے فن پڑھا مگر اس کے معنی پر عبور نہ کر سکا ، اور عبارت یاد کر کے ظاہر کرتا پیرا کہ ہم فن تصوف اور علم عرفان جانتے ہیں اور حقیقت یہ انکا خالص ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معانی حقیقی کا جاننا ایسا ہے جیسے کبریت اجڑا کر اس کی ایک دانگ (۱۰ رتی) کی نسبت سے تانبا ، کانسی کو سونا بنادے۔ مختصر یہ کہ ہر شخص دو چاہتا ہے جو اس کے دیکھنے و افغ ہو اور اس کے سوائے اوکسی چیز کی طلب نہیں۔ بزرگوں میں سے کسی نے خوب کہا ہے
فَكُلُّ بَنِي فَوَادٍ وَجَعٌ وَيَطْلُبُ شَيْئًا يُوَافِقُ الْوَجْعَ
ہر شخص جس کے کلیجہ میں درد ہے اور وہ اسی چیز کا طالب ہے جو اس کے

دد کو مفید ہو۔ پھر جس مریض کی بیماری معمولی ہے اسے موقی اور مرجان کی کیوں تلاش ہو کہ وہ اسے غیر موثر دوا المسک میں ڈالے۔

درحقیقت اشنائی اس وجہ میں بھی عزیز الوجود ہے کہ ہر کس و ناکس کے حق میں یہ دولت نہیں (جنس طرح سیری تعصیف جامع ہوئی ایسے ہی)

علم تصوف سے جاہل لوگوں نے بڑے گمان، لغت کی کتابوں کو لے کر بغیر سمجھے ان کی یہ عزت کی، اس اسرار الہیہ کے خزانہ کو کلاہ فروشوں اور جلد سازوں کے ہاتھ بیچ کر ضائع کر دیا، انہوں نے ان کے اوراق بھاڑ بھاڑ کر ٹوپیوں کے استروں میں لٹکادیتے اور جلد سازوں نے ابو نواس کے دیوان اور جاحظ کی ہزلیات کی جلدوں میں چپکا دیئے۔

گویا ایسے ہوا جیسے باز شاہی کسی بڑھیا کے مکان پر چلا گیا، اس نے اس کے پرانے کاٹ کر گھر میں ڈال دیا۔

رب العزت جل جلالہ نے ہمیں بھی ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا۔ کہ ابالیان زمانہ حلقہ حرم و ہوا کو شریعت بنا بیٹھے اور طلب جاد اور ریاست و تکبر کو عزت و علم سمجھ لیا، اور ریاضی و نمائش کو خوف الہی قرار دے لیا، اور بغض، حسد و کینہ کو علم و بروہی بنالیا۔

عبادہ کا نام مناظرہ دین رکھ لیا، لڑائی بھگتا، کینہ پن کا نام غیرت رکھ لیا، نفاق کے معنی زہد کر لیے اور غنا و باطل کو ارادت بتانے لگ گئے۔

فہم دیکھو اس کا نام معرفت رکھ لیا۔ حرکت دل بڑھ جانے کو تکلیف باری ہونا کہہ دیا۔ دل میں جو خطرات پیدا ہوتے ہیں، اس کا نام الہام و حدیث نفس بنالیا۔ الحاد و خالص کو فقر کہہ دیا۔ حجو و حق سے یعنی سہل انگاری کو صفوت کہہ ڈالا۔ زندقہ کا نام قتال اللہ ہونا رکھ لیا۔ ترک احکام شریعت محمدیہ علی صاحبہا التسلط و السلام کو عین طریقت بنا بیٹھے، اور خس و خاشاک، فکر دنیا و آفت زمانہ کا نام معاملہ فہم بنالیا۔

آخرش ادب معنی و اہل سلوک میں دیدہ ویروں سے ملک ہو گئے، اور
افکار نے علوم پر ظہر پالیا۔

جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کی بہت سی زندگی
پریشانی اور ضعف پر حضرت ابو بکر واسطی رحمہ اللہ علیہ نے جو حقیقتا شہ
اور بے نظیر دلائل پیش کرنے والے تھے، ان کے نسخ، ادب کمال کے مجدد ہیں
آل مروان کو کیا خوب فرمایا ہے

ابتلینا بنما ن لیس فیہ آداب الاسلام وکالاخلاق
الجاهلیة وکالا احکام فدا المروءة

ہم ایسے زمانہ میں امتحان میں جس کے اندر نہ تو ادب اسلامی ہے، نہ
جہالت جیسے اخلاق ہیں نہ مردم شناسی باقی ہے۔ ان کے معنی حدیث کا
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

لحمد لله ذی الدنیا منا خالرا کب
فکل بصیدا الهم فیہا معذب مضطرب

اس دنیا کے اندر گناہ ہیں جس کا کہنے والا یہاں ہے جیسے لوز شائع
والا لوز ٹوکتا ہے، تو جو شخص دنیا میں غموں سے بچا اور فکروں سے قند ہے
وہ مذہب خیریت قریب ہے اور ذیل جوئے والا۔

اسے علامہ شیخ اشرفی نے نیسا کا میں قوی بیان کیا ہے، شیخ ہیں کہ میں
فصل نے اس علم دنیا کو اسرار الہی کا ختم اور مخلوقات کو اس کی بہت خاص پلا اور
موجودات و امین بابت کو اس کی منصف طبیعت کا مظہر دیکھا، اور ہر غرض
منعرجہ بن حیا بن سب کو اس اسرار مکتوب کا پتہ پلایا، اور مقام توصیف میں
ذکورہ اشیاء کے اشیاء کو شرک بجا جاتا ہے۔

رب عزت جل مجد نے اس جہن فانی کو سنہ و کباب کہہ کر انہی حکمے
راک بن کو سن بخشی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور انسان اپنے وجود کے سبب حقیقتِ اُشنا سے توحید پونے سے محجوب ہے اور اولیٰ بھی رفاقت و وجود انسانی کے بدولت مغرور ہو کر اپنے رب مجید کی تقریباً اس جسم سے نجات پانے میں محروم ہو گئی ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اسرارِ الہیہ بذریعہ عقل سمجھنا مشکل بلکہ محال ہیں اسی وجہ سے لطائفِ حق سے روح انسانی محجوب ہو گئی اور محجوب انسان اپنی ہذخ و جور سے دور ہو گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ خَسِرَ

قسم ہے محبوبِ ترے عصرِ پاک کی بیشک انسان اپنے عنصرِ وجودی کے حجاب میں اگر معرضِ زیبا میں ہے۔

اور یہ بھی فرمایا :

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

بے شک وہ بڑا نادان نا عاقبت اندیش اور جاہل ہے۔

پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

خلق الله الخلق في ظلمة ثم القى عليه نورا

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو حجاباتِ عنصر پر پیدا فرمایا۔ پھر

ان پر تزکیہ و تصفیہ قلب کے ذریعہ اپنے نورِ خاص کی جھلک ڈالی

پھر وہ حجابِ علم دنیا میں فریضہ انسانی کے اندر مل گیا اور بتصرف عقل طبائع

انسانی پر غالب آگیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس پر قناعت کر کے روح کی صفائی کے

بجائے خریدارِ حجابات ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان من حیث الانسان دایرہ

حقیقی اور انوارِ کشف سے بے خبر رہ کر ان افعال سے گریز کرتا ہے جو اس کی

نجات کے سبب ہیں۔ گویا وہ مثلِ مہنام و انعام ہو گیا۔ جو پونے سے نا آشنا

جمالِ احدیت سے بے پروا، ذوقِ وحدانیت سے بے خبر ہے۔ اس کی ترکیب

محجوبی مشاہدہ اور تحقیق سے عاجز ہے۔ اسی وجہ سے مریضاتِ الہیہ کو چھوڑ کر

میں دنیا کے دنیاوی بکریوں کا جرم ہے۔

اپنی انجمن میں مل کے ساتھ عیال کے معیشت کے غائبیت خستہ کی
حکمتوں پر چلنے لگے۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ عیال خستہ خستہ بن گیا۔
سو لکھانے شہوان کیفیتوں کی پردہ کرنے کے ساتھ کہ خبری نہیں
بب جل جلالہ اور اس وقت پہنچا جس وقت کہ مذکورہ سے عیال خستہ بننے کے
لیے اس طرح روایت فرمائی۔

ذره سر یا حلاوا و یتمتعوا و یلبسوا بالفضل ثم یطعمون
اے میرے محبوب چھوڑ دو ان کی کھانسیں، مذکورہ کے پیش از این
اور دنیاوی حرص و آزمائشیں داخل نہ کیے، پھر عیال خستہ بننے
جائیں گے (کہ اس غفلت کا نتیجہ کیا ہے)

جو کہ مولم حساس کی طبیعتوں نے قلب نے انہیں اسرار الہیہ پوشیدہ کر
دیئے تو ان پر عنایات الہیہ کی بجائے غاری و ذلت پیدا ہوئی۔ اس وجہ سے
تمام نفس ہمارے پیسہ ہوتے اور عیال میں بڑا عجب ہے اور ہالی کا بیج
اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان النفس لا تشاء بالسوء

نہیے شک نفس برائیوں کا حکم کرنے والا ہے۔

اب میں اصل کتاب شروع کرتا ہوں اور مقصد و طالب کو مقدمات
خاص اور عیال کے بارے میں ظاہر کر دوں گا، اور بیان طیف کے ساتھ
حکایات فن سناؤں گا، واپس مثالی کرام کو اس سے تطبیق دوں گا، اور
ارباب فن کی عبارات کو نہایت سوز و حسرت میں چسپاں کر دوں گا۔
احوال زندگان دین اور حالات، قرین سے مفہوم کتاب سمجھانے میں امداد
دوں گا تاکہ طالب مفہوم کی مراد فہم پوری ہو تاکہ ظاہر احوال و دین۔
ازیں جو میں اسے دیکھتا ہوں کہ طریق تصنیف کتاب ہمارے ہے اور شیوہ حقیقت

کے جزکس قدر مضبوط ہیں اور اس کی شاخیں کیسی بار آور ہیں۔ اور ہر
 کوئی سمجھ سکے کہ تصوف تمام علوم کی اصل ہے اور اس سے علماء تصوف ہمیشہ
 اپنے مریض کو تحصیل علم کی ہدایت کرتے رہے اور لہو و لعب و ہزلیات
 کی پیروی سے روکتے رہے، اور اس فن کی ترویج و ترغیب سے انکی
 تصانیف بھری ہوئی ہیں، جن میں وہ مضامین ہیں جو انہیں مستجاب اللہ
 وار و صادر ہوئے۔ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**

پہلا باب

اثبات علم

علماء حق کی صفت میں حضرت رب العزت جل شانہ فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

”اللہ کے بندوں میں خشیت الہی رکھنے والے علماء ہی ہیں۔“

حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ

ہر مسلم مرد و عورت پر علم دین حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر۔“

اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے:

الْمُلُكُ بِالْعِلْمِ وَلَوْ كَانَ بِالْقِتْمِ

”علم حاصل کرو اگرچہ چین سے دستیاب ہو۔“

اور واضح رہے کہ اقسامِ علم بے حد ہیں اور عمر انسانی نہایت ناقص۔

بنابریں واضح ہو گیا کہ تمام علوم حاصل کرنا ہر انسان پر فرض نہیں،

مثلاً علم نجوم، علم حساب، علم صنائع بدائع وغیرہ وغیرہ۔

مگر ان علوم میں سے اتنا حاصل کرنا لازمی ہے جس کی شریعت مطہرہ

کے اندر ضرورت ہے، جیسے علم نجوم۔ اس کا اتنا جاننا ضروری ہے جس سے

رات دن کے اوقات صوم و صلوٰۃ کے وقت جانے جاسکیں۔ علم طب اس

قد ضرور پڑھا جائے جس سے انسان صحت کی حفاظت عوارضات
مرض سے کر سکے۔ اسی طرح دیانسی استفد پڑھنی ضروری ہے جس سے
”ایم فرائض آسانی سے سمجھ سکے“

غرضیکہ علم اس قدر حاصل کرنا ضروری ہے جس سے حوائج شرعیہ
پورے ہو سکیں، اور وہ علم جس سے منافع اخروی کے ساتھ کچھ تعلق نہ ہو
اس کی مذمت رب العزت جل مجدہ نے فرمائی اور ارشاد ہوا :

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

”یعنی سیکھتے ہیں ان علوم کو جو انہیں راتفاقاات و مذہبیات

میں نقصان پہنچاتے اور نفع رساں نہیں ہوتے“

اور سہ کار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے علم سے پناہ مانگی اور فرمایا :

اعوذ بك من علم لا ينفع

”یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں علم بے منفعت سے“

بہر حال غلطی علم سے بہت عمل کیا جاسکتا ہے اور طالب علم کو لازم ہے

کہ علم بالمسل حاصل کرے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المتعبد بلا فقه كالحمارة في الطاحونة

یعنی عبادت کرنے والا بغیر جانے علم فقہ کے اس گدھے کی مانند ہے جو

خراس میں دن بھر جتا، اور شام کو جہاں تھا وہیں رہا

گویا بے قاعدہ شرعی عبادت کا نتیجہ یہی ہے جو خراس کے گدھے کا کہ دن بھر

پھرا مگر فضول، کچھ بھی نہ کر سکا۔

میں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا کہ وہ علم پر عمل کو فضیلت دیتا ہے۔

اور ایک جماعت دیکھی ہے جو عمل پر علم کو مقدم رکھتی تھی اور وہ حقیقت یہ

دونوں باطل پر تھے، اس لیے کہ عمل بغیر علم عمل نہیں، کیونکہ عمل، عمل جب

مانا جاتا ہے جب کہ اس کا علم ہو۔ عمل کنندہ جانے کہ اس عمل سے ہمیں

یہ ثواب یا درجہ ملے گا جیسے نماز اور اس کی صحت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ نماز پڑھنے والا احکام طہارت کا علم نہ حاصل کر لے اور جب تک پانی کے پاک ہونے کا علم نہ ہو جائے، وضو صحیح نہیں ہو سکتا۔

قبلہ کی سمت کا اگر علم نہیں، نماز درست نہیں۔ اسی طرح جب تک نیت کے معنی اور اس کی حقیقت کا علم نہ ہو، نماز بے کار ہے۔ اسی طرح اگر ارکان نماز نہیں جانتا تو نماز کہاں درست ہو سکتی ہے۔

تو ثابت ہوا کہ عمل علم سے قریب ہوتا ہے تو وہ جاہل جو علم کو عمل سے علیحدہ کر رہا ہے، اور علم کو عمل پر تفصیلت دے رہا ہے محض لغو اور بناء علی الباطل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم کا وجود بغیر عمل نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ فَرَّقَ مَنِ الدِّينِ اَوْ تَوَالِىَ الْكِتَابِ كِتَابُ اللَّهِ وِراءَ

ظہورِ ہر کا فہم لا یعلمون ۔

یعنی ایک جماعت انہیں سے وہ ہے جنہیں اللہ کی کتاب عطا ہوئی ہے۔ مگر انہوں نے کتاب کو ایسا پس پشت ڈال دیا

کہ وہ اس کتاب سے جاہل ہیں۔

گو یارب جل جلالہ نے علموں کا نام علماء کی جماعت سے بے عمل ہونے کی وجہ سے نکال دیا۔ اگرچہ پڑھنا، یاد کرنا، یاد رکھنا، اس یاد کیے ہوئے کی محافظت کرنا یہ بھی ایک عمل ہے۔ کہ اس سے بھی بندہ کو اجر کا مستحق مانا جاتا ہے۔ مگر جبکہ علم کا حکم اس کے اعمال کے خلاف ہو، تو اسے اس سے یاد کرنے و میزہ کا کچھ ثواب نہیں ملتا ہے۔

اس مسئلہ میں دو فرقہ ہیں: ایک وہ کہ وجاہت خلق علم کی وجہ میں دیکھ کر اس کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا، اور علم کی حقیقت تک خود پہنچ کر عمل کو علم سے جدا کرتا ہے۔ یہ وہ فرقہ ہے جو نہ علم کو سمجھا نہ عمل کو، جتنے کہ جاہلوں کو

کتاب پڑھا ہے۔ قال نہیں چاہیئے کار چاہیئے۔

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ عمل کچھ نہیں علم چاہیئے۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا، اس پر لکھا ہوا تھا۔ ”مجھے پلٹ اور پڑھ“ میں نے پلٹا تو اس پر یہ لکھا دیکھا :

أَنْتَ لَا تَعْمَلُ بِنَا تَعْلَمُ
فَكَيْفَ تَحْلُبُ عَمَلًا مَا لَا تَعْلَمُ

یعنی جب تو اپنے علم کے مطابق عمل سے قاصر ہے تو مجال ہے کہ جس کا تجھے علم نہیں اس پر عمل کرے۔ گویہ ہدایت اس پر منقش تھی کہ انسان اس حد تک عمل کو کوشش رہے جس حد تک اسے علم ہے تاکہ اس کی برکت سے وہ بھی جان لے جو نہ جانتا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

هَيْئَةُ الْعُلَمَاءِ الدَّرَایَةُ وَهَيْئَةُ السُّفَهَاءِ الدَّرَایَةُ
”علماء کا خزانہ معلومات علم ہے اور جہلاء کا خزانہ علم محض دانت
کا نقل کر دینا“

چونکہ علماء سے لوازمات جہالت منقح ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ علم کو ذریعہ حبابہ و عزت دنیا نہیں بناتے۔ اور جو علم کے ذریعہ حبابہ طلبی کرتے اور عزت دنیاوی چاہتے ہیں وہ لوازمات جہل میں ملوث رہ کر کوئی درجہ درجات اہل علم سے نہیں پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم بغیر کسی لطیفہ کے ذریعہ خدایا رسیدہ نہیں ہو سکتا، اور علم کی برکت سے تمام مقامات کا مشاہدہ ہو جاتا ہے وَاللّٰهُ اعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

فصل اب یہ سمجھنا چاہئے کہ علم دو ہیں۔ ایک علم الہی دوئم علم خلق اور علم خلق متلاشی علم الہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ علم الہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور

صفت الہی ذات الہی کے ساتھ قائم ہے ، اور صفات الہیہ بے نہایت ہیں اور ہمارا علم (یعنی علم خلق) صفت خلق ہے اور صفت خلق مخلوق کے ساتھ قائم ہے اور مخلوق کی صفات متناہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا أَوْثَقْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

”یعنی تم کو علم (تمہارے ظرف کے مطابق) قلیل دیا گیا ہے۔“

الغرض علم مدرج کی صفتوں سے ہے اور اس کی تعریف احاطہ المعلوم ہے یعنی معلومات کا احاطہ کرنا یا تبیین المعلوم تعریف علم ہے۔ یعنی معلوم کا واضح طور پر بیان کرنا، اور بہترین جامع مانع تعریف علم یہ ہے کہ :

الْعِلْمُ صِفَةُ يُصَيِّرُ الْجَاهِلَ بِمَعْنَى لَيْثًا۔

”یعنی علم ایک ایسی صفت ہے جس سے جاہل عالم ہو جاتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاللَّهُ مُجِيبٌ بِالْحُكْمِ الَّذِينَ

”بے شک اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔“

اور فرماتا ہے :

وَاللَّهُ يُحْكِلُ شَيْءٌ عَزِيزٌ

”اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔“

اور علم الہی ایک ایسی صفت ہے جس سے وہ تمام موجودات و معدومات کو جاننے والا بنا گیا ہے۔ اور ایسا علم مانا گیا کہ اس میں جیسا علم ہونے میں

مخلوق کا کوئی جزو شریک صفت نہیں ہو سکتا۔ اور اس علم ذاتی کی تجزی بھی نہیں ہو سکتی اور نہ یہ علم اس کی ذات سے کہیں جدا ہو سکتا ہے

اور اس علم پر اس کی ترتیب فعال و میل ہے، اس لئے کہ ہر فعل حکم علم

ظہور پذیر ہوتا ہے، اور علم الہی کی ہی یہ شان ہے کہ ہر ممکن و ظاہر پر ہر ان محیط ہے۔

طالب حق کو لازم ہے کہ بوقتِ عمل یقین کرے کہ وہ عالم الذییبِ کامِ حقیقی
میرے اس عمل کو دیکھ رہا ہے جیسا کہ اس کا عقیدہ ہے کہ وہ ہماری سر حرکت
سکون کو دیکھنے والا ہے۔

حکایت

روایت ہے کہ ایک رئیس بھروسہ کسی دن اپنے باغ میں گیا۔ اس کی نظر
اپنے باغ کے مال کی بیوی پر پڑی اور بڑا خیال پیدا ہو گیا۔ رئیس نے مال کو
کسی کا کہنے بھجوا دیا، اور اس کی بیوی کو کہا۔ باغ کے سب دروازے بند کر دے
عورت نے آکر کہا۔ میں نے سب دروازے بند کر دیئے ہیں مگر ایک
دروازہ ایسا ہے کہ میں اس کو بند نہیں کر سکتی۔ رئیس نے پوچھا۔ وہ کون سا
دروازہ ہے؟ مال کی بیوی نے کہا۔ وہ دروازہ وہ ہے۔ جو میرے اور میرے
رب کے مابین ہے۔ یہ شکر رئیس شرمندہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے
گناہ کی معافی مانگی۔

حاتم امم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے چار علم اختیار
کیے ہیں اور دنیا کے تمام علوم سے آزاد ہوں۔ لوگوں نے پوچھا حضرت وہ چار علم
کون سے ہیں؟ فرمایا:

پہلا علم تو یہ ہے کہ میرا رزق جتنا میرے لئے مقسوم ہے۔ کم یا
زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے میں زیادہ کی تلاش سے بے پرواہ ہوں۔
دوسرا علم یہ کہ مجھ پر میرے رب جل مجدہ کے ایسے حقوق ہیں۔ جو
میرے سوا دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ تو میں ان حقوق کی ادائیگی میں مشغول
ہو گیا ہوں۔

تیسرا علم یہ کہ میرا ایک طالب ہے جسے موت کہتے ہیں۔ اس
سے بھاگنا ناممکن ہے۔ اس لئے میں اس کے لئے تیار ہوں۔
چوتھا علم یہ کہ میرا رب جل مجدہ و تعالیٰ شانہ مجھے بر لحد دیکھنے والا ہے

میں اس سے شرماتا ہوں اور نہ کر دہ کاری سے اجتناب کرتا ہوں اور برائے
 فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جس کی وجہ سے کل قیامت کے دن
 شرمندہ ہونا پڑے۔

بندہ کا علم اور امیر الہیہ اور اس کی ذات کے جاننے میں ضروری ہے اور علم
 فصل اوقات اور اوقات میں جو بندہ پر لازم ہے۔ اس کا جاننا بھی لازمی
 ہے۔ پھر احکام ظاہری و باطنی کا سمجھنا بھی ضروری ہے، اور ظاہر و باطن امور
 کے لحاظ سے علم مخلوق کی دو قسمیں ہیں: ایک علم اصول، دوسرا علم فروع۔
 اصول ظاہری میں تو کلمہ شہادت ہے۔ یعنی وحدانیت الہی کا اعتراف
 اور رسالت مآب قبل اللہ علیہ وسلم کی تصدیق۔ اور اصول باطن میں معرفت۔

کی تحقیق اسی طرح فروغ ظاہری آپس میں معاملات اور برتاؤ درست رکھنا، اور
فروغ باطنی دل سے نیت صمیم رکھنا اور اس صحت پر قائم رہنا، اور یہ ایسی چیزیں
ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے بغیر محال ہے۔

چنانچہ ظاہر کا برتاؤ صاف رکھنا اور دل میں اس کے خلاف ہونا
نفاق ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے باطن کی اصلاح ظاہر کے بغیر سمجھنا زندہ ہے
اور شریعت پر ظاہری اطاعت بغیر اطاعت باطنی یعنی قلبی کے ناقص ہے
اور جو چیز باطن میں نہ ہو، اسے ظاہر داری میں دکھانا ہو پس باطل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علم حقیقت کے تین رکن ہیں :
رکن اول علم ذات باری تعالیٰ اور اسکی وحدانیت کا اعتقاد، اور
اس کی تشبیہ سے نفی۔

رکن دوم علم صفات باری تعالیٰ عز اسمہ اور اس کے احکام کا علم
رکن سوم حکمت الہیہ کا تسلیم کرنا، اور اس کے افعال کو ماننا۔
اسی طرح علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں :
اول کتاب اللہ

دوم — سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سوم — اجماع امت

اور اثبات وجود ذات واجب تعالیٰ شانہ اور علم صفات و افعال پر خود رب جل
جلالہ کا فرمان دلیل واضح ہے، جیسا کہ ارشاد ہے :

فَاعْلَمُوا أَنَّمَا إِلَهُ الْإِلَهِ

”یعنی جان لے کہ بیشک وہی ایک معبود ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں“

اور فرمایا :

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَلِكُ

”یعنی جان لو کہ بیشک اللہ ہی تمہارا مالک ہے“

اور فرمایا:

اَلَمْ تَرْاَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الْقُلُوبَ
کیا نہیں دیکھا تو نے اپنے رب کو کہ اس نے کس طرح سارے بھید لایا

اور فرمایا:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلٰى الْاٰوَّلِ كَيْفَ خَلَقَتْ
کیا تم نہیں دیکھتے اوّل کیطرت کہ کس طرح بنایا گیا

غلاوہ اسکے بہت سی آیتیں ہیں جو افعال البتہ پر نظر کرنے کی تاک یہ
کہہ رہی ہیں تاکہ اس سے انسان صفات ذات کو جان کر فاعل حقیقی کا شناسا بنے۔
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ رَبُّهُ دَأَىٰ نَيْبَهُ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِحُمِّهِ
وَدَمِهِ عَلَى النَّارِ

”جس نے دل سے جان لیا کہ بے شک اللہ اس کا رب ہے اور میں اس کا
نبی ہوں، اس کے لحم و دم کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرمایا۔“

لیکن علم ذات باری تعالیٰ عز اسمہ میں یہ شرط بھی ہے کہ ہر عاقل و بالغ
اس امر کو یقیناً جان لے کہ جہت علی شانہ موجود قدیم ہے اور اسکی ذات قدیم غیر
محدود، اور مکان و جہت سے منزہ ہے اور وہ ذات موجب اُفت نہیں اور وہ
زن و فرزند سے پاک ہے۔ انسانی اولاد میں جو چیزیں متصور ہوتی ہیں، ان
کا بھی وہی آفرینگار ہے اور وہی تمام مخلوق کا پرورش کرنے والا، اس نے حق

فرمایا:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

”اس کی مثل کوئی شے نہیں، وہ سنے دیکھنے والا ہے۔“

اور علم صفات ذات عز اسمہ یہ ہے کہ اسے جانے کہ اس کے لیے ایسی صفات
ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ مگر وہ صفات نہ ہیں

marfat.com

Marfat.com

ہمت میں نہ غیر ذات مگر ابدی ازلی ہیں جیسے علم، قدرت، حیات، ارادہ،
سخا، بصیر، کلام، بقا، جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

”بے شک وہ ذات پاک تمہارے دلوں کے خفیات کی بھی عالم ہے“

اور فرمایا:

وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

”بے شک اللہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے“

اور فرمایا:

”وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ“

ذات متدبر لا احتیاج الہ سمیع و بصیر ہے“

اور فرمایا:

فَقَالَ لِمَ يُرِيدُ

”بڑا زبردست اپنے ارادے کو پورا کرنے والا ہے“

اور فرمایا:

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

”وہ حی تدبیر ازلی سرمدی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں“

اور فرمایا:

قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ

”اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لیے حقیقی ملک ہیں“

اب علم، ثبوت، افعال۔ اس کے حصول کی صورت یہ ہے۔ انسان جاننے اور یقین کے
کو وہی خالق خلق و خالق افعال خلق ہے۔ علم نابود کو وجود میں لانے والا سوا اس
کے کوئی نہیں۔ خیر و شر کا خالق وہی ہے جیسا کہ فرمایا:

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

”اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔“

اور شہادت احکام شریعت پر دلیل یہ ہے کہ اسی واجب الوجود نے ہم تک اپنے رسول مبعوث فرمائے، انہیں گونا گوں معجزات عطا فرمائے جو قطعاً خارق عادت تھے اور محیر العقول۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ ان کو معجزات بے حد عطا کئے گئے اور ان کے ذریعے ہیں خبریں پہنچیں وہ اخبار غیبیہ سے ہیں، اور تمام میں الحق۔

اور شریعت مطہرہ کا رکن اول کتاب اللہ ہے جیسا کہ ذات عز اسمہ:

نے فرمایا:

فِيهِ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ .

”اس کتاب مقدس میں بعض آیات حکم اور واضح ہیں جو ہی اس

کتاب میں

دوسرا رکن شریعت اسلامی کا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جسکی

اطاعت کے لیے قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ الرِّسُولُ فَعَدُوًّا وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَأَتَوْهُ

”جو حکم ہمارے حبیب تمہیں دیں، قبول کرو اور جس بات سے منع

فرمائیں، باز رہو۔“

تیسرا رکن اجماع امت ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَىَ الْغَلَاظِ وَعَلَيْكُمْ بِالتَّوَادُّ وَالْإِعْظَامِ .

”یعنی میری امت گمراہی پر کسی جمع نہ ہوگی، تم بڑی جماعت یعنی امت کو

لانگھکڑے رہو۔“

ان تمام احکام میں حقیقت اسلام ہے۔ اب اگر کوئی چاہے کہ تمام —
اپنے اندر جمع کرے تو ایسا نہیں کر سکتا، اس کی قوت سے ایسا ہوتا اور اہل الہام
ہے، اس لئے کہ لطائف اسماء الہیہ بے نہایت ہیں۔ اور جب ان کی حد

اور سختی نہیں تو انسان ان سب پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ ایک جماعت محدود کی ہے۔ اللہ کی ان پر
فصل سنت ہوا، انہیں سرفسٹائی کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خالق اشیاء

کا علم تحقیقی حاصل ہونا محال ہے اور علم اشیاء خود کچھ نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس امر کا
انہیں علم ہر یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں اس امر کا ہمیں علم ہوا، مگر حقائق اشیاء کا
علم حاصل ہونا محال ہے، تو وہ خود اپنی زبانی اثبات علم کر چکا اور اگر کہیں کہ نہیں
تو پھر یہ کہنا غلط اور بے علمی ہے کہ علم اشیاء کا حصول محال ہے، اور یہ
دعوائے قطعاً باطل۔ پھر ایسی جماعت نے گفتگو کرنا او ایسے منہ لگانا

اور ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارا علم کسی چیز کے ساتھ درست نہیں یہ دو حال
سے خالی نہیں یا نفی علم کا حاصل حاصل کر کے وہ کہہ رہے ہیں یا بذریعہ علم یہ
دعوائے کر رہے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں اثبات علم یقینی ہو گا۔ یا
نفی کا علم یا حصول علم کا، اور یہ امر ظاہر ہے کہ علم شیء نفی علم نہیں کر سکتا۔
بہر حال علم کی ضد جو جہل ہے، نفی کی حقدار ہوگی۔ علم سے علم کی نفی ناممکن ہے
اور اب دعوائے محض حق و جہالت ہے۔ اور جب یہ امر مستحق ہو گیا کہ نفی علم جہل
سے ہو سکتی ہے تو جہل ذلیل و مذہوم ہوتا ہے اور جہالت کفر خالص، اور
باطل کی علامت ہے، اور حق کو جہل سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہی عقیدہ تمام
مشائخ کرام کا ہے، اور محدثین کا مختل باطل مشائخ کرام کے قسطنطین خلاف ہے
اور جب عوام نے محدثین کے اس قول کو سنا تو بہک گئے۔ اور کہتے
لگ گئے کہ اہل تصوف بھی اس جماعت میں سے ہیں، اور ان کے اعتقاد
بھی ایسے ہی پریشان خیالی پر قائم ہیں، اور بوجہ جہل وہ حق کو باطل سے جدا کرنے
میں عاجز رہ گئے۔ اب ہم محدثین کے تمام معاملات کو خدا کے سپرد کرتے ہیں

تاکہ وہ اپنی فضیلت و گمراہی میں رہیں۔ اگر دین حق ان کی اعانت کرتا، تو جو زور ان کا اس گمراہی میں صرف ہوا، احتراق میں صرف ہوتا اور دین حق کی رعایت امانت کی حرمت ان کے ہاتھ سے نہ جاتی، اور خامان بارگاہ گریہ۔ ایسی آدمی آنکھوں سے نہ دیکھتے۔ بلکہ اپنے لیل و نہار کی اصلاح کے لیے ان و خاص حرمت کرتے، اور محدود کی جماعت اہل تصوف کا احترام کرتی۔ ان کے نظریات کی تائید میں رہتی اور ان کے جمال و حدت و تجلیات حق کے زیر سایہ رہ کر ہر قسم کے آفتوں سے معصون و محفوظ ہو جاتی، اور ان کی عزت باطن کے سایہ میں نشا پاتی۔ پھر ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ سب کو اپنے جیسا سمجھ کر اہل تصوف کو بھی سختی و سزا دے کر ان کی عزت خدا واد کو ٹھکرانے کی کوشش میں خود ذلیل و رسوا ہوتے۔

(حضرت و اما صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں) ہمارا ایک مدعی علم سے مقابلہ ہوا جو بجائے علم کے کلام و محنت و خود پسندی سر پر لئے پھرتا تھا، اور اس ذلیل خصلت کا نام اس نے علیت رکھ چھوڑا تھا۔ خواہشات، نفسانہ کو متابعت سنت رسول کرتا تھا، موافقت شیطان کو سیرت نامہ کی پیروی کرتا تھا۔ اثنائے گفتگو میں کہنے لگا کہ ملاحدہ کے بارہ فرقے ہو گئے ہیں، انہیں میں سے ایک فرقہ متصوفین کہلے۔

ہم نے کہا، اگر ایک فرقہ صوفیوں کا انہیں بارہ ہیں۔ یہ ہے تو گیارہ فرقے تم میں سے ہوئے۔ پھر حیب ایک فرقہ سے تم اپنے کو بچا سکتے ہو، تو صوفی ان گیارہ سے اپنے آپ کو کیونکر نہیں محفوظ رکھ سکتے۔

در حقیقت یہ سب زمانہ کے پُر آشوب ہونے کا نتیجہ ہے۔ برج استدر فتنے میں جو عوام کو خراب کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو اس قوم سے پوشیدہ کر لیا ہے اور سب سے جدا رکھ کر ان کی محافظت فرمائی ہے۔ کیا خوب فرمایا سرداروں کے سردار اور آفتاب عقیدت سندان علی ابن ابی طالب میری رحمت اللہ علیہ نے :

فساد القلب علی حسب فساد الزمان و اہلہ

دل کی خرابی زمانہ و اہل زمانہ کے خیالات کے فساد کے موافق ہے :

اب ہم ان اقوال مشائخ کرام کی نقل کیلیے ، ایک مستقل فصل بتاتے ہیں تاکہ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے ، منکروں کے دام تزویر سے محفوظ رہیں اور اس فصل سے تنبیہ حاصل کریں ۔ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ

فصل

حضرت محمد بن فضل عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ عِلْمٌ مِنَ اللَّهِ وَعِلْمٌ مَعَ اللَّهِ وَعِلْمٌ بِاللَّهِ

"یعنی علم تین قسم کے ہیں ۔ اول علم اللہ کی طرف سے ، دوسرا اللہ

تعالیٰ کے فضل کی معیت سے ، تیسرا اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ "

علم باللہ وہ عرفان تام ہے جو تمام انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عارف الہی بنتے اور عرفان الہی حاصل کرتے ہیں ۔ جب تک یہ معیت الہی حاصل نہ ہو ، تمام ذرائع جدوجہد منقطع رہتے ہیں ۔ اس لئے کہ علم اکتسابی سے عرفان ہے وہ معرفت الہی کی علت نہیں ہو سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ علم اکتسابی سے عرفان الہی ناممکن ہے ۔ جب تک علم باللہ حاصل نہ ہو ، درجہ عرفان حق کا حصول محال ہے ۔

اور علم من اللہ وہ علم شریعت حقہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم مکلف بالادامہ کام پائے گئے ، اور وہ فرمان حق ہے جو زبان انبیاء سے ہم کو پہنچا ۔

اور علم مع اللہ وہ علم ہے جو فضل الہی کی معیت میں حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ مقامات ولایت و طریق حق و ہدایت و بیان نہایت مدارج ولایت بعنایت الہی حاصل ہوتی ہے ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ معرفت مدارج ولایت بغیر علم شریعت جاننے صیح نہیں اور اتباع شریعت بغیر مقامات رشد و ہدایت جاننے نہیں ہو سکتا (یعنی قانون کے مقتضیات کا جاننا قانون دانی ہے ، نہ کہ قانونی کتابوں کا محض مطالعہ)

حضرت ابوعلی ستغنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

الْعِلْمُ حَيَوَةُ الْعَلْبِ مِنَ الْجَهْلِ وَنُورُ الْعِيُونِ مِنَ
الْأُتَمَةِ - علم حیات قلب ہے جہالت کی موت سے اور چشم بین
کا نور ہے کفر کی ظلمت سے ۔

خلاصہ یہ کہ جس کو علم عرفان حاصل نہیں اس کا دل ظلمت جہلی سے مردہ
ہے ، اور جسے علم شریعت حاصل نہیں اس کا دل نادانی کی بیماری میں مریض
ہے ۔ کفار کا دل مردہ ہے ۔ اسی وجہ سے وہ ذات واجب تعالیٰ جل شانہ کے
عرفان سے جاہل ہیں ۔ اور اہل غفلت کا دل بیمار ہے اس وجہ سے وہ فراموش
رسول سے بے خبر ہیں ۔

حضرت ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

”مَنْ إِكْتَفَى بِاللَّهِ عَمَلًا مِنْ الْعِلْمِ وَكَانَ الزَّهْدُ فَقَدْ
تَزَيَّدَ دَنَى وَمَنْ اِكْتَفَى بِالنَّفَقَةِ زُنْزُلًا وَالْوَرَعُ فَقَدْ تَقَشَّى“
”جس نے علم کلام یعنی عقائد و علم توحید کی عبارات پر قناعت کی
اور زہد و تقویٰ حاصل نہ کیا وہ زندقہ میں پڑ گیا ، اور جس نے علم
فقہ و شریعت اسلامیہ بلا تروع کے حاصل کیا ، وہ حدود و احکام
سے نکل کر بے حکم اور فاسق ہو گیا۔“

اس مضمون سے مقصود قائل یہ ہے کہ بغیر عمل و مجاہدہ و تجرید کے توحید
محض جبر ہے اور موعود کے لیے قولا جبری ہونا لازمی ہے ، اور قدری کے
لیے نفعاً قدری ہونا ضروری ہے ۔ تاکہ اس کا روزمرہ قدر و جبر کے مابین مسیح
رہے ۔

اور اس بحث کا لب لباب وہی ہے جو انہیں ابوبکر وراق پیر کامل

نے فرمایا و رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اَلتَّوَحُّدُ جَبْدٌ دَرَّتِ السَّيْبُ وَفَوْقَ الْمُنْدَرِ

marfat.com

Marfat.com

”حقیقت تو حید جبر سے نیچے اور قدم کے اوپر ہے“
 تو خلاصہ یہی نکلا کہ جو شخص علم تو حید پر عمل محض الفاظ تک پسند کرے اور
 اس کے خلاف باتوں سے اجتناب نہ کرے وہ زندیق ہے۔ اور جو شخص فقر
 کے شرائط پر محتاط نہ ہو اور علم فقر و مشریت کو بلا پرہیزگاری حاصل کر کے
 رخصتوں اور تاویلوں کے پیچھے لگ کر شبہات میں پڑے اور بلا قید
 قلاب مذہب اندر خود مجتہد بن کر اجتہادات کی جرات کرنے لگے وہ بہت
 جلدی آسانی سے فاسق ہو کر رہے گا۔ اور یہ سب باتیں غفلتِ دل کی
 وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ خوب فرمایا شیخ المشائخ حضرت ابن مسعود
 رازی رحمۃ اللہ علیہ نے :

اجْتَنِبْ صُحْبَةَ ثَلَاثَةٍ أَمْثَلُ مِنْ النَّاسِ الْعُلَمَاءِ
 الْغَافِلِينَ وَالْفُقَرَاءِ الْمُدَاهِنِينَ وَالْمُسَبِّحِينَ
 الْجَاهِلِينَ

اجتناب کر تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے غافل بنے عمل
 علماء اور حق سے زبان بند کرنے والے فقیر اور بنے ہونے
 جاہل صوفی۔

اب سمجھ لے کہ علماء غافل کون سے ہیں۔ وہ وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنا قبلہ
 دلی بنا لیا ہے۔ اور شریعتِ مطہرہ سے حیلے بہانے تراش کر آسانیاں گھڑ رکھی
 ہیں۔ اور اہل حکومت کے پجاری بن گئے ہیں۔ ظالموں سے چاہلو سی کرنا
 اپنا روزمرہ کر چکے اور ان کی چوکھٹوں کے طواف کو کعبہ مقصود بنا چکے ہیں۔
 اور عوام میں عزت و جاہ حاصل کرنا ان کی محراب مسجد ہو چکی ہے۔ اپنے
 غرور و نخوت کو اپنی زیر کی اور بوشیاری جانتے ہیں۔ اور اس پر زلفیتہ ہیں
 اور کلام میں اس قدر تصنع پسند کرنے والے ہیں کہ ان کا کلام عوام میں

نہایت دقیق اور باریک مشہور ہے۔ اور ائمہ کرام کی شان میں اپنے استادوں کی قابلیت میں ان کی زبان طعن و ملاذ ہے۔ اور بزرگان دین سلف صالحین کے مقابلہ میں اپنی فوقیت علمی بکھارتے ہیں۔ اگر کوئی ان کا انکے تفوق علمی کے مقابلہ میں وزن کیا جائے تو ان کی تعلی کا وزن زیادہ ہو جس قدر حسد کو انہوں نے مذہب بنالیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام جہان کا کوئی عالم نہیں ہو سکتا۔ پھر علم ایک ایسی صفت ہے کہ انواع و اقسام کے علم سے منہی ہو جاتے ہیں اور فقیر ماہن وہ ہے کہ اگر اس کی خواہشائے نفسانی کے مطابق کوئی کتنا ہی غلط کام کرے وہ اس کا مزاج نہ گرا، اور اگر اس کی مرضی کے خلاف کچھ کرے خواہ وہ کتنا ہی صحیح کام کیوں نہ ہو، اس کی برائی ہیں وہ کبھی کسی نہ رکھے اور عوام کے آگے اپنے عملوں کا مظاہرہ کر کے عزت و رفعت کا خواہشمند رہے اور باطل پرستی میں عوام کے آگے حق گوئی سے زبان روکتا رہے۔

اور متصوف جاہل وہ ہیں جو کبھی کسی پیر کامل کی صحبت سے مستفید نہ ہونے اور کسی مرشد سے تعلیم نہ لی اور عوام میں اپنے کو باکمال کہلانے کی آرزو رکھیں۔ مصائب زمانہ اور نشیب و فراز علم کا ذائقہ تک کبھی نہ چکھا ہو مگر اندھے جاہلوں میں اپنے کو بہکی بہکی باتیں بنا کر کامل کہلاائیں اور ذلت و ذلیل کی راہیں اختیار کر لیں اور بے وقوفوں میں بیٹھ کر سب کو اپنے جیسا کہتے پھریں۔ ایسی حالت میں ان پر من جانب اللہ راہ حق پوشیدہ ہو جاتی ہے اور وہ اسی

ظلمت میں پڑے رہتے ہیں۔

غرضیکہ یہ ہر سہ گروہ وہ ہیں جنہیں حضرت معاذ بن رازی رحمہ اللہ نے بتا کر اپنے مریدوں کو ان کی صحبت سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں گروہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اور ان کی رفتار باطل ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

marfat.com

Marfat.com

خَسَلْتُ فِي الْمُبَاهِدَةِ ثَلَاثِينَ سَنَةً فَمَا وَدِدْتُ
 شَيْئًا أَشَدَّ عَلَىَّ مِنَ الْوَلَمِ وَشَابَعْتُهُ
 ”میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین محسوس
 نہ ہوئی سوا علم اور اس کے اتباع کے“

ہر قدم آگ پر رکھنا طبیعت گوارا کر سکتی ہے مگر علم کے موافق اطاعت کرنا اس سے بھی زیادہ سخت
 ہے۔ پھلڑ پر سے جاہل ہزار بار گزرتا گوارا کر سکتا ہے مگر اسلامی احکام کے ایک مسئلہ کو چمک کر
 اس پر عمل کرنا مصیبت اور بڑا ہے۔ جہنم میں خیر لگا کر بیٹھنا آسان ہے اس سے کہ ایک مسئلہ شرعی
 مسلم کر کے اس پر عمل کرے۔

لہذا چاہیے کہ علم حاصل کیا جاوے اور اس پر بجد وسعت عمل کرنے کی
 سعی ہو اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ بندہ جب علم میں درجہ کمال
 حاصل کریتا ہے تو وہ علم الہی کے مقابلہ میں ایک جاہل کا درجہ پاتا ہے
 پس لازم ہے کہ انسان وہاں تک علم حاصل کرے اور حقائق جانے چاہے
 تک کہ وہ نہ جانتا تھا۔ اس اجمال کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی
 بندگی کے سوا کچھ جان ہی نہیں سکتا۔

اور بندگی بجا بندہ کے لیے حجاب اکبر ہے (جو جہنم سے اسے بچائیگی)
 اسی حقیقت کے اظہار میں کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

الْحَيْبُزُّ عَنْ دَرَكِ الْوَدَّ وَالْإِدْرَاكِ
 وَالْوَقْدُ فِي طَرِيقِ الْإِخْبَارِ إِشْرَاكُ

(ترجمہ از جانب مترجم)

سمجھ آئی سمجھ میں کچھ نہ آیا
 سمجھنا ہی تمہارا بس خطا ہے

یعنی درک اور اک ذات سے اظہارِ عجز کرنا ہی اور اک ذات سے۔
 اور محض رہنمائی اختیار پڑھ کر کورانہ تقلید کرتے ہوئے ان کے اقوال کی

نقل کرتے پھر نامشک اکبر ہے ۔

یعنی وہ لوگ جو جانتے خاک نہیں اور اپنے جبل پر مصر ہیں وہ مشرک
طریقیت ہیں، اور وہ لوگ جو جانتے ہیں اور ان پر ان کے علم کے کمال نے
معنی حقیقی ظاہر کر دیئے ہیں۔ ان پر یہ فضل الہی ہوتا ہے کہ وہ اس علم پر غرور
نخوۃ کرنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان پر یہ حقیقت و توفیق ہر جاتی ہے، کہ
ان کا علم علم الہی کے مقابلہ میں عجز محض کے سوا کچھ نہیں ہے، اور حقیقت
واقعہ بھی یہی ہے کہ حقیقی جل شانہ کے نزدیک علم مخلوق محض وہم ہے اور
وسمیات کا اثر معانی حقیقی میں کچھ نہیں۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ادراک ذات سے اظہار عجز کرنا ہی ادراک ذات

ہے اور بس !

دوسرا باب

اثبات فقر

ہمیشہ یاد رکھو کہ درجہ درویشی کا راہ مولیٰ میں بہت بڑا مرتبہ ہے اور درویشی کے لیے اس راستہ میں بڑے خطرات ہیں۔ جیسا کہ حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے :

يُنْفِرُ أَجْوَادُ الَّذِينَ أُخْصِرُوا أَن يَسِيلَ اللَّهُ لَهُ لَا يَسْتَطِيعُونَ مُرَابًا
فِي الْأَرْضِ فَيُجِبُّهُمْ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ الْعَفْثِ

ان فقیروں کے لیے حق ہے جو محصور ہیں اللہ کے راہ میں اپنی
بے نیازی سے وہ چلنے اور سفر کرنے کے محتاج نہیں۔ جاہل
عوام انہیں ان کی بے نیازی کی وجہ سے غنی تصور کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے :

هَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا خَبِيدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمِنْ رِزْقِنَا
مَثَلًا مَرْدًا خَسِيفًا

مثال میں بتایا ہے اللہ نے اس بھٹے بندہ کو جو مملوک خاص ہے (بظاہر کسی
چیز پر کچھ قدرت نہیں رکھتا۔ اور وہ وہ ہے کہ ہم نے اسے بہترین رزق کے ساتھ
مرزوق کیا ہے۔

اور فرمایا۔

يَتَجَانُّ جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
وَطَمَنًا

”علیحدہ رکھتا ہے ان کا پہلو ان کی خواب گاہوں سے، یا کہتے
ہیں اپنے رب کو خوف بے نیازی اور امید بخشش سے“
اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا اور فقر کو
پسند کیا:

اللَّهُمَّ أَحْيِنِيْ مَسْكِيْنًا وَأَمِتْنِيْ مَسْكِيْنًا وَأَحْشُرْنِيْ فِيْ
زَهْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ

”الہی مجھے مسکینیت میں زندہ رکھے اور مسکین میں ہی مارا اور فرزند
مسکین میں بھی مجھے عیشور فرما۔“

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بروز حشر فرمائے گا،

أَذْنُوْا مِنِّيْ أَحِبَّائِيْ نَقُوْلُ الْمَلَائِكَةِ مَنْ أَحْبَبَاؤُكَ
نَقُوْلُ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ الْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاكِيْنُ

میرے قریب لاؤ میرے محبوبوں کو تو فرشتے عرض کریں گے، الہی وہ
بجوب کوفے میں توارش دباری ہو گا وہ فقرا و مساکین ہیں۔

اور مثل اسکی بہت سی آیتیں اور ایسی حدیثیں ہیں جو اپنی شہرت رعایت کے
ساتھ اثبات سند و دلیل کی محتاج نہیں۔

اور یہ امر تو واضح ہے کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جو غل
فقرات تھے، وہ مہاجرین کرام تھے۔ جنہوں نے سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت
کے لئے مسجد میں قیام فرمایا، اور حق عبودیت ادا کرنے کے لئے گھر بار چھوڑا
راخیں اصحاب صفر کہا جاتا ہے، یہ وہی محبوبان خدا ہیں جنہوں نے تمام اشغال
دنیا دی سے اراض کر کے توکل بجزا گوشہ نشینی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے
دوری رساں ہونے کے وعدہ پر یقین کر کے بیٹھے رہنے کے حق میں ارشاد

marfat.com

Marfat.com

پہی تعالیٰ ہوا۔ اور اپنے حبیب پاک کو مخاطب کر کے ان کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا:

وَلَا تَطْرُقُ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

ان لوگوں کو فراموش نہ فراد، جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے اور پکارتے ہیں، اور صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں

اور فرمایا (جل جلالہ)

وَلَا تَعْبُدْ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تَرْيَدُ زِينَتِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

”ان سنے والے لوگوں سے اپنی نظر نہ پھیر، کیا تو حیات دنیا

کی زینت کا خواہشمند ہے؟

چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان اصحاب کرام کو ملاحظہ فرماتے تو آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوتا میرے ماں باپ ان پر خدا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نگرانی کو ہم پر تاکید فرمائی غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقر کا درجہ بہت بلند ہے اور فقیروں کو مرتبہ خاص کے ساتھ ممتاز فرمایا یہی وجہ ہے کہ جو درویش ہیں انہوں نے اسباب ظاہری و باطنی کو ترک کر کے خالق اسباب کی طرف توجہ تمام کر اور اس پر توکل کر لیا، اور اس قسم کا فقر ایسے فقر کے لئے موجب صد فخر ہے، اور اس صبر و رضاء فقر کا وفار ان کے دلوں میں اس قدر ہے کہ اس کے چھوٹ جانے سے وہ غمگین ہوتے اور ملنے سے راضی و مسرور، اور ان کی نظروں میں سوائے فقر کے سب ذلیل ہیں۔

لیکن فقر کے لوازمات و مراسم خاص ہیں

مجسدا اس کے سب کے مقدم رضیات الہی کا اقبال اختیار ہے، اور جس نے محض رسم فقیروں اختیار کی وہ صرف رسم کا ہی فقیر رہا، اور انہیں

جب اس نے مراد نہ پائی تو حقیقت فقر سے کوسوں دور رہا، اور جس نے
حقیقت فقر کو پہچان لیا، اس نے موجودات سے منہ پھیر لیا، اور برویت کل
حاصل کر کے قنار کل میں مستغرق ہو کر بتا، کل میں پیدا کیا۔

من لم یعرف سوى رسمه لم یسمع سوى اسمه

یعنی جس نے رسم فقیری کے سوا فقر میں کچھ نہ جانا، اس نے سوا اسم فقر
کے کچھ نہ سنا۔

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ فقیر وہی ہے جو اپنے پاس علل و اسباب سے
کچھ نہ رکھے اور اسکے طمانیت قلب میں اس نہ ہونے سے کچھ خلل واقع
نہ ہو اور اسباب کو دیکھ کر غنی نہ ہو۔ اور اسباب نہ ہوں تو ان کی طرف
احتیاج محسوس نہ کرے۔ گویا اس کا ہونا نہ ہونا اس کی نظر میں مساوی
ہو۔ بلکہ اسباب ظاہری نہ ہوں تو اسے فرحت زیادہ ہو، یہ بلند مرتبہ ہے۔
یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام نے فرمایا، کہ درویش جس قدر تنگ دست
ہو، اس کے لئے مفید ہے تاکہ حقیقت توکل و شان رزاق کے راز
کا اس پر انکشاف ہو۔ اس لئے کہ درویش کے لئے علل و نیامی جس قدر
زیادہ ہوں گے، اسی قدر اس کو نقصان ہوگا۔ غرضیکہ درویش درحقیقت
وہی ہے جو ضروریات زندگی کی کسی چیز سے واسطہ نہ رکھے، مگر اسی قدر
جس قدر کہ اس کی ضرورت قوت لایموت کو کافی ہو۔ غرضیکہ محبوبانِ الہی کی
زندگی محض الطافِ خفی اور اسرارِ بے نیازی کے ساتھ وابستہ رہتی ہی
بہتر و افضل ہے۔

لہذا صوفی کو چاہیے کہ اپنے کو اپنے محبوب سے وابستہ رکھے، اور
دنیا سے غدار و بے وفا کے علل و اسباب سے آزاد رہے کہ یہ دنیا
سوائے فجار و فساق ہے اور صوفی کا سرمایہ زندگی محبت محبوب حقیقی ہے
اور مستاع دنیا متاع راہِ رضا و صبر ہے۔

حکایت

کہتے ہیں کہ ایک درویش کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی۔ بادشاہ نے کہا: کچھ مانگئے۔ درویش نے کہا: میں اپنے غلاموں سے کوئی حاجت نہ مانگتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا: یہ کس طرح؟ درویش نے فرمایا: میرے دو غلام ہیں اور وہ دونوں تیرے مالک و صاحب ہیں۔ ایک حرم دنیا، دوسرا طول اہل یعنی امید غیر متناہی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الْفَقْرُ حِرٌّ رِلَاہِ

”فقر اہل فقر کے لئے موجب عزت ہے۔“

توجہ پسند اس کے اہل کے حق میں عزت ہوتی ہے، وہ اس کے ”اہل“ کے لئے موجب ذلت ہے۔ اور فقیر کی عزت یہی ہے کہ وہ محفوظ الجوارح ہو یعنی اسکے جسم کا کوئی جز سوانح و ضروریات کا احساس کر کے جانِ صبر و رمنا سے لغزش نہ کرے۔ اور اس کے دل و جان پر کبھی اضطراب و اضطراب اثر نہ پڑے۔ اس کا جسم معصیت ذلت کی طرف جاتے۔ نہ اس کی جان روح پر بلا و آفت نہ پڑے۔ فقیر کا ظاہر بھی ہر حال میں نعمت ظاہری سے مستغنی ہوتا ہے اور اس کا باطن نعمائے باطنی کا منبع۔ پھر جب اس کا باطن منبع نعمت الہیہ ہوا، تو اس کا تین روحانی اور دل ربانی ہونا ضروری ہے۔ اور عوام الناس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فقیر صفاتِ علی سے متصف ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا فقر یہی نہ ہو، یعنی عوام کے رجوعات اور ریاکاری کے لئے وہ فقیر نہ ہوا ہو۔ بلکہ وہ خالصاً مخلصاً سبب اللہ فقیر ہو۔ تو ایسے فقیر کو دنیاوی مملکت سے بے نیازی حاصل ہوتی ہے۔

پھر یہ علم دنیا بلکہ دونوں جہان اس کے فقر کے پڑھے میں پریشانی

برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ پھر اس فقیر کا ایک سانس کوئین میں نہیں
سما سکتا۔

فقر و غنا

فضل اس امر میں مشائخ کرام کا اختلاف ہے کہ فقر و غنا میں باعتبار صفات
خلق کون افضل ہے۔ اس لئے کہ فنی حقیقی تو صرف ذات واجب
تعالیٰ شاذ ہے اور جمیع اوصاف میں کامل سوائے ذات واجب تعالیٰ کے
کوئی نہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی اور احمد بن خوارزمی، حادث محاسبی۔ ابو العباس
بن عطا، رویم بن محمد، ابو یحسین بن شمعون رحمہم اللہ اور متاخرین میں سے
شیخ المشائخ حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد البہینی رحمہم اللہ اس امر
پر متفق ہیں کہ غنا افضل ترین صفت ہے۔ فقر کے مقابلہ میں اس دعوے
پر ان کی دلیل یہ ہے کہ غنا صفت حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور فقر اسکی ذات
کے لیے ممنوع ہے۔

تو تعلق و لامیں وہ صفت جو مابین عبد و معبود مشترک ہو۔ وہ غنا ہی ہے
اور صفت فقر ذات واجب تعالیٰ شاذ کے لئے روا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ
پر شرکت بھی محض شرکت اسمی ہوگی، نہ کہ شرکت معنوی۔ اور شرکت معنوی ہی
دلت ہو سکتی ہے جب مائت کا امکان ہو۔

پھر چونکہ صفات واجب تعالیٰ شاذ قدیم اور صفات خلق حادث ہیں
اس وجہ سے دلیل باطل ہے، اور میں علی بن عثمان جلائی کہتا ہوں کہ فنی کا
نام ہی مرتب ذات باری تعالیٰ کے شایان شان ہے، اور مخلوق اس نام کی
مستحق نہیں ہو سکتی۔

اور فقر ایسی صفت ہے کہ خاص مخلوق کے لئے زیبا ہے اور حضرت

جست جہد و محنت کی ذات کے لئے یہ تاروا۔ اور اگر مجازاً کسی کو غنی کہہ دیتے ہیں۔ تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ درحقیقت غنی ہے، اور پھر یہ امر بھی روشن و واضح ہے کہ ہمارا غنا محض وجود اسباب ظاہری کی بنا پر ہے اور ہم اس سبب غنا کی وجہ سے اس وقت تک غنی کہلا رہے ہیں جب تک ہمارے پاس مال و دولت ہے برخلاف غنی حقیقی کے کہ وہ اسباب پیدا فرمانے والا اور اپنے ہندسے کو اس کے ذریعہ غنی بنانے والا ہے۔ لیکن غنی حقیقی کے لیے مال و اسباب علت غنا نہیں۔ اس اعتبار سے مشارکت بصفت غنا کا وہم بھی بطل ہوا۔

اور یہ حقیقت واضح ہے کہ مخلوق کو ذات خالق میں مشارکت ممنوع ہے تو جب ذات میں شرکت ممتنع ہوئی تو یقیناً صفات میں بھی شرکت ممتنع ہوگی اور جب صفت میں شرکت ممتنع ہوگی تو اسم ذات میں بھی شرکت رسمی روا نہ ہوگی۔

اب رہا محض نام رکھ دینا، اور کہہ دینا کہ فلاں غنی ہے۔ یہ نام خود ایک نشان ہے جو مابین عبد و معبود واضح ہے۔ اس کی تفصیل کی حد نہیں۔ بس خلاصہ آنا سمجھ لینا چاہیے کہ وہ غنا جو حق تعالیٰ شانہ کی صفت خاص ہے۔ وہ وہ غنا ہے کہ اس میں اس ذات پاک کو کسی کے ساتھ حاجت و نیاز مندی نہیں جو چاہے کرے۔ اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی نہ روک سکتا ہے، نہ اس کے پورا ہونے میں کوئی ممانعت یا غصہ کی طاقت رکھتا ہے۔ نہ اس کے ارادہ کے مقابل کوئی مخالفت ارادہ کی تاب لا سکتا ہے۔ اس کے دارالافتداری میں کسی کو محال و مزدون نہیں، اس کی تمام صفات قدیم ہیں۔ ہمیشہ وہ اپنی صفات سے متصف رہے گا، اور ہمیشہ سے متصف تھا، برخلاف غنا مخلوق کے کہ وہ اپنی حیات چند روزہ میں حصول مال و متاع سے فارغ البلی ہوتا ہے، اور وہ بھی دوائی زندگی میں نہیں بلکہ کبھی مصیبت میں، کبھی

نجات پا کر فرست میں۔ غرضیکہ محض حادث متغیر کسی طالب کسی متمنی کسی
 ناجز۔ کبھی خوار کبھی بھار مختصر یہ بندہ کا غنی ہونا محض مجازاً بلکہ نام کا ہی ہے اور
 حق تعالیٰ شاذ کا غنا حقیقی ابدی ازل سرمدی قدیم چنانچہ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے۔
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَتَّقُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
 "اے لوگو تم محتاج اور فقیر ہو اللہ کے دے کے سوائے اللہ اللہ ہی غنی ہے اور وہی ہمہ عالم بخشنی
 زمانہ میں تعریف کیا گیا ہے" اور فرمایا۔

وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَالْغَنِيُّ الْغَنِيُّ جیسا کہ حقیقی غنی ہے اہم سبب اس کے محتاج اور فقیر
 عوام الناس میں یہ امر مشہور ہے کہ تو نکر مالدار مددش سے فہل ہے مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے
 خوش قسمت بنایا۔ اور عطا نعمت پر شکر کا حکم دیا اور وہ باہل اس عطا نعمت سے مراد
 کثرت مال دنیا سمجھے ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا میں دل کی مرادیں پوری ہو جانا شہوت نفسانیہ
 کے موافق کامیابی اسی کا نام غنا تو انگری ہے اللہ اس قسم کی نعمت پر شکر کرنے کا حکم فرمایا
 اور فقیر کو صبر کی تلقین کی۔ تو معلوم ہوا کہ چونکہ صبر ہمیشہ بلا و مصائب پر ہوتا ہے اور شکر
 نعمات الہیہ پر تو نعمت مال و غنا افضل ہوا جس پر شکر کا حکم ہے اور فقر مصیبت بلا ہے
 جس پر صبر کا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نعمت پر شکر کا حکم فرما کر اسی نعمت کے زیادہ
 کرنے کا وعدہ فرمایا ہے مگر فقیر پر صبر کی تلقین کرتے ہوئے اپنے تقرب کی بشارت عطا فرمائی
 ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ جیسا کہ اللہ صابرین کے ساتھ ہے اور شکر تو صرف
 علت از زیاد نعمت ہے۔ فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے
 لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

اگر تم شکر کرو گے تو ابتر میں تم کو زیادہ دے گا۔ اور جو فقر میں نہ وہ اسل امتحان
 علیہ جو صبر کریگا جو موجب تقرب ہے تو اس کا تقرب اور بڑھ جائیگا جی کہ ہم اس کے ساتھ
 ہوں گے۔ لیکن وہ غنا جس کو مشائخ کرام غلبتے ہیں وہ مال و دولت دنیا نہیں ہے بلکہ وہ

یہاں ہم حقیقی کی نعمت وصل ہے۔ تراب واضح ہو گیا کہ غفلت اور حیر ہے اور نعمت وصل
 نور۔ اور نعمت وصل کا غنا وہی ہے جسے بعض مشائخ نے افضل کہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ
 ابوسعید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ **أَلْفَقْرُ هُوَ الْغِنَا بِالله**۔ فقروہ غنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی
 عنایت سے حاصل ہوتا ہے اور اس سے مراد کشف ابدی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ
 و جمال سے حاصل ہوتا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ کشف ہر مشاہدہ جمال سے حاصل ہوتا ہے جسے بعض مشائخ نے غنا
 فرمایا۔ یہ ممکن الحجاب ہے یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ ممکن الحجاب ہے تو لامحالہ برکت حجاب سے
 احتیاج مشاہدہ ہوگی اگر کہو کہ بعض رتبہ حجاب وہ محتاج کشف و مشاہدہ نہیں ہوتا تو یہ محال
 اور اگر کہو کہ محتاج وصل و مشاہدہ ہوتا ہے تو پھر ہم غنا سا قط ہو گیا اور حقیقت یہ غنا جسے
 مشائخ غنا کہہ رہے ہیں یہ بھی ہر درویش کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اُسے حاصل ہوتا ہے جو
 قائم الصفات اور ثابتہ المراد ہو۔ اور بلا اقامت مراد اور اثبات اوصاف آدمیت لفظ
 غنا درست نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انسان کا یہ وجود کشف قابل غنا ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ
 وجود بشریت کی حقیقت میں نیاز ہے اور جسم حادث طفرائے امتیاز میں احتیاج
 توجہ باقی الصفات ہو وہی غنی ہے۔ اور جو فانی الصفات ہو اُس کے لئے کوئی نام بھی
 موزون نہیں تو۔ **أَلْغِنَىٰ مَنْ أَغْنَاهُ اللَّهُ** (غنی دی ہے جسے اللہ غنی کر دے) کا مفہوم واضح
 یہی بتا رہا ہے کہ غنی اللہ ہے جو قائل ہے اور جسے غنی کیا وہ مفعول ہے تو فاعل ہمیشہ قائم
 بالذات ہوتا ہے اور وجود مفعول فاعل کے ساتھ وابستہ تو اقامت بخود صفات بشریت تھی۔
 اور اقامت بحق مع صفات تو نہیں علی بن عثمان جلابی یہی کہتا ہوں کہ۔

جب بندگی درست اور صحیح ہو گئی تو غنا حقیقی باقی حقیقی کی صفات سے سوا کیلئے درست
 نہ ہو۔ اس لئے کہ بقائے صفات آدمیت محل غلت و وجوب آفت ہے جیسا کہ ہم پہلے دلائل
 میں بیان کر چکے اور غنا وہ صفات ہے جو غنا کے ساتھ کبھی صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جو اپنی ذات
 کے ساتھ باقی نہ رہ سکے۔ اُسے نامی یا در کسی اسم فاسمی بنانا پڑے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کی
 صفات کے ساتھ فنا ہے۔ تو جو صفات فانی ہے اُسے کسی نام سے کسی بنا کسی طرح صحیح نہیں ہو

ثابت ہوا کہ صفت غنا ذات واجب تعالیٰ شائے متجاوز نہیں ہو سکتی اور صفت فقر بھی عاجز انسان کے لئے ہے۔ اسلئے کہ یہ معدوم ہے کہ اس پر نہ اسم فقر۔ صبح در اسم غنا۔

اور جو اکثر و بیشتر علماء و مشائخ فقیر کو غنا پر فہمیت سے رہے ہیں اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ علیہ السلام اس کی فضیلت پر شاہد ہیں۔ اور اس پر اجماع اُمت ہے۔ یہت سی حکایتوں میں پایا کہ ایک روز حضرت جنید بغدادی اور ابن عطاء اللہ کلمین اس مسئلہ پر بحث ہو گئی ابن عطاء اللہ کی فضیلت پر دلیل پیش کرتے تھے اور کہتے کہ اغنیاء سے یہ اُقیامت محاسبہ ہوگا۔ اور اس محاسبہ میں جہل حقیقی سے کلام بے واسطہ ہونے کا انہیں شرف ملے گا۔ اور اگرچہ ان پر عتاب ہی ہو لیکن عتاب محبوب بھی محب کو محبوب ہوتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ تو صبح ہے کہ اغنیاء سے محاسبہ فرمایا جائیگا مگر رویشوں کے عذر لیا جائے گا۔ اور عند خود بھی مرتبہ میں محاسبہ جسے زیادہ ہے۔

اس جگہ ایک عجیب و غریب لطیفہ تمہیں سنائیں۔

وہ یہ ہے کہ مقام محبت میں غنا چاہنا بیگانگی ہے اور عتاب اس مخالفت پر ہوتا ہے جو محبوب کی مرضی کے خلاف ہو اور مل ایسے مقام میں ہوتا ہے کہ اس کے لئے یہ دونوں باتیں آفت ہیں۔ اس لئے کہ عند کسی فرد گذشت پر کیا جاتا ہے۔ جو دوست کے ساتھ دوست نے کی ہو۔ یا جب دوست اپنا حق طلب کرے تو محبوب اس کا قرضہ ادا کرے اور عتاب ایسی غلطی اور قصور پر ہوتا ہے جو فرمان محبوب کے خلاف کیا گیا ہو۔ اُس وقت محبوب اپنے محب سے اُس نافرمانی پر عتاب کرتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں محال ہیں اسلئے کہ سب اپنے اپنے مطلب میں ہونگے۔

فقر اجر کے ساتھ۔ اغنیاء شکر کے ساتھ۔

اور در حقیقت کوئی دوست خود دوست سے کچھ طلبہ کر لیگا۔ نہ دوست مطالبہ دوست کو زد فرمائے گا بلکہ ظلم من مشی ابن آدمؑ مبراؤ وقد سئلا دینہ فقیراؑ اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا جس نے ابن آدمؑ کو برا پانا نام میر رکھا۔ حالانکہ اس کے بچے اُس کا نام

فقر دکھا ہے۔ وہ وجود جس کا نام خدا ہے قدیر کی بارگاہ میں فقیر ہے۔ اگرچہ بظاہر اہل
جو کر و حقیقت فقیر ہے۔ اور وہی بلاک ہو گیا۔ جس نے اپنے محبوب کی زنجیریں مقید کیں۔
اگرچہ بظاہر اُس کی بارگاہ میں تخت و سرور ہو۔ اس لئے اختیار صاحب صدقہ ہوتے ہیں۔

اور فقرا صاحب صدق اور صاحب صدق صاحب صدق نہیں ہو سکتے۔
گو خلاصہ یہ نکلا کہ حقیقت فقر ایوب مثل غنا سلیمان ہے۔ اس لئے حضرت ایوب
علیہ السلام کو جبکہ سوت صبر کز نزلے تھے۔ نَعْمَ الْعَبْدُ (راہچاہندہ) فرمایا۔ اور سلیمان علیہ
السلام کو جبکہ وہ مملکت و حکومت کے اندر مُسْتَقِیْمٌ عَلَی الْکَاثِمَتِہِ تُوْنَعْمُ
الْعَبْدُ فرمایا۔

جب رضا بمن حاصل ہوئی تو فقر ایوب کو مثل غنا سلیمان گردانا گیا۔

حکایت

میں نے استاد ابو القاسم شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ لوگوں نے فقر اور غنا
میں گفتگو کر کے اپنے لئے ایک کو پسند کر لیا ہے مگر میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے لئے میرا بھی
حقیقی جو پسند فرماتے اس میں ہی مجھے رکھے۔ اگر میرے لئے غنا پسند فرمائے تو مجھے اپنی یاد سے
غافل نہ کرے اور اگر فقر پسند فرمائے تو اس میں حریف ہونے سے محفوظ رکھے۔ غرض کہ غنا بھی اُس
کی نعمت ہے۔ مگر اس کی دہرے جو غفلت پیدا ہو وہ آفت ہے۔ اور فقر بھی اُس کی نعمت ہے مگر
اس میں اگر حرص پیدا ہو جائے۔ تو وہ سخت آفت و بلا ہے۔ گویا غنا و فقر دونوں منعم حقیقی کے
تملک سے ہیں۔ مگر اس میں جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مختلف ہیں۔ اس لئے کہ فقر نام ہے ماسوائے
اللہ کے دل کا فارغ ہونا اور غنا نام ہے ماسوائے اللہ کی طرف دل کا مشغول ہونا۔

جب توفیق الہی دونوں سے آزرہ ہو جائے تو نہ فقر غنا سے بہتر ہے اور نہ غنا فقر سے
افضل۔ غنا کثرت مال ہے اور فقر قلیل مال اور مال و منال چونکہ سب رب عز اسمہ کی ملک ہے
تو طالب نے جب ملک ترک کر دی تو مشارکت باقی نہ رہی۔ اور جب مشارکت نہ رہی تو غنا و
فقر دونوں سے فراغت ہل گئی۔

فصل بخت طریقت میں سے ہر ایک نے قراؤ غفلت کے معنی میں کچھ کچھ روز لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ تو میں اپنی استطاعت کے موافق ان کے ارشادات اس کتاب میں نقل کرتا ہوں۔ ایک متاخرین صوفیاء میں سے فرماتے ہیں۔

لَيْسَ الْفَقِيرُ مَنْ خَلَا مِنَ الزَّادِ إِنَّمَا الْفَقِيرُ مَنْ خَلَا مِنَ الْمُرَادِ
 ”فقیر وہ نہیں جو مال و متاع سے خالی ہو۔ بلکہ فقیر وہ ہے کہ جس کا دل خواہشات باطل اور طمع آرزو سے خالی ہو۔ چنانچہ اگر کسی کو اللہ مال دے اور وہ اسکی محافظت میں اپنی زندگی بسر کرے تو وہ بھی غنی ہے اور اگر من جانب اللہ کسی کو مال ملے اور وہ اس کے صرف میں اپنی وقت صرف کرے۔ تو وہ بھی غنی ہے لیکن یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق ملک میں تصرف کرنے سے ہے۔ اور یہ شان فقر کے خلاف ہے۔ درحقیقت فقر میں ترک محافظت اور ترک خیال اسراف لازمی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عَلَامَةُ الْفَقْرِ خَوْفُ الْفَقْرِ ”فقر کی علامت خوف فقیر ہے۔“ یعنی سچا فقیر وہ ہے کہ کمال ولایت کی فرقت قیام مشاہدہ ذات کا آرزو مند رہ کر اس صفت کے فنا ہونے میں خائف ہے اور زوال کمال و قطعیت مشاہدہ جمال سے ڈرے۔ جب یہ بات فقیر میں پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب وہ اپنے حال میں درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کمال کو پہنچے بعد زوال سے ڈر جائے اور رویم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مَنْ نَسِيَ الْفَقِيرَ حِفْظَ مِيرَاةٍ وَصِيَانَةَ نَفْسِهِ وَأَدَاءَ فَرَائِضِهِ
 ”فقیر کی خبر میں سے اپنے دار سکون کی محافظت اور اپنے نفس کے بھانسنوں سے ہوشیار رہ کر فرائض محبوب کا ادا کرنا ہے۔ غرضیکہ فقیر وہ ہے کہ اس کا ضمیر اغراض و موثر نفسانی سے محفوظ رہے۔ اور یکسہ نفس سے ہوشیار رہ کر اپنے معبود حقیقی کے فرائض کا حق ادا کرے اور اس قدر ہوشیار رہے کہ جو اسرار باطنی اس پر منکشف ہوں ان کو ظاہر نہ ہونے دے اور ہمیشہ اپنے حال پر قال کو نہ آنے دے اور یہ علامت اس فقیر کی ہوگی جو کیفیت بشریہ سے متجاوز ہو کر عہد مطلق ہو چکا اور واسطی بنی ہو گیا۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلْشُّرُّ اَلْمُعَاثِمَاتُ اَعْتِقَادُ الْقَسْبِ عَلٰی
 الْفَقْرِ اِلٰی الْفَقْرِ۔ "افضل ترین وجہ فقر کا یہ ہے کہ وہ صبر کے ساتھ دنیاوی تلکدستی کو اس
 حد تک گداز دے کہ میدانِ مشرکِ حجاز جی تک نہ قائم ہے یعنی فقر پر ہمیشہ صبر کے ساتھ رہنا فقیر کا درجہ کمال ہے
 اللہ یہ مرتبہ عبودیت کا خاص مقام ہے۔ مقامِ عبودیت مقامِ فنا ہے۔ مقامِ فقر وہ مقام ہے
 جہاں مقامات بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ مقامِ فقر پر ہی کیفیتِ اعمال اور اُفاتِ مال و
 معاش زوال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس زوال کے ظاہر معنی یہ ہوں گے کہ

غنا پر فقر کو فضیلت ہے اور جب فضیلت فقر ظاہر ہو جائیگی تو فقیر اس امر کا عہد کریگا
 کہ میں جاوہِ فقر کے کبھی سرتابی اور زوگردانی نہ کروں گا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَلْفَقِيرُ مَنْ لَا يَسْتَغْنِي بِشَيْءٍ دُونَ اللّٰهِ۔
 "فقیر وہ ہے جو کسی چیز کے ساتھ سوا ذاتِ پاکِ سبحانہ و تعالیٰ کے آرام نہ پکڑے، اسنے کہ اُسکی ارد
 سوا اس ذات کے کوئی نہیں اور اصل مطلب یہ ہے کہ بغیر اُس ذاتِ غنی جل شانہ کے تو نگرِ حاصل
 نہیں ہو سکتی۔ توجیب اس ذات کو پایا تو نگر ہو گیا اور ظاہر ہے کہ وجودِ فقیر ذات کے سوا ہے
 توجیب تو نگرِ ماسوا کو ترک کئے بغیر نہیں پاسکتا تو خود وجودِ فقیر غنا و تو نگر کا حجاب ہٹا۔

توجیب تک یہ وجود جو ماسوا نے اللہ سے ہے فنا ہو جائیگا۔ غنی نہیں ہو سکتا اور جب اپنے
 کو فنا کر لے گا غنی ہو جائیگا۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ نکتہ نہایت باریک اور لطیف ہے۔

اور اس کی تحقیق و حقیقت معنی یہی صحیح ہو سکتے ہیں کہ اَلْفَقِيرُ اَنْ لَا يَسْتَغْنِي عَنْهُ
 یعنی فقیر وہ ہے کہ اُس کی ذات میں ہرگز غنا نہ ہو اور یہ وہی بات ہے جو پیرِ کامل حضرت عبداللہ
 انصاری ہر دے نے فرمائی۔ کہ ہمارا رنج و اندوہ ابدی ہے۔ نہ ہمارا مرکزِ جہت مقصود
 پاسکتا ہے۔ نہ ہمارا وجود کلیتہً دنیا و آخرت میں فنا ہو سکتا ہے۔

اس لئے کہ کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے مجاہدست لازمی ہے اور مقصود ازل ہی ہمارا
 ہم جنس نہیں اور اس کے فرمانے اور اعراض کرنے کے لئے غفلت کی ضرورت ہے اور درویش
 غافل نہیں ہوتا۔ تو دوائی خدمتِ ذمہ ہے اور ایک راہِ مشکل گذار سانسے غرضیلہ ہمارا

دوست وہ ہے کہ اس سے ملنے کے لئے چار سوس روپے نہیں کر سکتی اور اس کا شربت دیدار حاصل ہونے کے لیے ہمارے اختیار سے کوئی دخل ہی نہیں اور اس کا وصل حاصل کرنا متعدد غلطیوں سے بلا اثر فنا ہونے سے اس کیفیت میں تبدیل نہیں آتا۔ اور باقی رہنے سے وہ متغیر نہیں ہوتا۔ پھر فانی محض باقی کیونکر ہوتا کہ وصل حاصل کرے۔ اور باقی ان کی کس طرح فانی ہوتا کہ فانی سے قربت کرے۔

مختصر یہ کہ اس کے طالب اور دوست کا کام محنت و مشقت میں رہنا، اور جو کچھ لوگوں کے بیانات ہیں وہ سب دل کی تسلی کے لئے گھڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اپنی جان کو تسکین دینے کے لئے مقامات و منازل و طریق کے نام رکھ لئے ہیں ورنہ وہ جمیل حقیقی ان تمام اختراعی ناموں مقاموں سے پاک اور بالاتر ہے اور وہ ذات اوصاف و احوال خلق سے منترہ تعالیٰ اللہ عما یصفون۔

حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہ فرماتے ہیں۔ نَحْتَ الْفَقِيرِ السَّكُوتُ عِنْدَ الْعَدَمِ وَالْبَذَلُ عِنْدَ الْوُجُودِ فقیر کی تعریف میں یہ ہے کہ جب ہو تو خاموش رہے اور جب ہو تو خوب خرچ کرے۔ اور فرمایا۔ اَلَا ضِلُّكَ ابْنُ عِنْدَ الْوُجُودِ جب ہو تو مضطرب رہے۔ یعنی جب نہ پائے سکوت کرے اور جب پائے تو دوسرے کو اپنے سے زیادہ حقدار سمجھ کر اُس پر خرچ کرے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب پاس ہو تو اس کو خرچ کرنے کی مجلت میں بیقرار ہو۔ اور جو کر انسان کا مقصد لقمہ ہے۔ تو جب لقمہ حاصل ہو تو خود کھانے کی بجائے دوسرے آدمی کو اپنے سے زیادہ حقدار جانے اور اُس پر وہ لقمہ صرف کرے اور جب اُس کی مراد لقمہ سے حاصل نہ ہو تو اطمینان قلب کے ساتھ خاموش رہے۔ اس مقولہ میں جو حضرت ابوالحسن نوری نے فرمایا۔ دو معنی ہیں ایک فقیر کا سکون و اطمینان بحال عدم رضا ہونا یعنی خواہش و مراد کے خلاف میں خلش و سکت رہنا اور حال رضا و وجوب لقمہ کے وقت دوسروں پر خرچ کر دینا اور یہ دونوں باتیں وجود محبت بغیر نہیں ہو سکتیں اور یہ ظاہر ہے کہ راضی برضا ہے مستحق خلعت ہوتا ہے۔ اور عطا و تقرب کی نشانی ہے۔

اور محب تبارک خلعت اس لئے ہوتا ہے کہ اسے عطا خلعت میں علامات فرقت نظر آتی ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

وہ صورت یہ سکون فقیر عدم وجود فقر میں ہو۔ اس لئے کہ وجود فقر وجود ماسویٰ الشر ہے اور فقیر ماسویٰ الشر سے آرام و سکون نہیں پاتا۔ اسی وجہ سے وہ ماسویٰ الشر کو ترک کر دیتا ہے۔

اور یہی شیخ المشائخ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد الجندی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے ہیں جو
 آپ نے فرمایا۔ **الْفَقْرُ خُلُقٌ الْقَلْبُ عَنِ الْأَشْغَالِ**۔ یعنی فقر ہم ہے تمام توہمات کے دل
 کا خالی رکھنا۔ تو جب فقیر کا دل تمام اندیشوں اور دہموں سے خالی ہو جاتا ہے۔ تو ہر شکل و ہر نگاہ سے
 دل سے نکال دینے کے سوا اور چارہ ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ تمام غیر خدا اور ماسوئے اللہ ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الْفَقْرُ يُجْزِي الْبِلَاءَ وَبِلَاؤُهُ كُلُّهُ عِزٌّ فَقْرٌ دِرْبَانِے بِلَا کا نام اور فقیر کے لئے بلا ہونے فقر ہی عزت میں۔ اور عزت فقر کا نام اُس کا حال ہے۔ اور حال فقیر خالص محبت اور محبت محبوب خالص مجاہدہ تاکہ دماغ طالب تحمل و یدانہ جیل ہو جائے اور افراط خیال و تصور جمال کے ذریعہ ہے تاکہ کچھ جمال جیل دیکھنے کے لائق ہو سکے اور فرمان محبوب بغیر کانوں کے سُننے لگے۔

غرضیکہ محبوبِ حقیقی کا عزیز بندہ ہی ہے جو بار بار بلا، محبوبِ طیب خاطر اٹھائے۔ اسلئے کہ وہ بلا جوازِ جانبِ محبوب آئے۔ وہ عزتِ خالص ہے اور فناءِ بلا ورنہ حقیقتِ ذلتِ خالص میں اسلئے عزت اس بندہ کو ملتی ہے جو پچائی کے ساتھ اپنے محبوب کے حضور حاضر ہوا اور ذلت اُسے جو مشاہدِ حق سے اپنے کو غائب کرے۔

یاد رکھو بلا فخر نشان حضوری ہے اور راحتِ حقیقی اور عیشِ غنائی نشان غیبت و مجبوری
توجہ حاضر بحضور حق ہے۔ وہ معزز و ممتاز ہے اور جو غائب بحضور حق ہے وہ ذلیل۔

وہ بلا جس کا نتیجہ مشاہدہ جمال اور دیدار محبوب ہووے بہر صمدیت غنیمت اور نعمت خیر
مترقبہ ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ ادْعُوا رَبَّكُمْ انْتُمْ تَعْرِفُونَ يَا اللَّهُ وَتَكْرُمُونَ اللَّهُ فَاَنْظُرُوا
كَيْفَ تَكُونُوا مَعَ اللَّهِ إِذَا اخْلَوْتُمْ بِهِ سَاءَ جَمَاعَتٍ فَقَرَأْتُمْ عَارِفٌ بِحَقِّ مَوْنِهِ كِي وَجْه
سے ممتاز ہو درہی شان تمہاری عزت کی موجب ہے تو نہیں لازم ہے کہ اپنی خلوتوں میں
مہرشیہ ہو اور کچھ کو اپنے رب کے ساتھ اس وقت تم کس طرح قریب ہو یعنی جب دلوں میں

تم درویش مشہور ہو جاؤ۔ اور وہ تمہارے حقوق ادا کرنے لگیں اور تمہیں نظر عظمت دیکھیں تو اُس وقت نہیں تو درویشی ادا کرنے میں خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ لوگ نہیں تمہاری اصلیت کے خلاف تمہارا نام ادا دیکھیں تو تم ان کی اس آواز کو پسند نہ کرو۔ اپنے کو بنظر انصاف و منعم کا ایک فقیر جانو اس لئے کہ بدترین انسان وہ ہی ہے کہ لوگ اُسے مرد خدا جانیں اور وہ درحقیقت ایسا نہ ہو۔ مگر اس سے خوش ہو۔ اور بہترین انسان وہ ہے کہ لوگ اُسے درویش جانیں۔ اور درحقیقت وہ درویش ہو۔ اور سب سے زیادہ افضل ترین وہ ہے کہ لوگ اُسے مرد کامل نہ سمجھیں۔ مگر وہ درحقیقت اعلیٰ پایہ کا مرد نہ ہو۔

اس کی مثال جسے لوگ کامل جانتے ہوں۔ اور درحقیقت وہ ایسا نہ ہو۔ اس طرح ہے۔ جیسے کوئی مدعی حکمت ہو۔ اور مریضوں کا علاج کرتا ہو۔ مگر جب بیمار ہو تو اُس کی طبیعت اُسے کچھ فائدہ نہ پہنچائے اور دوسروں کے آگے ٹھکتا پھرے۔ تاکہ علاج کرانے۔ مگر طبیب کی مجوزہ دوا کے مفاد سے محض بے خبر ہے اور اُس کی مثال جس کو لوگ درویش جانیں اور وہ درویش ہو۔ ایسے ہی جیسے کہ طبیب فی الواقع طبیب ہے اور مریضوں کا علاج کرتا ہے اور جب خود بیمار ہوتا ہے۔ دوسرے طبیب کی اُسے ضرورت پڑتی ہے۔ مگر اُسے مجوزہ نسخے مفاد کو خود بھی سمجھتا ہے۔

اور اُس کی مثال کہ جسے لوگ مرد کامل نہیں جانتے اور حقیقتہً وہ کامل مرد ہوتا ہے۔ ایسے ہے کہ ایک طبیب کامل ہے۔ مگر لوگ طبیب کامل نہیں جانتے۔ اور وہ عوام کی مشغولیت سے آزاد رہ کر اپنی حفظانِ صحت کا پورا نظام کئے ہوئے ہے۔ اپنی مزاج کے موافق غذا الطیف شربت مفرح ہوا معتدل حاصل کر کے اپنی صحت کو مکمل طور پر درست رکھتا ہے۔ تاکہ اس کے پاس مرض آکر اُسے مریض نہ بنا سکے۔ اور عوام کی نظر میں اُس کے حال سے بالکل بے پتہ ہیں۔

بمعنی متاخرین فرماتے ہیں۔ الْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وَجُوْدٍ یعنی فقر عدم بلا وجود کا نام ہے۔ اس کا مطلب واضح طور پر بیان کرنا سخت مشکل ہے۔ اس لئے کہ شے تو بذاتہ کچھ نہیں ہوتی اور جب تک کسی شے کا وجود نہ ہو اُسے بیان کسی طرح کیا جلتا۔ تو اس عبارت کا مذہب یہ ہے کہ اس کے ادراک کیا جاسکتا ہے۔ کہ اُن کے نزدیک فقیر کوئی چیز نہیں اور مقربان

الہی کا اجتماع اور اقوال محض یہ اصل ہیں۔ اس لئے کہ فقیر اپنی ذات میں معدوم نہیں ہے اور اگر اس عبارت میں عدم عین مراد لیا جائے۔ بلکہ عدم آفت مراد ہو تو یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ آفت اوصاف انسان سے ہے اور نفی آفت کرنا اگر یا نفی صفت کرنا ہے۔

اور آفت وہ صفت انسانی ہے جو ذریعہ وصول الے اللہ کی پھر وصول الے اللہ جو ذریعہ ہے جب اسی کو معدوم کر دیا تو ان کی رفتار کو ہی معدوم کیا اور نفی رفتار مستلزم نفی وجود ہوگی۔ اور اس میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ میں نے ارباب کلام کا ایک گروہ دیکھا جو اس قول کو صحیح نہیں مانتا۔ بلکہ اس قول کا استہزاء کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ قول نامعقول ہے۔ دوسرا گروہ وہ دیکھا جو اس قول کو صحیح مانتا۔ اور اس پر متعینہ رکھ کر کہتا ہے کہ البتہ عدم بلا وجود صحیح ہے اور حقیقت حال یہ ہے کہ اصل حل دونوں کو معلوم نہیں۔

اسی وجہ سے دونوں گروہ غلطی پر ہیں۔ ایک گروہ تو بوجہ جہل شکر صداقت ہوا۔ اور دوسرا گروہ جہل کو حقیقت جان کر پہنچ گیا ایک نے عدم اور فنا سے مراد ناقابل تعریف صفات لے کر ستودہ صفات کی طلب کرنی چاہی دوسرے نے ترک صفت کو ستودہ صفت سمجھ لیا۔

اور حقیقت بات یہ ہے کہ فقر کے معانی کینہ کے بیان سے خود درویش بھی عاری ہے اور اصل مقصود کے اسباب کینہ سے قطعاً بیگاد۔ مگر اسرار الہیہ کے گذر گاہ وہی درویش ہوتا ہے۔ اور جب تک درویش کا کام زہد و تقویٰ سے مکتسب ہو اس کے تمام افعال کو درگاہ الہی میں نسبت قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک وقت وہ آتا ہے کہ تمام افعال درویش قیاس سے رہا ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کے نسل کی نسبت بھی اس سے منقطع ہو جاتی ہے اور الفاظ معانی کو حقیقتہً فقیر سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ بلکہ اسرار و رموز الہیہ سے جو کچھ فقیر پر وارد و صادر ہوتا ہے اس کی محض گذر گاہ فقیر ہوتا ہے۔ نہ کہ خود راہ رویا صاحب اختیار۔ بلکہ فقیر کسی کام کو اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔ نہ کسی چیز کو اپنے اختیار سے لیتا نہ کسی کو اختیار خود دفع کرتا ہے اگرچہ وہ من جب اللہ ذات واجب تعالیٰ شاذ سے غیر ہے۔ مگر ذات تعالیٰ شاذ کا یہی نشان خاص ہے

لے بقول شاعر حاشیہ دوسرے صفحہ پر دیکھیں ص ۱۱۷

ہم نے ایک گروہ ادبی دیکھا جو مذعی کلام اور اعلیٰ زبان متاویہ انہم سے وجود کی نفی کو کمال میں فقر بتاتا تھا اور اسے بہت مہتمم بالشان تعریف کرتا تھا۔

دوسرا گروہ دیکھا کہ حقیقت فقر کے بیان میں نفی اور عدم بیان کو مقدم جانتا تھا اور عین فقر میں نفی صفات کے معنی قرار دیتا تھا۔ ایک گروہ ایسا دیکھا کہ اس کے نزدیک صفوت نام ہی جب حاصل ہوتی ہے جبکہ طلب حق میں نفی حقیقت کر دی جائے۔

ایک گروہ دیکھا۔ جن کے نزدیک سوا اثبات حرم تمام موجودات کی نفی کا نام ہی فقر ہے۔ اور حقیقت یہ تمام گروہ اپنے اپنے خیالات کے حجابوں میں حقیقت فقر سے محجوب ہیں۔

اس لئے کہ سب سے اول کمال ولایت میں اسکا ہی سمجھنا ضروری ہے۔ اور اس ہی قول کی حقیقت میں غوطہ زنی کرنا اور اس کے سمجھنے کی محبت پیدا ہونا ہی غایت الغایات فقر ہے۔

تو طالب حق کو اس حقیقت کے سمجھے بغیر چارہ نہیں اور اس لئے کہ عبور کئے بغیر کامیابی نہیں اور انہی عبارات کا بھی طرح سمجھ لینا اس لئے کہ لہجہ رسم میں لازمی ہے تاکہ راہ دریم محبت سے ناواقف رہ کر عوام کی طرح دھوکہ میں پڑ جائیں۔

اس لئے کہ تمام قواعد اصول سے نکلنے ہیں اور تمام جنہات فروع سے پھر جو فروع سے بے خبر رہا وہ اصول سے یقیناً بے خبر رہے گا۔ اور جو اصول سے بے خبر ہو وہ کسی جگہ بھی صیح نہیں اتر سکتا اس لئے میں نے کہا تاکہ تم ان معانی کی راہ پہلے طے کرو اور اس کے حقوق کی رعایت کی طرف مشغول ہو سکو اب ہم تھوڑے سے باب تصوف میں خرقہ صوفیا کے اصول و اشارات بیان کریں گے۔ پھر ان مردان خدا کے اسماء گرامی بتائیں گے جنہوں نے اس شاہراہ کو عبور فرمایا۔ اور منزل حاصل کی۔

پھر صوفیائے کرام کے مسلک پر بحث کریں گے۔ تاکہ تم سمجھ سکو کہ ان کے اختلافات اختلاف نہیں۔ پھر معرفت و حقیقت و احکام شریعت کا تذکرہ کریں گے۔ پھر بعد مقدور ان کے مقامات اور مقامات ربوہ و حقانی و آداب بیان کریں گے۔ تاکہ تم پر اور دوسرے پڑھنے والوں میں اس مقام کی حقیقت کا انکشاف ہو سکے۔ و باشر التوفیق۔

تم انات خود سے خدا کو بخشنا ہو اللہ ہی کو معلوم ہے تم کون ہو کیا ہو
marfat.com

Marfat.com

تصوّف

فصل

اِنَّهُ تَعَالٰی عَلٰی مَجْدِهِ كَاثِرٌ شَادِبٌ۔ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یُفِشُوْنَ
عَلٰی الْاَرْضِ مِنْ حَیْثُ نَادَوْا اِلٰی خَاطِبِهِمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔

یعنی خاص بنندگان الہی وہ ہیں جو زمین پر پھیل کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں
چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو۔
اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ سَمِعَ صَوْتَ أَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا
يُؤْمِنُ عَلَى دُعَائِهِمْ كَتَبَ اللَّهُ مِنْ أَلْفَاذِلَيْهِ۔ یعنی جس نے اہل تصوف کی آواز سنی
تو ان کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں گنایا گیا۔

مگر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صوفی کون ہے اس لئے کہ لوگوں نے نام صوفی کی بہت سی
تعریفیں بنا رکھی ہیں اور اس بحث میں بہت سی کتابیں بھی تالیف ہو چکی ہیں۔ ایک جماعت تو
کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبلی اوڑھتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی
کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ روز قیامت صفہ دل میں ہونگے۔ ایک گروہ اسلاف گیا کہ
صوفی وہ کہا جاسکتا ہے جو اصحاب صفہ کے ساتھ محبت و ملا کا رابطہ رکھے۔ ایک فرقہ کہنے لگا
کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفائے شتی ہے۔ یعنی جس کے اندر باہر صفائی ہے وہ صوفی
کہلانے کا حق دار ہے۔ مگر یہ عجیب طریقہ ان تجربات میں بہت سے لطائف حاصل ہو سکتے
ہیں لیکن آخری طبقہ کی تعریف کے اعتبار سے لغوی معنی اس کے سلیسہ ہی نکلیں گے۔

اگرچہ صفا بمعنی صفائی ہے۔ اور صفائی بہ پہلو سے اچھی ہے اور صفائی کی ضد کدورت ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔ ذَہَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ كُذُّهَا۔ دنیا کی صفائی جاتی رہے۔ اور اُس کی کدورت باقی رہ گئی۔ اور ظاہر ہے کہ لطیف صاف چیز اور میل و مکدر چیز علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور یہ امر ظاہر و واضح ہے کہ اہل تصوف نے اپنے تمام معاملات اخلاقی معاشی معادی کی تہذیب کرنے اور اپنا دل کدورتِ آفات دنیا سے صاف فرمایا۔ اس لئے انہیں صوفی کہا گیا۔ اور یہ اسم عارفوں کے لئے اسمانے اعلام سے ہے۔ کیونکہ اہل تصوف کے خطرات قلبیہ اور امورِ اہلِ اس اسم سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ بلکہ حقیقت لفظ صوفی ان کے صفاتِ باطن کی ترجمانی کیلئے کافی نہیں اور ان کے معاملاتِ تعرب پر اُس کی تعریف محیط نہیں ہو سکتی۔ بنا برائیں اسم صوفی کا بعد از اشتقاق صفاتِ اہلِ اسم صفت قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ زمانہ تو وہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ شاذ نے عوام کو حقیقتِ تصوف اور اہل تصوف سے حجاب میں فرما کر۔ اور ان کے منصبِ حلیل کی ملذی اور فرائضِ قلبی کو عوام کے دلوں سے مخفی کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی جماعت تو یہ سمجھ بیٹھی کہ تصوف ایک طریقہ کا نام پر شاہِ باطن میں مدد دیتا ہے اور اصلاح ظاہری کر دیتا ہے۔ کوئی اس گمان میں بہک گیا کہ یہ صوفی اور تصوف ایک بے حقیقت چیز ہے۔ اور یہ نام محض بے اصل نام ہے حتیٰ کہ بعض کیسے جاہل تو مسخوین کر کے نا فہم اہل علم کو اپنے ساتھ ملا کر محض ظاہر میں نفلوں سے دیکھ بھال کر سرت سے تصوف کے منکر ہو گئے۔ اور باوجودیکہ وہ سخت حجاب غفلت میں محجوب ہیں۔ لیکن اپنی اندھی نظر کی تحقیق پر مطمئن ہیں۔ ان کی پیروی جاہل عوام کا لالچ نام نے کی اور صفا باطن کی خواہش ہی دل سے نکال دی اور سلفِ صالحین اور صحابہ کرام کے طریقہ کو چھوڑ بیٹھے۔

إِنَّ الصَّفَا صِفَةُ الْعَبْدَانِ إِنَّ آدَاتَ صُوفِيًّا عَلَى التَّحْقِيقِ

یعنی اگر تو واقعی صوفی کا تلاش ہے۔ تو یاد رہے کہ صوفی ہونے کی شان صفا تو صرف صدیقی

الہ رضی اللہ عنہ میں تھی۔ اس لئے کہ صفا حقیقی کے لئے ایک اصل اور ایک فرع ہے

اصل تو دل کا ماسوا اللہ سے منقطع ہونا ہے اور فرع دل کا دنیا غدار کی محبت سے خالی کر دینا۔

اور یہ دونو صفتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھیں جن کا نام حضرت عبداللہ ابو بکر بن ابی
تھافہ رضی اللہ عنہما ہے۔ اس لئے کہ صدیق اکبر کی ہی وہ ہستی ہے جسے ابام اہل طریقت اور
مقتدا اہل تصوف کہا جاتے۔ اور یہی وہ پاک باطن تھے جن کا دل اختیار سے اس قدر صاف
تھا کہ صحابہ کرام میں بھی آپ کی ہستی کا ہر کوئی نہ تھا۔

بوقت وفات قیامت آیات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کرام اُس عالی جناب
گردوں رکاب کی جدائی سے اس قدر دل شکستہ تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
نے از خود دھڑکیں پر ہنہ کواری کھینچ کر باؤاز فرمادیا۔ خبردار جس نے کہا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم انتقال فرما گئے ہیں۔ اس کا ہر قلم گردوں کا۔

حضرت افضل البشر عبداللہ بنیاد صدیق اکبر رضی اللہ عنہما پر تشریف لائے اور بلند آواز سے
فرمایا۔ اَلَا مَعَا عِبَادَ مَعَشَرًا فَلَنْ مَعْتَدَ اَقْدَانَاتٍ وَمَنْ عَهْدَ رَبِّ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ حَتَّى لَا
يَهْوَتْ خَيْرُ دَارٍ رَهْوَزَ حَسْبِ نَعْمَ حَضْرَتِ صَلَّي اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حی قدیم جان کر عبادت کی توہینک
اُریستہ ہوئے۔ وجودِ عنصری سے پردہ فرمایا۔ اور جو عابد الہی ہے وہ سن لے کہ وہ جل مجدہ
حی قدیم ہے اُسے فنا نہیں۔

پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا
رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ
”ہمارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں بلکہ ہمارے رسول ہیں۔ ان سے پہلے جو رسول آئے وہ
بھی دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ تو کیا اگر یہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو
تم اپنی پچھلے روئے پر لوٹ جاؤ گے؟“

یعنی جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا مانتا ہے اُسے چاہیے کہ سن لے کہ وہ تشریف لے گئے ہیں
اور جو خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پوجنے والا بنے وہ جان لے کہ وہ ذاتِ زندہ اور قدیم ہے
گویا دوسرے الفاظ میں اپنی صفوۃ کا مظاہرہ فرمایا کہ تعلیمِ مصطفیٰ علیہ السلام والثناء سے
کہ سوا ذاتِ باقی کے سب فانی ہیں۔ اور فانی سے ورا۔ پوری ذاتِ باقی سے تو جس مال

فانی سے بندھا ہوا ہے وہ سمجھ لے کہ صورت فانی فنا ہو گئی اس کی تمام محنت رائیگاں گئی اور جس نے اپنی جان حضرت باقی کے سپرد فرمادی اُس کی مثال یہ ہے کہ اُس کا نفس فانی فنا ہو جاتا ہے اور وہ ذات باقی کے ساتھ ذوالی بقائیں رہتا ہے۔

لہذا جس نے ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم ظاہر سے دیکھا ہے وہ اپنا اسلام اور اُن کی تعظیم ختم کر دے۔ اُس نے کہ وہ صورت ظاہری تو فنا ہو گئی مگر جس نے اُس ہستی پاک کو چشم حقیقت دیکھا ہے۔ اُسے نقش ظاہری سے کچھ تعلق نہیں۔ اُس کے نزدیک اُس صورت کا رہنا اور غائب ہو جانا دونوں برابر ہیں۔ اسلئے کہ حالت بقائیں وہ اپنی بقا منجانب اللہ محبت اور یقین کرتا ہے۔ اور کیفیت فنا کو بھی منجانب اللہ جانتا ہے۔ جب اُس نے ہر دو کیفیات منجانب محول حقیقی دیکھیں تو محول سے اعراض کر کے محول حقیقی کا اعتراف کر لیا اور جان لیا کہ ہر محول یعنی متغیر ہونے والے کا وجود محول حقیقی یعنی متغیر کرنے والے اور پھرنے والے قبضہ قدرت میں ہے۔ تو پھر فرمان رب العزت جل مجدہ کے مطابق وہ ہر شے کی تعظیم و تکریم کرنے والا ہو گیا اور بنظر دل کسی غیر کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور نظر ظاہر کو بھی ماسوا اللہ سے بند کر لیا۔

مَنْ نَظَرَ إِلَى الْمَخْلُوقِ هَلَكَ وَمَنْ رَجَعَ إِلَى الْحَقِّ مَلَكَ

جس نے مخلوق فانی کی طرف نظر کی ہلاک ہوا۔ اور جو وجود باقی اور ذات حق کی طرف رجوع ہوا اعلیٰ صفات کے مستصف ہو گیا۔

یعنی ماسوا اللہ اور مخلوق کی طرف نظر ہونا نشان ہلاکت ہے اور رجوع حق ہونا علامت ملکیت ہے۔

ترجمہ: دل ماسوا اللہ کے یا دنیا و مافیہا سے یہ ہوا کہ جو کچھ مال و متاع غلام اس کے قبضہ میں ہو راہ مولیٰ میں دے ڈالے اور ایک کلمی میں لپٹ کر دربار رسالت پناہ میں حاضر ہو۔ جیسا کہ صدیق اکبر کا واقعہ ہے کہ سب مال و متاع غلام لونڈی اللہ کے واسطے تصدق کرنے کو اس شان سے حاضر ہوئے کہ ایک کلمی جسم اطہر پر تھی حضور نے فرمایا مَا خَلَقْتُ لِعِيَالِكَ ابوبکر اپنے بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی۔ اللہ و رسول۔ بیوی بچوں کے لئے دو خزانے بے خزاں اور دو گنج بیکراں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ایک محبت واحد حقیقی دوسرے متابعت رسول اطہر۔

اس لئے کہ جب میرا دل تعلق دُنیا دنی سے آزاد ہو چکا تو مجھے ناگزیر تھا کہ گزشتہ
 اہل کچل سے صفائی حاصل کروں۔ یہ مجھے مکمل صفت صوفی صافی و عارف صادق کی اور
 اس سے انکار کرنا درحقیقت انکار قنات باقی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ درحقیقت حقیقت
 تصوف یہی ہے، اس لئے کہ صوفی وہ ہے جو صاف دل ہو۔ اقسام کدورات سے اور صفائی
 کی ضد تکرار اور میل اپن ہے۔ دوسرے مکدر و ملوث دنیا ہونا صفات بشری میں داخل ہے
 اور درحقیقت صوفی وہ ہے جو حقیقت تکرار سے گذر کر صفات بشری سے بالا تر ہو جائے۔

جیسا کہ بحالت استغراق و محویت مشاہدہ جمال و لطائف حسن یوسف کر کے زبان مصر پر
 کیفیت بشریہ نے غلبہ کیا پھر اُس کیفیت غلبہ بشریت پر جب حسن یوسفی نے اپنا عکس حسن ڈالا
 تو وہ غلبہ بشریت درجہ غایت کو پہنچ گیا پھر جب مشاہدہ حسن نہایت پر پہنچا تو غلبہ بشریت فنا
 ہو گیا۔ اور انہیں زبان مصر کی زبان سے حاشا بلکہ مَا هَذَا بَشَرًا نَكَلَّ بِهَا یعنی خدا کی قسم
 یہ بشر نہیں ہے۔ دیباہ درحقیقت پر تو حسن یوسفی نے زبان مصر کی کیفیت بشری کو بدل ڈالا
 تھا، مگر انہوں نے اس دعویٰ کا نشانہ حسن یوسف علیہ السلام کو بنایا اور فی الواقع اپنا حال بیان کیا
 تھا۔ اسی کی تائید میں مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے فرمایا۔

لَيْسَ الصِّفَاتُ مِنَ بَشَرِيَّةٍ الْبَشَرِيَّةُ الْمَذْمُومَةُ لَا يَخْلُقُوا مِنَ الْكَدِّ
 صفائی صفات بشریہ سے نہیں اس لئے کہ بشر کی تخلیق مٹی سے ہے اور مٹی کے خواص ذاتی میں
 کدورت و کثافت ہے۔ بنا برائے بشر کو کثافت و کدورت بغیر چارہ نہیں۔

تو ظاہر ہو گیا کہ حصول صفا افعال و اعمال سے نہیں ہو سکتا۔ اور بشر کی صفت خالص مجاہد
 و ریاضت سے زائل ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ صفت کو افعال و اعمال سے کوئی نسبت نہیں اور
 اسم صفا کو کسی نام یا کسی لقب کے کوئی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ الصِّفَةُ الْأَجْنَابُ وَهُمْ
 شُمُوشُ بِلَا سَحَابٍ صفت صفا محبوبان الہی کی صفت ہے اور وہ وہ ہیں کہ اپنی صفت
 بشری سے فانی ہو کر صفت محبوبان الہی کے ساتھ باقی ہو چکے ہیں اور محبوبان بارگاہ وہ ہیں کہ
 ان کی کیفیت عالی اہل حال کی نظروں میں مثل اُس آفتاب کے روشن اور نمایاں ہے جس پر بارگاہ
 بھی حجاب نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کبار رضی اللہ

بہم نے حضرت علامہ بن زید کے متعلق حیات کی خبر نہ فرمائی۔

عَبْدُ انْشُورًا مَلَّةً قَلْبِيَّةً بِالْاِيْمَانِ . وہ نہ بدو ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے نور کر دیا۔ اُس کا چہرہ یا اثر رکھتا ہے کہ اُس کی کیفیت معطر ہو جو وہ ہے۔ وہ جس طرح چاند آفتاب کو دیکھ کر روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ بن زید کے چہرہ کو دیکھنے سے دیکھنے والے میں نور آ جاتا ہے، اور علامہ کو اللہ نے اپنے نور سے معبود و مخلوق فرمایا۔

کہتے ہیں کہ مشائخ سائل میں سے کسی نے یہ شعر فرمایا۔

ضِيَاءُ الشَّيْخِ الْقَمِيْرُ اِذَا اشْتَرَكَا
اَنْشُورًا مِّنْ عَقْلِ الْوَلَدِ الْاَشْبَهَا
”نور آفتاب و قمر جب یکدگر مل جائیں تو اس کی مثل تو حید و محبت کا مکان ہے جگہ جہاں
یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔“

لیکن یاد رکھو کہ نور آفتاب و قمر کے دریاں کہ حقیقت نہیں۔ یہاں قمر و محبت و حید
جہد کی جلوہ ریزی ہو۔ مگر اس مثال سے نہ محبت و حید کا اس نے محبت و انکسار کا بیان کیا
نہ اس سے زیادہ منور نہیں۔ اور ہمدردی شہید قمر آفتاب و قمر کے نور سے ملنے والی روک روک
ہے۔ اور پس۔ اور نور و حید و محبت سے قیام قیامت تک کے تمام اعمال و عبادتیں مستفید ہوتے
ہیں۔ اور اس پر مجدد مشائخ طریقت مجتمع ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

جب بندہ قید مقامات سے آزاد ہو جاتا ہے تو کیفیت مکہ و مدینہ سے خالی ہو کر حق تعالیٰ سے
”ملوں سے بھی آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس میں تمام اعمال محمودہ۔۔۔۔۔ آجاتے ہیں۔ اور وہ
صفات محمودہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ مگر اس وقت وہ فی نفسہ قید و عافیت میں بیگانہ
ہوتا ہے اور قید صفات سے بلا تر جو کہ حید و محمودہ کو نہیں دیکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی لطائف کے مشاہدہ سے مجب و توجہ نہیں کرتا۔ نہ ضرر نہیں ہوتا۔ بلکہ
اُس کی کیفیت حایہ اراک حش سے غشی ہو جاتی ہے اور اس کا ظہر واطی شکوک و ظنوں اور
کے دستبرداشت محفوظ بلکہ پاک ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اُس کی کیفیت حضور کی کو ذہب سے
جہاں و خزانہ جو۔ اور اُس کا وجود ظاہری مل و اسباب کا محتاج نہ رہے۔

لَا اِنَّ الصَّفَا حُضُوْرًا نَّوْلاً زَهَابٌ وَوَحُوْدٌ بِلَا اَسْبَابٍ ”یعنی مقنا

صفا قلبیہ ہے کہ اُسے نڈال ہونے والا حضور حاصل ہوا۔ بلا احتیاج سبب سبب کہ موجود ہو۔
حاضری بارگاہِ غیبت ہوا اور ہر چیز بلا سبب علت موجود اسلئے کہ جو حضور غیبت میں مٹ جائے
وہ حضور نہیں اور جو موجود سبب علت سے موجود ہو وہ موجود کوئی وجود نہیں رکھتا۔

جب اس صبر پر صوفی پہنچ جاتا ہے تو دنیا و مافیہا میں فنا ہو جاتا ہے اور بظاہر جسم انسانی کھڑک
رہا بن جاتا ہے پھر اس کی نظر میں نہ دجہا ہر اور کنکر و پتھر یکساں ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ اہل
دنیا پر دشوار ہوتا ہے وہ سب اُن پر آسان ہو جاتا ہے۔ خواہ اتباع احکام ہو یا اور کچھ۔

چنانچہ حضرت حارث بن زید رضی اللہ عنہ بدر رسالت میں حاضر ہوئے حضور نے فرمایا۔
کَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثُ؟ یعنی اے ابن زید آج تم نے کیسی صبح کی۔

قَالَ أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللَّهِ حَقًّا فَقَالَ أَنْظِرْ مَا تَعُولُ يَا حَارِثُ إِنَّ لِكُلِّ
شَيْءٍ حَقِيقَةً إِنَّمَا حَقِيقَةُ إِيْمَانِكَ فَقَالَ عَزَلْتُ وَحَرَفْتُ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا
فَأَسْتَوِي عِنْدِي تَجَرُّهَا وَذَهَبُهَا وَفِئْتُهَا وَمَدَارُهَا فَأَسْهَرْتُ لَيْلِي وَ
أَكَلَمَاتُ نَهَارِي حَتَّى صِرْتُ كَأَنِّي أَنْظِرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِئًا وَكَأَنِّي أَنْظِرُ إِلَى
أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَرَاءَوْنَ فِيهَا وَكَأَنِّي أَنْظِرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَضَارَعُونَ فِي
نَارِهِ يَتَحَاوَرُونَ فَالْحَدِيثُ۔

حارث بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور میں نے آج سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح
کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حارث غور کر۔ کیا کہہ رہے ہو۔ یاد رکھو ہر چیز کی ایک حقیقت
ہوتی ہے اور ہر چیز پر ایک دلیل۔ تیرے اس دعویٰ کی کیا حقیقت ہے اور تیرے ایمان کی کیا دلیل۔
عرض کی حضور میں نے اپنی جان کو دنیا سے علیحدہ کر لیا۔ اور اپنا منہ دنیا سے موڑ لیا۔ اب
میری نظر میں دنیا کا پتھر سونا چاندی کنکر کوڑا سب یکساں ہے۔ اور جب میں دنیا و مافیہا سے
آزاد ہو چکا تو مقامِ اقصیٰ یعنی درجہ اتہانی پر پہنچ گیا جی کہ آج نہیں نے تہاں شکم پری اور شب
بیداری میں مجھے اب تصدق سرکار یہ منصب حاصل ہے کہ گویا میں رب اعلیٰ کے عرش بریں کا
شاہدہ بل عجب کر رہا ہوں۔ اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ سیر و تفریح میں
ہیں اور گویا کہ میں جہنمیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تڑپ رہے ہیں۔ ایک دہائی میں ہے کہ آنکھ پھاڑ

بھاڑ کر جہنم میں دیکھ رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا: عَوُذْتُ بِكَ جَانِ تَوَلَّيْتُكَ لَمْ يَزَلْ يَمُومُ
اب اس منصب کی حفاظت کر۔ اس نے کہ بس اس کے سوا اور عرفان (مخلوق کو حاصل نہیں)
ولیموں کو اسی منصب نام سے پکارتے ہیں کسی بزرگ نے مشائخ کرام سے فرمایا۔
مَنْ صَفَاةُ الْحُبِّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَاةُ الْكِبَرِ فَهُوَ صَوْنِيٌّ بِجُودِ مَحَبَّتِ كَيْ
فدیعہ صاف ہوا وہ صافی ہوا۔ اور جو محبت حبیب میں محو و مستغرق ہوا وہ غیر محبوب سے
بڑی ہو کر صوفی ہو گیا۔

اور مقتضائے لغت اس اسم صوفی کا مشتق ہونا درست نہیں۔ اس لئے کہ لفظ صوفی معنی
لغوی سے وراۃ الذی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کو بنا سبت معنی لغوی دیکھا جائیگا تو ایسے جنس
ماتر پڑیگا۔ تاکہ وہ جنس کسی جنس کے متعلق ہو سکے کیونکہ ہر شق کو اپنی مبداء اشتقاق سے جانست
لازمی ہے۔ اور لفظ صوفی جس معنی سے وابستہ ہے وہ وہ ہے جو صافی و مصطفیٰ ہے اور جس قدر
مبادی اشتقاق میں وہ یقیناً ضد صفا ہیں۔ لہذا ضد سے ضد کا اشتقاق صحیح نہیں تو اس کے
معنی اظہر من الشمس ہو گئے کہ اہل تصوف کے نزدیک تعریف صوفی متاج تعریف نہیں اور اس
کی تشریح کی حاجت نہیں۔ لِأَنَّ الصُّوفِيَّ مَهْنُوعٌ عَنِ الْعِبَارَةِ وَالْإِشَارَةِ اسلئے
کہ صوفی عبارت و اشارت سے روکا ہوا ہے۔ تو جب صوفی زبانی تعریفات و تعبیرات و اشارات
سے آزاد ہو تو سب جہان اس کے لئے معنی اور تعبیر چھانٹا کرے اور کوئی اس کی حقیقت سمجھے یا
نہ سمجھے۔ اسم صوفی کو ان تعبیرات سے کچھ خطرہ نہیں۔

تو بحالت حصول معنی اہل کمال نے انہیں صوفی کہا اور جو اس کمال کا طالب اور اہل کمال سے
وابستہ ہیں۔ ان کو متصوف اور تصوف یا بفعل سے ہے اور یہ باب مقصدی تکلف ہے۔ اور تصوف
میں تکلف مجاہدہ اس کی جرہ یعنی اصل کی ایک فرع اور شاخ ہے۔ اور مقتضائے لغت و معنی سے صوفی
کے معنی حقیقی کا فرق ظاہر ہوا اظہر ہے

الصِّفَاءُ دَلَالِيَةٌ قُلُوبًا أَيْ دَرَوَانِيَّةٌ وَالتَّصَوُّفُ حِكَايَةٌ لِلصِّفَاءِ بِدَلَالِ
شِكَايَةٍ۔ یعنی صفا و لائیت کا نام ہے اور اس کے لئے علامت اور روایت کی ضرورت ہے
اور تصوف بلاشبہ حصول صفا کے لئے ایک حکایت ہے جس میں شائبہ شکایت نہیں ہوتا تو صفا

کے روشن معنی ظاہر ہو گئے اور تصوف کا محض حکایت جہاں واضح ہو گیا۔ تو درجہ تصوف میں جو لوگ ہیں۔ اُن کی تین قسم ہیں۔ ایک صوفی۔ دوسرا متقیف۔ تیسرا مستصوف۔
صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر باقی بقی ہو گیا۔ قید مزاج و طبائع سے آزاد ہو کر حقیقت حقائق کے ساتھ مل گیا۔

مستصوف وہ ہے جو اس درجہ کے حاصل کرنے کی آرزو میں تکلف و مشقت و مجاہدہ کر رہا ہے۔ اور صوفی بننے کا خواہش مند ہے اور صوفیائے کرام کے رسم و رواج کی پیروی میں اپنی صلاح کرتا ہے۔

اور مستصوف وہ ہے جو مال و منال دنیاوی حاصل کرنے کی غرض سے صوفیاء کرام کے اعمال و افعال و حرکات کی نقل کرتا ہے۔ صوفیاء کے اقوال کہتا پڑتا ہے۔ مگر خود محض بے خبر ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ چنانچہ ایسے شخص کے ہی حق میں مشائخ کرام نے فرمایا۔

الْمُسْتَصَوِّفُ عِنْدَ الصُّوفِيَّةِ كَالذِّي يَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالذِّي يَابِ۔

مستصوف صوفیائے کرام کے نزدیک ایک ذیل کھی ہے۔ جو کچھ کرتا ہے وہ محض لغو اور فضول ہے۔ اور عوام کے حق میں مستصوف مثل بھیڑیے کے ہے یا بچہ کی طرح۔ وہ جو کچھ کرتا ہے سب بیکار ہے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اُس سے اُس کی مراد تھوٹے سٹے کڑے کا حاصل کرتا ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ صوفی صاحب فضول ہوتا ہے اور مستصوف صاحب فضول اور مستصوف صاحب فضول جو صوفی ہے اُسے اصل کشف و وصل محبوب نصیب ہو گیا۔ اور وہ ہمیشہ رسم و لطائف میں مستقیم رہا۔ اور جس کو درجہ فضول ملا وہ سبکے پیچھے رہ گیا اور رسم کے دروازہ پر پڑا رہا اور اُس پر حجاب معنی اس قدر پڑے کہ وہ مجبور ہو کر وصل و وصل دونوں سے محروم رہ گیا۔ اس حال کو مشائخ کرام نے اس قدر رموز میں بیان فرمایا ہے کہ سب کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ تاہم بعض اُن کی رموزات اس کتاب میں ہم بیان کریں گے۔ تاکہ ناظرین کو کافی فائدہ پہنچے۔ انشاء اللہ۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ الصُّوفِيُّ إِذَا لَطَّقَ بَانَ

نُطْقَهُ مِنْ الْحَقَائِقِ وَإِنْ سَكَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ الْحَوَارِ حُرُفُهَا

الغلابی۔

صوفی وہ ہے کہ جب کلام کرے۔ تو اس کلام کے مال کی حقیقت کا منظر جو اور کوئی ایسی بات کہے جو اس میں نہ ہو۔ اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کے حال کی ترجمان ہو۔ اور علاقہ دنیاوی سے بے تعلقی کا ثبوت اس کے اعضا سے واضح ہو گا یا گفتار صوفی اس کے سبب حال ہو اور کردار صوفی میں شان تجرید و مقدر جو کہ قطع دنیا و منقطع نظر آئے۔ غرض کہ اگر وہ کلام کرے تو ایسا کہ سب اس پر صحیح آتے اور سچ نظر آئے اور خاموش رہے تو خاموشی سے اس کے فقر کی ادائیگی نظر آئے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

النَّصُوفُ نَحْتُ رَقِيمِ الْعَبْدِ فِيهِ قِيلَ نَحْتُ لِلْعَبْدِ أَمَّ لِلْحَقِّ فَقَالَ نَحْتُ
الْحَقِّ حَقِيقَةً وَنَحْتُ الْعَبْدَ رُسْمًا

تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یا بندہ کے لئے۔ تو فرمایا۔ یعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے۔ لیکن رُسْمُ صفت بطور مجاز بندہ کے لئے ہوتی ہے۔

یعنی حقیقت تصوف یہ ہے کہ بندہ کی صفت کو فنا کر دے اور صفات عبد کا فنا ہونا صفت حقہ باقی رہنے کو ہے اور یہی صفت حق ہے اور رسم تصوف دو امانتوں سے مجاہدات و ریاضات کا تقاضہ کرتی ہے اور فناء صفت استقامت و استمرار اس مجاہدہ پر رکھنا یہ بندہ کی شان ہے اور اس مضمون کو بالفاظ دیگر یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ حقیقت توحید میں بندہ کو کسی صفت سے متعسف کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ صفات عبد حق عبد میں ادا نہیں اور بندہ کی صفت کی حقیقت محض رسم ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور واضح طور پر روشن ہے کہ صفت عبد باقی نہیں رہتی بلکہ بندہ میں کسی صفت کا آنا یہ ایک فعل ہے اس قدیم الصفات کا۔ اور ذات قدیم الصفات کے جتنے افعال ہیں وہ سب اس کی ملک اور تحت قدرت میں تو وہ حقیقت جو صفت بندہ میں ہوگی وہ صفت واجب تعالیٰ شانہ مانتی پڑے گی۔

اسے اور وضاحت سے یوں سمجھا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہے تو بندہ کو اس حکم کی تعمیل کے وقت ہم مائل و مطاع ہوتا ہے۔ تو روزہ رکھنا بطریق رسم بندہ کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ صوم بھی از جانب الہی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں حضور کو

اور یہ تعریف عین قنای ہے۔ اس لئے کہ قافی فی الصفت نہ کسی شے کا ایک بالذات ہوتا ہے نہ ہلکے غیر ذات۔ اس لئے کہ جب اس کی صحیح ہوئی ہے جو خود موجود ہو۔ اور نہ ملکیت کا بھی وہی ال ہے جو موجود ہو۔ تو مسئلہ واضح ہو گیا کہ صوفی متاع دنیا و آخرت میں سے خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور آپ نفس و حرص و حظ اور خواہشات کے ملک میں نہیں رہتا۔

گویا اپنی مشیت اور ارادہ کو ماسوی الشریعہ منقطع کر لیتا ہے تاکہ غیر اس کی اطاعت و بندگی کا طبع نہ کر سکے۔ اور یہ قول بالعموم اس گروہ عوفیہ کے بہت مناسب حال ہے جو فناء کل کے قائل ہیں۔ اور میں اُن کے خیالات کو اس کتاب میں نقل کر دیتا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تمہیں اپنا برگزیدہ بنائے۔

حضرت ابن الجلا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ حَقِيقَةٌ لَا رَمَمَ لَهَا۔ تصوف ایسی حقیقت کا نام ہے جس کی تعریف کسی نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ رسم مخلوقات کا وہ حصہ ہے جو معاملات میں مستعمل ہے اور نہ وہ حقیقتِ باطن الہی ہے۔ اور بات بھی یہی ہے کیوں کہ جب تصوف مخلوقات سے اعراض کرنے کو کہا جاتا ہے تو لامحالہ اُس کے لئے رسم و رواج مخلوقی سے علیحدہ ہونا ضروری ہے۔

حضرت ابو عمر یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ رُؤْيَا لِّلْكَوْنِ بِغَيْرِ النَّقْصِ بَلْ غَضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْكَوْنِ۔ تصوف یہ ہے کہ عالم کون کو بغیر نقص و حدود دیکھنے اور یہ بھی بقا صفت کی دلیل ہے۔ بلکہ عالم سے آنکھ ۔۔۔ کو بند کر لے تاکہ یہ دلیل نہ صفت کی مکمل ہو جائے۔ اس لئے کہ جب تک نظر عالم کون کی طرف رہے گی خواہ ناقص ہو خواہ کامل۔ تو صفت باقی رہے گی۔ مگر جب کون ہی نہ رہے گا تو نظر بھی اُس پر نہ رہے گی۔ تو صفت کافانی ہونا محقق ہو جائے گا۔

غرضیکہ جب صوفی اپنی ذات سے نا بیجا ہو جاتا ہے۔ ذات واجب کے ساتھ بیجا ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ صوفی بیکرطال لب لون و فساد ہوا تو اُس کے تمام کاروبار کا تعلق اُس کی ذات کے ساتھ رہے گا۔ لہذا اُسے اپنے سوا کسی اور کے ساتھ کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔

ذات واجب و بیجا جو خود کو دیکھتا ہے گناہ نفس دیکھتا ہے۔ اور یہ وہ ہے جو پناہ نہیں

وہ ہے جو اس کے لئے مخلوق کا بارِ خدمت اپنے سر لے۔

اور یہ دونوں خصلتیں درحقیقت طالب کی طرف ہی ہوتی ہیں یعنی ان خصلتوں کا محتاج طالب حق ہی ہو سکتا ہے اس لئے وہ ذات بے نیاز مستصف با انتخاب ہے اور رضا و سخط خوشی و غصہ کے بار اٹھانے سے متبرا و بے نیاز ہے یہ ہر وہ صفت درحقیقت نظام و حدائیت میں موقوف و مربوط ہیں۔

حضرت ابو محمد ترشش رحمہ اللہ نے فرمایا: **الصُّوفِي لَا يُسْتَبَقِي هَمًّا خَطْوَتَهُ أَلْبَسَهُ** "صوفی وہ ہے کہ اس کا خسرہ قلبی بھی اس کے قدم ہمت سے قطعاً نہ ہو سکے ہمیشہ اس کی ہمت اس کا خسرہ اس کا ارادہ سب یکساں ہو۔ یعنی اس کا جسم جہاں پہنچے وہاں ہو۔ اور جس مقام پر دل ہو اس جگہ اس کا تن جو جہاں اس کا قدم ہو وہاں ہی اس کا قول ہو اور جہاں اس کا قول ہو وہاں ہی اس کا قدم ہو۔ اور یہ بلا غیبیو بیت نشان ضمیری ہے۔ برخلاف آنکے جو کہتے ہیں کہ صوفی اپنے وجود سے غائب ہو کر ذاتِ سرمدی کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ یہ کچھ نہیں بلکہ حاضر حق بھی ہوا اور حاضر بخود بھی۔ اور یہی حقیقی جمع الجمع ہے کیونکہ جب تک رویت ذاتِ ربی ذات سے ہوا اس وقت تک وہ اپنے سے غائب و فنا نہیں اور جب یہ رویت اٹھ گئی تو غیب غیبیو بیت کے ضمیری ہوتی اس اجمال کی تفصیل میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول خوب ہے **لَتَصَوِّفِي لَا يَزِيدُنِي فِي الدَّائِرِينَ مَعَ اللَّهِ غَيْرَ اللَّهِ** (صوفی وہ ہے جو دونوں جہاں میں سوائے ذاتِ قدیم کے کچھ نہیں دیکھتا) تو جو کہ بندہ غیر ہے تو غیر کو نہ دیکھنا اپنے آپ کو نہ دیکھنا ہوا۔ گویا حالت نفسی و اتہاس میں صوفی اپنے آپ سے بالکل فارغ ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **اَسْتَعِيْفُ مَبْنِيَّ عَلَى ثَمَانٍ خَصَالٍ: الشَّحَاءُ وَالرِّضَاءُ وَالْمُبْتَزُّ وَالْإِشَارَةُ وَالْغُرْبَةُ وَلُبْسُ الصُّوفِ وَالْبَيَاضَةُ وَالْفَقْرُ** **أَمَّا الشَّحَاءُ فَلَا بُرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا الرِّضَاءُ فَلَا شَحَاقَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا الْمُبْتَزُّ فَلَا يُؤْبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا الْإِشَارَةُ فَلِزَكْرِيَا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا الْغُرْبَةُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا لُبْسُ الصُّوفِ فَلِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا الْبَيَاضَةُ فَلِعِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا الْفَقْرُ فَلِحَبْدٍ الْمُصْطَفَى صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

قُلُوبُهُمْ أَجْمَعِينَ۔ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے یعنی آٹھ پیغمبروں اور العزم کی اقتدا
کے صوفی صوفی بتاتے۔

۱) سخاوت ابراہیمؑ حاصل کرے۔ وہ وہ تھی کہ رضا محبوب میں اپنے تخت جگر کو نذا کر دیا۔ وہ اور
رضا اسحق علیہ السلام کی اقتدار میں رضا مولانا پر میں درجہ راضی ہو کہ جان کی پروا نہ کرے۔
(۲) ابو سیرایوب علیہ السلام کے اقتدار میں کیڑوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو تو خوشی برداشت
کرے اور غیرت رحمانی پر صبر سے کام لے۔

(۳) اور اشارہ زکریا علیہ السلام یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا اِنَّا نَعْلَمُ الْغُیُوبَ
اِیَّامِ الْاَزْمَانِ۔ رگوں سے ہمیں دن تک نہ بول سکو گے مگر اشارہ سے اللہ اسی سورۃ میں فرمایا
اِذْ نَادٰی رَبُّهُ رَبِّ اِنِّیْ خَشِیْتُ اِذْ جَعَلْتُ مِنْ اِنِّیْ رَبُّهُ کو پکارا خضیہ طبرست (نور صوفی کو بھی
اس اشارہ کی اقتدا کرنی ہوتی ہے۔

(۵) اور غربت یعنی علیہ السلام کی اقتدا کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے
تھے اور رشتہ مد عزیز و اقارب میں رہ کر سب سے بیگانہ تھے۔

(۶) اور حبیبی علیہ السلام کی اقتدا ہو کہ آپ اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے
ایک پیالہ اور ایک کنگھی کے ہمراہ کچھ نہ رکھتے تھے کہ جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں
پانی پی رہا ہے۔ تو اپنے پیالہ کو پھینک دیا۔ اور جب ایک شخص کو دیکھا کہ بالوں میں انگلیوں سے
ملا کر کے شاذ کا کام لے رہا ہے۔ تو کنگھی بھی ضائع فرما دی۔

(۷) اور ابی صوفیؑ میں اتباع سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ پشمینہ کا
ہوتا تھا۔

(۸) اور فقر میں سید الانبیاء حبیب کبریٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی جائے
کہ با آنکہ حق تعالیٰ شاذ نے خزانہ ہائے دولت زمین کی کنجی حضورؐ کی خدمت میں بھیجی اور فرمایا اے
محبوب اپنی جان پاک پر محنت و مشقت نہ ڈالنے اور خزانوں سے جس قدر چاہیے خیرت فرا کر
اپنی شانِ تجمل دو بالا کیجئے حضورؐ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ حلِ مجدد

منہ اسحق علیہ السلام سے یہی مراد اشارہ شامل علیہ السلام میں۔ یہاں بھی حضرت سچت سے مراجعت بعمل میں ہیں۔

ہیں عرض کی کہ انہی میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز
بھوکا رہوں۔ اور یہ اصول معاملہ تصوف میں سخت بہترین خصلت ہے۔

حضرت عصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْقَبُولُ لَا يُوجَدُ بَعْدَ عَدَمِهِ وَلَا
يَعْدِمُ بَعْدَ وُجُودِهِ۔ صوفی وہ ہے کہ اس کی ہستی کو نیستی نہ ہو۔ اور اس کی نیستی کو ہستی
نہ ملے۔ یعنی جو کچھ وہ پاتے وہ ہرگز گم نہ ہو۔ اور جس چیز کو اس نے گم کر دیا وہ کسی وجود میں
نہ آئے اور بالفاظ دیگر اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو ہر چیز کو ہل ہل نہ جانے
اور جو ہل ہل ہوتی چیز ہو وہ اسے طئی والی نہ ہو۔ بغیر اس کے پاس وہ اثبات ہو جس کی نفی نہیں اور وہ
نفی ہو جس کا اثبات نہ ہو۔

اس تمام مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفی اس درجہ تک آجائے کہ حالت بشریہ سے کلیتہً اسے
سقوط حاصل ہو کر شیواہد جسمانی ذات حق کے ساتھ معدوم و فوت ہو جائیں اور اس کی نسبت
کلیتہً منقطع ہو جائے تاکہ سر بشریت اس کے حق میں ظاہر ہو جائے تاکہ اس کی تفریق اور اختلاف اس کے
عین میں خود جمع ہو جائیں۔ اور پھر اپنی سے اپنی میں قیام پائے۔

اور یہ صورت دو نمبروں میں ظاہر ہو جاسکتی ہے۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کہ اُن کے وجود
پاک میں عدم نہ تھا حتیٰ کہ آپ نے عرض کیا دیت اَشْرَحُ بِی صَدْرُی د یعنی اُسے میرے رب کے
لئے میرا سینہ کھول دے، اور دوسرے ہمارے سرور و علم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم میں جو درمی تھا
بیانشک کہ فرمایا۔ اَلْعَدُّ نَشْرُوحُ نَشْرُوحُ نَشْرُوحُ دیا نہیں کھول دیا اے محبوب ہم نے تیرا سینہ پاک
ایک نے تو آتش چاہی اور زینت طلب کی دوسری ہستی پاک کو خود آراستہ کیا اور آراستہ کر کے
اُسے اتنا چاہا کہ محبوب بنایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت علی بن بندار الحسینی افیش پور ہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ اسْقَاطُ
الرُّؤْيَا لِلْحَقِّ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا۔ تصوف یہ ہے کہ صاحب تصوف اپنے کو ظاہر اور باطن کسی
حالت میں نہ دیکھے اور دیکھے تو کلیتہً ذات والا صفات کو دیکھے، کیونکہ اگر ظاہر دیکھے تو ظاہر
میں نشان تو فیق پائیگا اور اگر معالمت ظاہر کو دیکھے گا تو اپنے پہلو میں پریشہ کے برابر توفیق
حق نہ جانے دیگا۔ تو لا محالہ رویت ظاہری کو ترک کیجئے۔

پھر اگر باطن پر نشانِ تائیدِ حق پائیگا تو سالاتِ باطنی دیکھنے سے پہلو میں تائیدِ حق ذرا بھر
دے گی۔ تو ترکِ باطن کے لئے کہے گا۔ لہذا صاحبِ باطن کی رویت کو ترک کر کے ذاتِ حق کو دیکھے گا
بہرِ صرف ذاتِ حق کو دیکھے گا تو خود کو ہرگز نہ دیکھے گا

حضرت محمد بن احمد منزلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التَّصَوُّفُ اسْتِقَامَةُ الْاَحْوَالِ
مَعَهُمُ الْحَقُّ (تصوف و استقامت حال ہے جو ذاتِ حق کے ساتھ ہو) یعنی صوفی کی کیفیت
حالیہ اس کے برابر ضمیر کے وفاقی ہونی چاہیے۔ اس کے اسرار اسے کبھی میں نہیں جانے دیتے گویا جس کا
دل صیدِ غفلتِ حال ہے اس کی کیفیت حالیہ اسے محوِ استقامت سے نہیں گزرتے دیتی اور قربِ حق سے
نہیں روکتی۔

جو کچھ سالاتِ تصوف میں بزرگوں نے فرمایا ہے۔ اس میں سے حضرت ابو حفص
فصل نیشاپوری کا یہ ارشاد ہے التَّصَوُّفُ كُلُّهُ اَدَبٌ لِّكُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ لِّكُلِّ مَآلٍ
اَدَبٌ لِّكُلِّ لَزْمٍ اَدَابُ الْاَوْقَاتِ بَلَمَّ مَبْلَغُ الرِّجَالِ مَعْنَى ضَيْغِ الْاَدَبِ فَلَوْ بَعِيدٌ مِنْ
حَيْثُ يَنْظُرُ الْقُرْبُ دَمْرُودٌ مِنْ حَيْثُ يَنْظُرُ الْقَبُولُ۔ (تصوف ایک ایسے مجموعہ
ادب کا نام ہے جو ہر وقت اور ہر مقام اور ہر حال میں ایک خاص ادب کی راہ نمائی کرتا ہے جس نے
اس راہ میں ملازمتِ آدابِ اوقات کرنی مردانِ خدا کے درجہ کو پہنچ گیا یا جس نے اس راہ کی رسم
ادب ترک کر دی اور آداب ضائع کر دیئے وہ ان درجہ والوں سے بےید ہو گیا اور گمان کرتا رہا کہ
میں ان کے قریب ہوں۔ اور وہ ان کی بارگاہ سے مردود ہو گیا۔ با آنکہ اسے یہی خیال رہا کہ میں قریب
کے درجہ پر ہوں۔)

موجب ارشاد حضرت ابوحسن نورانی رحمۃ اللہ علیہ آپ فرماتے ہیں لَيْسَ التَّصَوُّفُ
رُسُوْمًا وَلَا عِلْمًا وَلَا كَيْدًا اَخْلَاقٌ (تصوف رسوم و علم نہیں ہے لیکن یہ ایک خاص خصلت ہے)
یعنی اگر تصوف کسی چیز جتنی تو مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو جاتا اور اگر یہ علم ہوتا تو محض تعلیم
تعلیم سے حاصل ہو جاتا تو ثابت ہوا کہ تصوف ایک خصلتِ خاص کا نام ہے اور جب تک یہ خصلت
عمر اپنے اندر نہ پیدا کرے اُس وقت تک وہ حاصل نہیں ہوتا۔

(فرق رسم و خصلت) اور رسم و خصلت میں یہ فرق ہے کہ رسم وہ فعل ہے جو تکلف

انسان کر سکتا ہے اور یہ امر واضح ہے کہ بظاہر انسان جو کچھ کرتا ہے اگر باطن اس کے موافق نہیں تو وہ فعل ظاہر محض بے معنی اور فضول ہے۔

اور خصلت اس خاص فعل کو کہتے ہیں جو بخیر بناوٹ اور تکلف کے صادر ہوا اور اسکے تمام اسباب ظاہری اس کے باطنی کے موافق ہوں اور زبانی وعادی محمود سے وہ باطل خلی اور پاک ہو۔ حضرت برقعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ **الْتَمِيزُ فِیْ حُسْنِ الْخُلُقِ رَاقِبَةُ نِیکِ خَصْلَتِ** کو کہتے ہیں، یہ خصائل حمیدہ میں قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ اوامر اہلیہ ادا کرنے میں کسی قسم کا ریا اور دکھلاؤ نہ ہو اور اپنے رب کی رضا جوئی میں لواحق فرائض ہوں۔

دوسری یہ کہ عوام کے ساتھ نیک خصلت ہو۔ بڑوں کی عزت۔ چھوٹوں پر رحم اور مہربانی نصیحت پسند ہو۔ اور اس میں کسی کام کا معاوضہ حاصل کرنا مطلوب نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اپنے کو ہوا، شیطانی کی متابعت سے مجتنب رکھے اور قسم کی حرم و خواہش نفسانی سے بچے۔

جو ان مینوں تعویضوں کے ساتھ اپنے کو متصف کرے وہ نیک خصلت انسانوں میں شمار ہوگا اور وہ اسی درجہ کو حاصل کرنے والا ہو سکتا ہے جو ہم نے اول بیان کیا۔

اس کی تائید میں ایک واقعہ ہے۔ ایک صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا حضور میں اخلاق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ سنائیں آپ نے فرمایا قرآن میں دیکھ لے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے اخلاق کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مَحْسُوبًا اے محبوب! رُکھ کر فراموشی کی خصلت کو پکڑے رہو اور لوگوں کو بھلائی کرنے کی ترغیب فرماؤ اور جاہلوں سے علیحدگی اور براہی کرو۔

حضرت برقعش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تصوف کے معاملہ میں فرمایا۔ **هَذَا مِنْ حُبِّ كُلِّ جَدٍّ فَلَا يَخْلُطُ وَلَا يَشِيءُ مِنَ الْعَزْلِ** یہ مذہب تصوف کا کام مجاہدہ ہے اس میں لہو و لعب کا اختلاط نہ کرنا، اور ترسمیں یعنی رسم پرست لوگوں کی متابعت کر کے اسے مخلوط نہ کر دینا۔ اور کورانہ تقلید تصوف میں جو کر رہے ہیں اور صوفی بن رہے ہیں ان سے اپنے کو بچانا۔ عوام الناس نے

جب اسی زمانہ کے لوگوں کو دیکھا کہ رسمی متصوف لوگوں میں ٹھمک کے ساتھ ناچنا اور رقص و سرود کرنا بارگاہِ ملیکین میں پچکر ایک ایک لقمہ پر جھگڑنا اھلِ بادشاہوں کی بارگاہ میں شرفِ بزمِ اکمال فقر بن گیا ہے اور عوام کے خیالات خراب ہو گئے اور صوفیائے کرام سے اس قدر بدعتیہ ہو گئے کہ عام طور پر کہنے لگ گئے کہ ان صوفیوں کا یہی طغیانِ امتیاز ہے اور پہلے لوگ بھی ایسے ہی حال میں گذر گئے اندیشہ نہ سمجھا کہ یہ زمانہ فترت اور فتنہ کا ہے اور فتنہ بدعتیہ اور بدعتیہ ہیں۔ غرض کہ جب بادشاہوں کی حرص بڑھ گئی تو اس نے نہیں ظلم و جور کی طرف مائل کر دیا۔ اور زمانہ میں عوام کے اندر بدکاری و زنا فسق و فجور عام ہونے لگا۔ اسی طرح جب نہ بد و ورع میں پیا پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زہد کو نفاق کی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے اور ہوا و حرص شیطانی صوفی کو قہقہے مرود کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

ایسی طرح یا در کھوا گر ہے اہلِ طریقت تباہ ہو جائیں مگر اصولِ طریقت تباہ نہیں ہو سکتے۔ اور ایسی طرح جان لو کہ اگر ایک جماعت انہماکِ ہزل میں سے کچھ اختیار کرے اور اس ہزل کو مجاہدہ و ریاضت یا جذبِ دل کے پردہ میں پوشیدہ کرنا چاہے تو اہلِ طریقت کے مجاہدہ اس کی وجہ میں ہزل و لغو نہیں ہو سکتے و ان کے جذبات صادق صادق ہی رہیں گے۔ اور اہلِ ہزل کے ہزل ریاضت نما خالص ہزل ہی ہوں گے۔

حضرت ابو علی قزوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْاِخْلَاقُ الرَّضِیَّیَّةُ تَقْرِیْفُ
ایک جھلست پسندیدہ ہے۔ "مذہبِ خالص پسندیدہ" وہ ہوتے ہیں کہ بندہ تمام حالات میں اپنے رب کی رضا میں راضی رہے۔

حضرت براء بن مضر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
التَّصَوُّفُ هُوَ الْحُرِیَّةُ وَالْبُشُوَّةُ وَتَرْكُ التَّكْلِيفِ وَالشُّحْاؤُ ذُنُوبِ الدُّنْیَا
"تصوف ایک ایسی آزادی ہے کہ بندہ قیدِ حرص سے آزاد ہو جائے اور تصوف ایک ایسی جو آزادی ہے کہ بندہ خواہشاتِ شہوانیہ سے مجرذ ہوتا ہے اور تصوف مصلحتات کا اسبابِ ترک کر دینا ہے کہ بندہ ہر متعلق اور مقصود کے اندر خوش رہتا ہے۔ اور تصوف ایک ایسی سنی و سنت کا نام ہے کہ دنیا اہل دنیا پر ہی چھوڑ دیتا ہے اور خود بے تعلقی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو الحسن بونہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلتَّصَوُّفُ اَيُّوْمَ اِسْمٌ وَلَا حَقِيقَةٌ وَقَدْ كَانَ حَقِيقَةً وَلَا اِسْمٌ

”آج کے دن تصوف کا نام ہی نامزد کیا اور حقیقت کچھ نہیں رہا۔ ایک دن وہ تھا کہ تصوف

حقیقت خالص تصوف تھا اور نام و نمود نہ تھی۔ یعنی عہد صحابہ کرام اور سلف صالحین رحمہم اللہ میں تصوف نام کا نہ تھا بلکہ حقیقت تصوف کا برقی برکس دناکس میں تھا اب وہ انحطاطی دور آیا کہ تصوف کا نام تو باقی ہے مگر معنی حقیقی معدوم ہیں۔ یعنی اعمال تصوفیوں کی نقل میں ہو رہے ہیں۔ اور رسمی صوفی بہت شہور ہیں۔ مگر ان کے دعاوی تصوف میں بالکل مجہول ہیں۔ گویا اب صوفی ہونے کا دھڑلے تو مشہور و معروف ہے لیکن افعال و اعمال بالکل مجہول ہو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے اقویا مشائخ کرام کی تحقیق نقل کی تاکہ اللہ تعالیٰ تجھے سعادت عطا فرمائے اور تجھ پر طریق تصوف کو حال شکستہ ہو جائے اور منکرین تصوف کو بتا سکوں کہ تصوف کے انکار سے ان کی کیا ملامت ہے اگر تمہا ہم تصوف کا انکار کرتے ہیں تو مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ معانی حقانی میں سمیات سے بالکل بیگانہ ہیں۔ اور اگر عین تصوف کے منکر ہیں تو یہ انکار تمام احکام شرعیہ اور انبیاء کرام کا ہے اور ان کے خصال ستودہ کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تجھے وہ سعادت عطا فرمائے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو سجد بنایا۔

اس کتاب میں ہم تمہیں ہدایت کرتے ہیں تاکہ تم حق تصوف کی رعایت رکھو اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور سچے صوفیوں کے ساتھ نیک اعتقاد رکھو۔ وباللہ التوفیق۔

خرقہ پوشی

صوفیائے کرام کا شعار کبیل پوشی ہے اللہ کبیل پوشی باتجارت سنت ہے جیسا کہ خود
فصل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَیْكُمْ بِطَلْبِ الصُّوفِ تَجِدُوا
 تِلَادَةَ الْإِيمَانِ فِي قُلُوبِكُمْ

اپنے کبیل پوشی لازم کرو اپنے دلوں میں حلاوت ایمان پاؤ گے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے
 کسی صحابی کا بھی ارشاد ہے۔ تَمَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبِسُ الصُّوفَ وَ
 يَرْكُبُ الْحِمَارَ رَحْمَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْئَةٍ زَيْبُ بْنُ ذُبَابٍ اور ربی گدھے کی سوار بن فرماتے
 تھے اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ لَا
 تُصْبِغِي الصُّوفَ حَتَّى تَرْقِيعِيهِ تے عاتشہ کثیر ضائع نہ کرنا جتک اے ریوندہ لگ جائیں
 ایسے ہی خلیفہ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال تھا کہ آپ ایسا خرقہ زیب تن
 فرمایا کرتے جس پر سب پونڈ لگے ہوتے اور حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ
 نے فرمایا کہ بہترین لباس وہ ہے جو کم قیمت میں حاصل ہو سکے حضرت امیر المومنین ولایت کا ناست
 سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ کا پیراہن مبارک ایسا ہوتا تھا کہ اس کی آستین انگلیوں
 تک جوتیں اور اگر کبھی اس سے لمبی آستینوں کا پیراہن زیب تن فرمایا تو ختنی لمبی اور زائد آستین ہوتی
 اے آپ کاٹ ڈالتے تھے اور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بفرمان اپنی کپڑا متوسط طرز پر
 تن فرماتے تھے جیسا کہ ارشاد الہی ہے۔ وَثِيَا بَكَ فَطَهَّرَ أَيْ فَقَصَرَ تَبِيَسَ لَے

محبوب اپنے لباس مبارک کو درست رکھیو یعنی دھلا اور لمبا ہو تو اسے کاٹ دو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ بدر شمیمہ پوش کی زیارت کی ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو میں نے بحالت تجرید دیکھا کہ آپ نے پوشاک شیم زرب تن فرما رکھی تھی اور وہی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کھیل اوڑھے ہوئے تھے اور اس کھیل پر بہت سے پوند لگے ہوئے تھے۔ اور سیدنا امیر المومنین عمرو رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور ہرم ابن جہان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ایسے لباس شیم میں ملبوس دیکھا جس پر بہت پوند لگے ہوئے تھے۔ اور حضرت حسن بصری اور مالک بن دینار اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ تمام نے تمام مرقعہ صوف زیب تن فرماتے تھے۔

اور حضرت امام ہمام سیدنا ابو حنیفہ النعمان کو فی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یسوع مسیح مصطفیٰ محمد بن علی حاکم ترمذی میں موجود ہے لکھا ہے کہ ایک عظمیٰ رضی اللہ عنہ اول پوشاک شیمہ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ بعد ازاں آپ نے گوشہ نشینی کا عزم فرمایا۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے فرمایا۔ ابو حنیفہ گوشہ نشین مت ہو بلکہ لوگوں میں تمہارا رہنا ضروری ہے۔ تمہارے سبب اللہ تعالیٰ میری سنت اللہ میرے طریقہ کو زندہ فرمائے گا۔ تو پھر آپ نے غزوات نشینی کے ارادہ کو فسخ فرمادیا اور آپ نے کبھی قیمتی جامہ زیب تن نہ فرمایا۔

حضرت داؤد طائیؑ نے ہمیشہ اپنا لباس صوف کا رکھا اور آپ محققین طبقہ صوفیاء کے ہاں ہے جس جہت ابراہیم اوہم ایک روز حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو آپ کے جسم مبارک پر پوشاک شیمینی تھی۔ حاضرین جلسہ نے آپ کو کچھ نظر خجارت سے دیکھا۔ سیدنا امام عظمیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ ابراہیم اوہم ہمارے سردار ہیں۔ صحابہ جلسہ نے یسوع کو آپس میں کہا کہ ام ہما کی زبان حق ترجمان سے کبھی سچ اور حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلی۔ ابراہیم اوہم نے سید کا درجہ کیونکر پایا۔ اور کہاں سے پایا۔ حضرت امام عظمیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ رتبہ ابراہیم اوہم نے اپنے رب کی یاد دہانی کی برکت سے حاصل کیا۔ اور وہ ذات ایسی بلند و بالا ہے اور ہم اپنی ذات ان کی خدمت میں محو ہیں اس لئے وہ ہمارا سردار ہو گیا۔

marfat.com

Marfat.com

اگر موجود زمانہ میں بعض اہل زمانہ فرقہ پوش بن کر عزم میں عزت حاصل کرتا چاہیں اور حقیقت اُن کا دل اس لباس کے ساتھ توافقی نہ ہو تب بھی زور ہے۔ اس لئے کہ شکر میں مبارز طلب و خُشک کا خاتم ایک ہی ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ہر فرقہ میں محقق کم ہوتے ہیں۔ مگر جو نہ نسبت سب کی ایک ہی ہوتی ہے اور اُس ایک کی طرف سب اپنے کو منتسب کرتے ہیں۔ تو اگر احکام میں سے کسی ایک عام میں بھی محققوں کا اتباع ہو گیا تو وہ انہی میں شمار ہو جائیگا۔ جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" جو شخص رفتار و گفتار میں یا اعتقاد میں یا اعمال میں کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی قوم سے شمار ہوگا۔ لیکن بعض نظریں اُن کی ظاہری مل اور سو پر پڑتی ہیں اور بعض کی نگاہ اُن کی صفات باطن کی طرف جاتی ہے۔ غرض کہ نظر بظاہر رکھنے والے اور نظر باطن کی طرف ڈالنے والے جو بھی ہیں۔ اگر اُن کا قصد صورت مقصوف بنانا یا صوفی بننے کا ہے۔ یہ چار حال سے باہر نہیں۔

یا تو باطن کی صفائی اور دل کی روشنی مزاج کی پاکیزگی خواہشات کا اعتدال خصلتوں کا نیک کرنا۔ خاصان بارگاہ کے اسرار خاص کی جلوہ ریزیوں سے منور ہونا محققین اہل طریقت کا تقرب حاصل کرنا اور اُن کی بلند یوں کا معائنہ عقود ہے تاکہ ان کی برکت سے یہ بھی اس درجہ تک پہنچ سکے۔

یا اُن کی نقل اس لئے کر لیا کہ اُن کی طرح صفائی حاصل کرے بدن ستھرا کرے دل کو اطمینان پہنچاتے اور پاکیزگی طبع کے بعد سینہ میں صفائی اُن کی ظاہری اتباع سے حاصل ہو اور اتباع طریقت کرے اور آداب اسلامی پر نگاہ رکھنے میں آسانی ہو اُن کی ابتدا مجاہدہ اور حسن معاملہ سے ہوتی ہے

یا اس لئے کہ اُن کی پیروی میں گلیچا تہ کہ مروت انسانی سے آپس میں بیٹھنے کے آداب درست کرے۔ اور خصائل میں خوبی پیدا کرے۔ اور اُن کی زندگی کا ظاہر دیکھ کر اس کی نقل کرے بڑوں سے عزت لے ساتھ ملے۔ چھوٹوں پر شفقت و رحم کی عادت اختیار کرے اپنے اعزاء و اقرباء کے ماتم خدائیں پیشانی کا برتاؤ کرے۔ زیادہ حرص و حصول مال سے بے پروا ہو دیکھے قناعت کا خوگر بنے۔ اُن کی صحبت اختیار کرے۔ اور سنت و شرفیت کو جائے حصول دنیا کے

طریقہ پتہ پر آسان بنائے۔ اپنے آپ کو نیکوں کی جماعت میں شمار کرانے۔

یا بوجہ تن آسانی کے اپنے میں رغبت اور نفس پرستی پیدا کرنے سے حکومت و ریاست رکھے بغیر منصبِ مدبرین کے صدر نشین بننا چاہے بغیر علمِ اہل علم میں اپنی شخصیت قائم کرنے کو صوفی بنے اور سمجھے ہوئے ہو کہ صوفی میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ تمام خواص صوفی کا یہی خلا اور مقصود ہے۔ اسی وجہ سے وہ صوفیوں کی طرح صلح اور نرمی کے ساتھ زندگی کے میل و نہار گزارتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دلوں میں حقانیت قطعی نہیں ہوتی اور محض تنہا رہنے اور لوگوں میں دکھانے کو کم گو بننے کو طریقت بناتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح زندگی رائیگاں کرنے سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا صرف قصہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کی اسی عزت کریں جیسی محقق صوفیا کلام کی جانتی ہے اور اسی عظمت ہونے کے جیسی خاصانِ بارگاہ کی۔ وہ صحبتِ صوفیہ سے ہی فائدہ چاہتے ہیں۔ کہ اپنی آفتِ حرص و ہوا کو ان کے معاملہ تجرید کے ظاہری پردہ میں مخفی کر کے ان کا سا جامہ پہن کر عوام میں کچھ مکر لھپا سکیں۔ اور درحقیقت یہ خرقہ بغیر کسی عمل اور بلا کسی حقیقت کے ہے وہ خود پکارتا ہے اعلان کرتا ہے کہ یہ جامہ جامہ مکر ہے۔ لباسِ تجر و غرور ہے اور بروز قیامت موجبِ خستہ و ندامت ہوگا

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَا يُحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْجَمَارِ تُحْمَلُ كَسَفَارًا
يَسْأَلُ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ تَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ۔ "ان لوگوں کی مثال جو تورات کو اٹھانے ہوتے ہیں۔ اور درحقیقت اسے
نہیں اٹھانے ہوئے مثل اس گروہ کی ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ بری ل
ہے اس قوم کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالم ہے دین کو راہ نہیں بتاتا۔"

اس زمانہ میں ایسے گروہ بہت ہیں۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ جو کلام تم سے نہ ہو سکے۔ اس کا ارادہ نہ کرو۔
اس لئے کہ اگر تم برابر طریقت کے قبول کا اعلان کرو۔ تو صوفی نہیں ہو سکتے نہ ہو سکو گے اور ایک لحاظ کیلئے
طریقت تمہیں قبول نہ کریگی۔ کیونکہ طریقت خرقہ پوشی سے حاصل نہیں ہوتی۔ بجا حقت سے حاصل ہوتی ہے
یعنی تپشِ عشق میں جلنے کا نام طریقت ہے۔

جس کو طریقت سے آشنائی حاصل ہو گئی اس کے لئے قیامِ جماعتوں ہے اور جس نے بلا آشنائی

دریقت خرقة پوشی کی اور مرقوم صوف پہنا تو وہ مرقوم اس کے حق میں رقعہ اور بارونا شرفقاوت
یوم الغشور ہو جائیگا جیسا کہ ایک پیر مرد کے حال میں ہے کہ اُن سے لوگوں نے پوچھا۔
لَمْ لَا تَلْبَسُ الْمَوْثِقَةَ كَمَا لَمِنْ التَّعَاقُ أَنْ تَلْبَسَ لِبَاسَ الْغُفَّيَانِ وَلَا
تَدْخُلَ فِي حِمْلٍ أَثْقَالَ الْغُشُورِ؟ پ مرقوم یعنی خرقة کیوں نہیں پہنتے لہر مایا اگر جوان
مرد نہ ہو اور جوانوں کا لباس پہنتے تو یہ منافقت ہے۔ اس لئے کہ اُن کے معاملات کا
بوجھ تو اٹھانہ سکے اور جوانی بنا پھرے۔

کیونکہ جو افراد کے لباس کو طبعوس کر کے جو افراد کے بوجھ سے بچنا خاص نفاق ہے
تو اگر یہ لباس اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنے خاصوں میں سمجھ لے تو وہ بالاباس بھی جاتا ہے۔
اور اگر اس لئے ہے کہ لوگ اس خرقة میں دیکھ کر خاصہ خاصان سمجھنے لگیں تو یہ ریاضت ہے یا نفاق
نہاں۔ یہ راستہ بہت مشکل اور خطرناک ہے۔ یاد رکھو خدا کے خاصوں کی شہرت
جامہ اور خرقة پر تو ف نہیں۔ ان کا درجہ اس سے بالاتر ہے۔

الْغُفَّاءُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى اِنْعَامٌ وَاِكْرَامٌ وَالصُّوفُ لِبَاسُ الْاِنْعَامِ صِفَا مَوْلَى
من جانب الشرائع والاکرام الہی ہے اور صوف لباس حیوانی ہے۔

تو خرقة مونی ایک جملہ ہے یعنی لوگ تو یہ جملہ بغرض تقرب کرتے ہیں اور جو کچھ اس خرقة پوشی
پر لازم ہوتا ہے اُسے پورا کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو خرقة سے آراستہ کرتے ہیں اس امید پر کہ
شاید اس لباس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے حضور ہم بھی صوفیوں میں شمار ہو جائیں اور شائع تصوف
نے خرقة پوشی کرنا اور اُس سے زینت حاصل کرنے کا اسی لئے حکم فرمایا اور خود بھی پہناتا کہ وہ
عوام میں ممتاز ہو جائے۔ اور عوام اس کے ہر قدم کی نگرانی میں لگے رہیں۔ اور وہ اگر کبھی اپنے
طریقہ کے خلاف قدم رکھے تو عوام اُسے ملاست کریں۔ تو اگر کبھی بر شاست عمال کوئی گناہ کا
ازکاب بھی کرنا چاہیں تو اس خرقة کی وجہ سے لوگوں سے شر مار کر چلیں

مخفف۔ یہ سبیل پوشی محبوبوں کی ایسی زینت ہے کہ عاہلِ ناس اس سے لوگوں میں ممتاز اور با عزت ہو جائے
تس۔ اور عوام اس سبیل کی عزت تو اس خرقة پوشی میں یہ بتے کہ دنیا دارانہ نہیں عزت کی نظر
سے اہم ہے۔ اور جو کسی وقت ہے۔ یہ نہیں ہم اسی قسم کے لباس بن دیکھ کر سی خدا سے ملنے ہیں

جس نظر سے اُن عوام خرقہ پوشوں کو دیکھا تھا۔ اُدھر اُن کے لئے ذلت محض ہے۔ اسی وجہ میں کہا گیا۔

الْمَرْقَعَةُ بَيَاسٌ التَّعَمُّرُ لِلْعَوَامِ وَجَوُشْنُ الْبَلَاءِ وَالْخَوَاصُّ مَرْقَعَةُ

عوام کے لئے نعمت ہے اور خواص کے لئے مصیبت کی زرہ۔

اس لئے کہ عوام میں بہت لوگ وہ ہیں جو کسی ایسے کام کو تو جانتے نہیں جس سے عزت

دنیا حاصل کریں۔ اور انہیں مال و دولت جمع کرنے کی سخت حرص ہوتی ہے۔ تو وہ اس تلاش میں

ہوتے ہیں کہ کوئی ایسا جلد تراشا جائے جس سے عزت و مال دنیا ہاتھ آئے۔ تو جب انہیں یہ

صوفی جامہ مل جاتا ہے تو اس کو حصول جاہ و مال اور عزت دنیا کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

اور خواص صوفیا اس قسم کی عزت کو ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور ایسے موقع پر عزت

کے مقابلہ میں ذلت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے جس قوم کے لئے وہ عزت ہے ان کی ایسی عزت

بلا ہے۔ الْمَرْقَعَةُ قَمِيصٌ الْوَقَارُ لِأَهْلِ الصَّفَاءِ وَبِرِّبَالُ السُّرُورِ لِأَهْلِ الْعِزِّ

شرعہ پیرا ہن و فاضل۔ اصحاب صفا کے لئے اور یہ لباس سرور ہے اہل غرور کے لئے۔

چنانچہ ارباب صفا تو اس کے پہننے سے دونوں جہان کے قہر اور تعالیٰ سے علیحدہ ہو جاتے

ہیں اور مال و فوات و مرغوب طبع اشیاء سے بے نیازی حاصل کر لیتے ہیں اور ارباب سرور و غرور

اس خرقہ پوشی کے ساتھ ذات الہی کے انوار سے محجوب ہو کر ہر قسم کی سلاحت انسانی

سے محروم رہ جاتے ہیں۔

غرضیکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ لباس صوفی اگرچہ سب کے لئے اس کے حصول مقصد اور

رستگاری کا سبب ہے۔ اور سب کیلئے اُن کی مراد پوری کرتا ہے۔ مگر ایک کیلئے عطا الہی ہے

اور دوسرے کے لئے حجاب نامتناہی۔ غرضکہ ایک پر غطا اور دوسرے پر غطا۔ اس کے

ذریعہ حاصل ہے۔ ایک اس ہی خرقہ کے ذریعہ دنیا ہے۔ آزاد ی پاتا ہے۔ دوسرا اسی کے

ذریعہ محنت و محبت سے آزاد ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مَعَهُمْ جس نے جس قوم کو محبوب رکھا وہ برو بہ

قیامت اسی کے ساتھ محشور ہوگا اور اسی کے زرہ میں رہے گا۔

نہیں لازم یہ ہے کہ انسان اپنا باطن درست کرے اور تحقیق کی طلب رکھے اور رسوم

ہر پہلو سے اعراف کرے۔ اس لئے کہ جو ظاہری چیزوں پر کفایت کرے گا وہ ہرگز تحقیق کے درجہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور یاد رکھو وجود آدمی سراپا حجاب ربوبیت ہے۔

اللہ یہ حجاب اُس وقت تک فنا نہیں ہوتا جب تک کہ حال اور کیفیت کے بدلنے میں سعی ہوئی جائے۔ اور کیفیت صفا اس فنا کا نام ہے جس میں زیبائش ظاہری اور علل و اسباب کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ تو فانی الصفت کے لئے علل و اسباب کا لباس اختیار کرنا محال ہے۔ اور تکلف دنیاوی سے اپنے کو آراستہ کرنا اور آرائش ظاہری سے مزین کرنا ممکن نہیں۔
تو جب فنا کی صفت پیدا ہو گئی اور آفت طبعی دریاں سے اُٹھ گئی تو اُسے کسی نام کے ساتھ مسمیٰ ہونے کی حاجت نہیں رہتی۔ خواہ اسے صوفی کہیں یا اُسے کسی اور نام سے پکاریں۔ اُس کے لئے سب برابر ہے۔

فصل خرقہ پوشی کی شرطیں یہ ہیں۔ اقول یہ کہ خرقہ اس لئے بنائے کہ بارطبعیات سے ہلکا ہو جائے اور انواع اقسام کے لباسوں سے فراغت حاصل کرے۔ اور کبھی جب تک کہ یہ ہے اس پر پونڈ مسلسل چسپاں کرتا رہے۔ جہاں سے وہ پھٹے فوراً پیریزند لگا دے۔
متابع طریقت رحمۃ اللہ علیہم کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ پونڈ لگانے میں ترتیب شرط نہیں۔ جہاں سوئی ڈالے وہاں سے ہی نکال لے۔ موزونیت کا تکلف کرے۔ اور ایک جماعت فرماتی ہے کہ پونڈ لگانے میں موزونیت اور ترتیب کا لحاظ ضرور رکھا جائے۔ بلکہ وہ پونڈ تکلف اس طرح چسپاں کیا جائے کہ دیکھنے والا اس کی موزونیت میں تکلف محسوس کرے۔ اس لئے کہ معاملات فقر و صحت معاملات کا مقتضی یہی ہے کہ اُس کا کوئی فعل ناموزون نہ ہو۔ اور میں نے دینی حضرت علی بن عثمان جلالتہ نے حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے مقام طوس میں سوال کیا کہ درویش کو کم از کم کیا چیز لازمی ہے جس سے اُس کے ساتھ نام فقر موزون ہو سکے۔ فرمایا تین چیزیں کم از کم ضروری ہیں۔ اور اس سے کم ہرگز نہیں۔
اول یہ کہ وہ اپنی کبیل پر جب پونڈ لگائے تو بے سمجھے کہ پونڈ کس طرح موزوں رہے گا اور اسے کس طرح کبیل پر چسپاں کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ دل کی آواز اور غوام کی بات، اچھی طرح سن سکے اور اسکی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت رکھے۔ تیسرے یہ کہ فقیر کا کوئی قدم زمین پر بیکار و غیر موزوں نہ

بڑے (یعنی ہر قدم ذکر الہی کے ساتھ اٹھنے اور گئے بڑے) جس وقت میری گفتگو حضرت شیخ المشائخ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہو رہی تھی تو اس وقت ایک جماعت درویشوں کی ہمارے ساتھ وہاں حاضر تھی۔ جب ہم بارگاہ شیخ سے باہر آئے تو ہر ایک کلام شیخ میں تصرف کرنے لگا۔ ایک گروہ تو بوجہ نادانی اس کے اندر اس قدر اختلاف کر بیٹھا کہ اس نے کہہ دیا کہ بس فقیر یہی ہے۔ ایک کہنے لگا کہ فقر کے معنے ہی یہ ہیں کہ بہت شے کھڑے صبح کر کے خوبصورت طریقہ سے بیٹھے اور زمین پر اچھی طرح پاؤں رکھ کر چلے۔

اور ہر ایک اپنے اپنے گمان میں دعویدار تھا کہ ہم طریقت کے معنوں کو خوب سمجھتے ہیں میرے دل کا رجحان اُس ہستی پاک شیخ گرگانی کی طرف تھا میں نے یہ بات ناپسند کی کہ اتنی بڑی ہستی کا فرمان اور اس طرح اختلافیات میں مخلوط ہو کر رائیگاں ہو جانے میں نے سب سے کہا کہ اؤ ہم سب کلام شیخ پر بحث کریں۔

چنانچہ سب میرے سامنے اپنی اپنی تقریر کی اور اپنا مافی الضمیر ظاہر کیا۔

جب میری باری آئی تو میں نے کہا پیوند دینی ٹھیک ہے جو فقر چسپاں کیا جائے نہ کہ وہ پیوند جو تن پر چسپاں ہو۔ جب تم پیوند فقر پر لگاؤ گے تو وہ اگر ٹھیک نہ بھی بیٹھا گیا تب بھی ٹھیک رہے گا۔

صحیح بات یہ ہے کہ پیوند سے مراد صوفی کا وہ حال ہے جو بجاات کیف و تواجید اس پر طاری ہو۔ اور سننا وہ ہے جو کیفِ حالیہ میں اُسے مسموع ہونے کا ناز و نعم دنیا میں رہ کر اُس معنی آیا اگر وجد کے حق سے تصرف کریں صحیح ہے اور اگر ہزل و لغو سے کریں غلط ہے۔ سمجھنا یہ ہے کہ آواز روح سُننے نہ کہ آواز عقل۔

پاؤں ٹھیک رکھنا یہ ہے کہ حالت تواجید میں جو قدم اٹھتے وہ صحیح ہونے کو کھیل اور رسم کے ساتھ بعض لوگوں نے میرا یہ بیان حضرت شیخ المشائخ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول پیش کر دیا۔ آپ نے منکر فرمایا اَصَابَ عَلِيٌّ حَيْزًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ علی بن عثمان نے سراج کہا اور وہ میرے کلام کے مفہوم کو پہنچ گیا ہشدر اُسے اپنی حفاظت میں رکھے۔ تو مرقعہ پیش سے مراد گروہ صوفیاء کی صرف یہ ہے کہ زینت و نیادی کے غم سے نجات پائیں اور اپنے فقر میں حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ سچا رابطہ رکھیں۔

اولاً تارک سف میں مردی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام خرقہ پوشی فرماتے تھے اور اس خرقہ کے ساتھ آپ آسمان پر گئے اللہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا خرقہ خواب میں دیکھا وہ پشینہ کا تھا اور اس پر جو پوند تھے ان سے ایک نوہ چمکتا تھا فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے مسیح علیہ السلام آپ کے اس خرقہ پر یہ نوہ کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ نوہ میرے اس صبر کا ہے جو میں نے بحالت اضطراب اضطراب صبر کے ساتھ اپنی ضرورت کے وقت اس خرقہ پر پوند لگا کر شکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہر رنج کے بدلے میں ایک ایک نوہ عطا فرمایا۔

ایک بزرگ کامل سلسلہ ملا متیہ کو ماورا النہر میں دیکھا جن کا یہ حال تھا کہ وہ مرغوب اشیاء جیسے انسان شوق سے کھاتا ہے بالکل استعمال نہ فرماتے۔ بلکہ گلا سڑا کر ڈکڑی لکڑی شری ہوتی گا جواد باس گری پڑی لیری جمع کر کے انہیں دھو کر پاک کر کے بیٹے اور ملبوس فرماتے۔

مرو الزود ترکستان میں ایک شہر ہے وہاں ستاخرین میں سے ایک صاحب حال ضعیف العمر نیک سیرت بزرگ تھے جن کے لباس پر عید ٹکڑے پوندوں کے بسے ہوئے تھے ان کی سند اور کلاہ کا یہ حال تھا کہ پرانے پوندوں کی کثرت کی وجہ میں اس کے اندر بھپوؤں نے اپنے بچے دے رکھے تھے۔ اور میرے شیخ رضی اللہ عنہ نے ایک خرقہ چھپن سال تک زیب تن فرمایا جہاں سے بھٹتا ہے ترقیبی کے ساتھ اس پر پوند چپکاتے رہے۔

ایک حکایت میں عراقی درویشوں کا حال پڑھتے ہوئے دو درویشوں کا حال پایا۔ ایک صاحب شاہدہ تھے۔ اور دوسرے صاحب مجاہدہ جو صاحب شاہدہ تھے انہوں نے اپنی تمام عمر میں ہوا اس کپڑے کے جواہر بیان سماجے وجد میں بھٹ کر گرا کوئی کپڑا نہ پہنا یعنی ارباب وجد کے پھٹے ہوئے کپڑوں سے اپنا خرقہ بناتے اور وہی زیب تن فرماتے، اور دوسرے جو صاحب مجاہدہ تھے وہ ان لوگوں کے ریدہ کپڑے جمع کر کے پہنتے تھے اور بارگاہ الہی میں استغفار کرتے رہتے تھے۔ اس نے کہ ان کا ظاہر باطن کے موافق ہوتا تھا۔ اور یہ اپنے حال کی نگہداشت اور احتیاط تھی حضرت شیخ محمد بن خلیفہ فرماتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ میں نے بیس سال سخت ٹماٹ پہنا اور ہر سال میں نے چار چلے کئے۔ اور ہر چلے میں علوم حقیقت کے حقائق و غوامض پر ایک کتاب تالیف کی۔

اُن کے ہی زمانہ میں ایک بزرگ تھے جو علم و تحقیق طریقت سے شمار ہوتے تھے اور وہ علاقہ فارس میں رہتے تھے۔ انہیں محمد بن زکریا کے ہم سے پکارتے تھے انہوں نے کبھی خرقہ زیب تن نہ فرمایا۔ حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضرت خرقہ کی کیا شرط ہے اور کس کیلئے خرقہ پوشی روا ہے۔ فرمایا خرقہ پوشی کی شرط وہی ہے جو محمد بن زکریا اپنی سفید پیراہن میں پوشی کر لیتے ہیں۔ اور خرقہ پہننا بھی انہیں کو زیبا ہے

لیکن اب جو اکثر مشائخ کرام نے خرقہ پوشی ترک کر دی ہے یہ شرط طریقت میں سے کوئی **فصل** شرط نہیں ہے بلکہ اس زمانہ میں جو ترک خرقہ پوشی کیا گیا ہے اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ لپٹم مشکوک ہو گئی اس وجہ میں کہ چار پائے لوٹ مار چوری چکاری میں مستقل ہوتے رہتے ہیں پھر یہ پتہ صحیح نہیں چلتا کہ جو لپٹم آئی وہ چوروں میں سے آئی یا کسی غار گری سے خریدی گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نو خیز بدعت پرست لوگوں نے شیعینہ کے جامہ کو اپنا شعار بنالیا۔ بدعتیوں کی کسی شعار کا خلاف کرنا گو سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اچھا ہے۔

اور ادنیٰ لباس بنوانے میں جو مخصوص طریقہ طائف اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام میں اپنی منزلت اور جاہ و عزت چاہتے ہیں۔ اور جو جماعت صوفیوں کی صورت بنا کر خرقہ پوشی کر رہی ہے۔ وہ صرف عوام میں صوفی بننے کے لئے اور محض دنیا حاصل کرنے کی غرض سے خرقہ پوشی کر رہی ہے۔ حالانکہ اُن سے بہت سے نادر افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اور صوفیائے کرام کو ایسے لوگوں سے بہت رنج پہنچتا ہے۔ اور انہوں نے اس خرقہ کو جو زیب زینت بنالیا ہے۔ اس کی ایسی مخصوص طرز نکالی ہے کہ اُن کے سوا اور کوئی ویسا خرقہ سینا بھی نہیں جانتا۔ اس مخصوص لباس میں یہ دھکار فرقہ رہتا ہے اور آپس میں پہچان کے لئے اس مخصوص لباس کو علامت بنالیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک بناوٹی درویش کسی درویش کے پاس گیا۔ اس کے خرقہ پر بہت سے پونڈ لگے ہوئے تھے۔ اور بناوٹی فقیر بنا ہوا تھا شیخ نے اسے اپنے سے جدا کر دیا اس عمل سے یہ مطلب واضح ہوا کہ صفائی کی اصل طبیعت کی رقت اور مزاج کا لطافت ہے اور یہ امر واضح ہے۔ صاف دل اور نیک طبع میں کچی اور زنا ہمواری نہیں ہو سکتی۔

جس طرح نامزدوں شعر طبیعت ہست نہیں کرتی ایسے ہی نادست فعل کو بھی طبیعت قبول نہیں

گفتی۔ ایک جماعت نے لباس ہونے نہ ہونے میں تکلف نہیں کیا۔ اگر انہیں خدا نے عطا کیا تو وہ پہن لیں۔ اور اگر پشاپرانہ پیرا ہوں دیا تو قبول کر لیا۔

اور میں (علی بن عثمان الجہلی) اس طریقہ کو پسند کرتا ہوں۔ اور اپنا لباس ایسا ہی رکھتا ہوں۔ حکایت میں منقول ہے جب حضرت احمد خضرویر رحمہ اللہ ابو زید رحمۃ اللہ کی زیارت کو حاضر آئے تو قبا زیب تن بھی اور جب شاہ شجاع حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو آئے۔ تو دیکھا کہ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ قبا زیب تن فرماتے ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابو حفص کا پڑوسی لباس نہ تھا۔ بلکہ ہمیشہ اکثر و بیشتر آپ غرقہ ہی پہنا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی سفید حیرا ہن۔ گاہ بگاہے جامہ پشم زیب تن فرماتے۔ غرض کہ عیاں لباس میرا تا آپ وہی لباس فرماتے۔

اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ نفس بیت جلدی عادت قبول کرنے والا ہے اور عادتوں سے بہت ہی جلدی سے عادت ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ عادت طبیعت نامیہ بن جاتی ہے۔ اور جو چیز طبیعت نامیہ بن گئی وہی عیاں ہو جاتی ہے۔

یہی سبب ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خَيْرُ النَّبِيَّانِ صَوْمُ أَخِي دَاوُدَ۔ افضل روزوں میں بہترین روزے صوم داؤدی ہیں۔ عرض کیا حضور صوم داؤد کیسے تھے فرمایا۔ ایک دن صائم رہتے اور ایک دن افطار فرماتے۔ تاکہ روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا نفس عادی نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ عادت نفسانی کی وجہ سے انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس مفہوم میں حضرت ابو حامد وستان مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ نہایت درست تھا کہ مرید آپ کو جو لباس چاہتے پہنا دیتے۔ اور جس کسی مرید کو کپڑے کی حاجت ہوتی تو بحالت وجدان و کیف آپ کے وہ لباس اتار لیتے۔ حضرت ابو حامد رحمۃ اللہ علیہ نہ پہنانے والے کو کچھ فرماتے نہ اتارنے والے کو کچھ کہتے۔

اللہ ہمارے اس زمانہ میں بھی ایک بزرگ غزنی میں ہیں۔ ان کا لقب مؤید ہے اللہ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔ انہیں بھی ملبوسات میں کچھ اختیار و تمیز نہیں ہے۔ گویا وہ عالم امکان سے اس قدر تجرید حاصل فرما چکے ہیں کہ لباس تک سے اجنبی ہیں۔ یہ مزید تقرب بہت صحیح ہے۔ اور جو لوگ مشائخ کلام میں سے اپنا لباس اکثر نیسلا رکھتے ہیں اور اس کی چند وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ سیاح ہوتے ہیں اور بحالت سفر سفید کپڑے پہنے ہو جاتے ہیں اور انہیں

سفر میں صاف کرنے اور دھونے کا موقع بدستور ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ سفید لباس کی خواہش ہر اک کو ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ عوام کی محبوب ترین چیز سے مجتنب ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نیلگوں رنگ بلبوس کرنا اسی پغم اور باب محنت کا کام سمجھا جاتا ہے اور چونکہ دنیا صوفی کے لئے دار محنت و مصائب ہے۔ اور اس کا تمام کام مجبوری و اندوہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ تو اگر باب ارادت نے اس دنیا میں لباس غم اختیار کر لیا۔ اور ایک جماعت نے اس دنیا میں سوائے غم و اندوہ کچھ نہ پایا اور اس کا ہر معاملہ نقصان و خذلان کا پیش خیمہ دیکھا تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہاں سوائے اصناف و قہر حاصل نہیں تو اس غم میں لباس کو وہیں کر غلیں بیٹھ گئے اور سمجھ گئے کہ فوت ہونا موت سے اشد ترین ہے گویا ایک جماعت تو کسی عزیز کی موت پر سیاہ پوش ہوتی ہے۔ دوسری جماعت مقصود کے فوت ہونے پر سیاہ پوش ہو گئی۔

ایک بے علم مدعی فقیر نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ حضرت آپ نے سیاہ پوشی کیوں اختیار فرمائی ہے؟ آپ نے جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑیں تھیں۔ فقر، علم، ہمیشہ شمشیر تو سلاطین نے لے لی بگڑائیں کے عمل پر اسے استعمال نہ کیا۔ علم علامت اختیار کیا مگر اُسے پڑھنے پڑھانے تک ختم کر دیا۔ فقر فقرار نے اختیار کر لیا۔ مگر اُسے آلا مٹا و حصول مال بنالیا میں نے ان تینوں کے غم میں سیاہ پوشی اختیار کی ہے۔

حضرت مرثعہ رحمۃ اللہ علیہ نے مروی ہے کہ آپ بغداد کے ایک محلہ میں سے گزرے۔ راستہ میں پیاس لگی آپ نے ایک دروازہ پر آکر پانی طلب کیا۔ ایک لڑکی اندر سے آئی اور کوزہ آب ہمراہ لائی۔ آپ نے اس سے پانی لے کر پی لیا۔ آپ کی نظر اس پانی لانے والی کے چہرہ پر پڑی۔ آپ کا دل اُس کے جمال پر فریفتہ ہو گیا۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے: *لَیْسَ بِجِلَافٍ مَشْغُولٌ* میرا کل تیرے کل پر فدا ہے! آپ وہیں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ صاحب خانہ آیا۔ آپ نے فرمایا: میاں میرا دل ایک گلاس پانی میں سخت مقید ہو گیا۔ مجھے تیرے گھر والوں نے ایک گلاس پانی دیکر میرا دل لے لیا۔ صاحب خانہ نے عرض کی حضور وہ میری لڑکی ہے۔ میں اُسے آپ کے عقید میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت مرثعہ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور عقد فرمایا۔ یہ صاحب خانہ بغداد کے متول گھرانے میں سے تھا۔ اس نے حضرت مرثعہ رحمۃ اللہ علیہ کو گریباہ یعنی جام میں بھج کر پوشاک مکلف سے

مست کیا۔ اور وہ غرقہ فقر تار ڈالا۔ جو آپ کے زیرِ تن تھا۔

جب ات ہوئی تو حضرت برقعش لاریں مشغول ہو گئے اور خیال فرمایا کہ اپنے دو زانہ کے اورام سے
بچ کر پھر دہن کی طرف ملتفت ہوں گا۔ کہ یک بخت آپ نے بکاواڑ بند فرمایا۔

”حائوا حرقی“ ہمارا غرقہ جلدی ملا۔ سب نے تعجب ہو کر عرض کیا کہ حضور کیا بٹوا آپ نے فرمایا۔

کے غلوۃ راز سے ابھی آواز آئی کہ ترش جو پہلی نظر تو نے ہمارے سوا غیر پر ڈالی تھی اس کی سزائیں
میں نے تجھ سے پاس محبوبیت انکار لیا ہے۔ اب اگر دوسری نظر پھر ڈالی تو ہم لباس آشنائی بھی سب

کر لیں گے۔ گویا وہ لباس جس کے پہننے سے رضا الہی مقصود ہوا اور محبوبان الہی کے تنفس میں اسے

پناہ ہو تو اپنے رب کے علاقہ رکھنے کے لئے ہمیشہ اس پر راضی رہنا ضروری ہے اور یہ استقامت

نیت مبارک و مسعود ہے۔

ورنہ اپنے دین کی محافظت کافی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر لباس اولیاء میں جانا حقیقت نیت

مراد ہے۔ اس لئے کہ بلا کسی دعوے محبت کے محض مسلمان ہونا اور اسلام پر رہنا اس سے بہتر ہے کہ

بھوٹا مدعی عشق و محبت بنے۔ تو غرقہ پوشی صرف دو قسم کے لوگوں کیلئے موزوں و مناسب ہے

ایک تارک الدنیا جماعت کے لئے۔ دوسرے مشتاقانِ جمال الہی کے لئے۔

یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام رحمہم اللہ کا طریقہ ہے کہ جب کوئی مرید ترک تعلق ماسوی الشکر کے

ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ دو سے تین سال تک میں معنی کے سمجھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر وہ ان

ہین سال میں اس تعلیم ادب پر ثابت قدم ہو تو فیہا درزائے کہہ دیتی ہیں کہ طریقت اسے قبول نہیں

کمال۔ پہلے سال خدمتِ خلق کرتے ہیں دوسرے سال اطاعتِ حق یعنی تورع و تقویٰ

بعدِ ثبات تیسرے سال میں دل کے مراعات و نگاہداشت ہوتی ہے۔ یعنی خواہشات و

بقایات نفسانیہ پر قبضہ کرنا۔

یہ امر ظاہر ہے کہ انسان خدمتِ خلق جب ہی کر سکتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے کو خادم کی جگہ

مجھ کر خلق خدا کو اپنا مخدوم سمجھ لے۔ گویا بلا تمیز خورد و کلان سب کو اپنے سے بہتر جانے۔ اور

سب کی خدمت اپنے اوپر واجب سمجھے۔ نہ یہ کہ خدمت تو کرے مگر اس خدمت کرنے میں

اپنے کو مخدوموں میں فضیلت دے۔ ایسے تخیل سے خدمت کرنا اپنے لئے نقصان میں ڈالنا اور

بے نصیب ہوتا ہے۔ اور یہ زمانہ کی بلاؤں میں سے ایک بلا ہے۔

اور خدمت و اطاعت حق عزوجل اس وقت کر سکتا ہے جبکہ اپنی تمام خطوط نفسانیہ کو دنیا و عقبے سے منقطع کر لے۔ اور خالصتہً مخلصانہً لو جہالتہ اس کی پرستاری کرے۔ اور اسی کے لئے وہ عبادت ہو۔ اور اگر کسی چیز کے لالچ میں عبادت کرتا ہے۔ خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی تو وہ پیش اپنا پرستش ہے نہ کہ خدا کے قدوس کی۔

اور دل کی مراعات و نگہداشت اس وقت ہو سکتی ہے کہ اس کی ہمت یکسو ہو اور ہر قسم کے غم سے اس کا دل پاک ہو اور بارگاہِ لغت میں مواقع غفلت سے دل کی نگہداشت کرے۔ جب سریدان ہر سر شراط میں مکمل اُتر آتا ہے تو اسے خرقہ پوشی کرنا مزید تحقیق کے ساتھ موزون ہوتا ہے اور یہ خرقہ پوشی رسمی اور کورانہ تقلید میں نہیں ہوتی۔

مگر پھر بھی مرقع پہننے والوں کو چاہیے کہ وہ مستقیم الحال ہو یعنی تمام نشیب و فراز طریقت کے گزر چکا ہو۔ اور چاشنی حال چشیدہ ہو۔ اور طریق اعمال سے پورا واقف ہو۔ تہرہ حال مجبوری اور لطف جمال جہلی دیکھے ہوئے ہو۔

اور ہر کامل اس درجہ کامل ہو کہ احوال مرید سے پورا پورا واقف ہو کہ وہ درجہ کمال میں کس حد تک پہنچ چکے گا اور اس مقام پر پہنچنے کا واپس نڈول ہو گا۔ یا ٹھہر جانے والوں میں سے نکلے گا۔ یعنی درجہ قبض میں رہ جائیگا۔ یا اس کا بسط فی القیض ہوگا مگر خرقہ پوشی کرنے والا پیر کامل دیکھ لے کہ یہ ایک نہ ایک دن اس کیف طریقت سے واپس لوٹ جائیگا تو اسے کہہ دے کہ تو اس راہ کی راہ نوردی نہ کر۔ اور اگر جانے کہ اس مقام پر ٹھہرے گا۔ تو اس سے معاملہ طریقت شروع کرے اور اگر جانے کہ منقہ ہی کو پہنچ جائیگا۔ تو اس کی پردہ کش کرے اور نگاہ رکھے۔

اور اس قسم کے جو مشائخ ہیں۔ وہ درحقیقت طبیب قلب ہیں۔ یعنی مرشد کامل مرید کے حق میں طبیب قلب کی حیثیت رکھتا ہے، اور جو طبیب مریض کی بیماری سے جاہل اور بے خبر ہو۔ تو ایسا طبیب اپنی تجویز سے مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ جب معالج مریض کی نگرانی میں جاہل ہوگا تو خطرات مرض کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ پھر ایسا معالج مریض کی غذا اور شربت اور دوا تمام مرض کے خلاف ہی تیار کرے گا۔

حضرت سید یوم النور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلشَّيْخُ رُبِّي تَوْبَةً كَمَا لَبِيتِي فَاُتَمِّتُهُ
یعنی شیخ پر کامل اپنی قوم اور مریدوں میں ایسے میں جیسے نبی اپنی امت میں۔
تو جیسے انبیاء کرام نے عوام کو دعوتِ توحید دے کر بصیرتِ حقہ بخشی اور ہر ایک قبول کرنے
والے کو جس کے درجہ ایمان کے مطابق درجہ تقرب بخشا۔ اور جس میں جیسی بیماری جہل کی تھی ویسا
ہی علاج کیا۔ اسی طرح مرشد کامل شیخ وقت کو بھی بصارتِ حق کی دعوت دینی چاہیے۔ اور ہر
ایک کی تعلیمی غذا اُس کے اندرونی درجہ ایمان کے مطابق تجویز کرنی چاہیے۔ تاکہ مرید کرنے کا
جو مقصد ہے۔ وہ حاصل ہو۔

تو جب مرشد کامل صاحبِ ولایت مرید کو اربعین سال کے بعد ریاضت کی تعلیم دے کر اُسے
خرقہ پہنانے تو ہاتھ ہے۔

اور خرقہ پوشی کا مقصد درحقیقت حیاتِ دنیاوی کی لذتوں اور حصولِ نعمتِ دنیا کی مرادوں
سے انقطاع کر کے دل کو زندگی کی راحتوں سے صاف کرتے ہوئے اپنی عمر سماعتِ حق کے لئے
وقف کرنے اور دنیا سے فنا ہو کر کفنِ پہننے میں ہے۔ اور خرقہ پوش ہو کر سوائے طلبِ حق کے
سب چیزوں سے کنارہ کشی کرنا اس کی شرطِ اولیٰ ہے۔ جب مرید اس قسم کا خرقہ پہن لے گا تو
وہ خرقہ پوش بارگاہِ جہلِ بعدا میں عزت پائے گا۔

پھر اس کا فرض ہے کہ اس خرقہ کا خاص لحاظ رکھے۔ اس کا حق کا حق ادا کرنے میں پوری
استقامت اور محنت سے مسامحہ رہے اور اپنی تمنائیں اور خواہشات اپنے اوپر حرام کر لے۔
اب بحثِ خرقہ پوشی میں بہت سے حقائق و ارشادات بتا دیئے گئے۔

شیخ ابو عمر صفہانی رحمۃ اللہ علیہ اس بحث میں ایک مکمل کتاب تالیف فرمائی ہے۔ اسکے ساتھ
عوامِ تصوف کو بہت زیادہ غلو اور شغف و عقیدت ہے۔

اور چونکہ میری مراد اس کتاب میں محض نقلِ اقوال نہیں بلکہ انکشافِ حقیقت و مغلقات
مقصود ہے اور یہی مقصودِ طریقت ہے

لہذا بہترین اشارات خرقہ پوشی ہم بتا دیتے ہیں۔ یاد رکھو خرقہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا
گنبد یعنی اوپر کا حصہ صبر کے ساتھ ہو۔ اور دونوں آستین خوف و امید کی ہوں اور اُس کے

اگے پیچھے کے دامن قبض و لمبساط سے نہیں۔ اور اس کا گریبان جہاں سے کمر باز ہوتے ہیں، مخالفت نفس کے ساتھ ہو۔ اور دونوں کرسیاں یعنی کلیان صحت و یقین کی ہوں، اس کی سنجاف یعنی مغزی اخلاص کی جو اس سے بھی بہتر حقائق خرقہ یہ ہیں کہ وہ قبۂ محبت میں رنگ خدا سے رنگا جائے اور اس کی دونوں آستین حفظ و عصمت نفس کی ہوں اور اس کا آگاہی فقر و صعوبت کا بنے۔ اور گریبان جہاں سے کمر بند ہے۔ مشاہدہ جمال کے لئے مضبوط اور قائم ہو۔ اور اس کی کرسیاں یعنی کلیان ایسی ہوں کہ تقریب حضرت امدیت میں ہوں رکھیں۔ اور اس کی مغزی اور سنجاف قرۃ تمام کا ہو جو مقام وصل میں اسے مضطرب نہ ہونے لے۔

جب صوفی اپنے باطن کی اس شان کا مرقعہ بنائے گا تو ظاہر کے لئے بھی اسے خرقہ بنانا چاہیے۔ اور ہماری ایک کتاب اس بحث میں ہے جس کا نام اسرار الخرق والموکانات ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ہمارے مرید کے پاس ہونا ضروری ہے۔ لیکن خرقہ پہننے کے بعد اگر صوفی غلبہ حال یا قہر سلطان وقت سے تنگ آکر اس خرقہ کو چاک کر دے۔ تو اسے معذور سمجھا جائیگا اور خرق خرقہ اس کا سلم ہوگا مگر خرق خرقہ با اختیار خود بحالت تیز و درستی جو اس میں کر ڈالا تو اسے خرقہ پوشی پھر جائز نہیں اور اہل طریقت اس رویہ کو نہیں مانتے۔

اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خرقہ پوشی دیرینہ بھی ہو اور بغیر صفاء باطن کے محض ظاہری خروتہ پوشی ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ حدید کی خرقہ کے یہ معنی ہیں کہ جب صوفی کا اس مقام سے جہاں خرقہ پوش ہو۔ بقا۔ دوسرے مقام کی طرف انتقال ہوتا ہے تو وہ ترقی و تدریج میں اس پہلے جامہ سے باہر ہو جاتا ہے اور خرقہ کے بجائے دوسرا لباس لبوس کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک مقام کا لباس علیحدہ ہے تو دوسرے مقام پر پہنچ کر دوسرا لباس لبوس کرنا صحیح ہے۔ اگرچہ خرقہ ایک لباس ہے کہ طریقت فقر صفوت کے تمام مقامات پر یہ لباس موزوں رہتا ہے۔ تو ان مذکورہ مقامات سے بالا ہو جانے کی صورت میں تمام مقامات سے تبری زنا بھی ضروری ہے۔ ہر چند کہ اس بحث کے لئے یہ مقام موزوں نہیں۔ اس کیلئے باب خرق و کشف و حجاب السماع مخصوص ہے۔ وہاں ہم اس بحث کو بیان کریں گے۔

مگر اس جگہ اشارت اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ لطائف خرقہ کے بیان میں فرو گذاشت نہ ہو جائے۔ خواہ کو منظور ہے تو اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ اس کی جگہ پر بیان کریں گے۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ خرقہ پہنانے والے کو حقیقت اور طریقت کے انداز میں قدر حکومت و قوت ہونی چاہیے کہ اگر کسی بیگانہ پر نظر ڈالے تو اسے حلیم شفقت سے آشنا بنائے۔ اور اگر اس خرقہ کو کسی عامی پر ڈال دے تو وہ دل بن جائے۔

ایک دن میں اپنے شیخ کے ہمراہ تھا۔ چلتے چلتے آذربائیجان کی آبادی سے گذر رہے تھے۔ دو تین خرقہ پوش دیکھے کہ گندم کے ڈھیروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اپنے خرقہ کے دامنوں کو کسانوں کی طرف پھیلا رکھا ہے۔ تاکہ وہ اس گندم میں سے اُن کے دامنوں میں کچھ ڈالیں میرے شیخ قدس سرہ نے اُن کی طرف نظر ڈالی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبُّهُمْ بِمُتَحَدِّثٍ اَنْتُمْ وَمَا كَانُوا مُتَعِدِّیْنَ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی خریدی ہدایت کے بدلے تو انکی تجارت سننے نہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا یا۔ اور یہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔

میں نے عرض کی حضور یہ لوگ کس قدر ذلت میں مبتلا ہیں کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ ان کے ہر کو مریض جمع کرنے کی حرص ہوئی ہے تو ان کو دنیا جمع کرنے کی حرص ہو گئی۔ اور کوئی حرص کسی حرص سے بہتر نہیں۔ اور خلاف امر و حکم کسی کو دعوت دینی حرص محض ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بابہ لطاق میں ایک ترسا کو دیکھا بڑا خوبصورت جوان تھا۔ میں نے دعا کی۔ ابی اس جوان حسین کو میرے کام کا بنا دے۔ اس نے کہ اے تو نے بڑا حسین بنایا ہے۔ بخوشی مدت اس دعا کو گذری تھی کہ وہ ترسا میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے شیخ مجھے کلام حقین فرمائیے۔ وہ مسلمان ہو گیا اور جماعت اولیاء میں سے ایک بن گیا۔

حضرت شیخ ابوعلی سیاح رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ خرقہ کس کیلئے پہننا درست ہے فرمایا اُس کے لئے کہ مملکت الہیہ میں تمام احکام و احوال اس کے حکم بغیر ظہور پذیر نہ ہوں۔

تو اب واضح ہو گیا کہ خرقہ صالحین اور اللہ کے نیک بندوں کا لباس ہے اور فقر و صوفیائے

ملبوس فرماتے ہیں۔ اور حقائق فقر و حقیقت صفوۃ جمہ اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔
 تو یاد رکھو جو کوئی لباس اولیاء کو کسب دنیا کے لئے اُلٹتا ہے گا۔ وہ اپنے لئے آفت مول لے گا۔
 فقراء و صوفیاء کا اس میں زیادہ نقصان نہیں۔
 ہدایت یافتہ لوگوں کے لئے سچ سمجھ لکھا ہے وہ ہی کافی ہے۔ اگر ہم اس کی شرح کی طرف
 مشغول ہو جائیں تو یہ کتاب کافی نہیں ہوگی۔ باشد التوفیق

پانچواں باب

فقر و صفوت

فصل

فقر اور صفوت کے فضائل میں علماء طریقت کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک فقر افضل ہے اور ایک کے نزدیک صفوت فقر سے افضل ہے۔

وہ لوگ جو فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فقر فنا رکلی کا نام ہے اور اس میں انقطاع اسرار ہو جاتا ہے۔ اور صفوت مقام فقر کے ایک مقام کا نام ہے اور جب فنا حاصل ہو گئی تو تمام مقامات ناچیز ہو گئے۔ اور مسئلہ بحث فقر و فنا کے ساتھ متعلق ہے جس کی تصریح ہم اول کر چکے ہیں۔

اور جو لوگ صفوت کو فقر پر مقدم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فقر ایک چیز ہے جو موسوم باہم ہے۔ اور صفوت نام ہے تمام موجودات کے صفاتی حاصل کرنے کا اور جو صفوت عین فنا ہے اور فقر عین بقاء تو معاشیہ ہوا کہ فقر نام ہے مقامات و درجات صفوت کسی درجہ یا مقام کا اور صفوت مقام کمال کا نام ہے۔

اس بحث میں بات بہت طول پکڑ گئی ہے اور اس زمانہ میں تو عجیب و غریب طریقہ سے فقر و صفوت کی تفسیرات پیش کی جا رہی ہیں۔ اور ایک جماعت دوسری جماعت پر انوکھے انوکھے دلائل قائم کر رہی ہے اور درحقیقت یہ لوگ فقر و صفوت کی نفیست اور اس کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں اور بے سوچے سمجھے مقدم نوخر بنا رہے ہیں۔

یاد رکھو اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ زبانِ جمہور کے محض تعریف کر دینے کا نام نہ فقر ہے نہ صفوت۔ اور عوام نے جو اپنی ذہنی و بیخیلات کے گھوڑے دوڑائے تو اپنے اپنے خیال کے مطابق معنی گھڑنے۔ اور حقیقت معنی سمجھنے ہے اپنے دل اور ذہن کو خالی کر کے روشنی و فہم

سے دور ہو گئے کسی نے نفی میں کام نہ لیا اور اثبات مراد کا نام اثبات میں نہ لیا۔
اور حقیقت یہ ہے کہ موجودہ معمولی و مثبت تمام کے تمام ایسے ہیں کہ قیام لغوی وجود
ہو اور نفسانی اور اس کے طریقوں سے منتر ہیں۔ اور طریقت جھوٹے مدعیوں کی لغو باتوں
سے پاکی پاک ہے۔

مختصر یہ کہ اولیاء الہی اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں مکان و مقام ہی نہیں ہوتا
اور تمام مکان و مقام وہاں فنا ہوتے ہیں۔ اور زبانی الفاظ اور عبارتیں اس حقیقت
کے معنی بیان کرنے سے منقطع ہوتی ہیں حتیٰ کہ نہ شرب رہتا ہے نہ ذائقہ نہ متنوع نہ قبر
نہ صحنہ محو اس جگہ کا نام ارباب ظہور ہی ڈھونڈتے ہیں اور فکر کرتے ہیں کہ کوئی ایسا نام
مل جائے کہ اس مقام پر چسپاں ہو سکے۔ اور وہ مقام کسی نام کے نیچے آکر سمیٹ جاتے۔
لیکن جو مقام کہ معانی اکم کے تحت آئی ہیں سکتا۔ اور اس پر کسی صفت کا استعمال
ہی صحیح نہیں۔ کسی اسم یا صفت سے کیونکر تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ تو مجبور ہو کر ارباب معانی
کے نزدیک جو نام سب سے بزرگ نظر آیا اسے اُس مقام کے لئے مقرر کر دیتے ہیں۔

اور یہاں تقدیم و تاخیر کی اصل ہی نہیں فقر و صفوت میں سے کسی کو مقدم و موخر
کہنا بالکل ناروا ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ ایک گروہ کو نام فقر زیادہ واجب المرجع نظر
آیا۔ اُن کے دلوں میں اس کی عظمت جاگزیں ہو گئی۔ اسلئے کہ نام فقر سے انہیں ترک ماسوی
اشد اور تواضع نظر آئی۔

دوسرے گروہ کو نام صفوت مقدم نظر آیا۔ اُن کے دلوں پر اس کی تعظیم و تکریم سگڑن
ہو گئی۔ اس لئے کہ رفیع کدورت اور فنا آفات میں انہیں یہ نزدیک نظر آیا۔

غرض کہ انہوں نے یہ دو نام ذریعہ اعلام بنانے چاہے۔ اگرچہ ان کی حقیقت الفاظ کا
جامہ پہنا کر بیان نہیں ہو سکتی تھی۔ ان ناموں سے انہیں صرف یہ فائدہ حاصل ہو سکا
کہ حقیقت بیان کرنے سے یہ قاصر تھے۔ انہیں ان اشارات کے ذریعہ ایک دوسرے
پر ظاہر کرتے رہیں۔ اور ان ناموں کے ذریعے اپنے ذاتی کشف کو تمامہ ظاہر کر سکیں
اور ان جماعتوں نے فقر یا صفوت اس درجہ کا نام رکھ لیا مگر پھر بھی حقیقت معنی

میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ ہاں ارباب لسانی یا اصحاب عبارات جو اس حقیقت سے محض رہے خبر ہیں۔ انہیں محض الفاظ پر بحث کا میدان مل گیا اور ان میں سے کوئی فقر کو مقدم کہنے لگا کوئی مسکوت کو ترجیح دینے بیٹھ گیا۔ اور یہ محض ان کی لغظی یا لسانی ہے یہ دونوں گروہ محض لغظی تحقیق معانی میں جا کر تاریکی عبارت میں رہ گئے۔

ان میں سے جسے حقیقت معنی سکشف ہو گئی وہ اہل حال میں مل کر اسے اور تحقیق تحقیق کو اپنا قلم دلی بنا بیٹھ اور اسے اس کی پرواہ نہیں رہی کہ اُسے صوفی کہا جا رہا ہے یا فقیر۔ اسلئے کہ یہ دونوں نام اضطراری ہیں اور حقیقت فقر کے اسم کے تحت میں نہیں آسکتی۔

یہ اختلاف معنوی حضرت شیخ ابوالحسن کھنونی کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ کبھی بہالت کشف فقر کو صفوت پر ترجیح دیدیتے کبھی صفوت کو فقر پر۔

تو اُس وقت کے محققین نے آپ سے عرض کی کہ حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا میرا ایک حال نہیں کبھی میری طبع معانی کو فنا و نگونساری کا مشرب حاصل ہوتا ہے۔ اور بقا کے درجہ میں بندی کامل مل جاتی ہے۔ اور کبھی ایسے مقام پر ہوتا ہوں کہ اس کا تعلق فنا سے ہوتا ہے اور ایسی حالت میں فقر پر صفوت کو ترجیح دیدیتا ہوں اور جب اُس درجہ پر ہوتا ہوں جس کا تعلق بقا سے ہوتا ہے۔ تو صفوت پر فقر کو ترجیح دے دیتا ہوں۔ اسلئے کہ فقر فنا ہے بقا کا اور صفوت فنا کا

تو چونکہ مقام فنا رویت کو خود سے بھی فنا کر دیتا ہے تو میری طبع معانی بھی فنا سے فنا ہو جاتی ہے اور مقام بقا میں یہی فنا ہے اور یہ کھٹکنا کہ چاہئے عبارت خوب ہے مگر یاد رکھو کہ فنا کو بھی فنا نہیں ہے بقا کو بھی فنا نہیں اور جو باقی فانی ہو گا وہ خود سے ہی فانی ہو گا۔ اور جو فانی باقی ہو گا وہ خود سے باقی ہو گا۔ اور حقیقت فنا بھی محض ایک ایسا اسم ہے جس میں مبالغہ محال ہے۔

حتیٰ کہ اگر کوئی کہے کہ فنا فنا ہوتا ہے تو اس میں مبالغہ ہا معنی کے وجود کے اثر کی نفی کا۔ اس لئے کہ جو فنا ہو رہا ہے وہ جب تک فنا نہ ہو اس وقت تک اس کا کچھ اثر باقی ہے اور جب تک اثر باقی ہے فنا نہیں۔ اور جب فنا ہو چکا تو فنا کا فنا ہونا بے معنی ہو گا۔ اور اس عبارت میں تحیر کے سوا کچھ حاصل نہیں اور یہ لسانیاں زبان دراز لوگوں کی سخن پروری کے ماتحت ہیں۔

اور کتاب بقا و فنا میں ہم نے بھی ایک بحث لکھی تھی لیکن وہ اس وقت لکھی تھی جبکہ ہماری

نوعمری کا جوش تھا اور جذبات عالیہ تیزی میں تھے۔ اس کتاب میں احتیاط کے ساتھ اسکے احکام و حقائق بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ عزوجل۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ فقر اور صغوت میں فرق معنوی یہ ہے کہ دنیا کی تجربہ کی رُوسے تو فقر و صغوت ایک ہے اور اپنے آپ کو اس سے خالی کر دینا یہ دوسری شان ہے اور پھر اس کی حقیقت فقر و صغوت کی معنی میں ہوگی۔

ایک جماعت نے مشائخ کرام میں سے فرمایا ہے کہ فقیر مسکین سے افضل ہے۔ اسلئے کہ حضرت علی مجتہد نے فرمایا۔ لِلْفَقْرِ أَغْرَالُ الدِّينِ أَحْمَرُ وَأَبْيَضُ لِلَّهِ لَا يَسْتَقْطِيعُونَ خُزْنَ فِي الْأَرْضِ "یعنی مال زکوٰۃ ان فقر کے لئے ہے جو اللہ کے راہ اور اس کی اطاعت میں ایسے محصور ہیں کہ تجارت و رزق طلب کرنے کو زمین پر سیر نہیں کر سکتے۔"

اس لئے کہ مسکین صاحب مال ہوتا ہے اور فقیر تارک مال۔ تو ظاہر ہے کہ فقر عزت ہے اور صغوت ذلت اور صاحب مال طریقت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تُعَسُّ عِنْدَ الْبَنَانِ وَتُعَسُّ عِنْدَ الَّذِينَ هُمْ وَتُعَسُّ عِنْدَ الْخَمِيصَةِ وَالْقَطِيفَةِ۔ ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ اور ہلاک ہو گیا تھیلے پھیلے کا پجاری۔ اور تارک معلوم یعنی جسے پا مال ہے۔ اس کا تارک عزت والا ہے۔ اس لئے کہ مال خدا کا اعتماد اس مال پر ہوتا ہے اور جو تارک مال ہو گا اس کا بھروسہ رب عزوجل پر ہو گا۔ اور مالدار کو اگر کوئی کام ہو گا تو اپنا مال بڑھانے اور اس کے حاصل کرنے کے سوا کوئی اور کام نہیں ہو گا۔

ایک جماعت نے کہا کہ مسکین افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اَخِيْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِيْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَخِيْمُوْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسْكِيْنِيْنَ "یعنی اے میرے اللہ مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور اسی حال میں دنیا سے اٹھا اور میدانِ حشر میں بھی مساکین میں مجھے محسور فرما۔"

تو جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکین کو یاد فرما کر اس طرح دعا کریں کہ اللہ مجھے مسکینوں کی زندگی عطا فرما اور حالت رحلت میں بھی مسکین کہ۔ اور جب فقر کا تذکرہ فرمایا تو کہا۔ كَاذِبٌ الْفَقْرُ اِنْ يَكُوْنُ كُفْرًا۔ "قرب ہے کہ فقر کفر ہی جائے۔" اس لئے کہ فقر وہ ہوتا ہے

کسی بچے ساقدار بستہ ہو۔ اور مسکین وہ ہوتا ہے جو سہاب کو منقطع کرے۔
 مزید برآں فقہ اسلامی میں ایک جماعت فقہاء کے نزدیک مسکین صاحبِ توشہ اور فقیر مجرد کو
 کہتے ہیں۔ تو اس جگہ ادبِ مقام مسکین کو صوفی کہتے ہیں۔
 اور یہ اختلاف اختلافِ فقہاء رضی اللہ عنہم سے ملتا ہوا ہے بلکہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ فقیر
 مجرد ہے۔ اور مسکین صاحبِ توشہ اور فقیر افضل تر ہو اور صفوت سے۔
 اور جن کے نزدیک مسکین مجرد کو کہتے ہیں اور فقیر صاحبِ توشہ کو ان کے یہاں صفوتِ افضل
 ہوگی۔ فقر سے یہی غلط احکام اختلافِ مشائخ کے فقر اور صفوت میں جو برسبیل اختصار بیان کئے
 گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چھٹا باب

علامت

فصل

مشاریح طریقت کے ایک گروہ نے راوی علامت کو بھی پسند کیا ہے اور انہوں نے علامت کے طریقہ کو خلیص و محبت میں موثر عظیم مانا ہے۔ اور علامت کے ساتھ مردانِ خدا اور اہل حق بالعموم متفق ہیں خصوصاً پیشوا یا ان اُمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو انا و پیشوا اور اہل حق تھے اور ان سے بلند وہ پیش رو مہمان تھے اُس وقت تکسیت نام رہا جب تک دلیل حق کا ظہور اور وحی آتی رہی، مگر جب لباسِ محبت و محقق پہنا یا گیا تو لوگوں کی طرف سے اُن کے حق میں زبانِ علامت دراز ہو گئی۔ بعض نے کہا جادو گر ہیں، کاہن ہیں کسی جماعت نے کہا شاعر ہیں کسی نے کہا مجنون ہیں، کوئی کہنے لگا کاذب ہیں۔ اور مثل اس کے بہت سی بد لگامی کی گئی۔ مگر اللہ جل شانہ نے اُن کی تعریف میں فرمایا۔

لَا يَخَافُونَ كُفْرًا لَا تَجِدُ فِي ذَلِكَ فَضْلًا اللَّهُ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ یعنی وہ لوگ کسی علامت کرنے والے کی علامت سے خوف نہیں کرتے۔ یہ الشکا فضل ہے کہ جسے چاہے عطا فرماتے اور اللہ بڑا وسیع العلم ہے۔

اور سنتِ الہیہ بھی کچھ یہی ہے کہ جو اُسے یاد کرے اُس کے ذکر کو سنائے عالمِ اہل کی میت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اندر دنیوی رازِ محفی کی نگاہداشت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہ درحقیقت غیرتِ الہیہ ہے کہ اپنے محبوبوں کو غیروں کے دیکھنے سے بچا لیتا ہے تاکہ کوئی آنکھ اُن کے جمالِ باطنی پر نہ پڑے۔ اور اُن کی حقیقتِ حسن کو اُن سے بھی محفی فرما دیتا ہے تاکہ وہ ایسا جمالِ باکمال دیکھ کر مغرور نہ ہو جائیں اور آفتِ عجب و تکبر میں نہ پڑیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے عوام کو اُن پر چھوڑا ہے۔ تاکہ وہ اُن پر زبانِ علامت دراز کرتے رہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اور نفسِ لوم اُن کے اندر مرکب کیا ہے تاکہ انہیں اُن کی کوتاہی پر ملامت کرتا رہے اور کسی فروگزاشت ہو جانے پر وہ اپنے پر ملامت کریں۔ بلکہ اگر نیکی بھی کریں تو اُس کے کم ہونے پر ملامت کریں۔ اور یہ راہ مولائیں بڑی مضبوط جڑ ہے۔

کیونکہ عجب و تکبر سے بڑھ کر کوئی آفت اور عذاب نہیں۔ اور عجب و تکبر کی جڑ دوسری چیزیں ہیں۔ جن سے عجب و تکبر پیدا ہوتا ہے۔ وجاہت حاصل ہو جانا مخلوق میں اور مخلوق کی زبان سے اُس کی مدح سرائی۔

اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی انسان کی گفتار و کردار کو عوام پسند کریں اس کی مدح سرائی کریں۔ اور اسے اُس سے غرور پیدا ہو۔

دوسرے یہ کہ جو کام وہ کر رہا ہے، لوگ اسے پسند کرتے ہیں تو یہ اس کام کا اہل اور اس کے قابل اپنے کو سمجھنے لگتا ہے اور اس وجہ میں متکبر بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے اس راستہ میں اپنے محبتوں مقربوں پر یہ نظام فرما دیا ہے۔ تاکہ اُن کے تمام کام اگرچہ نیک ہی ہوتے ہیں مگر عوام انہیں پسند نہ کریں۔ اور عوام کے پسند نہ کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کام کی حقیقت کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

اور مجاہدات و ریاضات ان عثمان الہی کے بہت ہوتے ہیں مگر انہوں نے اس مجاہدات کو اپنی قوت کا نتیجہ سمجھی نہیں سمجھا۔ بعض فضل الہی تصور کیا۔ اور اُن مجاہدات کی وجہ سے انہوں نے اپنی ذات کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا۔ اسی وجہ میں وہ تکبر سے محفوظ رہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جسے اللہ پسند فرماتا ہے عوام اُسے پسند نہیں کرتے۔

اور جسے اپنا دُعا پسند آیا۔ اللہ تعالیٰ اُسے پسند نہیں کرتا۔

جیسا کہ شیطان کہ اسے لوگوں نے پسند کیا اور ملاکہ نے بھی قبول کیا۔ اور خود اس نے اپنے آپ کو اچھا سمجھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے پسند نہیں کیا۔ تو لوگوں کا اور فرشتوں کا پسند کرنا اس کے لئے نیر لعنت بن گیا۔

اور آدم علیہ السلام کو اول ملاکہ نے پسند نہیں کیا۔ اور صاف کہہ دیا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا۔ یعنی کیا ایسے وجود کو دنیا میں موجود فرما رہا ہے جو فساد کرے؟

اور خود آدم علیہ السلام نے اپنے وجود کو پسند نہ کیا اور عرض کر دیا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا
بِیَعْنِیْ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ لیکن جو ہم علیہ السلام پسندیدہ
حق تھے۔ تو جناب باری عز و جل کی طرف سے ارشاد ہوا۔

فَنَسِیْنَا وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ وہ بھول گئے اُن کا عزم اور نافرمانی ہم نے نہیں پائی۔
تو اللہ تعالیٰ کا پسند فرمانا آدم علیہ السلام کے لئے ثمرِ رحمت لایا۔ تاکہ دنیا کے لوگ جان لیں
کہ اللہ کا مقبول مجبور خلق ہوتا ہے اور مقبول خلاق مجبور الہی ہوتا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ ملامت خلق خدا علامت ہے محبوبان الہی کی اور دلیل ہے اُس کے
مقرب بارگاہ ہونے کی۔ اور جس طرح مقبول خلاق ہو کر خرم و شاد ہونا عام طور پر پسندیدہ
ہے۔ اسی طرح خاصان بارگاہ خلق کے ساتھ شاد کام و شادمان رہتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبریل نے عرض کیا اور جبریل سے
رب العزت جل مجدہ نے فرمایا۔ اُولَیَّائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَغْرِبُکُمْ غَیْرُیْ اِلَّا
اُولَیَّائِیْ۔ میرے دوست میری قبا کے اندر ہیں۔ انہیں میرے اندر سے دوستوں کے سوا
کوئی نہیں جانتا۔

فصل

ملا مت کس تین صورتیں ہیں راست روی۔ قصد کرنا، ترک کرنا

ایک سیدھا چلنے میں دوسرے قصد کرنے میں تیسرے ترک کرنے میں۔

راست روی میں صورت ملا مت یہ ہے کہ اپنا کام کرتا رہے اور احکام دین کی پیروی
کرے۔ اور ہر معاملہ میں رعایت ملحوظ رکھے اور لوگ اُسے ایسی حالت میں ملا مت کریں جیسا کہ
عوام کا رویہ ہے۔ مگر عارف کامل ان ملا متوں سے بھی بے تعلق اور فارغ ہو۔

اور قصد میں صورت ملا مت یہ ہے کہ ایک شخص جبکہ اسے عز و جاہ کافی حاصل ہو چکی ہو
اور لوگوں میں وہ معزز و ممتاز ہو کر ان میں نشانہ ہو چکا ہو۔ مگر اس کا دل اس عز و جاہ اور رجوت
خلق سے متنفر ہو اور وہ چاہے کہ سب کے دل علیحدہ کر کے خلوت خاص میں پہنچے جیل حقیقی سے
مشغول ہو تو اس تکلف کی وجہ میں لوگ ملامت کرنا شروع کر دیں۔ اور وہ بھی لوگوں کو دکھانے

کھینچنے کی طرح اختیار کرے جو خلاف شرع دھوکہ۔ مگر اس دور سے لوگ اس کے ساتھ متصف ہو جاتیں۔ مگر وہ خود لوگوں کے اس تنہا پردہ ذکر سے۔ آخرش لوگ اس سے بے پروا ہو جاتیں۔ ترک کرنے میں صورت ملامت یوں ہوگی کہ کسی کا گریبان کفر و ضلالت طبعی سے یہاں تک پکڑے کہ وہ ترک شریعت اور انکار متابعت قانون اسلام کے لئے کہنے لگے اور کہتا پھرے کہ یہ طریقہ ملامت ہے جو میں نے اختیار کیا ہے اور حقیقت میں راہ راست پر ہوں۔ اس لئے کہ میری اصلی رفتار راست روی پر ہے اور نفاق و ریا سے اجتناب کرتا ہے۔ اور ایسی حالت میں اسے لوگوں کی ملامت کا خوف نہیں ہوتا اور اپنی دھن میں پختہ رہتا ہے جس نام سے لوگ اُسے پکاریں جو سب نام اُس کی نظر میں برابر ہوں۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت شیخ ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ ایک روز ایک گدھے پر سوار ہو کر بازار میں جا رہے تھے۔ اور ان کے مرید اس گدھے کی بگ پکڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آواز دے کر کہا کہ کبک زندقہ پھر آیا۔ مرید نے جب یہ آواز سنی۔ غیرت عقیدہ سے اس آواز کو کئے والے کو مارنے کے لئے بڑھا۔ اس سے بازار کے لوگ جوش میں آ گئے۔ شیخ ابو طاہر رحمہ اللہ نے مرید سے فرمایا کہ اگر تو خاموش ہو جائے تو مجھے ایسی چیز بتائیں گے کہ اس سے تیرا سب رنج و محن جاتا ہے گا۔ مرید خاموش ہو گیا۔ جب اپنی جانے قیام پر تشریف لائے تو مرید کو حکم دیا کہ وہ صندوق لاؤ۔ مرید صندوق لایا۔ اس صندوق میں بہت سے خط بھرے ہوئے تھے۔ اپنے ایک خط نکال کر اس کے آگے رکھا۔ اور فرمایا۔ دیکھ یہ متعدد لوگوں کے خطوط ہیں۔ ہر ایک نے میرے لئے علیحدہ علیحدہ نام رکھے ہیں۔ ایک مجھے شیخ الاسلام لکھ رہا ہے، ایک شیخ زکی اور ایک شیخ الحارثی، اسی طرح علیحدہ علیحدہ سب نے میرے نام لکھے ہیں۔ مگر جو میں ہوں وہ کبھی بھی نہیں لکھا۔ میرا نام کسی خط میں نہیں۔ ہر ایک نے اپنے اعتقاد کے موافق مجھے ایک لقب دیا ہے۔ اگر اُس نے بھی مجھے کوئی لقب دیا تو اس پر تو اتنا برا لگھنتہ کیوں ہوا۔

اب یہ بھی سمجھ لے جو اپنے طریقہ ملامت میں یہ قصد ہو کہ وہ جاء اور تہرہ و ریاست ترک کرتا ہے۔ تو وہ ایسا ہے جیسے کہ روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک روز خزول کے باغ سے تشریف لایا ہے تھے اور خرہ سی خشک ٹکڑیوں کا گٹھا آپ کے

سر پر تھا۔ یا ائمہ آپ کے پاس چار سو غلام تھے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور! یہ کیا ہے۔ فرمایا۔
 اُرَيْدُ اَنْ اُجَرِّبَ نَفْسِي۔ ”میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے نفس کا تجربہ کروں؟ میرے
 پاس اگرچہ بہت غلام ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرا نفس اس محل میں کیسا ہے۔ جاہ اعزاز و حشمت
 کی وجہ سے وہ بیکار تو نہیں ہو گیا۔ یہ حکایت شانِ ملامت کی صریح دلیل ہے۔ اور اس سے
 اثباتِ ملامت واضح ہے۔

ایسا ہی ایک حکایت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ اس کتاب میں جس جگہ اُن کا
 ذکر ہو گا انشاء اللہ وہاں لکھوں گا۔ اور ابو یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سفر حجاز
 سے تشریف لائے۔ تو سنادی کی گئی اور لوگوں میں شہرہ ہوا کہ بایزید تشریف لائے ہیں۔ شہر کے
 لوگ جمع ہوئے اور برائے استقبال شہر سے باہر آئے تاکہ اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لائیں
 بایزید رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کی آمد و رفت سے اُن کی طرف مشغول ہوئے اور محسوس فرمایا کہ اب
 دل بھی تقرب حق سے بعید ہو رہا ہے۔ پریشان ہو گئے تو آپ نے یہ جیل بنایا کہ جب وسط شہر
 میں تشریف لائے تو ایک مکہ روئی کنی نکال کر برسرِ راہ کھانا شروع فرما دی۔ عوام میں اس
 حالت سے منافرت پیدا ہو گئی۔ اور حضرت بایزید کو تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔ اس لئے کہ یہ واقعہ
 رمضان شریف میں ہوا۔ حضرت بایزید نے اپنے اس مرید سے فرمایا جو آپ کا ہم سفر تھا کہ دیکھا تو نے
 ایک مسئلہ پر شریعت مطہرہ کے میں نے عمل کیا۔ تو لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا اور آنا دے دیا یعنی مسئلہ شرعی
 یہ ہے کہ مسافر اگر بجاۃً مسافرت روزہ نہ رکھے تو اس پر گناہ نہیں وہ ان روزوں کی قضا و سکے
 ایام میں کر سکتا ہے۔ اور میں (یعنی علی بن عثمان جلابی رضی اللہ عنہ) کہتا ہوں کہ اس حالت میں
 حصولِ ملامت کے لئے ایک بُرا فعل ہونا بھی بہتر تھا۔ اور کوئی چیز خلافِ عادت ظاہر
 کرنا مناسب لیکن آج وہ زمانہ ہے کہ اب اگر چاہے کہ لوگ اُس کو ملامت کریں تو یہی کافی
 ہے کہ کہہ دے۔ جا اور دو رکعت نفل لمبے کر کے پڑھ یا اپنے دین کو مضبوطی سے تھام اور
 (تبائح مکمل کر۔ تو آج عوام اس کہنے سے نیچے علی الفور منافق اور بیا کار کہہ دیں گے۔
 لیکن وہ شخص جس کا طریقہ ترک ہے اور اس کی وجہ میں وہ کوئی بات خلافِ شریعت اختیار
 کر کے کہتا ہے کہ میں یہ ملامت کا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ تو یہ صریح گمراہی اور وحشتا

آفت اور محسوس کاذب ہے۔ اور اس زمانہ میں ایسے بہت ہیں کہ اُن کا مقصود لوگوں کے رد کرنے سے اُن کا ایمان اپنی طرف بڑھانا ہے۔ حالانکہ ردِ خلافتی کرنا ایسے زیبا ہے جو پہلے مقبول بارگاہ ہو چکا ہو۔ تو اس کے رد کرنے سے عوام اُس کے اس رویہ کا رد کرنے لگتے ہیں۔

اور جو پہلے ہی مقبول بارگاہ نہیں۔ وہ اگر لوگوں سے مجتنب رہے اور ردِ خلافتی کرنے کا تکلف کرے تو یہ یقیناً لوگوں کو اپنی طرف رجوع کرنے کا بہانہ ہوگا۔ مجھے ایک مصنوعی سلامتی سے سابقہ پڑا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کسی خرافہ فعل میں تڑکب تھا۔ اور اس فعل پر ملامت کو عذر بنارکھا تھا۔ ایک شخص نے اُسے کہا کہ یہ بہانہ لٹو ہے میں نے اُسے دیکھا کہ بڑا غضبناک ہو گیا۔ میں نے اسے کہا کہ تو درحقیقت سلامتی ہے اور تیسرا زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ تو تیرے اس دعویٰ پر اس شخص کا انکار تیرے مقصد و مذہب کی تائید ہے اور جو تیرے خیالات و دعاوی کی تائید کرتا ہے۔ تو پھر اس پر تیرا یہ غضبناک ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور یہ قہر و غضب کس لئے۔

تیسرا یہ رویہ اگرچہ مانند طریقہ ملامت ہے مگر دراصل کچھ نہیں ہے، ہمیشہ یاد رکھو کہ جو شخص کسی کو امر حق کی دعوت دیتا ہے۔ وہ کوئی دلیل بھی رکھتا ہے۔ اور اس کی دلیل محافظتِ سنت ہے۔

پھر تمہارے نہیں ترکِ فرض کا رویہ بھی دیکھ رہا ہوں اور لوگوں کو بھی اسی گمراہی کی طرف دعوت دے رہا ہے تو یہ تیرا انکارِ ملامت کے طریقہ پر نہیں بلکہ اثرِ اسلام سے خارج ہے۔

یاد رکھو مذہبِ ملامت کے اصل شیخ وقت ابو احمد و ن قصاب رحمۃ اللہ علیہ

فصل

نے جاری فرمائے اور طریقِ ملامت میں انہوں نے بہت سے لطائف و خفایاں

بیان فرمائے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اَلْعَلَامَةُ تُؤَكِّدُ السَّلَامَةَ مَلَامَتِ سَلَامَتِ تَرْكِ كَرْدَنِے کو کہتے ہیں۔ جب کوئی امید کشفِ جلال اور طلبِ مال سے تبری حاصل کرے اور مخلوقات میں رہ کر مخلوق سے ناامید ہو جائے تو وہ ترکِ سلامتی کا قصد کرتا ہے اور صاف

فیصلہ کر لیتا ہے کہ مجھ پر بلائیں نہیں میری تمام مالوفات راحت مجھ سے چھین جائیں
اس لئے کہ میری طبیعت ان چیزوں کی محبت سے آزاد ہو چکی ہے

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان جتنا ان چیزوں سے آزاد ہوتا جاتا ہے اپنے سوا
جہل مجاہد کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے تو سلامتی جس کی طرف عوام کو احتیاج ہوتی ہے اہل ملامت اس
سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا مقصد عوام کے مقصد کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ عوام کی
سلامتی و جاہ دنیا پر نظر ہوتی ہے اہل ملامت کی اس سے پشت ہوتی ہے۔ اہل ملامت کی ہمت
دنیا کی ہمت سے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ صوفی اپنے اوصاف میں لکھتا ہوتا ہے جیسا کہ
حضرت محمد بن ہاشم رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسین بن منصور سے روایت فرماتے ہیں کہ ان سے دریافت
کیا گیا کہ مَنِ الْقَوْنِي قَالَ وَجَدَ ابْنِي الذَّاتِ مَعُونِي كُونِ بِهٖ فَرَمَا بِهٖ مَعُونِي فَذَاتُ كَرِّهَا بِهٖ
اور حضرت ابو محمدؑ سے ملامت کی بابت سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا۔

راہ آں بر خلقی دشوار و معلق است یعنی ملامت کا راستہ عوام پر دشوار و عکس ہے۔
مگر ہم کچھ بیان کرتے ہیں۔ رَجَاءُ النَّوْجِيَّةِ وَخَوْفُ الْقَدْرِ يَتَرْتَبَانِ قَدِيرًا
امید ورجائیں صفت ملامت ہے اور اس رجاء میں ایک رمز خاص ہے وہ یہ کہ ملامت کی طبیعت گاہ
الہی کے سوا کسی طرف راغب نہیں ہوتی اور ملامت اللہ سے نفرت جتنی ہے کسی کو اس سے زائد
نہیں۔ یہ ہمیشہ وجاہت کے متغیر رہتا ہے۔ برخلاف عوام کے کہ وہ اس حد تک اپنے لئے وجاہت ضرور
چاہتا ہے کہ لوگ اُسے پسند کریں اور اُس کی تعریف ہو بلکہ اپنی تعریف کے لئے جان و دل سے فر
جاتا ہے اور اسی تعریف کی خواہش میں اپنے رب جل مجدہ سے جدا ہو جاتا ہے۔
تو خائف ہمیشہ یہ خوف کرتا ہے کہ خطرہ اس پر نہ آئے اور اس وجہ میں وہ خطرہ کے مقام سے بچا
رہتا ہے اور اس سبب کو ششیں طالب کو دو خطرے پیش ہوتے ہیں۔

ایک خلقت کے حجاب کا خوف۔ دوسرے ایسے فعل کا نہ کرنا جس سے لوگ اس کے اس فعل پر
اس کے ساتھ گناہ کریں۔ اور اس پر عوام زبان ملامت دہرا کریں۔
نہ یہ اسے منظور ہو کہ اس کی وجاہت میں لوگ آرام کریں نہ یہ گوارہ کہ وہ اپنے میں کسی گناہ
کے۔ تو ملامت کو بالخصوص یہ لازم ہے کہ دنیا و عاقبت کی خصوصیت جو اس کے مسائل میں ہے

سے قطع کرے۔ اور نجات دل کے لئے وہ کام کرے جو شریعت مطہرہ میں مذکور ہو و مصلحت تاکہ
لوگ اُسے رد کریں۔ اور اس کا خوف اُس کے معاملات میں مثل خوف قدری بلکہ جانے اور اس کی
امید معاملہ ذاتی میں ملامت کرنے والوں کی طرف سے مثل امید مرعانی ہو۔

اور دوستی و محبت کے حقائق میں ملامت سے زیادہ خوشگوار کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ
دوست کے دل پر دوست کی ملامت کا اثر نہیں ہوتا۔ اور دوست کو ہوائے کوچہ گردی کوٹنے یا اور
کسی سے سروکار بھی نہیں ہوتا۔ اور بغیر کرنے یا اُس کی گزند بھی دشوار ہے۔

اور اعتبار کا خطرہ دوست کے دل پر کسی نہیں ہوتا۔ لَاقِ الْمَلَأَمَةُ نَفْثَةُ الْفَاشِقَيْنِ
وَنَزْهَةُ الْمُحِبِّينِ وَرَاحَةُ الْمُشْتَاقَيْنِ وَسُرُورُ الْمُتَرِيدَيْنِ۔ ملامت عاشقوں
کا بارغ ہے محبوں کی نزہت و تازگی ہے مشتاقینِ جمال کی راحت ہے اور مریدینِ خالص کی سرور
ہے۔ یہ جماعت ملامت تن اختیار کر کے تعلیق میں متنازع ہو گئے اور ملامتی دل میں
کوئی بن کے مقابل میں نہیں۔ مقربانِ بدگاہ اور کٹھن بیاں خاص یا مذہبِ ارواح والے ان کے اس رعب
کو نہیں پہنچتے اور سابقہ امتیول میں بھی اگر ہے تاہم عابد راغب طالبِ گزیرے اور رب کے چاہنے والے
تھے۔ گراں مرتبہ کو کوئی نہ پہنچا۔ سو اس گروہ کے جو اس امت میں ہوا کہ اپنے سلوک طریقت میں سب سے
دل متعلق کر کے اپنے دل سے تعلق رکھا

لیکن میرے نزدیک طلبِ ملامت ریا خالص ہے۔ اور ریا عین نفاق۔ اس لئے کہ بیا کد اس
رستہ پر چلنا پسند کرتا ہے جس میں عوام کی نگاہیں تکلف پائیں اور لوگ اسے اس راہ پر چلنے کی وجہ
سے پسند کریں۔ اور ملامتی اُس رستہ پر جا تا ہے جس رستہ پر جاتے ہوئے کو لوگ رد کر دیں۔ اور یہ

دونوں قسم کے ملامتی مخلوق میں موجود ہیں
اور دونوں کو سوا اس کے اور کسی جگہ سے گزرنا بھی ناممکن ہے۔ ایک ایسی صورت میں ظاہر ہے۔
تو دوسرا ویسی شکل میں اور درویش کو مخلوق کی کسی بات سے تعلق ہی نہیں تو جبکہ اس کا دل
مخلوق سے بے تعلق ہو چکا اور وہ ان دونوں قسموں سے آزاد ہے تو پھر کسی چیز کا پابند نہیں۔
مجھے ایک بار ماوراء النہر کے ملامتی سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ تو جب وہ بے تکلف ہو گیا۔ تو
میں نے اُس سے کہا۔ بھائی اس قسب کے شویہ افعال سے تہااری کیا مراد ہے۔ کہنے لگا مخلوق سے

اپنے کوچھپانا نہیں نے کہا۔ لوگ بہت ہیں اور تیری عمر کم۔ تو زمانہ میں اُن سے چھپا چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ لہذا تو خود اُن کو کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ تاکہ اس شغل سے بھی تو آزاد ہو جائے اور ایسے لوگ جیتے ہیں کہ لوگوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگ انکی طرف مشغول ہیں۔ تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ تو اپنے کو نہ دیکھ تاکہ پھر تجھے کوئی نہ دیکھے۔

جب زمانہ کی اُلفت کی جاتا تو انے دیکھی جوتی ہے تو تجھے غیر سے کیا کام جس کو کچھ نہ کھانے سے ہی شغائل جاتی ہے۔ اُسے دو اکھانے کی کیا حاجت اور اگر وہ ایسا کردہا ہے تو مرد نہیں۔ ایک کردہ محض ریاضت نفس کے لئے اپنے کو ملاستی بنالیتا ہے تاکہ اُنہیں لوگ خوار کریں اور اس خوار سے اُن کا نفس ادب سکے کیونکہ اُن کی خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو خوار سے اور ابتلا میں دیکھیں۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے کسی نے اُن سے پوچھا کہ کبھی آپ اپنی مراد کو پہنچے ہیں یا نہیں۔ فرمایا اُن۔ دو بار مراد ملی ہے۔

ایک بار میں کشتی میں تھا اور کوئی مجھے وہاں نہیں جانتا تھا۔ میں نے بہت میلے کپڑے پہن رکھے تھے اور میرے سر کے بال لمبے تھے۔ میں اسی حالت میں کشتی میں تھا کہ لوگ میری تحقیر کرنے لگے اور میرا مذاق اڑانے لگے۔ اُن لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو تمسخر کرتے کرتے میرے سر کے بال نوچنے کھسوٹنے لگ گیا۔ اور لوگ مجھ سے تمسخر کرتے کرتے میرا مذاق اڑاتے میں مشغول ہو گئے اور میں اپنے دل میں اس سے خوش تھا اور مراد ملی پارہا تھا۔

دوسرے جوتے ایک دن میری خوشی اپنی حد کو پہنچی اور وہ اس طرح کہ ایک سخرے نے مجھ پر اُٹھ کر چٹاب کر دیا۔

دوسری بار اس طرح مراد کو پہنچا کہ تیز بارش ہو رہی تھی اور میں جا رہا تھا کہ ایک گلاؤں میں پہنچا۔ سردی کے موسم نے مجھ پر شدت کر رکھی تھی اور میرا خرقہ پانی میں شربور تھا۔ میں ایک مسجد میں گیا۔ وہاں لوگوں نے مجھے درجنے دیا۔ وہاں سے دو اور مسجدیں دیکھیں۔ مگر وہاں سے بھی مجھے نکال دیا۔ سردی کی وجہ سے مراد دل لرز رہا تھا۔ میں ایک حمام کے چوبیسے پر گیا اور اپنا خرقہ میں نے اس پر تان دیا۔ اُس بھی کادھواں ہو گھٹا اُس نے میرے کپڑے اور میرا منہ سیاہ کر دیا۔

marfat.com

اور مجھے بھی راجی حضرت علی بن عثمان جلالتہ اللہ علیہما کہ ایک دفعہ ایسا واقعہ گذرا میں نے
اس امید پر بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ واقعہ حل ہو مگر حل نہ ہوا اور ایک دفعہ اس سے
بھی قبل ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ تو میں مزار حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا اُس وقت تک مہار
بنا۔ ہا۔ جب تک وہ حل نہ ہوا۔ آخر حل ہو گیا۔

اس دفعہ بھی وہاں کا قصد کیا۔ اور تین بار مزار پاک کی مجاورت کی تاکہ حل ہو مگر نہ
ہوا۔ ہر روز تین بار غسل کئے ترسے بار وضو کئے اور امید کشف میں رہا۔ مگر بالکل انکشاف
نہ ہوا۔ آخر اٹھا اور خراسان کا سفر اختیار کیا۔ ہر شہر میں ایک شب اس علاقہ کے ایک گاؤں
کس نامی میں اُترا۔ یہاں ایک خانقاہ تھی۔ اور اس خانقاہ پر جماعت متصوفین موجود تھی
میں نے خرقہ حشیش یعنی ٹاٹ کا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ اور نہایت تھکا ہوا تھا میرے پاس سامان
اہل رسم میں سے کچھ نہ تھا۔ سوا ایک عصا اور روکھ کے معنی ایک لکڑی اور چرہ کے روٹے کے

سوا سامان نہ تھا۔
وہاں کے صوفیوں کی نظروں میں بہت حقیر نظر آیا۔ اور میرا جاننے والا اس جماعت میں
کوئی نہ تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر عام رسم کے مطابق آپس میں گفتگو کی کہ یہ شخص ہم میں سے
نہیں ہے۔ اور بات بھی یہی تھی جو انہوں نے کہی تھی۔ میں فی الواقع اُن میں سے نہیں تھا۔
لیکن میرے لئے لا بدی تھا کہ اُس شب اُسی جگہ رہوں۔ مجھے انہوں نے ایک بالا خانہ پر
بٹھا دیا۔ اور خود بھی اس سے پونچھے بالا خانہ پر بیٹھ گئے۔

مجھ کو انہوں نے ایک دلی پھینک دی جو بے گریب زنگ کی ہو چکی تھی جس میں اس کھانے کی بو
سُنگ رہا تھا جو وہ کھا رہے تھے۔ اور میرے ساتھ طنز باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ بالا خانہ
پر جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزہ کھانے لگے۔ اور اُس کے چھکے میرے اوپر پھینکتے رہے
اس لئے کہ میں اُن کی نظروں میں بہت حقیر تھا۔ آخر میں نے اپنے دل میں کہا۔ الٹی اگر یہ لوگ وہ
میں جو تیرے دوست ہیں۔ تو جامہ دوست نہیں کیوں مل گیا مجھے ان سے عین یہ وہ زکبا ہوتا غرض کہ
جس قدر اُن کی طعن مجھ پر زیادہ ہوتی جاتی تھی میرا دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا حتیٰ کہ اُن کی
طعن و طنز کے جو جیسے مجھ پر میرا واقعہ حل ہو گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ مشائخ نے ان جاہلوں کو کس
لئے اپنے ارد گرد ہوا ہے اور ان کا بار کیوں اٹھانے ہوئے ہیں۔

یہیں احکام سلامت جو پوری حقیقت سے میں نے حاصل کئے۔ توفیق الہی تبارک و تعالیٰ۔

ساقواں باب

صحابہ کرامؓ

فصل

اب ہم اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احوال بیان کرتے ہیں جو صحابہ کرام کے پیش رو اور امام گذرے ہیں۔ اور بعد انبیاء کے فضل اور مساطات میں سے پہلے اور انھیں مذکور میں قواد اور اہل حال کی جماعت میں بعد انبیاء سابقین، الاولین اور ثانیین و انصار سے افضل ترین۔ تاکہ تیری مراد معلومات پوری ہو۔ انشاء اللہ عزوجل

الیک شیخ الاسلام بعد انبیاء خیر الانام خلیفہ پیغمبر و امام سید اہل تہذیب و شہنشاہ ارباب تفرید و اوقات مناسک بعد امیر المومنین حضرت ابو بکر عبداللہ بن عثمان صدیق رضی اللہ عنہ میں آپ کی کرامات شہور ہیں اور احکام و مساطات میں آپ کے قوی دلائل ہیں اور مسائل و حقائق تصوف میں شہود آپ کا کچھ مل تصوف کے لیے ہیں ذلک کیا گیا ہے اس وجہ میں مشائخ کرام آپ کو پیشوا و دلیل مشاہدہ مانتے ہیں۔ اس لیے کہ صاحب شاہد جو کچھ ہے اس کا حال دوسروں پر کم اور بہت کم حکشف ہو سکتا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کی سخت گیری کی وجہ میں پیشوا و مجاہدین مانتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے اور علماء میں مشہور ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رات کے وقت نماز میں قرآن کریم آہستہ آہستہ تلاوت فرماتے ساد جب سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھتے قرآن کریم بآواز پڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم آہستہ تلاوت کیوں کرتے ہو۔ عرض کیا حضوراً شیع من اُنا جیب۔ حضور اس نے آہستہ پڑھتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ جس کی مناجات کر رہا ہوں وہ مجھ سے غائب نہیں۔ اور اس کی سماعت ایسی ہے کہ اُس کے لئے نزدیک ہے بعد اور آہستہ

پڑھنا یا بلند آواز سے پڑھنا برا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ عرض کیا۔ **أَوْقِطُ الْوُشَّانَ أَفَى الثَّائِبِ وَأَطْرَدُ الشَّيْطَانَ**۔ میں سوتے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھٹاتا ہوں۔

یہ شان مجاہدات کا مظاہرہ تھا اور وہ شان مشاہدات کا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ مشاہدہ کے اندر مجاہدہ اس طرح ہے جیسے قطرہ دریا میں۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ دیا **هَلْ أَتَيْتُمُ الْآخِثَةَ مِنْ حَسَنَاتِ أَبِي بَكْرٍ**۔ عزیمت الی بکر کے بھلائیوں میں سے ایک حصہ میں ہو؟ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر مستی جن سے عزت و وقار اسلام آتی پڑا۔ وہ صدیق اکبر کے مقابلہ میں ایک حصہ بھلائی کے مالک ہیں۔ تو غور کر کے دیکھ دنیا کے لوگ آپ کے مقابلہ میں کس درجہ پر ہیں گئے پھر اجداد اس شان کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ **يَا دُنَا يَا نَبِيَّةَ وَأَخَوَانَا عَابِدِيَّةٌ وَأَنَا سَنَامَعْدُ فِدَاً وَكُنَّا مَوْجُودَةً** ہمارا گھر اللہ ہے۔ ہمارے حالات پرانے ہیں اور ہمارے گنتی کے سانس میں۔ اور ہماری سستی بدستور موجود ہے۔ تو سوائے فانی میں دل لگا کر عمارت کرنا جاہالت کے مقتضیات سے ہے اور اپنے حالات و کوائف پر بھروسہ کرنا حماقت و بیوقوفی ہے۔ اور ہر سانس کے بھروسہ پر دل لگانا غفلت محض ہے۔ ہر اپنی کابی الٹھی کو دین کہنا خیانت بھرا ہے جو موجب حرمان و نقصان ہے۔

اس لئے کہ جو چیز عاریتہ آنے وہ یقیناً واپس جانے کی اور جو چیز گزرنے والی ہے اور فانی ہے وہ کبھی نہ نہیں سکتی۔ اور جو گنتی کے ساتھ ملی وہ ضرور ختم ہوگی اور کابی سستی اس کی دو اسٹیم ہے۔ اس فرمان میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ہوشیار فرمایا کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے۔ اس لئے کہ جو مشغول بر فانی ہو گیا۔ وہ باقی کے ساتھ محبوب ہو جائے گا۔

تو جب دنیا اور نفس مارہ طالب حق کے لئے زبردست حجاب ہیں۔ تو مجھے لازم ہے کہ ان سے اعراض کر لوں اور جب جان یا کہ عاریتہ جو چیز ملتی ہے وہ دوسرے کی ملک ہوتی ہے۔ تو جو چیز کسی اور کے ملک ہے اس سے اپنا دست تصرف کوتاہ رکھنا ہی مناسب ہے۔

اور ان ہی حضرات صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ نے اپنی دعاؤں میں فرمایا۔ **اللَّهُمَّ ابْسُطْ لِي**

الدُّنْيَا وَرَهْدِي قِيَمًا۔" ابھی میرے لئے دنیا فراخ فرما لے اور مجھے دنیا سے زائد رکھ یعنی جب مجھ پر دنیا فراخ ہو جائے تو مجھے اس کی آفتوں سے محفوظ رکھ۔ اس دعا کے ضمن میں ایک درجہ ہے۔ یعنی پہلے مال عطا فرما کہ اس کا شکر ادا کر دوں۔ پھر ایسی توفیق دے کہ میرے لئے اس سے ہاتھ کیسنگ لوں۔ اور اس سے مستغنی ہو کر مینہ پھیر لوں۔ تاکہ مجھے شکر گزاری اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے اور درجہ صیر بھی آسان عطا فرما کہ بحالت فقر مضطر نہ ہو جاؤں تاکہ میرا فقر اختیاری ہو۔ اس میں پھر معاملات کا قول درست ثابت ہوتا ہے جو کہ فرمایا ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو۔ وہ مصنوعی ہے اور جس کا فقر اختیاری ہو وہ وہ ہے کہ اُس کا یہ کسب فقر جلب فقر سے منقطع ہوتا ہے تو وہ فقر اس سے بہتر ہے جو تہ تکلف اپنے لئے کوئی درجہ نہ لے۔ ہم کہتے ہیں کہ فقر کی صفت زیادہ تر ظاہر جب ہو سکتی ہے جبکہ بحالت غنا ارادہ فقر اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک اس ارادہ کو عملی جامہ پہنائے کہ ابنائے بنی آدم کی تمام مرتبہ چیزوں سے دل کا تھکان ہٹلے اور وہ تمام غریبانِ انِ اشیائے مجبورہ کا ہمدانیہ ہے۔ نہ یہ کہ بحالت فقر غنا کی خواہش اس کے دل پر مستولی ہو۔ اور اس حد تک دنیا حاصل کرنے میں سعی کرے کہ حصولِ دنیا و دنیا کیلئے بارگاہِ امراء و سلاطین پر جھبہ سائی کرتا پھرے۔

تو اچھی طرح سمجھ لو کہ عفت فقر یہ ہے کہ وہ غنا سے فقر کی طرف آئے۔ نہ یہ کہ بحالت فقر غنا کی ریاست ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستی مبارک وہ ہستی ہے کہ أَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ ہیں۔ اُن سے آگے بڑھ کر کسی کو قدم اٹھانا نہ آہیں راورد وہ ایسے الفاظ میں عطا فرما چکے ہیں جو پہلے گزر چکیں اس لئے اختیاری فقر پر اضطراری فقر کو مقدم کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور تمام مشائخ متصوف اس مذہب پر ہیں۔ مگر ایک سو میر جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور اس کے بخت و دلائل نقل کر کے اس کا رد بھی کر دیا ہے۔ اور اس رد کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اور مؤید کرتے ہیں۔ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فرمان کو نہری نے روایت کیا ہے۔ یہ دلیل واضح ہے۔

کہ جب آپ نے خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ آپ ممبر پر جلوہ آرام ہوئے اور خطبہ پڑھا۔

marfat.com

Marfat.com

آپ کی طرف سے طریقت میں بعید رنڈ و لطائف مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ اُن سب کا احصاء
احاطہ اس کتاب میں نہیں ہو سکتا۔ تاہم بعض اُن میں سے نقل کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: **لَا تَقْرَأُ لَهُ
رَاحَةً مِّنْ خُلَاطَاعِ الشُّوْعَرِ** اگر شاعری موجبِ احتساب ہے تو بے ہنسی و مصائبِ جہنم کے
اندیشہ ہنسنے سے۔

عزالت و قسم کی ہے۔ ایک اعتراض از مخلوقات دوسرے انقطاع اس مخلوقات سے۔
خلقت سے منہ لوڑ نکالیں صورت ہے کہ کسی علیحدہ مقام میں جائیجے اور علانیہ طور پر صحبت اہلکے
جنس سے بیزار ہو جائے اور اس تخلیق میں جیسے کو اپنے چوب کی نگہانی کرے اور اپنے لئے محالطتِ غیلہ
سے اپنی غلامی پسندے کہ لوگوں کی اپنی طرف سے ہر قسم کی بدی سے مبرا نہ کرے۔
لیکن مخلوق سے انقطاع دل سے ہوتا ہے اور اس تعلقِ دل کی صفت اس شان کی ہوتی ہے کہ
ظاہر سے قطعاً تعلق نہیں ہوتا۔

اور جب انقطاع دل کے ساتھ مخلوق سے جو جانے تو اس کے دل پر اندیشہ مخلوق مستولی رہتا
ہے اس وقت اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ اگرچہ مخلوق میں ہو مگر مخلوق سے تنہا ہی ہوتا ہے اور
اس کی توجہ مخلوق سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔ اور یہ مقام نہایت بلند ہے اور ہر ایک کے لئے یہ
شان بہت بعید ہے۔ اس راہ میں صحیح اُترنے والے اہل اس صفت کے صحیح کوصوف حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ تھے۔ کہ اپنے تخلیق کی راحت کا پتہ دیا اور بظاہر لوگوں میں منصبِ امامت اور تخت
خلافت پر جلوہ فرمایا تھے۔

اور یہ دلیل واضح ہے کہ اہل باطن اگرچہ بظاہر مخلوق میں شامل ہوتے ہیں مگر اُن کا دل اپنے جیل
حقیقی کے ساتھ آویختہ ہوتا ہے بلکہ ہر حال میں حقِ مطلق شائد کی طرف رجوع رہتے ہیں۔
اور جس قدر مخلوقات سے اُن کی صحبت ہو اُسے من جانب اللہ ایک بلا تصور کرتے ہیں اور
مخلوق کی طرف اس مجبوری سے دھماں کر لیتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ محبوبانِ الہی دنیا سے قطعاً طوطا
پر صاف نہیں ہو سکتے اور یہ اگرچہ انہیں گوارا نہیں جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
دَاثَرَاتُكُمْ عَلَى الْبَلْوَىٰ لَا تَلْوَىٰ مَحَالٌ جس گھر کی بنیاد باد پر رکھی

گئی۔ محال ہے کہ وہ بلا سے خالی ہو۔

marfat.com

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجلہ صحابہ خاص و صواب و الحاکم علی الشریعہ وسلم سے ہیں۔ اور اس پایہ کے مقبول بدرگاہ لم یزل میں کہ آپ کے تمام افعال بارگاہ ایزدینا میں مقبول میں حتی کہ جب آپ شرف اسلام ہونے آئے تو پہلے جبریل بشارت لائے اور عرض کی یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَیْكَ قَدْ اُمْتُبْتُ بِشَرِّ اَهْلِ السَّمَاءِ اَلِیَوْمَ بِاِسْلَامِ مُحَمَّدٍ۔ حضور آج ملائکہ کو عمر کے اسلام کا شرف ملے گا۔ تو اس طائفہ صوفیاء میں خرقہ پوشی باقتدار و عرفان و قی رضی اللہ عنہ جاری ہے اور صوفیاء کرام کا غریب میں سخت اور متصلب ہونا بھی اُسی بستی مقدس کے پیروی میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ بعد اسلام سب باتوں میں امام خلق ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُنہیں اجلہ صحابہ میں سے اُبجید و فاضل بدرگاہ رضا گنج حیار اُجند اہل صفاء شعلہ درگاہ کبریا، متجلی بطریق مصطفیٰ علیہ التحیۃ و التسلیم ابو عمر و حضرت عثمان بن عفان باحیاضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آپ کا وجود باوجود فوائد وین میں اظہار شمس ہے اور مقاصد اسلامی میں آپ کی فیصلت روشن ہے اور آپ کے مناقب ہر شان میں عاں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ربیع اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حرب الدار کے روز ایسی جس دن بلوایوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حصر کیا تھا ہم امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے جب بلوای بارگاہ عثمانی میں جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھائے اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو میرا غلام ہتھیار اٹھانے سے رک جائے وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ ہم خوف بلوہ کی وجہ سے باہر آنے کو راستہ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہمیں ملے۔ اُن کی ہمراہی میں ہم پھر واپس حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر آئے تاکہ ہمیں اس امر کا علم ہو جائے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بعد اسلام سنت الاسلام بلوایوں کی شرارت پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے اجازت چاہی کہ ان بلوایوں کو ان کی کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور کہا کہ چونکہ آپ ہمارے سچے امام ہیں لہذا آپ کی بلا اجازت ہمیں تلوار اٹھانا روا نہیں۔ اس لئے ہم جانتے ہی کہ آپ کے اجازت حاصل کریں پھر ان بلوایوں کے فتنہ کو مٹائیں۔

امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا ابنِ اخی! ارجعْ و اجلس فی بیتک
حتی یأتی اللہ یا مہدی فلا حاجة لک فی اہراق الدماء ولے مجھے کسی
تشریف لے جاؤ اور گرمی آرام کرو حتیٰ کہ حکم الہی جو پودہ تقدیر میں ہے آجائے ہمیں مسلمانوں کا
خون بہانا ان پر قتل کا بازار گرم کرنا زیبا نہیں نہ ایسے کاموں سے ہمیں سروکار ہے۔

یہ علامت خاص تسلیم و رضا کی تھی کہ عین کربت و غربت اہل درد و بلا کی حالت میں ظاہر ہوئی
اور یہ وہ درجہ خلعت ہے جو نمود و علیہ اللعنة کی آگ دھکانے کے وقت ابراہیم علیہ السلام
کو عطا ہوا تھا کہ جب منجنيق کے پلے میں آپ کو ڈال کر آگ کی طرف پھینکا گیا تو جبریل امین
حاضر آئے اور عرض کی ہل نک من حاجة کیا اس وقت کوئی آپ کو حاجت ہے؟ آپ نے
فرمایا: اما لیک فلا۔ جبریل تہاری طرف میری کوئی حاجت نہیں جبریل نے عرض کی حضور
اگر میری طرف کوئی حاجت نہیں تو معنی حقیقی رب جل مجدہ کے حضور اپنی حاجت پیش فرمادیں فرمایا
حسبی ستوالی علم مجالی مجھ کو وہ جانتا ہے کہ اس وقت مجھ پر کیا ہو رہا ہے اھلہ مجھ سے
دانا ہے وہ عالم ہے کہ میرے لئے کس حال میں صلاحیت ہے اہل کیا چیز میرے حق میں مفید ہے۔
تو ثابت ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس مقام پر مقام خلف ابراہیم علیہ السلام پر تھے کہ منجنيق
اور جتنا راجح ہوا ثیاں بجائے آگ کے تھا احسن رضی اللہ عنہ بجائے جبریل حاضر تھے۔
لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام عین بلا میں جا کر نجات پائے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ
عنہ اس بلا میں بلاک ہو گئے۔ ان کی وجہ یہ ہے کہ نجات متعلق برہقا ہے اور لوگ متعلق بھناء۔
اس حقیقت کے متعلق ہم کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تو اتفاق مال و دیرہ جان اور تسلیم اہل و اخلاص میں شلخ طریقت حضرت امیر المؤمنین
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متبع ہیں۔ اور وہ یقیناً شریعت و حقیقت میں سچے امام تھے امدان کی
تعلیم و داد و محبت اسلامی میں اظہر من الشمس ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور انہی میں برادر مصطفیٰ غریبی بحر بلا حریق نابولاً مقتدا اولیا و اصغیا ابوالحسن علی بن
ابی طالب شیر خدا کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ان کی شان جادۂ طریقت میں بڑی بارغ و اعلیٰ ہے۔ اور
بیان حقیقت میں ان کی باریک بینی بہت بلند ہے آپ کا اصول حقانی میں خاص حصہ قبلہ

حتیٰ کہ خدیجہ بخلہ کی رحمت اللہ تعالیٰ کی شہادت میں فرماتے ہیں۔ شَیْنَتُنَا فِی الْأُمُورِ وَالْأَهْلَاءِ عَلَی الْمُرْتَضٰی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی اصول عشق و محبت اور راضی برضا مائنی کے ماحریراوی شیخ امام حضرت
علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ لکریہ ہیں۔ گویا صاف فرماتے ہیں کہ علم معاملات طریقت میں ہمارے امام
علی کرم اللہ وجہہ میں۔ اور اصول اصطلاح صوفیاء میں علی تصوف و طریقت کو کہتے ہیں اور طریقت
میں علی خاص جو ہے وہ بلاؤں کا برداشت کرتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر آکر عرض پیرا ہوا کہ
یا امیر المؤمنین مجھے ہدایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ لَا تَجْعَلَنَّ الْکِبْرَ شُغْلَکَ بِأَهْلِکَ یَا
وَلَدِکَ فَإِنَّ یَکُنْ لَأَهْلِکَ وَقْلَدُکَ مِنْ أَوْلِیَاءِ اللَّهِ تَعَالٰی فَإِنَّ اللَّهَ لَا یُضِیْعُ أَوْلِیَاءَهُ
فَإِنْ کَانُوا أَعْدَاءُ اللَّهِ فَمَا أَهْلُکَ وَشُغْلُکَ لِأَعْدَاءِ اللَّهِ سُبْحَانَہٗ۔ یاد رکھو کہ اپنی
مشغولیت کو بیری بچوں میں اہمیت کے ساتھ نہ رجوع کرنا اس لئے کہ اگر وہ اولیاء اللہ سے ہوتے
تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو خراب اہل ضائع نہیں فرماتا اور اگر دشمن خدا ہوتے تو دشمنانِ خدا
کے لئے غمخواری و ہمدردی کیوں ہوئے

یہ مسئلہ انقطاع اسوی اللہ سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جس طرح چاہے
رکھتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر کو سخت
تنگ حالت میں چھوڑ دیا وہ سپردِ خدا کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو اسماعیل علیہ السلام
کے ساتھ ہمارے جا کر لیسے شغل میں چھوڑا یہاں زراعت وغیرہ بھی نہ تھی۔ بنو ادغیانہ ذی ذریع
جس کی شان میں ارشاد باری ہے اور خدا کے سپرد کر دیا اور ان میں اپنے کو مشغول نہ کیا اور اپنا دل
اپنے رب حقیقی کی طرف رجوع کر لیا جی کہ ان دونوں کی مراد دو جہان میں پوری ہوئی تاکہ بظاہر
انہیں بحالتِ نامرادی میں چھوڑا گیا تھا۔ مگر وہ اپنے سب کام اپنے رب عزوجل کے سپرد کئے
ہوئے تھے

اسی قسم کی بات وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک پوچھنے والے کو فرمائی جبکہ آپ سے
اگلے سوال کیا کہ پاکیزہ ترین عمل کیا ہے فرمایا۔ غِنَاءُ الْقَلْبِ بِاللَّهِ۔ اللہ تعالیٰ کے تقرب
کے ساتھ دل کا برتنے سے مستغنی ہو جانا حتیٰ کہ دنیا کے نہ ہونے سے فقیر نہ ہو اور مال کی کثرت کی وجہ

میں مسرور نہ ہو۔ اس قول کی حقیقت اسی قدر معنویت کی طرف جاتی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔
 تو اہل طریقت حضرت شہیر خدا کرم اللہ وجہہ کی پیروی حقائق عبادات و دقائق اشارات میں
 کرتے ہیں۔ اور تجرید علوم دینا و آخرت سے حاصل کرنے اور نظارۂ تقدیر حق میں رہنا بھی انہیں کی
 اطاعت کے ماتحت ہے۔ اور لطائف کلام میں آپ کے مفہام میں اس قدر ہیں کہ ان کی گفتی نہیں ہو
 سکتی۔ اور اس کتاب میں میرا روتیہ اختصار پر ہے۔ واللہ اعلم۔

فِي بَحْرِ لُجِّي وَمُصَابِيحِ الدُّجَى وَأَعْلَامِ الْهَدَى وَالْأَنَمَةِ الْقَادَةِ الَّذِينَ مِنْ
تَبِعَهُمْ نَجَا كَسْفِيْنَةُ نُوحٍ الْمُسْحُوْنَةُ الَّتِي يُسَوَّلُ إِلَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ وَيُنْجُوا فِيهَا
الْمُسْتَسْكُونَ فِي قَوْلِكَ يَا أَيُّهَا رَسُولُ اللَّهِ عِنْدَ خَيْرِ تَبَا فِي الْقَدَرِ وَاجْتِلَانِي
الْإِسْطَاعَةَ لِتَحْلُمْنَا بِمَا نَا كَلَّا زَايِكُ فَا نَكْمُ ذَرِيَّةُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ بِعَلَمِ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَهُوَ الشَّاهِدُ عَلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ قُلْ السَّلَامُ.

یعنی سلام ہوا آپ پر اے فرزند سرورِ عالم اور فخرِ چشمِ رسول اور خدا کی رحمت اور اُس کی برکاتیں
آپ پر ہمیشہ رہیں۔ آپ لوگ بنی ہاشم پر اے لئے مثل کسی کشتی کے ہیں جو موحین دریاِ تسلیم میں
چل رہی ہو اور آپ وہ ستارے ہیں کہ جو اُن کی پیروی اور راہ نمائی کے مطابق چلا اس کو اُن تک
ل گئی اور جو آپ لوگوں کی پیروی کرے گا نجات پائیگا جس طرح کشتی نوح علیہ السلام کے پیرو نجات
پا گئے۔ اور مومن ہو گئے۔ فرمائیے آپ کا کیا ارشاد ہے اے ابی رسول اللہ ہمارے اس تحریر میں جو قدیوں
کی وجہ سے پیدا ہوا اور وہ اختلاف جو اپنی اپنی معلومات کے ماتحت پیدا ہو گیا ہے۔

تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ اس وقت آپ کا کیا مسلک ہے۔ اس لئے کہ آپ باہلی بیت نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم سے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا علم تعلیم الہی سے منقطع نہیں ہو سکتا بلکہ وہ وقت
پاک آپ کی نگہداشت و محافظت میں ہے اور آپ مخلوقات کے حافظ ہیں اور اُن کے گواہ و گواہ
جب یہ نامہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ملا۔ آپ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو یہ
جواب ارقام فرمایا۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَتَشَدَّى بِكِتَابِكَ عِندَ خَيْرِ تَبَا وَخَيْرِ تَبَا مَنْ كَرِهَتْ مِنْ أُمَّتِنَا
وَالَّذِي عَلَيْهِ رَأَى إِنْ مَنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فَقَدْ كَفَرُوا
وَمَنْ حَمَلَ الْمَعَاصِيَ عَلَى اللَّهِ فَقَدْ جَمَعَ إِنْ اللَّهُ لَا يُطَاعُ بِكَوْرٍ وَلَا يُعَصَى بِخَلْبَةٍ وَ
لَا كُنْ يُهْمَلُ الْعِبَادَةُ فِي مِلْكِهِ أَمَّا الْبَلَاءُ مَا مَلَكَهُمْ وَالْعَادِرُ عَلَى مَا عَلَيْهِ مَا قَدْ دُهِمَ قَاتَ
إِيْمَرُوا بِالطَّاعَةِ لَمْ يَكُنْ صَادِقًا وَلَا مُرْتَابًا مُشْبَعًا وَإِنْ تَوْبًا بِالْمَعْصِيَةِ وَشَاعَ
أَنْ يَمُنَّ عَلَيْهِمْ فَمَحُولٌ بَيْنَهُمْ وَيَتَنَاقِلُ وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ هُوَ حَمَلُهُمْ
عَلَيْنَا إِنْ جَارَ وَلَا آتُوْا هَا أَتَيْهَا بِاجْتِيَاحٍ عَلَيْهِمْ إِنْ عَرَفْتُمْ وَمَلَكَتْهُمْ

سُست سے اپنی حالت متغیر نہیں کرتے۔

امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ۔ انہیں میں سے شمع آل محمد از علق غلاق

یچر و سیدنا نہ خود ابو عبد اللہ حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو محققان اولیاء کرام سے ہیں اور قبلہ اہل صفاء قیصل دشت کربلا میں اور شہزادہ ملکوں قبا میں۔

اس قصہ میں محققین صحیح حالات کے ماتحت متفق ہیں کہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے اس وقت تکسان پر تلوار نہیں اٹھائی جب تک وہ کچھ بھی مال ہی تھے اور اتباع کی طرف بھگے رہے جبکہ احقاق حق اُن سے مفقود و معدوم ہو گیا اُن پر شمشیر چنی جی کہ جان عزیز کو فدائے بلگاہ اپنی کر دیا۔ اور جب تک جان فدائے فرادی آپ نے آرام نہ فرمایا آپ میں سرکار ابد قرار علیہ وسلم کے اطلاق کریم کے بہت سے ایسے نشان تھے کہ آپ کی ذات مقدس ہی اُن نشانوں میں تھیں تھی۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں دربار رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور نے سیدنا امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو اپنی پشت پر ہموار کر رکھا تھا۔ اور ایک ڈوری اپنے دہن مبارک میں سے نکال کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں دے رکھی تھی اور امام حسین ہاتھ رکھ کر اپنے گھٹنوں سے تشریف لے جا رہے تھے۔ تو جب میں نے یہ شان دیکھی تو عرض کیا۔ نَعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ اَللّٰهُمَّ ابُو عَبْدِ اللَّهِ اپنے سوار کی تو بہت عجیب پائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَنَعْمَ التَّرَاكِبُ يَا عُمَرُ عمر سوار بھی تو ایسے پھر ہیں۔

اس گفتگو میں بہت لطیف باتیں اور اہل طریقت کے لئے بہت رموز ہیں۔ اور عجیب و غریب معاملات ظاہر ہیں انہیں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَشْفَقُ الْاَخْوَانَ عَلَيَّكَ دِينُكَ شَفِيقُ تَرِيں تیرا بھائی تیرا دین ہے اس لئے کہ نبی انسان کی متابعت دین میں ہے اور اس کی ہلاکت مخالفت دین میں۔ تو اسان کو چاہئے کہ اپنے مشفق کے حکم کے ماتحت چلے اور اس کی شفقت کا سایہ اپنا ورہ کجے اور اس کی پیروی بغیر کسی طرف نہ جائے۔

marfat.com

Marfat.com

اور بھائی وہی ہے کہ نصیحت کرتا رہے اور شفقت و محبت میں اس کا پابند و تابع ایک
حکایت میں ہے کہ ایک سزا دیکھنے شخص حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے
ابن رسول اللہ میں غریب و مفلس عبداللہ ہوں۔ مجھے آپ کی طرف سے آج شہ کے کھانے کا انتظام
ہونا چاہیے آپ نے فرمایا ہمیشہ ہمارا وظیفہ راستہ میں ہے۔ اچلے تو تجھے دیں۔
تھوڑی دیر نہیں گزری کہ رانج تھیلیاں دینا رکی لائی گئیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ
عنه کی طرف سے آئی تھیں۔ پھرتلی میں ایک ہڑو دینا تھے۔ لانے والے نے کہا حضور معاویہ
مسافری چاہتے ہیں۔ اور ان کی خواہش ہے کہ یہ رقم غریب میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے وہ تھیلیاں
اسی سانک کو دیدیں۔ اور معذرت فرمائی کہ تجھے انتظار میں بہت دیر ٹھہرنا پڑا۔ اگر اتنی سی
رقم کا مجھے گمان ہوتا تو مجھے اس قدر رحمت کی شش انتظار دینا نہ ہمیں صاف کراس لئے کہ پہلے بلا
سے ہیں۔ اور ہم نے جملہ عیش دنیاوی سے انقطاع کر لیا ہے اور اپنی تمام تنہا اور آرزو میں مشاویں
ہیں۔ اور دوسروں کی تنہا پوری کرنے میں عموماً وقف کر دی ہے۔

ملا وہ اس کے آپ کے بہت سے ایسے فضائل ہیں جو اُمت کے کسی فرد سے پوشیدہ نہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت امام آئین العابدین رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے وارثِ نبوت چراغ امت ہیں
مظلوم امام محروم زمین عباد شمع اوتاد الوالحسن
علی بن احمسین ابن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں جو اکرم و اعبد اپنے زمانہ کے لوگوں میں گذرے۔
آپ بیان حقائق اور انکشاف دقائق میں لوگوں کے اندر مشہور تھے۔ آپ سے لوگوں نے
پوچھا حضور دنیا و آخرت میں نیک بخت کون شخص ہو سکتا ہے فرمایا مَنْ اِذَا رَضِيَ لَمْ
يَحْمِلْهُ رِضَاةً عَلَى الْبَاطِلِ وَ اِذَا اَسْخَطَ لَمْ يَخْرِجْهُ سَخَطُهُ مِنَ الْحَقِّ۔ وہ شخص
دارین میں نیک بخت ہو سکتا ہے جو جب خوش ہو تو باطل پر نہ ہو اور جب غضبناک ہو تو اس
کا غصہ اسے حق سے باہر نہ کر دے۔

اور یہ صفت اُسی میں ہو سکتی ہے جو اپنے اوصاف کمال میں استقامت حاصل کر چکا ہو
اس نے کہ رضا باطل باطل ہے اور غضب ناک میں حق و صداقت کا تقے چلا جانا اور حشمگینی کی حالت
میں انصاف کا خون کر دینا بھی باطل ہے اور یوں کامل باطل کو اختیار کرنے والا کسی مانت

میں نہیں بن سکتا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تحت جگر حضرت امام حسین شہید علیہ السلام رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کیا۔ تو تمام کے شہید ہو جانے کے بعد سولے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے مزارات عصمت کی نگرانی کو کوئی نہ تھا اور آپ اس وقت بید تھے حضرت شہزادہ گلگوں قبا امام حسین شہید اللہ عنہ رضی اللہ عنہ آپ کو علی صغر کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

جب مریم عفت پناہ کے قافلہ کو اڈوٹھل پر سر پریشہ ہے پر وہ دمشق کا مالک اور یزید بن معاویہ علیہ السلام مایستحق اخرا باؤن ایشیہ کے گرد و پیش کیا گیا تو کسی نے حضرت زین العابدین سے عرض کی۔ کینف اشیعہم یا علی ویا اهل بیت التوحۃ۔ اے علی اللہ اہل بیت رحمت آپ لوگوں نے آج کیسی صبح فرمائی۔ آپ نے فرمایا۔ اصبحتنا من قومنا یسألون قوم موسیٰ من ال فرعون ینذبحون یسألونہم ویتسألون فیسألونہم فلا ندری صبا حنا بین مسائنا وهذا من حقیقۃ بلائنا ہماری صبح ہماری قوم کے ظلم و جبر سے ایسی ہوئی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی صبح ظلم فرعون سے ہوئی کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کے بچوں کو ذبح کرتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اس وقت اپنی صبح کو شام کے مابین نہیں جانتے۔ ہماری امتحان و ابتلا کی حقیقت ہے اللہ ہم پر ضرب و لہجہ کا شکر ہر حال میں بھی ادا کر رہے ہیں۔ اس کے امتحان پر صبر کر رہے ہیں۔

ایک حکایت میں ہے کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان ایک سال حج کے لئے گیا اور طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر اسلام حجرا سود کو چلا۔ مگر انہو خلق کی وجہ میں اسے راستہ نہ ملا خدام ادب نے اس کے لئے کرسی لگا دی۔ وہ بیٹھا اور خطبہ کرنے لگا۔ اسی وقت میں حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے رونے انہو سے چاند کی طرح روشنی پھیل رہی تھی اور خسارۃ مبارک سے نور تاباں تھا اور لباس معطر کے عطر بیزی سے راستہ جھک گیا اقول اے طواف بیت فرمایا پھر جبکہ آپ حجرا سود کے پاس پہنچے تو لوگوں نے آپ کو تشریف

لاتے دیکھ کر علی الفور تعظیما راستہ صاف کر دیا اور آپ پر آسانی حجرا سود کے بوسہ کو تشریف لے گئے۔ ہشام آپ کی یہ ہیبت اور سطوت دیکھ رہا تھا۔ ایک شامی نے ہشام سے پوچھا اے

امیر المؤمنین یہ عزت اور عظمت والا کون ہے کہ تجھے حجر تک لوگوں نے راستہ دیا حالانکہ
امیر المؤمنین تو ہے اور یہ جو ان رعنا حسین و جیل کون ہے کہ وہ جنب آیا تمام لوگ بھر ہووے
ایک طرف ہٹ گئے۔ اور صرف اُس کے لئے حجر اسود خالی کر دیا۔

ہشام اگرچہ جانتا تھا۔ مگر محض اس خیال سے کہ شاہی لوگ انہیں پہچان کر ان کے ساتھ
عقیدہ نہ کر لیں اور اس کی امارت و ریاست میں کہیں فرق آجائے۔ کہنے لگا میں نہیں جانتا
کہ یہ کون ہے۔ اتفاقاً فرزدق شاعر وہاں کھڑا تھا۔ کہنے لگا ہشام تو نہ جانتا تھا میں نہیں
خوب جانتا ہوں۔ شامیہ نے کہا۔ ابو العزس بتا یہ کون ہیں۔ تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ اس شان
شکوہ والا جوان آخر کون ہے۔ فرزدق نے کہا لو سنو میں ان کے صفات جمیلہ تمہیں سناتا
ہوں پھر چہرہ فرزدق نے یہ احساہ آپ کی مدح میں سنائے۔

قصیدہ فرزدق ابوالفراس

جو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی مدح میں ہشام کے آگے سنایا تھا۔
۱۔ هَذَا الَّذِي يُعْرِفُ الْبَطْلَاءَ وَطَائِفَةَ
یہ وہی ہے جس کے قصائد کاوت سو میں بلی جاتی ہے
۲۔ هَذَا بَنُ خَيْرٍ جَبَّادِ اللَّهِ كَاتِبُهُ
یہ نعت جگر ہے اس کی پاک اور اللہ کے بندوں میں بھگت
۳۔ هَذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلُهُ
ابھی طرح پہچان لے یہ نظر سیمہ نہ ہوا فاطمہ کا ہے
۴۔ هَذَا الَّذِي يُعْرِفُ الْبَطْلَاءَ وَطَائِفَةَ
یہ وہی ہے جس کے قصائد کاوت سو میں بلی جاتی ہے
۵۔ هَذَا بَنُ خَيْرٍ جَبَّادِ اللَّهِ كَاتِبُهُ
یہ نعت جگر ہے اس کی پاک اور اللہ کے بندوں میں بھگت
۶۔ هَذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلُهُ
ابھی طرح پہچان لے یہ نظر سیمہ نہ ہوا فاطمہ کا ہے
۷۔ هَذَا الَّذِي يُعْرِفُ الْبَطْلَاءَ وَطَائِفَةَ
یہ وہی ہے جس کے قصائد کاوت سو میں بلی جاتی ہے
۸۔ هَذَا بَنُ خَيْرٍ جَبَّادِ اللَّهِ كَاتِبُهُ
یہ نعت جگر ہے اس کی پاک اور اللہ کے بندوں میں بھگت
۹۔ هَذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلُهُ
ابھی طرح پہچان لے یہ نظر سیمہ نہ ہوا فاطمہ کا ہے
۱۰۔ هَذَا الَّذِي يُعْرِفُ الْبَطْلَاءَ وَطَائِفَةَ
یہ وہی ہے جس کے قصائد کاوت سو میں بلی جاتی ہے

تمام نبیوں کی تشریفہ وہی ختم ہے۔
۱۱۔ عَنْ نَيْلِهَا عَزَبَ الْإِسْلَامُ وَالْجَهَنَّمُ
انہوں نے وہ بلند مقام حاصل فرمایا جس کے سوا ہی عزت حاصل کرنے سے قاصر ہیں عرب و عجم کے تمام مسلمان

۱۲۔ إِذَا رَأَيْتَهُ قَرَيْشٌ قَدْ قَاتِلُهَا
جب قبائل قریش میں کہ دست نشان کیتے ہیں تو پرکھنے والا کہہ دیتا ہے۔ انکے منصب جلیل کہ تھا۔ عزت و سلوک کا منت ہے
۱۳۔ إِلَى مَكَارِمِ هَذَا يُفْتَتِيهِ الْكَرَمُ
یہ لوگوں کے اعلیٰ کمالات کے لئے اس کا کرم ہے۔

مَنْ جَدَّكَ وَأَنْ فَضْلُ الْأَيْمَانِ لَهُ

یہ وہ ہیں جن کے جہاد محمد کے منصب کے تمام انجیا۔

نیچے ہیں۔

يَنْشَقُّ نُورُ الدُّجَى عَنْ نُورِ طَلْعَتِهِ

انکی دہ منیر کے ظہور سے ہر ایت کے انوار پھیل گئے

يَكَادُ يُنْسِكُهُ عِزُّ قَانِ رَا حَتَبِهِ

شاید ان کے دستِ اقدس کی پھیل کی خوشبو کو سپین

جھک رہا ہے۔

يُغْضِي حَيَاءٌ وَيُغْضِي مِنْ مِمَّا بَدَا

حیا ایمان کی وجہ میں ان کی آنکھیں بند میں ہونے لگیں

کی آنکھیں انکی مہابت شان سے بند ہیں۔

فِي كَفِّهِ خُورَانٌ وَكَيِّعُهَا عَبَقُ

اُن کے دستِ اقدس میں خندان کی چھڑک ہے اور اُس کے ہاتھ میں جویش اور پانی کی بکھڑک

مُشَقَّةٌ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ يَنْجِسُهُ

یہ اللہ کے رسول کی ذات سے مشتق ہے اور اسکی تھوڑی

جہان کر رہا ہے۔

كَذَيْسُ قَوْلِكَ مِنْ هَذَا الْبُصَايِرِ

تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے ان کو نقصان نہیں دے سکتا۔

كَلَّتَا يَدَايَهُ عِيَاثَ عَمِّ نَفْعُهُمَا

انکے دونوں ہاتھ ایسے برستے ہوئے باطن میں جن سے نفع ہے۔ ہر ایک کے ساتھ وہ ہاتھ امانت کرتے ہیں اور ان پر اس

عَمَّ الْبَرِّيَّةَ بِالْإِحْسَانِ فَانْقَشَتْ

عمن ظلم میں اپنے احسان کے ساتھ ہر ایک کی شان جو ان کی وجہ سے برائی ہو گئی، ان کے ہاتھوں نے ظلم کو مٹا دیا۔

عَنْهُ الْغِيَابَةُ بِالْإِمْلَاقِ وَالظُّلْمُ

ماریات مارفات

Marfat.com

وَفَضْلُ أُمَّتِهِ وَأَنْتَ لَهُ الْأُمَمُ

امت وہ ہے کہ اسکی امتوں کی فضیلت سے تمام امتوں

کی فضیلت کم ہو گئی۔

كَالْشَّمْسِ يَنْجَابُ عَنْ إِشْرَاقِهَا الظُّلْمُ

جیسے سورج کی روشنی سے ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔

وَكُنَّ الْحُطَمُ إِذَا مَا جَاءَ يُسْتَبِيمُ

وہ بکن حطیم نے جبکہ وہ مجروح ہونے لگے تو اُن نے آپ کے

دست بوس کی ہے۔

فَمَا يَكْلُمُ إِلَّا جِبْنٌ يَتَّبِعُهُ

یہ کہتا ہے کہ کلام یہ نہیں کرتا مگر جبکہ اس نے

ہیں تو تبسمہ زبیر بھیجیں۔

فَاكْفَانُ دَعَى فِي عَمَائِيْنِهِ شَمَمُ

اُن کے دستِ اقدس میں خندان کی چھڑک ہے اور اُس کے ہاتھ میں جویش اور پانی کی بکھڑک

طَابَتْ خَنَاصِرُهُ وَالْحَيِّمُ وَالْيَمِّمُ

اس کا عنصری و جہری پاک ہے اور اس کی خصلتیں

اللہ علایم میں بھی پاک ہیں۔

أَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ نَاكَرَتْ وَالْجَهْمُ

اسنے کہ انہیں عرب جانتا ہے اور جس سے تو بخوبی عارف

کیا اسے مجھ پہچانتا ہے۔

يُسْتَوِيَانِ وَلَا يَعْزُ وَاهَا الْعَدَمُ

ہر ایک کے ساتھ وہ ہاتھ امانت کرتے ہیں اور ان پر اس

عَنْهُ الْغِيَابَةُ بِالْإِمْلَاقِ وَالظُّلْمُ

ماریات مارفات

Marfat.com

لَا يَسْتَبِيحُ جَوَادُ بَعْدَ عَائِيَتِهِمْ
دنیا کا کوئی بھی ایسا ختمہ نہ تھا کہ پہنچنے کی طاقت
نہیں رکھتا۔

وَلَا يُؤَارِكُكُمْ قَوْمٌ وَإِنْ كَرُمُ
وہ اپنی قوم میں معزز ہو۔

وَالْأَسَدُ أَشَدُّ الشَّرِّ أَلْيَاسُ مُحَمَّدٌ
تھوڑے سالی میں رسول اللہ کا بارش میں جبکہ قتل و سختی پر چاہو

بِزَيْفَتِهِ إِشْرَانُ حُسْنِ الْخَلْقِ وَالْبَشِيمِ
نہایت نرم دل ہیں حتیٰ کہ ان کے غصے سے بھی نوزد نہیں ہوتا۔ بہت سے خلق و حسن خصلت سے ترین ہیں

كُفْرًا وَقُرْبِهِمْ مِنْجَارٌ وَمُضْطَمٌ
یہ اس گلزار سے ہیں جس کی بہت عین دین ہے اور ان سے بعض کفر اور ان کا قرب مقام نبی اور قلوب محافظت

إِنْ عُدَّ أَهْلُ الشَّيْءِ كَانُوا إِلَهُهُمْ
اگر اندازہ لگائے متقی گئے جائیں تو سب ان کے متبع ہوں گے۔

أَوْ قَبِيلٌ مِنْ خَيْرِ أَهْلِ الْأَرْضِ قَبِيلُهُمْ
مگر پچھلے کر رہنے زمین میں سب سے افضل کون ہو تو کہا جائیگا یہی

سَيَكُنْ ذَلِكَ إِنْ أَشَاءَ وَأَوْ إِنْ عَدَّ مَوَا
ہو یا نہیں کے لئے خواہ دولت ہو یا نہ ہو۔

جَرَى بِذَلِكَ فِي التَّوْحِيدِ وَالْقَلَمِ
اور ان کے ہر اندک کلام کا حکم لوح و قلم میں جاری ہوگا

فِي كُلِّ يَوْمٍ وَتَحْتَوْمُ بِهِ الْكَلَامُ
ہر دن اور اس کے علاوہ ہر کلام پر ہر لفظ گنتی ہے

وَالَّذِينَ مِنْ بَيْتِهِ هَذَا أَنَا لَهُ الْأَمْرُ
اور حقیقت یہ ہے کہ دین ان کے حکم سے امت نے حاصل کیا۔

لَا دَرِيَّةَ هَذَا أَوْلَاهُ نَعَمُ
عرب کا کوئی قبیلہ نہیں ہے جس کی گردن میں دھواں کی جڑ کی کا تلوہ وہاں کیلئے ان کے گھر سے نعمتیں دہنچی ہوں

أَيُّ الْقَبَائِلِ لَيْسَتْ فِي رِقَابِهِمْ
اور اس کے مثل اور چند بیت فرزدق نے کہیں۔ اور اہل بیت اطہار کی تعریف اتنی زیادہ کی کہ

عرب کا کوئی قبیلہ نہیں ہے جس کی گردن میں دھواں کی جڑ کی کا تلوہ وہاں کیلئے ان کے گھر سے نعمتیں دہنچی ہوں

بِشَامِ غَضَبِ نَكِّ هُوَ كَمَا دِيَا كَرِجَ غَسْفَانِ كَرِجَ مَدِينَةِ كَسَاسِ

بشام غضب ناک ہو گیا اور حکم دیدیا کہ اے غسغان میں قید کیا جائے غسغان کہ وہ مدینہ کے پاس ایک

بشام غضب ناک ہو گیا اور حکم دیدیا کہ اے غسغان میں قید کیا جائے غسغان کہ وہ مدینہ کے پاس ایک

بشام غضب ناک ہو گیا اور حکم دیدیا کہ اے غسغان میں قید کیا جائے غسغان کہ وہ مدینہ کے پاس ایک

مقام ہے وہاں ایک کنواں ہے اس میں قیدی بند کئے جاتے تھے،

اس واقعہ کی خبر لگنے نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بطور عطیہ بھیجے۔ اور فرمایا اُسے کہتا ابو فراس ہمیں معاف کرے کہ ہم لوگ کسی وقت امتحان وابتلا میں ہیں۔ اس وجہ سے زائد اس وقت بنائے پاس کچھ نہ تھا جو کچھ نا تو حطا فرماتے فرزدق نے وہ درہم تقری واپس کئے اور کہلوا یا کہ حضور قسم بخوار درہم کے لالچ میں بدشاہ و امراء کے دربار میں بہت کچھ کچکا ہوں۔ مگر وہ محض خود غ بیخود غ ہی تھا لیکن یہ قصیدہ جو میں نے کہا ہے یہ محض اپنے گناہوں کے کفارہ کیلئے اور اللہ و رسول کی محبت کے لئے لکھا ہے۔

جب یہ پیغام حضور زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ملا۔ آپ نے حکم دیا کہ درہم واپس لے جاؤ اور اُسے کہو کہ ابو فراس اگر میں دوست رکھتا ہے تو ایسا نہ کر اس نے کہ ہم جو چیز کسی کو عطا فرمادیں وہ واپس نہیں لیا کرتے۔ تو بتھمیل حکم فرزدق نے وہ عطیہ قبول کیا۔

اور درحقیقت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں جو فرزدق نے کہے اُن کا جمع کرنا امکان میں نہیں۔

حضرت امام ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ

نسل علی حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الباقی رضی اللہ عنہم

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی بھی کنیت ابو عبد اللہ تھی اور آپ کا لقب باقر تھا آپ

بیان علوم دقیقہ اور لطائف شہادت میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصیت سے مشہور ہیں۔ آپ

کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ اور آپ کے بہت سے نشانات اور دلائل انور معروف ہیں۔

آپ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اس نیت سے

بلوایا کہ جب یہاں آجائیں تو انہیں شہید کر دیا جائے۔ آپ بلا خوف و خطر اس کے پاس تشریف

لے گئے جب آپ اُس کے قریب پہنچے تو اُس نے محضت کی اور کچھ ہدیہ پیش کیا اور بڑے صلہ سے

احترام سے واپس کیا۔

حاضرین دربار نے خلاف توقع عمل دیکھ کر کہا کہ یہاں پناہ نے تو امام کو شہید کرے لیکن

marfat.com

Marfat.com

ہو یا تھا بلکہ جب وہ تشریف لے جانے کا انداز دیکھا تو اس کی کیا وجہ ہے۔
بادشاہ کہنے لگا کہ جب وہ میرے قریب سے گزرتے تو میں نے دیکھا کہ وہ شیران کے دائیں بائیں کھڑے ہیں
اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تو ہم تجھے ہلاک کر دیں گے۔

حضرت امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ اپنے آئینہ کریمہ فہم ینکفر
بالکافوت ویؤمن باللہ کی تفسیر میں فرمایا: کُلُّ مَنْ شَغَلَكَ عَنْ مَطَالَعَةِ الْحَقِّ فَهُوَ
مُطَاوَلٌ لِّبَرٍّ حَیْزٍ جَوْجِہِ مَطَالَعَتِیْ سَہْ لَہِ بَازِرٌ کَہِ وَہِ ہِیَ تِیْرَابَتٌ ہِیَ ؟ تو خیال رکھ کر کیا چیز
تجھے حق سے محجوب رکھتی ہے۔ اور کس چیز کی وجہ سے تجھے حق سے بعد ہوا۔ اُسی کو ترک کر دے
تاکہ تو حیرت کشف میں پہنچے اور بارگاہِ تقرب کے ممنوع و محجوب نہ رہے اور جو ممنوع ہے اُسے یہ
زیبا نہیں کہ وہ دعویٰ تقرب کرے۔

آپ کی خصوصیات میں ایک روایت ہے کہ آپ کچھ رات گزرجانے کے بعد اپنے معمولات
سے فارغ ہو جاتے تو یہ آواز بلند ان الفاظ میں دیا فرماتے۔

”اے میرے اللہ میرے مالک رات آگئی ہے اور بادشاہوں کی حکومت فہم کو پہنچ گئی مثلاً
آسمان پر ظاہر ہو گئے اور سب لوگ ایسے سو گئے ہیں کہ گویا ناپید ہو گئے۔ آدمیوں کی آوازیں بند
ہیں اور ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں انتقام بنی امیسا رام میں ہیں ان کے دروازوں پر پاسبان
بیٹھے ہوئے ہیں اور بنی امیسا کے دربار بند ہے میں اور ان کی ڈیوڑھیوں پر دربان لگے ہوئے
ہیں جن لوگوں کی خواہشات ان سے وابستہ تھیں وہ اُس وقت چھوڑ چکے ہیں۔“
”اے میرے اللہ تو زندہ و پائندہ بینندہ و دانندہ ہے۔“

اُن کو اور زندہ سے تو مبرا ہے جو تجھے اُنکے سونے والا جانے وہ تیری نعمتوں سے محروم ہے
الہی تو وہ ہے کہ کوئی تجھے تیرے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتا اور رات دن میں کسی ساعت تیری
صفت بقا میں خلل نہیں آ سکتا تیرا در رحمت کشادہ ہے۔ اُس پر جو تجھے پکارے اور تیرے خزانہ بخشش
اُس پر فدا ہیں جو تیری ثنائیں طلب اللسان ہو تو وہ مالک الملک ہے کہ سائل کا رد کرنا تجھے روا
نہیں جو مومن تیری درگاہ میں سوال کرے تو سائل کو تو رد کرنے والا نہیں خواہ وہ مخلوق ارضی
ہو یا سماوی۔

الٹی جب میں موت اور قبر کا خیال کرتا ہوں، اور حساب کا تصور آتا ہے تو سوچتا ہوں۔
کہ تیری حضورؐ کے مقابل دنیا کی کس چیز سے سکون پکڑا جائے جب ملک الموت کا خیال آتا ہے
تو سوچتا ہوں کہ کس طرح دنیا سے تعلق رکھوں۔ تو میں تجھ سے عرض پیرا ہوں۔ اس لئے کہ
ترہا من ہوں۔ اور تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ جب تجھے پکارتا ہوں دل میں سکون
محسوس کرتا ہوں۔ الٹی مجھ پر کیفیت مرگ بے عذاب نازل کر اور زندگی اخروی میں حساب بے
عذاب لے کر مجھے عزت دے۔ یہ سب کچھ فرما کر اس قدر گریہ فرماتے کہ صبح ہو جاتی۔

ایک شب میں نے عرض کی کہ اے میرے سردار میرے دل باپ کے سردار کب تک آپ
روتے رہیں اور کب تک یہ خروش رہیگا۔ آپ نے فرمایا بھائی یعقوب علیہ السلام کا صرف ایک
یوسف گم ہو گیا تھا تو تھے روئے کہ چشم مہرک پیدا ہو گئیں۔

اور میں نے اپنے اٹھارہ آدمی معراپہیں ایم حسین سید الشہداء اور شہداء بکر بلا کو اپنے سے
گم کئے ہیں۔ تو اس وقت تک میں گم ہی رہوں گا۔ جب تک ان کی جدائی میں رو کر آنکھیں پیدا
نہ کر لیں۔

یہ مناجات عربی میں نہایت فصیح ہے۔ مگر خوف طوالت اس کے معنی ہی غامض ہیں نقل کئے گئے
تاکہ مکرر نہ ہو جائے۔ انشاء اللہ کسی دوسری جگہ اس کو بھی نقل کریں گے۔

حضرت امام محمد جعفر رضا رحمۃ اللہ علیہ
انہیں میں سے سیف ثقت جمال طریقت
معبر الی معرفت مزین الی صفوت

ابو محمد جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔

آپ نہایت بلند خیال اور پسندیدہ سیرتوں سے مزین تھے اور سریر امامت کی روتی مہنی
میں آپ موزون تھے۔ آپ کے اشارات جمیعہ تمام علوم میں مشہور ہیں اور معانی و تفسیر میں آپ
کی تقریریں نظم و نثر میں کلام میں آپ کو لطائف کلام اور حقائق طریقت میں خاص و جمیع حاصل ہے
بیان طریقت میں آپ کی تصنیفات مشہور ہیں۔

آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مَنْ عَرَفَ اللَّهَ عَرَضَ عَنْ سِوَاكَ جِسْمِ اللَّهِ
کو جان لیا وہ ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو گیا۔ یعنی عالم الہی وہی ہے جو معرض از غیور منقطع از

حل و سہل ہو جائے۔ اس لئے کہ اللہ کی معرفت یہی ہے کہ غیر خدا کے ساتھ اجنبی ہو جائے۔
یہی وجہ ہے کہ عرفا مخلوقات اللہ اس کی فکر سے اپنے کو جدا رکھتے اور اپنے رب کے لئے جوتے ہیں۔ ان کے دل میں غیر کی ایسی قدر و منزلت نہیں کہ اس کی طرف توجہ ہو۔ اور نہ وجود غیر سے انہیں کچھ خطر ہو تاکہ اس لئے کہ وہ ذکر غیر کے لئے اپنے دل میں جگہ نہیں رکھتے۔
ایک روایت میں حضرت امام جعفر سے یوں بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔
لَا تَعْبُدُوا الْعِبَادَ إِلَّا بِالشُّبُوحِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدَّمَ الشُّبُوحَ عَلَى الْعِبَادَةِ قَالَ
اللَّهُ تَعَالَى الشَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ عِبَادَتِ بغير توجہ کے صحیح نہیں حتیٰ کہ خود حضرت عزت
مجید و عز اسمائے عبادت پر توجہ کو مقدم کیا۔ اس لئے کہ توجہ عبادت کی ابتدا ہے اور عبودیت
اس کی انتہاء۔

چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کا ذکر کیا تو انہیں بھی توجہ کا حکم فرمایا جیسا کہ ارشاد
ہے۔ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اللہ کی طرف اسے
مسئلہ توبہ کو تاکہ تم فلاح یافتہ ہو جاؤ اور یہی سید اکرم تاجدار عرب و عجم کو یاد فرمایا وہاں
بھی فَأَوْسَىٰ لِي غَنِيًّا مَا أَذْنَىٰ كِبَارٍ تَوَكَّرْتُ مَقَامَ عِبَادَتِهِ مُنْتَبِهًا۔ کمال کا نام ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا ابن رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت سنائیے۔ اس لئے کہ میرا دل سیاہ
ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابوسلیمان! حضرت داؤد طائی کے صاحبزادے کا نام سلیمان
تھا، آپ اس زمانہ کے بڑے زاہدوں میں سے ہیں۔ آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے
عرض کی اے فرزند رسول! آپ کو اللہ نے سب پر فضیلت بخشی ہے۔ آپ پر نصیحت کرنا واجب
ہے۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوسلیمان! میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں بروز قیامت
میرے جد امجد مجھے یہ نہ فرمائیں کہ تو نے ہماری اطاعت کا حق کیوں نہ ادا کیا۔ اس لئے کہ یہ
کام نسب کی اہمیت سے صحیح نہیں یا تو یہ کام عمل کے اور پر موقوف ہے۔

یہ سن کر حضرت داؤد طائی روپڑے اور کہنے لگے الیٰ جن مہشیوں کا خیر آپ نبوت سے
جو اور جس کی ترکیب طبعی اصول دین و زاد و باری عجب قرآن سے ہو جن کے دوا شیخ المذہب
رحمۃ اللہ علیہ میں جن کی مل حضرت زہرا بتول میں۔ وہ اس خوف و حیرانی میں رکھے گئے

ہیں اور اپنے اعمال کا اس شان سے محاسبہ کر رہے ہیں تو پھر داؤد طائی کس شمار میں ہے۔ اور وہ اپنے اعمال و عبادات پر کیا فخر کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب و خدام میں تشریف فرما تھے تو آپ نے سب سے فرمایا: اؤ ہم تم آپس میں بیعت کریں اور اس امر کا عہد لیں کہ جسے اللہ تعالیٰ ہر روز قیامت رستگاری عطا فرمائے وہ سب کی شفاعت کیے سب نے عرض کر لے ابن رسول اللہ اس عہد کی اُسے حاجت ہے جو محتاج شفاعت ہو آپ کو ہماری شفاعت کی کیا پرواہ ہے۔ آپ کے بڑا مجد شفیع مجربانِ خلافت میں آپ کے فرمایا ہیں اپنے اعمال پر شرماتا ہوں اور اپنے نفس کے عیبوں پر نظر کر کے ڈرتا ہوں کہ ہر روز قیامت بڑا عجد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کس طرح منہ دکھاؤں گا۔

یہ ہے وہ کمال خاص جو عارفِ کامل کو حاصل ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ اپنے نفس کے عیبوں پر نظر رکھتا ہے۔ یہ صفت اوصافِ کمالیہ ہے۔

اور تمام ممکنات الہی یعنی نبی ولی غوثِ قطب کے سب سے اصول پر قائم ہیں چنانچہ حضور سیدِ عالم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا ارَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا بَطَّسَتْ لَہٗ نَفْسٌ مِّنْ حَشَمٍ مِّنْ عَطَا فَرَمَاتَا ۚ

اور جو از روئے تواضع اپنا سر بارگاہِ حق میں جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی مراد بات دارین پوری فرماتا ہے۔ اب اگر ہم تمام مناقبِ اہل بیت رضی اللہ عنہم بیان کریں اور ہر ایک کے فضائل مفصل بتائیں تو یہ کتاب اس کی مستعمل نہیں۔ لہذا ان کے لئے جن کی عقل خلعتِ اک سے مزین ہے۔ اور جو مریدانِ خاص ہیں۔ اسی قدر کافی ہے اور منکر کے لئے بھی اگر سمجھنا چاہے تو کم نہیں۔

اب ہم اصحابِ صفہ رسول کریم علیہ التَّحِيَّةُ وَالسَّلَامِ کا ذکر بہ سبیلِ ایجاز و اختصار کرتے ہیں اور فضائلِ اہل بیت میں علیؑ سے تہمیل ایک کتاب مسمیٰ منہاج الدین ہم نے تالیف کی ہے جس میں ہر ایک کے عظیمہ عقیدہ و فضائل درج ہیں۔ اس جگہ تو ہم نے محض اسماء کتبت پر ہی اکتفا کیا ہے تاکہ طے ہو جائے کہ مقتدرِ سلطنت حاصل ہو جائے۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ وبالِ شہد

اصحابِ صفہ

فصل اس امر پر اجماع امت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص جماعت تھی۔ صحابہ کرام میں سے جتنا رک الدنیا ہو کر مسجد نبوی میں اللہ کی خاطر عبادت کے لئے بیٹھ گئے تھے۔ اور ہر قسم کے کسب معاش سے دست بردار رہتے۔ انہیں کی شان میں قرآن پاک نے اپنے حبیب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

وَلَا تَلْمِزُوا الَّذِينَ يَبْتَغُونَ رِزْقَهُم بِالْعَدَاوَةِ وَالْعِشْيَةِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ
 اے محبوب نہ فراموش فرماؤ ان لوگوں کو جو اپنے رب کی عبادت میں صبح و شام مشغول ہیں اور
 اُسی کی رضا چاہتے ہیں۔ تو خدا کی کتاب امن کی افضلیت پر شاہد ہے اور حضور سید یوم النشور
 صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کی فضائل میں ہمیں بہت پہنچی ہیں۔ ہم نے اُن کا حق و راسا حصہ
 مقدمہ کتاب میں نقل کیا ہے حضرت امام المغیرین ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

وَقَفَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ فَرَأَى فَقَرَهُمْ وَ
 جُفْدَهُمْ وَلَحِيبَ ثَلُوبِهِمْ فَقَالَ أُبَشِّرُوا يَا أَصْحَابَ الصُّفَّةِ فَمَنْ بَقِيَ مِنْ
 أَتَمَّقِي عَلَى اشْتِائِي أَنِّي أَنْتُمْ عَلَيْهِ رَاضِيًا بِمَا فِيهِ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ رَفَقَائِي فِي الْجَنَّةِ
 اس حدیث کے معنی میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ پر تشریف لائے انکو دیکھ کر
 ٹھہر گئے تو ان کے دل سے نعر و مجاہدہ میں حضور نے نہایت خوش دیکھے۔ فرمایا اے اصحاب
 صفہ تمہیں رکھنا ہوا ہے بعد جو بھی تمہاری سی شان میں خرم و شاد رہیگا۔ وہ میرے ساتھ

بروز قیامت جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ ان اصحاب غنہ میں سے

- ۱۔ مناد حضرت جبذہ و پسندیدہ سید الارواح حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۲۔ دوسرے دوست خداوند خداوند محرم احوال پیغمبر ابو عبد اللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۳۔ تیسرے مرثبک مہاجر و انصار توجہ رضوان جبار ابو عبیدہ بن عامر بن عبد اللہ الجلیح رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۴۔ چوتھے گزیدہ اصحاب ذہبت ابواب ابو القیاض حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۵۔ پانچویں کبج علم خزانہ علم حضرت ابو مسعود عبد اللہ بن مسعود ہزنی رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۶۔ چھٹے متمسک گاہ حرمت پاک از عیدہ آفت حضرت عقبہ بن مسعود برادر عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۷۔ ساتویں سالک طریق عزت سترمن از معاتب ذلت حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۸۔ آٹھویں داعی مقام تقوی رائی بہ بلا و بلوی حضرت جناب ابن اللات رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۹۔ نویں قاصد درگاہ رضا طالب بارگاہ بقا اندر فی حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۰۔ دسویں در صفا سعادت بحر قنات حضرت عقبہ بن غزو ان رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۱۔ گیارہویں برادر فاروق معروض از کونین و مخلوق حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۲۔ بارہویں خداوند مجاہدات اندر طلب مشاہدات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۳۔ تیرہویں زریز از کل خلائی بحق جل مجدہ آفت حضرت ابولہر شد کنا نتر بن الحسین عدی ہیں۔
- ۱۴۔ چودھویں عامر طریق تواضع سپرندہ عجمہ تقاطع حضرت سالم مولیٰ عذیفہ لیسان رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۵۔ پندرہویں خائف عقوبت ہارب از طریق مخالفت حضرت عکاشہ بن المحصن رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۶۔ سولہویں زین مہاجر و انصار سید بنی فار حضرت مسعود بن بصرہ القاری رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۷۔ سترہویں اندر ہدایت عظمیٰ اندر شوق بدرجہ موسیٰ ابو ند جہان بن جناد و الغفاری ہیں۔
- ۱۸۔ اٹھارہویں حافظ انعام پیغمبر علی رضی اللہ عنہ و سلم مخرجات را وند حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۱۹۔ انیسویں اندر استقامت مقیم و اندر متابعت مستقیم حضرت صفوان بن یسید رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۲۰۔ بیسویں صاحب بہت ذلت از بہت حضرت ابو دعویم بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۲۱۔ کیسویں متعلق درگاہ سبکزیہ رسول پادشاہ حضرت ابوبکر بن عبد المنظر رضی اللہ عنہ ہیں۔
- ۲۲۔ بائیسویں کعبہ شرف و شرف حضرت عبد اللہ بن بدر الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

باب دہم

اتمہ تالعلین رضوان اللہ علیہم اجمعین

فصل

حضرت اویس قرنیؓ اُن میں سے آفتاب امت شمع دیں دولت حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سنی مشائخ کرام کے

طبقہ کی بہت بڑی مانی گئی ہے۔ اور اہل تصوف میں معتبر ہیں۔ یہ عہد رحیل پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے۔ لیکن حضور کے فیض صحبت سے وہ دہریں مستفیض ہو سکے اور محروم شربت دیدار رہے۔ ایک مانع حضوری آپ کا غلبہ حال رہا۔ دوسرے اپنی ولولہ ماجورہ کے قیامت ادا کرنے میں مصروف رہے۔ مگر حضور نجر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام میں فرمایا تھا کہ ایک مرد خدا مقام قرن میں ہے۔ اُس کا نام اویس ہے۔ اس کا یہ ترسہ ہے کہ اُس کی شفاعت میری امت میں قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بکریوں کے بالوں کے برابر ہوگی۔ اور پھر حضرت فاروق اعظم اور حضرت مولانا کائنات علیہم السلام اور جہود رضی اللہ عنہ کی طرف شمع فرمایا کہ اے خواتم و دفائے دیکھو گے اُن کا قد چھوٹا ہوگا۔ اُن کے سر کے بال بے ہونگے اُن کے پلوٹے چپ پر ایک درہم برابر سفید داغ ہے اور ایک داغ اُس کے ہاتھ کی پھیلی پر ہے جب تم اُس سے ملو ہمارا اُسے سلام کہنا اور کہنا کہ وہ ہماری امت کے لئے دعا کریں۔

بعد وفات سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو معظّمہ

marfat.com

Marfat.com

تشریف لائے۔ امنا خطبہ میں آپ نے فرمایا۔ یا اہل نجدی قوم! واسطے نجد کے لوگو کھڑے ہو جاؤ! حکم مسکرتام کھڑے ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے اندر کوئی قبیلہ مقام قرن کا بننے والا ہے لوگوں نے عرض کی حاضر ہے اللہ جو مقام قرن کے لوگ تھے انہیں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے اندر کوئی اورس نام کا آدمی ہے۔ عرض کی اورس ایک دیوانہ آدمی ہے جو آبادی میں نہیں آتا کسی کے پاس نہیں بیٹھا۔ لوگوں کی غذا سے اس کی غذا بھی ملنجدہ ہے۔ خوشی اور غم اس کے نزدیک یکساں ہیں۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے۔ جب لوگ بٹتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کی حضور جگہ میں اوتھوں کے پاس ملے گا۔

حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما اُٹھے اور جنگل میں جا کر ان سے ملے۔ دیکھا کہ اورس نماز میں مشغول ہیں۔ بیٹھ گئے جبکہ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فاروق واسد اللہ نے انہیں سلام کیا۔ اور باتوں کی بہت سی پریشان دیکھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا یا اور امت کے حق میں دعا کرنے کا حکم حضور سنایا۔

تھوڑی دیر فاروق واسد اللہ اورس کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت اورس نے عرض کی آپ حضرات کو تکلیف ہوئی۔ اچھا اب تشریف لے جائیں۔ قیامت بہت نزدیک ہے اس جگہ ہمیں وہ ویلا رہو گا جس کے لئے بازگشت نہیں ہیں۔ اب قیامت کے دست کے سامان میں مشغول ہوں۔ جب قرنی لوگ حضرت فاروق اور اسد اللہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت اورس کی خدمت میں آئے تو انہوں نے آپ کا مرتبہ سمجھا اور آپ کا احترام کرنے لگے تو حضرت اورس قرنی رضی اللہ عنہما سے کوئی نہیں آگئے۔ اس کے بعد ہرم بن جیلان نے ایک روز انہیں دیکھا اس کے بعد جنگ و غزوات علی کرم اللہ وجہہ مکہ کی نے نہ دیکھا۔ پھر جبکہ حرب صفین ہوا۔ اس میں حضرت اورس رضی اللہ عنہ حضرت علی کی طرف داری میں آئے۔ شریک حرب ہو کر شہید ہو گئے۔ عاتش مجیدہ وفات شہیدہ زندہ رہے تو حضور کی زبان مبارک سے تعریف ہوئی۔ انتقال فرمایا تو شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ

حضرت اولیٰ قرنی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا اَلْاِسْلَامُ فِيْ ذَوْبِهَا
سَلَامَتِيْ تَحْلِيْلُهَا وَتَهْلِيْلُهَا فِيْ هٰذَا اِسْمِ اللّٰهِ اَلْاِسْلَامُ خَالٍ مِّنْهُ وَهُوَ اَغْيَابُ الْخَطَا وَادْبَارُ الشَّرِّ
اَزْلُوهُ۔ اور اپنے ماحول میں سب کے ایسے اسی و جہ میں وہ اختیار کی تمام آفتوں سے سلامتی میں
رہتا ہے اور سب کے منہ پھیرے ہوئے ہوتا ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وحدت سے مراد تنہا زندگی بسر کرنا ہے تو یہ حال ہے اس لئے کہ
جب تک کسی کے دل میں شیطان کی محبت ہو اور اس کے سینہ میں نفس غالب ہو اور دنیا و عاقبت
کی فکر اور لوگوں کا اندیشہ ہو اس وقت تک اس کی کیفیت وحدت محال نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس سے
اللہ سے آرام ہو یا اس کا اندیشہ مدلول کی ایک ہی کیفیت ہے۔ تو جو تنہا ہوتا ہے اگرچہ اس کی
صحبت لوگوں میں ہو اسے اپنی کیفیت وحدت میں کوئی خلل نظر نہیں آتا اور مشغولی غیر اللہ ہو اگرچہ
خلوت نشین ہی کیوں نہ ہو وہ کیفیت وحدت سے محروم ہی رہے گا۔

تو قطع محبت ماسوی اللہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دل میں سوا ذات واحد کے کسی شے کا تعلق نہ
کسی کی محبت نہ ہو اور جبہ اس کے دل میں خالص ذات واحد کی محبت جاگزیں ہو چکی ہو کہ کتنا
ہی لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے اسے کوئی خطرہ نہیں۔

اور جو مخلوق سے محبت رکھے اس کے دل میں محبت الہیہ کا گزیر نہیں ہو سکتا۔ گویا وہ محبت
الہی کو سمجھتا ہی نہیں۔ اِنَّ الْوَحْدَ لَا صِفَةَ عِبْدٍ مَا ذٰلِكَ يَجْعَلُ قَوْلَهُ تَسْلٰى اَلَيْسَ اِلٰهُ
بِكَافٍ عِبْدًا۔ یعنی صفت عباد صافی محض وحدت ہے۔ سن اللہ کا فرمان کیا اللہ اپنے بندہ کو
کافی نہیں۔

حضرت مہر مہر بن حیان رضی اللہ عنہ

انہیں تابعین میں سے شیعہ صفا
معدنہ و حضرت مہر مہر بن حیان

رضی اللہ عنہ میں جو درگاہان طریقت سے گزرے ہیں اور سعادہ حقیقت میں حاکم وافر رکھتے ہیں صوفیہ
کرام کے صحبت یافتہ ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت اولیٰ قرنی رضی اللہ عنہ کی بھی زیدت کم نہ تھی آپ
کی ملاقات کا واقعہ یوں ہے کہ آپ نے اویس قرنی کی زیدت کا قصد کیا حتیٰ کہ قرنی پہنچے مگر تاہم
واپس آنے۔ پھر کہ معتبر آگئے تو خبر لی کہ اویس اب کو فہ میں رہتے ہیں۔ آپ شوق غیبت

تھے ہوتے کو ذرا کئے گزریا بہت نصیحت چوٹی۔ امید زیارت میں ایک خدمت ملاز کو ذرا
گزارا۔ آخر میں ہوا آنے کا حکم کیا۔ وہ اچھے تو راستہ میں دیکھا کہ بہترات اور اس طہارت
فرما رہے ہیں۔ اچانک آپ کے جسم پر غرقہ ہے پہچان لیا۔ حضور فرما کر اویس کے شانہ فرما کر بالکل
کو سزا راہ چلنے لگے تو ہرم بن حیان سامنے آئے اور بیعت کیا۔ حضرت اویس کے صحابہ
سلام میں فرمایا۔ **وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ يَا بَرِّمُ بْنُ حَيَّانَ**۔

ہرم حبیب جو کہنے کے آپ کے کس طرح پہچان لیا آپ نے فرمایا۔ **عَرَفْتُ رُوحِي رُوحَكَ**
”میری جان نے تیری جان کو پہچان لیا“۔ تھوڑی دیر بیٹھے پھر مجھے نصیحت فرما دیا۔ میرے ساتھ جو
گفتگو فرمائی اس میں حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے تعلق زیادہ باتیں تھیں۔ اور مجھے حضرت
عمر و علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی اور کہا کہ انہوں نے
فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

**إِنَّ الْأَخْيَالَ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّا بَكُلِّ مَأْمُورٍ مَّا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ
وَلَمْ يَسْأَلْ فَمِنْ بَعْرَتِهِ إِلَى اللَّهِ وَلَمْ يَسْأَلْ فَمِنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يَسْتَبِيهَا أَوْ إِلَى رَجُلٍ
يَتَزَوَّجُهَا فَمِنْ هَجْرَتِهِ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ**۔ جن میں نیت کہ عملوں کی جزائیں تو ہیں اللہ
ہر ایک شخص کے لئے وہی بدلہ ہے جو اس کی نیت ہو تو جس نے ہجرت کی اللہ و رسول کی طرف تو اس
کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہوگی اور جس نے ہجرت کی حصول دنیا کے لئے یا کسی عورت کیسے
کس سے عقد کرے۔ تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی جس نیت سے ہجرت کی ہے۔

اس کے بعد مجھے فرمایا۔ **عَلَيْكَ بِقَلْبِكَ**۔ اپنے دل کی نگرانی ہر قسم کے اندیشہ غیرے کے
اس عبارت کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مجاہدہ اتنا ہو کہ اپنے دل کو تابع الحق کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ
اپنی خواہشات کو اس دل کا فرمانبردار بنائے۔

یہ دو نفل زبردست اصول ہیں۔ مگر دل کو خدا کا تابع کرنا ان برید ورا کا کام ہے جو کثرت شہوت
بید محبت محض سے مجتنب ہو جائیں اور ہر قسم کے تشکرات جو درجہ بدرجہ پیدا ہوتے ہیں انہیں
دل سے قدر کریں۔ اور ہر صحت و خفا امور میں کوشاں رہیں۔ اللہ ہر معاملہ میں نظر برحق رکھے
تاکہ از دید محبت ہو اور اپنے کو تابع دل عزتی بنالینکا طوں کا کام ہے۔ اسلئے حق تعالیٰ شاذ ان کے
دلیل کو اپنے نور بجلال سے شہور فرما دیتا ہے۔ اور تمام عمل و اسباب کے آزاد کر دیتا ہے اور درجہ علیا

پرسنچا کہ خلعت تقرب بخش کر اپنے اہل فاسق کی تہذیب اُن پر فرماتا ہے۔ اور اپنا مشاہدہ جمال اللہ
 قرب کو اُن پر متولی کر دیتا ہے۔ اس وقت اُن کا جسم بھی اُن کے دل کے موافق کر دیا جاتا ہے۔
 کو وہ گردہ جو پہلے اہل دل کے لئے وہ صاحب القلوب اور باقی الصفات ہے۔ اور یہ گردہ جو
 مغلوب القلوب ہے وہ فانی الصفات ہے۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا
 اَلْعِبَادَ ذَلِكُمْ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ مگر وہ بندے جو خالص کئے گئے۔ اسے نفع لاکر چاہیے اس نے
 کہ مخلص فاعل ہے اور باقی الصفات اور مخلص مفعول فانی الصفات۔ اور یہ بہت بڑا اور بڑا کئے
 ہیں کہ تن کو موافق دل بناتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے دل تعالیٰ کی طرف عمل اور شاہدہ جمال میں
 محو ہوتے ہیں۔ اور باقی الصفات جو ہیں وہ دل کو بتکلف موافق آفرماتے ہیں۔
 یہ مسئلہ درحقیقت محو و سکرو مشاہدہ و مجاہدات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مسئلہ کو زیادہ
 وضاحت سے شرح طور پر کسی ماہر علم بیان کیا جانے کا انشاء اللہ

انہیں تابعین میں امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بن
 حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ۔ اپنی حسن البصری رضی اللہ عنہ میں۔ ایک گروہ نے
 آپ کی کنیت ابو محمد لکھی ہے اور ایک جماعت نے ابو سعید۔ آپ کا مرتبہ اہل طریقت میں
 بہت بلند ہے۔ اور فن تصوف میں آپ کے نہایت لطیف اشارات ہیں۔

ایک حکایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اُس نے صبر کے متعلق سوال
 کیا۔ آپ نے فرمایا صبر دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک صبر وہ ہے جو مصائب و بلا کے اندر کیا جانے۔
 دوسرا صبر اُن چیزوں سے جن سے ہمیں باز رہنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا اُن سے
 اطاعت حکم کرتے ہوئے رکنا اور خواہشات کے خلاف پر صبر کرنا۔

اعرابی نے کہا۔ اَنْتَ زَاهِدٌ مَا مَرَّ اَيْتٌ اَزْ هَذَ مِنْكَ۔ آپ ایسے زاہد ہیں کہ
 آپ سے زیادہ زاہد نہیں نے ہمیں دیکھا۔ اور آپ سے زیادہ صابر بھی کوئی نہ ہوگا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے اعرابی میرا زہد تو رغبت کلی ہے۔ اور
 میرا صبر خالص جزع اور بے صبری اعرابی نے عرض کی کہ حضرت اس اجمال کی تفصیل
 فرمائیے۔ آپ نے ان جملوں سے توجہ مشغول کر دیا۔ اور میرا عقیدہ مذہب ہو گیا۔

آپ نے فرمایا ہمارا صبر بلا پر یا اطاعت حکم پر جو خوفِ جہنم ہے اور یہ عین بصری ہے۔ اور ہمارا زہد دنیا میں رغبتِ خالص ہے۔ نعمتِ آخرت کے ساتھ اور یہ عین رغبت ہے نہایت مبارک میں وہ لک جو اپنا حصہ اور اپنی قوتِ الٰہی کو درمیان سے اٹھا چکے اُن کا صبرِ خالص اللہ کے لئے ہے نہ کہ اپنے جسم کو جہنم سے امن دینے کے لئے۔ اور زہد ہمارا خالص اللہ کے لئے ہو نہ کہ خصوصیت سے بہشت میں داخل ہونے کیلئے۔ اور یہ علامتِ صحتِ خلاص کی ہے۔

آپ کے ہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: رَأَى مَتَجَبَّتِ الْأَشْرَارُ تَلْوِيضَ الظُّلُمِ بِالْأَخْيَارِ جو بد بختوں میں رہ میکانیکوں کی جماعت سے اور اُن کے پیشواؤں سے بدگمان ہو جائیگا۔ اور یہ بات متفق علیہ ہے بلکہ یقینی۔

اور موجودہ بے لکڑگوں کے بالکل موافق حال ہے جو عام طور پر مجربانِ بارگاہ کے منکر ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سچی صوفیوں کی مجالس میں عوام بیٹھے اور ان کے ہر کام میں انہیں خیانت نظر آتی۔ اور اُن کی زبانوں پر دروغ بے فروغ پایا۔ اور دوسروں کی غیبت کرتے گناہ اور اُن کے کانِ وحییت اور ہزلیات پر گے ہونے دیکھے۔ اُن کی آنکھیں لہو و لعب اور شہوت پرستی پر لگی دیکھیں اور اُن کی تمام تر کوششیں حرام و مشتبہ مال جمع کرنے میں صرف پائیں۔ تو انہوں نے خیال کر لیا کہ صوفی عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں اور ان کا عمل اور مجاہدہ یہی ہے بلکہ صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط اور اتہام ہے۔ بلکہ صوفیوں کے تمام افعالِ طاعت الٰہی پر ہیں۔ اور اُن کی زبانِ کلام حق اور عمرِ محبت حق حاصل کرنے پر کھلتی ہے۔ اُن کے ضمیروں میں خالص محبت الٰہی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ اُن کے کانِ سماع حق کے عمل اور حقیقتِ نبوت پر ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں مشاہدہِ جمالِ یار کو کھلی ہوئی ہیں ان کی سعی و کوشش تمام حصولِ سرِ خفیہ پر ہوتی ہے اور وہ رازِ مخفی کے دیکھنے میں مجاہدہ کرتے ہیں۔

اگر کوئی قوم ایسی ظاہر ہو جائے کہ صوفیاء کے زمرہ میں بل کر اُن کی کسی رفتار و گفتار میں خیانت کرے تو اُن کی خیانت کا اثر اُن پر ہی چہ بجا نہ اُن احرارِ جہان اور ساداتِ زمان پر۔ یاد رکھو جو شریر لوگوں سے صحبت لیکے گادہ اپنی شرارتِ نفس کے ماتحت ہو گا۔ اور اگر اس

میں بھلائی اور نیکی ہوگی تو وہ اختیار کے ساتھ ہی صحبت پسند کرے گا۔ از ترجمہ شعر۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

تو یاد رکھو کسی کی بُرائی اس کی ذات سے ہوگی صحبت نامزا اور غیر کفو قبول کرنا اس کی نااہلی ہے بلکہ وہ روزِ ازل سے ہی اس قومِ انسان سے ہوگا۔ اہل اُس نے اپنے نفس کے شر کو نہ سمجھا ہوگا۔ تو ایسے منکر جو خاصا بن بارگاہ سے بدظن ہو گئے۔ وہ ایسے مکارِ دل کی اقتدار میں غلبہ ہوئے۔ برخلاف اُن اختیار و محبوبانِ بارگاہ کے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہشتم رضا دیکھا اور اپنے غلاموں میں انہیں جگہ عطا فرمائی۔ اُن کی صحبت اگر جان و دل کے بدلہ میں حاصل ہو تو بھی ایذاں ہے۔ اس لئے کہ اُن کا طریقِ عمل برگزیدہ اور وہ تمام عالم سے علیحدہ اور اُن کی برکت سے انسان مقاصدِ دینی حاصل کرتا ہے۔ اُن کا حال اس شعر میں کسی نے خوب کہا ہے۔

فَلَا تَحْقِرَنَّ نَفْسِي وَأَنْتَ خَيْرُهَا كُلُّ أَمْرٍ يُعْبَثُ إِلَى مَنْ يُجَانِبُهَا

نہ حقیر سمجھ تو میرے وجود کو حالانکہ تو اس کا محبوب ہے۔ یا کہ نہ شخص اپنے جنس سے مطلب کو نہیں ہے

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ انہیں میں سے نہیں اسلماء فقیر الفقہاء حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ

ہیں۔ بڑے عظیم الشان اور بلند مرتبہ والے گزشتے ہیں۔ آپ کے غلامین بہت مقبول ہیں۔ اور بہت زیادہ پاک باطن تھے۔ آپ کے مناقب بہت ہیں۔ خصوصاً ان فقرہ میں اور توجہ و حقائق تفسیر و شعروانت فیما بین آپ یہ طویل رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ بظاہر مدعیِ فقر تھے اور دل کے اعتبار سے نہایت پارسا تھے۔ دکن پارسا نما اور عید طبع۔ اور مذہبِ طریقت میں یہ صورت نہایت محمود ہے۔

مشائخ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ ایک قومیت مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اِنْفِی بِالْیَسْنِی مِنَ الدُّنْیَا مَعَ سَلَا مَبْعُودِیْنِکَ کُنَا رَضِیْ نَوْمٌ یُکْثِرُ حَافِیْ وَ حَافِیْ یُثْبِتُ سَعْدٌ دَافِیْ وہ اس تصورِ دنیا سے جس میں تیرا دین سلامت ہے۔ جیسے راحی میں کثرتِ مل و دین کے ساتھ اپنا دین فنا کر کے عوامِ الناس۔

یعنی فقرِ سلامتی دین کے ساتھ اس سے بہتر ہے کہ فناِ خلقت کے ساتھ حاصل ہو۔

marfat.com

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ جب فقیر اپنے دل میں نظر کرتا ہے تو دلیر کی زیادتی نہیں پاتا کہ جب ہاتھ پر نظر ڈالتا ہے تو اسے قانع پاتا ہے۔

اللہ غنی جب دل میں نگاہ کرتا ہے تو اندیشوں کی دنیا آباد دیکھتا ہے، اللہ جب ہاتھ کو دیکھتا ہے تو مشتبہ مال سے ملوث ہوتا ہے۔

تو رضا و دستاویز الہی اس کے خداوندی پر بلا غفلت رہتی ہے۔ اور رضا غافلان دنیا پر غرور کے حصول اور آفت ہے حسرت و ندامت اس آفت سے بھی ہے جو آفت پر زلت و معصیت جو غرضیکہ جب کوئی بلا غفلوں پر آتی ہے تو کہتے ہیں الحمد للہ مال پر تل گئی۔ حالانکہ اس آفت سے محفوظ ہے۔ اور جب کوئی بلا محبوبان بارگاہ پر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ الحمد للہ یہ بلا تن پر تل گئی اور دل محفوظ رہ گیا۔ اس لئے کہ جو بلا تن پر آتی اور اس سے دل محفوظ رہ جائے وہ نہانت بھی بلا ہے اور اگر وہ بلا دل پر آتی اور دل غافل ہو جائے تو اگرچہ تن نعمتوں میں ہوتا، مگر ایسی نعمت نعمت نہیں بلکہ نعمت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قلیل دنیا کے ساتھ راضی رہنا اس کے کثیر ہو جانے کی وجہ ہے اور رضا کثیر دنیا کے ساتھ اسے قلیل کر دینے والی ہے۔ اور ایسی جماعت کے لئے قلیل مثل کثیر ہے۔

آپ سے ہی ایک ثابت ہے رضی اللہ عنہ کہ آپ مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا سعید مجھے وہ حلال بتاؤ کہ اس میں حرام نہ ہو اور وہ حرام بتاؤ جس کے اندر حلال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا۔

ذَكَرُوا لِلَّهِ حَلَالًا لَيْسَ فِيهِ حَرَامٌ وَذَكَرُوا غَيْرَ حَرَامٍ لَيْسَ فِيهِ حَلَالٌ
 "اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا ایسا حلال ہے کہ اس میں حرام نہیں اور غیر خدا کا ذکر ایسا حرام ہے کہ اس میں حلال نہیں" اس لئے کہ اس کے ذکر میں نجات ہے اور اس کے غیر کے ذکر میں ہلاک ہی ہلاک وباشد التوفیق۔

گیارہواں باب

تسع اربعین تا بہ زمانہ حال

شجاع طریقت متمکن اندہ شریعت حضرت
 حضرت حبیب عجمی حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ بڑے بلند
 ہمت اور بہت با قدر لوگوں میں سے گذرے ہیں۔ اپنے زمانہ کے مشائخ میں بہت معزز تھے۔
 آپ کی ابتدائی توجہ اور مہجیت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔
 آپ ابتدائے زمانہ میں بڑے دیار کا رافقہ و فساد میں مشاق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے
 آپ کو توفیق توبۃ النصوح عطا فرمائی اور ایسے مقرب بارگاہ ہو گئے۔
 کچھ علم و عمل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ آپ کی زبان عجمی تھی اس
 وجہ سے زبان عربی پر دشواری سے چلتی تھی۔ آپ کی بہت سی کرامتیں مخصوص ہیں۔
 آپ کا درجہ بہت اعلیٰ تھا۔ ایک روز حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت
 میں آئے نماز شام کی تکبیر پور ہی تھی اور جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
 نے کھڑے ہو کر قنادر کی طرح دیکھا کہ حضرت حبیب عجمی کی زبان سے محتاج قرآن کریم۔ صبح
 نہیں نکل رہے تھے۔ نماز تو اپنے پڑھی مگر یہ محسوس فرمایا کہ ان کے محتاج صبح نہیں ہیں۔
 شام کو جب سوئے تو خواب میں جبل الہی سے مشرف ہوئے۔ عرض کی الہی تیری رضا
 کس چیز میں ہے۔ جواب ملا حسن اگر میرے حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھتا اور صبح نیت کرتے
 تھے اس کی عجمی زبان زبردستی تو میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔

اور مشائخ میں مشہور ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عظیم جہاد سے فرار ہو کر تشریف لائے تو حبیب بھی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ بجا لائے اور پوچش ہوئی۔ جہاد کے آدمی آئے اور آپ کے کہنے لگے۔ حبیب تم نے حسن کو کبھی دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ملازموں نے کہا کہاں دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ابی میرے عبادت خانہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ متلاشی امدد حجرہ میں گئے کسی کو نہ پایا۔ مجھے کہ حبیب بھی نے ہم سے مذاق کیا ہے۔ غضبناک ہو کر بولے۔ یہ سچ بتاؤ کہ کس جگہ انہیں دیکھا ہے۔ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ سچ کہتا ہوں۔ وہ میرے حجرہ عبادت میں ہیں۔ دو بارہ پھر گئے۔ مگر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ انہیں نظر نہ آئے پھر سہ بارہ دیکھنے گئے آخر میں یوں ہو کر چلے گئے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا حبیب یہ تو نہیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری برکت سے مجھے ان کی نظر سے مخفی کر دیا مگر تم نے ان سے یہ کیوں کہہ دیا کہ حسن بصری اس جگہ اندر ہیں۔ عرض کی اوستا د میری برکت سے آپ ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں کئے گئے بلکہ وہ سچ جو میں نے بولا۔ اس کی برکت سے آپ کو وہ سپاہی نہ دیکھ سکے۔ اگر میں جھوٹ بول دیتا تو مجھے اور آپ کو وہ رسوا کرتے۔ اس قسم کی بہت سی کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئیں۔

آپ سے لوگوں نے پوچھا رضا راہی کس چیز میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فی قابِلِ نَفْسٍ فِیْہِ غُبَارُ النِّفَاقِ۔ اُس دل میں رضا، راہی ہے جس پر غبارِ نفاق ہو یا

اس لئے کہ نفاق خلافِ وفاق ہے اور رضا عینِ وفاق اور محبت کو نفاق کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ اس کا مقام محض رضا ہے اور رضا صفتِ محبوبانِ مومن اور نفاق صفتِ دشمنان۔ اور یہ مضمون بڑا زبردست ہے۔ انشاء اللہ کسی دوسری جگہ بیان کیا جائیگا۔

حضرت مالک بن دینارؒ انہیں میں سے نقیب اہل انس زین جملہ

جن دلائل حضرت مالکؒ دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہیں۔ آپ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بستر خاص تھے مشائخ میں آپ کی کرامات مشہور ہیں۔ اور ریاضت و مجاہدہ میں آپ کی خصلتیں مذکور

دینار ایک غلام تھا اور یہ صاحبِ جزاء اسی حالت میں پیدا ہوئے کہ ان کے والد

غلام تھے۔ آپ کی بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت مالک ایک شب ہمچشموں میں مشغول عیش و طرب تھے جب سب سو گئے تو آپ نے اس عود سے آواز سُنی جیسے بجا رہے تھے۔

يَا مَالِكُ مَا لَكَ اَنْ لَا تَسُوْبَ لِي مالک تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو تو بہ نہیں کرتا۔

یہ سنتے ہی آپ نے سب کا دل سے ہاتھ کھینچا۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

آکر بیعت تو بہ کی۔ اور اپنے چال چلن کی اصلاح اس درجہ کی کہ ایک دن مالک بن دینار کشتی

میں لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ کسی کا ایک نگینہ جو اہرات کا گم ہو گیا سب کی طرف نظر

ثالی حضرت مالک بن دینار ہی سب میں اجنبی نظر آئے۔ آپ پر اس نگینہ کی چوری کا الزام

لگ گیا۔ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی کہ یک لحظہ تمام دریا کی پھلیاں پھریاں

منہ نکالے ہوئے نظر آئیں اور دیکھا کہ ہر پھلی کے منہ میں ایک ایک نگینہ ہے۔ آپ نے ایک

نگینہ لے کر اسے دیدیا۔ اور خود کشتی سے سطح آب پر اتر کر کنارہ پر تشریف لائے اور دریا سے

باہر ہو گئے۔ آپ کے ارشادوں میں سے ہے کہ۔

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ عَلَى الْإِخْلَاصِ فِي الْأَعْمَالِ عملوں میں سے محبوب ترین عمل مجاہدہ اخلاص

ہے جو عمل میں ہو۔

اس لئے کہ عمل با اخلاص ہی عمل ہوتا ہے اور اخلاص عمل کے اندر بنیاد روح ہے اور عمل

بنیاد جسم۔ چنانچہ جب جسم ہے روح رہ جاتا ہے تو وہ مجاہد محض ہوتا ہے۔ اسی طرح عمل بلا اخلاص

محض حصار مشرکہ ہے۔ مگر اخلاص تمام اعمال میں باطن ہے۔ اور طاعات اعمال ظاہر کا نام

ہے اور اعمال ظاہری عمل باطن کے ساتھ تکمیل کو پہنچتے ہیں اور عمل باطن کی قدر و قیمت

اعمال ظاہر پر موقوف ہے۔

جیسے اگر کوئی کسی کے ساتھ ہزار برس دل سے مخلصانہ محبت رکھے مگر جب تک اس کا عمل

اخلاص کا نظر نہ آئے گا۔ وہ اخلاص اخلاص نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی ہزار سال ظاہری عمل کرتا ہے۔ مگر جب تک اس میں اخلاص نہ آئے گا۔ وہ

عمل طاعت مخلصانہ نہ کہلانے گا۔

حضرت ابو جیب بن سلیم الراعیؒ
 انہیں میں سے امیر الاولیاء فقیر
 ہے ریاء ابو حلیم حضرت جیب بن سلیم الراعی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ مشائخ کرام میں آپ کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔ آپ لائل اور آیات کے
 بیان فرمانے میں خاص بہارت رکھتے تھے۔ اور آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے خاص صاحب
 تھے اور آپ کے حالات صحابہ کرام کے سے تھے۔ آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث
 نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَبِّتِ الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا مِنْ عَمَلِهِ يَعْنِي مَوْنِ كِنَيْتِ اس کے عمل سے بہتر ہے۔ آپ
 بکریاں چراتے اور کنارہ فرات پر تشریف رکھتے آپ کا طریقہ زیادہ تر عزالت نشینی تھا۔

ایک مشائخ کرام سے راوی ہیں کہ جب میں فرات کے کنارے سے گذرا جیب کو نماز میں پایا
 اور آپ کی بکریوں کی نگرانی بھیڑیا کر رہا تھا میں نے کہا اس بزرگ کی زیارت کرنی چاہیے اس
 میں علامات ولایت پائے جاتے ہیں میں ٹھہرا رہا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے ہیں
 نے سلام عرض کیا آپ نے فرمایا۔ صاحبزادہ کس کام آؤ حوائج میں میں نے عرض کی زیارت
 کے لئے آپ نے فرمایا جزاک اللہ

میں نے کہا حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ بھیڑیے اور بکریوں کو ایک جگہ دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا اسکی
 وجہ یہ ہے کہ بکریوں کا چرواہا اپنے رب کے ساتھ واقف ہے۔ یہ فرمایا اور اپنا پیالہ چوبین ایک پتھر کے
 نیچے رکھ دیا۔ اس پتھر سے دو چشمے جاری ہو گئے۔ ایک دودھ کا اور دوسرا شہید کا میں نے
 یہ دیکھ کر عرض کیا حضور یہ در کس عمل کے بدلہ میں حاصل کیا۔ فرمایا۔ بتا بعت محمد رسول اللہ
 حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پھر فرمایا صاحبزادے قوم و نسی علیہ السلام جبکہ ان کی مخالف تھی تو پتھر نے انہیں پانی
 دیا تھا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام درجہ مصطفیٰ علیہ التیمۃ و الامت کے برابر نہ تھے پھر جبکہ میں حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہوں تو پتھر مجھے کیوں نہ شیر و شہد دے۔

اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو موسیٰ علیہ السلام سے کہیں افضل و اعلیٰ مرتبہ پر ہیں میں نے
 عرض کی حضور مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔

لَا تَجْعَلْ لَكَ صُنْدُوقٌ وَالْخَيْرُ مِنْ يَدِ طَنَكِ وَعَاءُ الْحَرَامِ "اپنے دل کو

حرص و ہوا کا صندوق نہ بنا اور اپنے شکم کو حرام کا دین نہ کر۔

اس لئے کہ ہدایت مخلوق انہیں دو چیزوں میں ہے اور نجات انہیں دو چیزوں سے

مجتنب رہنے میں۔ علاوہ اس کے میرے شیخ سے یہاں بہت سی روایات ہیں لیکن میں اس وقت

ضیق میں ہوں۔ اس وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں۔ اشراف شہر

کو اپنی حفاظت میں رکھے ہیں اس وقت ہندوستان ہاتھ میں ہوں۔ جو مضافات ملتان سے

ہے اور نا جنسوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ والحمد للہ علی الشراہ والمضراہ

حضرت ابو حازم مکی انہیں میں سے پہلے حضرت ابو حازم مکی رحمہ اللہ تعالیٰ

علیہ السلام آپ بھی مشائخ کرام میں مقدمات مانے جاتے ہیں آپ کو معاملات عبادت میں خاص حصہ عطا ہوا۔ اور مدینہ منورہ میں آپ کا قدم بہت صحیح تھا اور آپ کے عبادت کی روشنی نہایت پاکیزہ تھی۔

اور حضرت عمرو بن عثمان مکی نے آپ کے حالات میں بہت کوشش کی ہے۔ آپ کے کلام و مضامین

مقبول خاص ہیں۔ اور آپ کے علمی جواب ہر پاسے بہت سی کتابوں میں مشہور ہیں۔ اور عمرو بن عثمان

روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا یا مالک قال ائزنا من اللہ واللہ یخیر الناس

"آپ کا خزانہ اور مال کیا ہے فرمایا میرا مال رضا الہی ہے۔ اور مخلوقات سے بے نیازی۔"

جو اپنے رب سے راضی ہو گیا وہ مخلوقات سے مستغنی ہو گیا۔ اور بدست خزانہ مرد کامل

کا رضا موال ہے اور اس میں اشارہ غنا جو ہے وہ من جائز ہے تو جو من جائز ہے غنی ہو گا۔ وہ

یقیناً غیر خدا سے مستغنی ہو گا۔ اس کا راستہ بجز درگاہ الہی کوئی نہیں۔ وہ خس و خاشاک میں

بجز اپنے رب حقیقی کے کسی کو نہیں پکارتا۔ کسی نے مشائخ میں سے کہا کہ حضرت ابو حازم کے

پاس آیا۔ دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ میں کچھ دیر ٹھہرا۔ تاکہ وہ بیدار ہوں بھٹوری دیر بعد آپ اٹھے

اور ہانڈ سے راہ گاہ جری ہے اس لئے کہ اس شہر کو امیر نے ہاتھ لگا دیا۔ جیسا کہ مراد شاہ۔ زنگی خاندانی شاہ عبد الجلیل رحمہ اللہ

نے آیات و پسال غریب بر ماہ صیام شہر بہار عالی مقام کا نہیں کا شہر ہے۔ وہی لاہور ہے شہر بہار جو

دارالسلطنت ہے۔ وہ مشہور اور تاریخی ہے کہ رام چند کے دو بیٹے تھے ایک تہا اور دوسرا

تہو۔ تہو نے قصور آباد کیا۔ اور تہو نے قصور آباد کیا۔ از مترجم نقل از تاریخ دہلی

marfat.com

Marfat.com

اور حلول ثابت ہوتا ہے۔ اگر بالفرض واسقذیر کوئی کہے کہ مکان مخلوق ہے تو مکین بھی مخلوق ہوگا اور اگر مکین قدیم تو مکان بھی قدیم ماننا پڑیگا۔ اس میں دو فساد گتے ہیں۔ یا خلق کو قدیم کہا جانے یا مضاف اللہ خالق کو محدث اور یہ دونوں کفر ہیں۔

تو دیکھنے سے مراد ذات حقیقی نہیں ہوگی بلکہ اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہر چیز میں نشانی قدرت الہیہ اور برائین فطرت قادر یہ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور یہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں پھر اس بحث میں بڑے لطیف رموز و نکات ہیں جو اپنی جگہ پر انشاء اللہ بیان کریں گے۔

حضرت ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ نہیں ہیں سے امامان مقتدا سنیان
شرف فقہاء و علماء حضرت امام ابو حنیفہ

نعمان بن ثابت انحرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ مجاہدات و عبادات میں نہایت ثابت قدم اور طریقت کے اصول میں بڑے جلیل الشان عالم مانے گئے ہیں حتیٰ کہ ابتدائے مائیں آپ نے عزم عزالت نشینی فرمایا تھا اور مخلوق سے تیری فرمالی تھی چاہتے تھے کہ مخلوق سے علیحدہ ہو کر دل کو ریاست جاہ مخلوق سے پاک فرمائیں اور خالص رب جل مجدہ کی اطاعت میں کمر بستہ ہوں کہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استخوان ہلنے مبارک لحد مبارک سے جمع کر کے ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیکر پسند کر رہے ہیں میں خواب سے اتنی ہیست طاری ہوئی کہ بیدار ہو گئے اور سخت پریشان۔ آخر ایک صحابہ کرام کے تلاذہ میں سے حضرت محمد بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی خدمت میں گئے۔ اور خواب بیان کیا آپ نے تعبیری کہ خواب مبارک ہے تم علم سید الانبیاء حاصل کر کے محافل سنت میں اعلیٰ درجہ پاؤ گے بلکہ ان روایات سنت میں نقد و تفتیح کر کے تصرف فرمانے کے مجاز بنو گے اویس کو سقیم سے عیندہ کرو گے۔

دوبارہ پھر خواب میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور فرمایا ہے میں ابو حنیفہ تجھے اللہ نے میری سنت زندہ کرنے کے لئے بنایا ہے۔ گوشہ نشینی کا عزم نہ کر چنانچہ آپ نے خدمت دین شروع کر دی اور بڑے بڑے مشن کرام کے مثل ابراہیم ادبیم اور فضیل بن عیاض داؤد طانی بشر خالی رحمہم اللہ وغیرہم کے متنازعہ ہوئے اور علاوہ اس کے آپ کے توسع اوقات کا بہت سے

تحتات علما میں شہود ہیں

چنانچہ بادشاہ ابو جعفر منصور کے عہد کا واقعہ مشہور ہے کہ چاندنی اس نے اپنی سلطنت کے احسانات کے لیے خاص طور پر منتخب کئے اور فیصلہ کیا کہ ان میں سے ایک قاضی اسلام بنایا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ (۲) حضرت سفیان ثوری (۳) حضرت مسعر ابن کدام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شریح رحمہ اللہ علیہم اور یہ حقیقت ہے کہ یہ چاروں زبردست علما میں سے تھے کسی کو ملازمین میں سے حکم ملا کہ ان چاروں کو بلالائے۔ جب اٹھی آیا۔ چاروں روانہ ہوئے۔ راستہ میں امام صاحب نے فرمایا کہ میں آپ حضرات کو سمجھ باتیں کہوں جو ذرا شامیرے ذہن میں آتی ہیں۔ سب نے جواب دیا کہ فرمائیں۔

آپ نے فرمایا میں تو حیلہ سے اپنے کو عہدہ قضا سے بچاؤں گا۔ اور مسعر دیوانہ بنکر بیچ جائے گا۔ اور سفیان و ہار سے بھاگ جائیں گے۔ اب یہ شروع۔ یہ قاضی نہیں گئے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت سفیان تو راستہ سے ہی بھاگے اور کشتی میں چھپ کر فرار کرنے لگے مجھے چھپاؤ کہ حکومت میرا سر کاٹنا چاہتی ہے۔ اور یہ جملہ حدیث سید اکرم علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا حضور نے فرمایا ہے۔ مَنْ جَعَلَ قَاضِيًا فَقَدْ دَرَجَ بِغَيْرِ سَبِيلٍ۔ جو قاضی بنایا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ ملا حوں نے آپ کو چھپا دیا۔ اور یہ تینوں حضرات و ہار ابو جعفر منصور میں پہنچے۔

ابو جعفر منصور نے خصوصیت سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ کو منصب قضا پر مستکن ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا مؤمنین میں عربی النسل نہیں بلکہ ان سے محبت رکھنے والا ہوں تو سادات عرب میرے علم پر خوش نہ ہوں گے۔ ابو جعفر منصور نے کہا حضرت اس عہدہ کو نسب سے تعلق نہیں ہے۔ یہ عہدہ علم والے کو ملتا ہے آپ نے فرمایا پھر بات یہ ہے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں اور یہ سچ کہتا ہوں کہ لائق نہیں۔

پھر اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں اس عہدہ کے لائق نہیں اور اگر میں بھوٹ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ دروغ گو قاضی مسلماناں جتنے کا کس طرح اہل ہو سکتا ہے۔

اور آپ کہ خلیفہ الہی میں کبھی مدد نہیں رکھ سکتے کہ دروغ گو کو اپنا نائب بنائیں اور مسلمانوں نے

خون مال عزت و مدیہ کا سیر پھر کر لیں۔ یہ فرمایا اللہ بوجہ پیشگوئی نجات پائے۔ اب حضرت مسعر بن کدام کی بڑی آئی۔ آپ آگے بڑھے۔ اور میرا المؤمنین ابو جعفر منصور کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے۔ ابو جعفر اچھی طرح ہوتا ہوا ہے بچہ۔ وی تو اچھے میں منصور نے یہ بڑا ربط کلاسن کر حکم دیا کہ اسے دربار سے نکال دو۔ یہ دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شرح کو فرمایا گیا کہ تمہیں منصب قضا پر آنا چاہیے۔ آپ نے کہا کہ میں بڑا نا آدہ ہوں۔ میرا دماغ کمزور ہے منصور نے کہا۔ علاج کرالیں۔ عصارہ موافقہ اور حیدر کا مثلث استعمال کریں۔ آپ کی عقل کامل ہو جائے گی۔ آخر میں منصب قضا شرح کو دیا گیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت شرح کو چھوڑ دیا اللہ بھی ان سے کلام نہ فرمایا۔ اور یہ آپ کے کمال حل کی خاص نشانی تھی۔ ان میں دو علیحدہ علیحدہ شاخیں نظر آئیں۔ ایک تو ان کی پیشگوئی کی صداقت کہ جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا۔ دوسرا اپنے کو صحت و سلامتی پر اتنا قائم رکھا کہ جاہ و اعزاز خلعت کی پرواہ نہ کی۔

یہ ستون ایسے پایہ کے نکلے کہ کسی نہ کسی جلد سے مخلوق کو اپنے سے دور رکھ کر اتنے بڑے منصب سے بختنب ہو گئے۔

آج کا دن عام علماء و فضلاء اس قسم کے عمل اور ورع و تقویٰ کی پروردہ نہیں کرتے اس لئے کہ وہ سب سب حرص و ہوا کے ساتھ وابستہ ہیں اور طریقہ حق سے فرار شدہ ہیں۔ ان کے لئے امرائے گھر بمنزلہ قبلہ ہیں۔ ظالم اہل حکومت کی بدگاہ بیت المعمور ہے اور جباروں کے درباروں میں ان کے فرش تک پہنچ جانا۔ قاب قوسین اورانی سے کم نہیں سمجھتے۔ اور جو کچھ ان کی مرضی کے خلاف بات ہو اس سے یہ پہلے منکر ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ غزنی میں (خدا اس شہر کو محفوظ رکھے) علم و امامت کے مدعیوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ مرقہ پہننا بدعت ہے میں نے اسے جواب دیا کہ جڑ شیش اور پوشاک دین جو خالص البریشم سے تیار ہوتا ہے۔ تمہارے اور تمام مردوں کے لئے شرعاً حرام ہے۔ تم ان عباؤں اور قباؤں کو ظالم جابر حکام سے خوشامد کر کے لیتے اور پہنتے ہو۔ میں اول تو خوشامد حرام پھر ظالم سے لیکر حرام پھر اس کا پہننا حرام لیکن اسے تم پہنتے ہو اور کبھی اسے

بدعت تک نہیں کہتے۔

برخلاف فرقہ کے کہ وہ جامشہر حلال ہوتا ہے اور مال حلال سے خرید لجاتا ہے اس کا پہننا
محس طرح بدعت بنا دیا حقیقت یہ ہے کہ اگر تمہارے دلوں پر رعوت غالب ہو اور نفس
کی گراہی میں تم نہ پھنسے ہوتے تو اس کے بجائے کہ عرقہ کو بدعت کہہ دیا۔ کوئی ابھی بات
کہہ دیتے۔

عورتوں پر لباس البرشم حلال ہے اور مردوں پر حرام۔ اور دیوانوں پر مباح۔ اگر تم
لوگ عورت یا دیوانہ ہو تو پھر تم معذور ہو۔ و نعوذ باللہ من علم الا بصراف۔
حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوفل بن جہان رضی اللہ
عنہ نے وفات پائی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور مخلوقات حساب
کتاب کے مقام پر کھڑی ہیں۔

حضرت سیدنا امام الغفور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ حوض کوثر کے کنارے جاوہ
رایاں اور آپ کے بائیں طرف بہت سے مشائخ حاضر ہیں۔ ایک بزرگ معمر کو دیکھا کہ بہت
و بصورت ہیں اور آپ کے سر کے بال کھیرے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنا رخسار مبارک
حضور کے رخ اقدس پر رکھا ہوا ہے۔ اور ان کے برابر حضرت نوفل بن جہان کھڑے
ہیں۔ انہوں نے جیسے ہی مجھے دیکھا تو میری طرف آئے اور سلام فرمایا میں نے انہیں کہا
مجھے پانی دیجئے فرمایا حضور سے اجازت لے لوں کہ حضور نے انہیں انگلی سے اشارہ
نما کر پانی دینے کا حکم فرمایا میں نے پانی پیا اور میرے ساتھی جو تھے انہیں پلایا۔ مگر وہ
جام جس میں پانی ملا تھا۔ بدستور مملو ہی رہا۔ کچھ کم نہ ہوا۔

میں نے حضرت نوفل بن جہان سے پوچھا کہ یہ بزرگ سفید بالوں والے جو حضور کے واسطے
جانب کھڑے ہیں۔ کون ہیں فرمایا یہ حضرت ابو ہریرہ خلیل اللہ علیہ السلام و علیہ السلام
ہیں۔ در بائیں طرف جو کھڑے ہیں وہ صدیق اکبر خلیفہ رسول رضی اللہ عنہ ہیں۔
اسی طرح میں پوچھتا رہا۔ اور اپنی انگلیوں پر گنتا رہا حتیٰ کہ تنولہ بزرگوں کو میں نے
گنا جب میں بیدار ہوا تو تنولہ عدد پر میری انگلی میں گرو کے نشان تھے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اِن اَطْلُبُكَ قَالَ عِنْدَ عَلِمِ اُپنی حنیفہ۔ ”حضور میں حضور کو کہاں تلاش کروں فرمایا ابو حنیفہ کے علم کے نیچے۔ غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ورع و تقویٰ میں اس قدر مناقب ہیں کہ یہ کتاب ان کی متحمل نہیں

ہیں ربیعہ حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بار شام میں تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ٹوڑن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے سر جانے سو رہا تھا کہ اپنے کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور اسے خواب میں دیکھا کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لارہے ہیں اور ایک بزرگ عمر کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں۔

میں فرطِ محبت سے دوڑا اور حضور کے پائے اقدس کو چومنے لگا اور میں اس فحش میں تھا کہ یہ عمر حضور کے اتنے محب کون ہیں حضور میرے تعجب کو نور نبوت سے سمجھ گئے۔ مجھے فرمانے لگے۔ یہ تیرا امام ہے اور تیرے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مجھے اس خواب کے بعد اس سستی پاک کے ساتھ امید قوی ہے اور میرے اہل شہر بھی بالخصوص امیدوار ہیں۔ اور اس خواب سے میرا یہ خیال بھی صحیح ہو گیا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں پاک ہستیوں میں سے تھے جو اوصاف طبع سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ اس لئے ان کے چلانے والے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر آپ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے (یعنی ارادہ صواب کرے مگر بلا ارادہ خطا ظاہر ہو جائے) یا مصیبت ہوتا ہے (یعنی حقیقت معاملہ کو اچھی طرح پہنچنے والا)۔

اور جب ان کے قائد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو فانی الصفت ہونے اور نبی کی صفت بقا سے قائم ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر سے صدور خطا ناممکن ہے جو اس ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس سے بھی خطا نہیں ہو سکتی۔ یہ درحقیقت ایک نہایت لطیف رمز ہے۔

مروی ہے کہ جب حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ علم دین حاصل فرما کر مشواہدہ بن چکے اور منصب افتا حاصل کر لیا تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اب مجھے کیا حکم ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ عَلَيْنِكَ بِالْعَمَلِ فَإِنَّ الْعِلْمَ بِلَا عَمَلٍ كَالْجَسَدِ بِلَا رُوحٍ۔ اب تم پر عمل لازم ہے اسلئے کہ علم بلا عمل ایسے ہے جیسے جسم بلا روح۔ جب تک علم عمل کے ساتھ نہ ہو صاف نہیں ہوتا اور نہ بغیر عمل زمانہ سے مخلصی ملتی ہے۔ اور جو مجرد علم پر قناعت کرے وہ عالم نہیں ہے۔ اسی لئے کہ عالم مجرد علم پر قانع نہیں ہوتا اور علم کا جو عین ہے وہ خود عمل کا متقاضی ہے جس طرح ہدایت مجاہدہ کی متقاضی ہے۔ یا جیسے مشاہدہ بلا مجاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علم بے عمل نہیں آتا اور علم میراث عمل ہے اور علم کا فائدہ اور اس کا انکشاف عمل کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ غرض کہ کسی صورت میں علم کو عمل سے جدا نہیں کرنا چاہیئے جیسے نور قتاب کو آفتاب کے علیحدہ نہیں کر سکتے اور بتدار کتاب میں ہم نے بیان علم پر ایک مختصر باب لکھ دیا ہے وباللہ التوفیق۔

انہیں میں سے سید زاد قشاہ
حضرت عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ اوداد حضرت عبداللہ بن المبارک عرفی
 ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ کا وجود اپنے زمانہ میں عجب شان قوم میں سے تھا اللہ شریعت طریقت کے احوال و اسباب اقوال میں آپ کو اہم وقت مانا گیا۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخ کرام و صوفیاء عظام کی زیارت فرمائی اور ان کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپ کی تصانیف ہر علم فن میں مشہور اور کرامتیں مذکور ہیں۔

ابتداءً دور آپ کا ایسا تھا کہ آپ ایک کنیز پر فریفتہ تھے اور اتنے دلدادہ تھے کہ ایک رات مستانہ دار اٹھے اور ایک اپنے ہم چشم کو ساتھ لے کر اپنی معشوقہ کے مکان کے زیر دیوار کھڑے ہو گئے۔ معشوقہ بھی آپ کی فریفتہ تھی۔ وہ وقت مہرودہ پر برسبرام آگئی اور تمام شب یہ اُسے دیکھتے رہتے وہ انہیں دیکھتی رہی۔ تمام شب گذر گئی۔

جب صبح کی اذان کی آواز آئی۔ ابھی مبارک کو خیل آیا کہ عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ مگر جب دن نکل آیا تو سمجھے کہ یہ عشاء کی نہیں فجر کی اذان تھی۔ اور میں نے تمام شب حسن پرستی معشوقہ میں گزار دی

نفس کو امر نے ملامت کی آپ کو محسوس ہوا اللہ دل سے کہنے لگے تجھے شرم کرنی چاہیے تو اس رات محض ہوائے نفسانی کو پورا کرنے کو تو نے ایک پاگل کھڑے ہو کر گزار دی۔ اس پر خواہش ہے کہ اعزاز اخروی حاصل کرے۔

اگر یہ شب نماز میں طویل سورت شروع کر کے اپنے رب کے حضور کھڑا ہوتا تو دیوانہ وار خود رفته ہو جاتا۔ ابن مبارک اس پر دعویٰ ایمان لے لیں یہ مکالمہ دل سے کر کے آپ نے فی الفور توبہ کی۔ اور ایسی توبہ کی کہ اس کے بعد آپ کے اوقات علم اور طلب حق میں صرف ہوئے اور زہد و دیانت میں یہ درجہ پایا کہ ایک بار آپ کی والدہ باغ میں گئیں اور آپ کو باغ میں سویا ہوا دیکھا۔ قریب پہنچیں تو دیکھتی ہیں کہ ایک بہت بڑا سانپ شراخ گل منہ میں لیکر آپ کے سر پہ منگس اتنی کر رہا ہے۔ اس زمانہ میں آپ مقام مراد میں تھے۔ اس کے بعد آپ یہاں سے بغداد تشریف لے آئے اور بغداد میں عظام کے فیض صمدی کا مستفید ہونے پھر کچھ عرصہ آپ کو معطلہ میں حاضر رہا۔ بعد ازاں پھر مراد واپس آ گئے۔

لوگوں کو معلوم ہوا تو برائے زیارت حاضر آئے، اور ایک سے آپ کیلئے قائم کیا گیا ایک مجلس خاص آپ کے فیض صحبت سے استفادہ کرنے کو قائم ہو گئی۔

مرد و عورتوں کے اندر کچھ لگ عقلی دلائل کے ماتحت اپنی رائے کے مطابق عمل کرنے والے تھے اور کچھ لگ فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل تھے۔

اب تک ان کا یہی رویہ ہے ان لوگوں کو حسی التفریقین کہتے ہیں۔ اس لئے کہ دونوں فرق باہمی موافق تھے پھر آپ نے یہاں دو مسافر خانے بنوائے۔ ایک ان لوگوں کے لئے جو حضور کے حکم کے ماتحت عمل کرتے تھے۔ دوسرے ان کے لئے جو اپنی رائے اور عقل کی روشنی میں چلتے تھے چنانچہ آج تک یہ دونوں لوگ وہاں موجود ہیں۔ اور اعلیٰ عقیدہ میں دونوں متحد اور ایک عقیدہ پر قائم ہیں۔

بعد ازاں آپ وہاں سے پھر حجاز میں تشریف لے آئے اور یہاں ہی ہمیشہ کے لئے رہ گئے لوگوں نے آپ سے ایک بار پوچھا کہ آپ نے عجائبات عالم میں سے کیا چیز خاص دیکھی۔ فرمایا ایک اہلبے یحیٰ اور اہلبے نصاریٰ کے زہر کو کہتے ہیں جو تھک الہ دنیا ہو جو اپنے طریقہ کے

مجاہدہ و ریاضتوں میں کھل کر زار و زار ہو چکا تھا۔ اور خوفِ الہی سے اس کی کمرانی جھک گئی تھی کہ وہ ہرا ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: یَا زَاهِبْ كَيْفَ الطَّرِيقُ؟ اَلَا اَللّٰهُ فَقَالَ لَوْ عَرَفْتُ اَللّٰهُ لَعَرَفْتُ الطَّرِيقَ اِلَيْهِ فَقَالَ اَنْتَ مَنْ لَا اَعْرِفُكَ وَتَعْنِيْ مَنْ تَعْرِفُهُ وَشَرِّتَنِيْ لَمْ يَكُنْ سَالِيْ كَا كُوْلَا سَا دَسْتَهْ ہے۔ کہنے لگا اگر تو اللہ کو پہچان لے گا اس کے راستہ کو بھی جان لے گا۔ پھر کہنے لگا میں اس کا پرستار ہوں۔ جسے آج تک نہیں پہچانا اور تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے جسے تو جانتا ہے۔

یعنی معرفتِ ذاتِ مقتضیِ خوف ہے۔ اور میں تجھے بے خوف اور بے غم پاتا ہوں اور بخوبی مقتضیِ کفر و جہل ہے۔ اس جواب سے میں نے اپنے دل میں خوفِ محسوس کیا۔ اور اس کے الفاظ نے مجھ پر یہ اثر کیا کہ بہت سے ناکرونی افعال سے رُکا رہا۔

آپ کے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اَلشُّكُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِيَآئِہٖ مَّجْبُوْہًا بارگاہِ کے قلوب پر سکون حرام ہے اس لئے ان کے دل سکون میں نہیں ہوتے۔ دنیا میں ان کا اضطراب طلبِ جمال کے لئے رہتا ہے۔ اور عقبیٰ میں ان کا اضطراب طرب بے کیف کی وجہ میں۔ چونکہ دنیا میں وہ جلوہ یا رے خیمت میں رہنے کی وجہ میں مضطرب رہتے ہیں اور عقبیٰ میں وصل بے کیف کے باعث۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ ان کی دنیا مثلِ عقبیٰ کے ہے اور عقبیٰ مثلِ دنیا کے۔ اس لئے کہ سکونتِ دل کے لئے دو چیز ضروری ہیں: یا حصولِ مقصود یا مراد پانے سے غفلت۔ اور یہ لوگ ان دونوں چیزوں کو روا نہیں رکھتے۔

دو گونہ رنج و غدا بست جان مجنوں را بلا فرقت لیسنے و صبرت لیسنے۔ از ترجمہ غفرلہ اُن کا مقصد یہ ہے کہ خصالِ محبت سے دل کو سکون ہی نہ ملے اور غفلتِ محبانِ الہی کے یہاں حرام ہے اس لئے کہ غفلتِ انی اور حرکاتِ طلب میں سکون ہوا اور وہ اضطراب و اضطراب طلب کے دل میں سکون پسند نہیں کرتے۔ اس بحث میں اہلِ طریقت محققین کے بہت قوی دلائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

انہیں میں سے شاہِ اہلِ حق تبار شاہِ درگاہ و مہلت ابو علی الفضیل بن عیاض

حضرت فضیل بن عیاض

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ بھی صدائیک قوم میں سے تھے اور اکابر صوفیاء سے گزرتے ہیں آپ کو اعمال و عبادات میں سے خاص حصہ عطا ہوا تھا۔ اور باب طریقت میں ایک مشہور صوفی مانے گئے۔

آپ کی بھی ابتدائی کیفیت عیاری و رہزنی میں رہی جس سے باور کے مابین انکا محاذ قرآنی تھا لیکن طبیعت کی خوبی اس وقت بھی اتنی تھی کہ آپ کو جو افراد اور جمہل صلح پسند بند بہت کہا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ جن قافلہ میں نسوانی طبقہ ہوتا اسے لوشنا برا جانتے تھے۔ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ فرماتے۔ اور جس کے پاس کالانے سفر یا سڑیٹ ز اور اعلیٰ کم ہوتا اس سے کچھ نہ لیتے بلکہ معمول کو اگر لوٹتے تو اتنا مال ضرور چھوڑ دیتے جس سے وہ اپنا سفر پورا کر سکے۔

آخر کار ایک سوداگر مروسے روانہ ہوا۔ لوگوں نے اسے کہا کہ راستہ میں فضیل راہزن ہے۔ اس کے لئے کچھ بدرقہ لے جاؤ (یعنی اس کے مقابلہ کا انتظام کر کے جاؤ) سوداگر نے کہا میں نے اس کی راہزنی کے ساتھ یہ بھی سنا ہے کہ وہ خدا ترس آدمی ہے۔ اس لئے کسی خاص انتظام کی حاجت نہیں۔ صرف ایک قاری صاحب کو کچھ روزہ بہ مقرر کر کے ساتھ لے لیا۔ اور اونٹ پر بٹھا کر کہہ دیا کہ آپ راستہ بھر تلاوت قرآن مجید شہد و روز فرمائیں۔ غرض کہ قافلہ اس جنگل میں آگیا جہاں فضیل کا کیس گا، تھی۔

قافلہ دیکھتے ہی فضیل گھات میں لگے۔ اور قافلہ کے قریب پہنچے۔ اتفاقاً اس وقت قاری کی زبان پر یہ آیت کریمہ آگئی۔ اَلْمُرْيَانِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور یاد سے خشوع و خضوع حاصل کریں۔

اس آیت کے سنتے ہی فضیل رضی اللہ عنہ کے دل میں رقت محسوس ہوئی۔ اور آفتاب ہدایت و رحمت ان کی پیشانی پر تاباں ہوا۔ انہوں نے رہزنی کے ابام میں جن جن پر غارت کی تھی سب کی فہرست بنا رکھی تھی۔ اسی وقت توہر کی اور جن جن کا مال لوٹا تھا۔ انہیں راضی کر کے معافی لی۔ اور مروسے روانہ ہو کر بیت اللہ شریف کے مجاور بن گئے۔

یہاں بٹے بڑے بزرگان دین اور عارف کا ملیں کے فیض صحبت سے مستفید ہوتے۔ پھر کوذ میں آکر حضرت امام ہمام ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کی صحبت سے ایک مدت تک متمتع رہے۔

آپ سے ابنِ حدیث میں بڑی بڑی بلند روایات منقول ہیں اور ابنِ تصوف و معرفت میں بہت سے بلند کلام مشہور ہیں۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ اللَّهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ عُبْدَهُ بِكُلِّ طَائِفَتِهِ۔ ”جو اللہ تعالیٰ کا عرفان کامل کر لے وہ ضرور اپنی تمام ہمت و قوت اس کی پرستش میں صرف کرے گا۔

اس لئے کہ جو بھی عارف الہی ہو جائیگا وہ یقیناً اس کے انعام احسان کو جان لیگا اور اس کی رافت و رحمت سے واقف ہوگا۔ پھر جب اسے جان لے گا اس کا یقیناً دوست بن جائیگا اور جب دوست بنے گا تو دوست کی سرپرستی بجا دستاویز لازم کرے گا اس لئے کہ حکم محبوب محبوب پر دشوار باز نہیں ہوا کرتا۔

تو جس کی دوستی جس سے زیادہ ہوگئی۔ حرمِ اطاعت بھی اس میں بڑھ جائے گی۔ اور از دیاد محبت حقائق معرفت میں سے ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور میرے پاس سے اٹھے اور میری نظروں سے اوجھل ہوئے مجھے ویم ہوا کہ شاید حضور ازواج کے کسی کمرہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ میں حضور کے پیچھے پیچھے چلی۔ مسجد میں آئی تو میں نے حضور کو نماز میں قیام فرما دیکھا۔ اور اشکباری میں تمام شب گزر گئی صبح کو بلال آئے فجر کی اذان دی مگر حضور بدستور نماز میں اشکباری کے ساتھ مشغول تھے۔

جب جماعت سے فارغ ہو گئے تو حضور حجرہ میں تشریف لائے میں نے دیکھا کہ پائے اقدس اس قدر متورم ہیں کہ انگلیوں سے شقاق ہوا نہ روپائی جاری ہے میں رونے لگی اور عرض کی۔ حضور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹ اس کے اول آخر تائید فرمائیے پھر اس قدر غم کیسا۔ چھوڑنے سے یہ کام وہ کریگا جسے اپنی عاقبت کے امن کا خط وہ ہے

حضور نے فرمایا اے عائشہ یہ میرے رب کا فضل ہے کہ اس نے مجھے یہ منصب عطا فرمایا۔ اَفَلَا اَكُن عَبْدًا شَكُوْنًا۔ تو کیا مجھے اس کی بارگاہ میں شکر گزار بندہ نہ ہونا چاہیے۔ جبکہ اس نے مجھ پر کرم فرمایا۔ مژدہ بخش سنایا۔ تو کیا تم یہ چاہی ہو کہ میں عبادت و شکر بھی نہ کروں۔ اور اپنی استطاعت و قوت کے موافق استقبال و محبت بھی نہ کروں۔

۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں پچاس نمازیں قبول فرمائیں اور وہ حضور کو قطعاً گراں نہ گزریں۔ حتیٰ کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے سے حضور محض امت کی خاطر واپس تشریف لے گئے اور پچاس کی پانچ نمازیں کرا لائے۔ اس لئے کہ اس ہستی مقدس کی طبع مقدسہ فرمان محبوب کے ساتھ کسی مخالفت کی روادار نہ تھی۔ لِاَنَّ الْمُحَبَّةَ هِيَ التَّوَابِعَةُ اسلئے کہ محبت ہم ہی موافقت محبوب کا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْقُلُوبُ كَالْمُرْصِ وَالْقَابِ فِيهَا كَالْجَارَيْنِ وَاللِّهَامَيْنِ فِي ذَا الْفَرْقَيْنِ الْخَلْقُ وَالْقَيْدُ۔ دنیا بیدار خانہ ہے اور لوگ اس میں پاگللوں کی طرح اکابر ہیں اور ظاہر ہے کہ پاگللوں کیلئے زنجیر و قید ہوتی ہے۔ تو ہماری خوابشات نفسانیہ ہمارے لئے بیڑیاں ہیں اور ہماری معصیت شعاریاں ہماری قید۔

حضرت فضل بن ربیع فرماتے ہیں کہ میں ہارول رشید کے ہمراہ مکہ منکر میں تھا جب حج کیا۔ تو مجھے کہنے لگے اس جگہ مرد بن خلیس سے کوئی خدا کا بندہ ہوتا اس کی زیارت کریں میں نے عرض کی ہاں حضرت عبد الرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ ہیں۔ ہارول رشید نے کہا چلو۔ مجھے ان کی خدمت میں لے چلو۔ ہم ان کے پاس پہنچے اور تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں۔ جب رخصت ہونے لگے تو ہارول رشید نے میرے ذریعہ دریافت کیا یا کہ اگر آپ پر کچھ قرض ہے تو فرمائیں تاکہ ادا کر دیا جائے آپ نے فرمایا ہاں کچھ مقروض ہوں مختصر یہ کہ حکم ہارول رشید وہ قرض لا کر دیا گیا۔ جب باہر آئے تو ہارول رشید نے مجھ سے کہا۔ فضل ابھی میرا دل کسی ان سے زیادہ رفع اٹان مقرب بارگاہ کی زیارت کا متقاضی ہے میں نے کہا حضرت سفیان بن عیینہ بھی یہاں ہیں

ہارون نے کہا۔ چلو چنانچہ وہاں پہنچے۔ تھوڑی دیر فیض صحبت سے مستفید ہو کر رخصت ہونے لگے اور حسبِ اہل میرے ذریعہ یہاں بھی سوالِ قرضداری کا کیا گیا۔ آپ نے بھی اپنا مقروض ہونا ظاہر کیا۔ اور بموجبِ حکم شاہی وہ ادا کر دیا گیا۔ باہر آکر ہارون مجھ سے کہنے لگے فضل ابھی میرے دل کا مقصد مل نہیں پھوٹا کہ اچانک مجھے یاد آگئی کہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بھی یہاں ہی ہیں۔ میں ہارون کو ان کی خدمت میں لے گیا۔ آپ بالا خانہ کے بھروہ میں تلاوتِ قرآن فرما رہے تھے ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے اندر سے دریافت فرمایا۔ کون ہے میں نے کہا۔ امیر المومنین ہیں۔ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب سن کر فرمایا۔ مجھ سے اور امیر المومنین سے کیا تعلق میں نے کہا سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس میں ارشاد ہے۔

لَيْسَ بِالْعَبْدِ أَنْ يَكُنْ لِنَفْسِهِ فِي طَاعَةِ اللَّهِ بِنْدَةً كَوَيْبًا يَهْبِسُ كَطَاعَتِ الْإِلَهِ فِي أَهْلِ كَوَيْبٍ كَرِيءٍ أَيْ مَا الرِّضَاءُ عَزَّ ذَا جَلَالُهُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى مگر رضا بولائیں رہنا ددائی عزت ہے۔ اس رضا کے اہل کے نزدیک تو میری ذات دیکھ رہا ہے اور میں سب اہلِ تعالیٰ کے حکم کے آگے راضی ہو کر ہمیشگی عزت پاتا ہوں۔ پھر آپ نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھول کر چراغ گل فرما دیا۔ ایک گوشہ میں مجھ کے اندر تشریف فرما ہو گئے۔ ہارون اندر میرے میں آپ کو ڈھونڈنے لگے۔ آخر ششِ حضرت فضیل پر ہارون کا ہاتھ جا پڑا۔ حضرت فضیل نے فرمایا۔ وہ ہاتھ جس سے زیادہ نرم میں نے نہیں دیکھا۔ اگر عذابِ الہی سے نجات یافتہ ہے تو بہت سی اچھا ہے۔ ہارون رشید بے شک روپے اور اتنے روئے کہ بیہوش ہو گئے جب بیہوش آیا۔ عرض کی حضور مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے امیر المومنین تمہارے باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انہوں نے حضور سے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی ایک قوم کا امیر بنا دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا میں نے آپ کے ایک ایک سانس کو آپ کی دنیا جی جسم کا امیر بنایا ہے۔ یعنی آپ کا ایک ایک سانس سب اطاعتِ الہی میں گزرے وہ مخلوقات کی اطاعت سے تمہارے سے بہتر ہے۔ لَإِنَّ الْإِمَارَةَ لَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِلَّا لِمَنْ أَتَىٰ اس لئے کہ امارت سے قیامت کے روز بجزِ ندامت کچھ حاصل نہیں۔

ہارون عرض کرنے لگے حضور کچھ اور بھی فرمائیں۔ حضرت فضیل نے فرمایا جب حضرت عسکری بن

عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مسند خلافت پر متمکن کیا تو آپ نے حضرت سالم بن عبداللہ اور
رجاء بن حیوۃ اور محمد بن کعب القرظی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا کر عرض کی کہ میں اس بلا میں مبتلا ہو
گیا ہوں۔ اب بتائیے ان بلاؤں کا علاج میرے لئے کیا ہے۔ میں وہ حقیقت اس منصب کو بلا سمجھتا
ہوں۔ اگرچہ عوام اسے نعمت جانتیں۔ ان حضرات میں ایک صاحب فرمانے لگے کہ امیر المومنین اگر
آپ یہ چاہتے ہیں کہ کل روز قیامت غدا ہی آپ کو ملے تو ہماری اس نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں
۱۔ مسلمانوں کو باپ کی طرح بنگاہ عزت دیکھو

۲۔ جوان مسلمانوں کو مثل بھائی کے برتو۔

۳۔ مسلمانوں کے بچوں کو بیٹوں کی طرح سمجھو۔

پھر انہیں باپ بھائی بیٹوں کی طرح سمجھنا ہی کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ معاملہ بھی باپ
بیٹوں بھائیوں کا سارے ہے۔ پھر یقین دیا کہ اسلامیکہ کی طرح ہوگی اور اہل و عیال کا سارے تیرے
ساتھ ہے گا اور بموجب حکم حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حکومت قائم ہوگی جیسا کہ
ارشاد ہے رَزُّ آبَاكَ وَ اَكْرِمْ اَخَالَكَ وَ احْسِنْ عَلٰى قَلْبِكَ اپنے باپ کی ریت کرادو
بھائی کے ساتھ احترام سے پیش آ اور اولاد کے ساتھ نیک برتاؤ کرادو

پھر حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے ہارون کو فرمایا۔ امیر المومنین مجھے خوف ہے کہ یہ
آپ کا حسین رخ زیبا کہیں دوزخ کی آگ میں نہ جھلسے۔ لہذا آپ سب سے زیادہ خوف الہی رکھیں
اور اس کے احکام کے حقوق اس وقت سے زیادہ بہتر صورت میں ادا کریں۔ اس کے بعد
امیر المومنین ہارون رشید نے عرض کی حضرت آپ پر کچھ قرضہ تو نہیں حضرت فضیل نے فرمایا
ہاں۔ قرضہ ہے مگر وہ تیرے ادا کرنے کا نہیں۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی پیروی کا قرضہ
ہے۔ اگر اس قرضہ میں وہ مجھے پکڑے تو مجھ پر افسوس ہی افسوس ہے۔ ہارون رشید عرض کرنے
لگے حضرت میں تو لوگوں کے قرض کے متعلق استفسار کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ کا ہزار ہزار
شکر ہے کہ اس کی طرف سے مجھے بھید نعمتیں مل رہی ہیں مجھے ہرگز اپنے رزاق حقیقی کا شکوہ
نہیں جو میں بندوں سے کتنا پھروں۔

ہارون رشید نے ہزار دینار مشکش کئے اور عرض کی یہ قبول فرمائیں اور اپنی ضرورتوں

marfat.com

Marfat.com

میں صرف کریں۔ حضرت فضیل فرماتے تھے۔ امیر المؤمنین میری کوئی نصیحت تم پر کارگر نہ ہوئی۔ اور ابھی سے ظلم و جور اور رویاہ گری شروع کر دی۔ ہارون کہنے لگے حضور میں نے کیا ظلم کیا۔ فرمایا میں نے تجھے نجات کی طرف بلانا چاہا۔ تو تو نے مجھے بلا میں پھانسنے کا ارادہ کیا۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ہارون اور فضل رحمہما اللہ دونوں روتے ہوئے رخصت ہوئے حضرت فضل بن ریح فرماتے ہیں کہ باہر آکر ہارون نے مجھے کہا۔ اے فضل زشتہ خصلت صوفی اگر ہے تو یہ ہے۔ بہر شان بے نیازی اصریر رعب و اب کی ادائیں اس کے کمال ولایت کی دلیل ہیں۔ ان کی نظر میں دنیا اور اہل دنیا ہی جو حقارت ہے اس کی نظیر وہی حضرت فضیل ہیں اور زینت دنیا سے شرافت اور اہل دنیا کی تواضع سے بے پروا ہی جو میں نے ان میں پائی۔ اس کی مثال ہی یہی خود ہیں۔

علاوہ انہیں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مناقب و پاک حالات ہیں۔ مگر یہاں مختصر اس پر اکتفا کیا گیا

انہیں میں سے سفینۃ التحقیق و کرامت شمشیر
حضرت ذوالنون مصری شرف ولایت ابو الفیض حضرت ذوالنون بن ابیہم
 مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نہایت خوش خلق تھے۔ آپ کو ثوبان کے نام سے پکارا جاتا تھا
 خاندانی حیثیت سے عالی ادراہل طریقت میں عارف اور صوفی کامل مانے گئے ہیں۔ آپ طبعیہ
 ملائقیہ پر تھے۔ اسی وجہ سے اہل مصر کی نظروں سے آپ کے مناصب عالی مخفی رہے۔
 کوئی آپ کو بری نظر سے دیکھتا۔ کوئی معمولی آدمی سمجھتا۔ غرض کہ جب تک آپ مصر میں رہے کسی نے
 آپ کے حال باطن اور جمال ایمانی کو نہ پہچانا۔ جبکہ آپ کی رحلت ہوئی اور جس بات دنیا سے
 کوچ فرمایا۔ تو شہر کے ستر آدمیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت
 کی اور یہ فرماتے تھے کہ اللہ کا دوست ذوالنون مصری آ رہا ہے ہم اس کے ہتھکڑیاں کو
 آئے ہیں۔ جب وفات ہو گئی تو آپ کی پیشانی پر خط جلی لکھا ہوا پایا۔
 هَذَا جَبِيْبُ اللهِ مَا كَانَ فِي حُبِّ اللهِ قَبِيْلُ اللهِ "یہ خدا کا محبوب ہے۔ اللہ

کی محبت میں وفات پائی۔ یہ قلیل باشد ہے۔

جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو مرغمان ہوائی آپ کے جنازہ پر اس طرح چھلگئے کہ پتے پر
بلا کر مثل برسایہ کتان تھے۔ ابا لیان مصر نے جب آپ کا یہ درجہ رفیع دیکھا تو پچھتائے اور جو
لوگ آپ کو بڑی نظر سے دیکھتے تھے تائب ہوئے۔

آپ کی کافی تعلیمات اور حقائق علوم میں نہایت نفیس بیانات موجود ہیں چنانچہ فرماتے
ہیں۔ اَلْعَارِفُ كُلُّ يَوْمٍ اَخْتَمَ لَانَّهُ فِي كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الرَّبِّ اَقْرَبُ بِرُوحِ
عارف کامل خاشع و ترساں رہتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی ہر ساعت تقرب مرتبہ قرب میں قریب
ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص بارگاہ میں قریب تر ہوتا جائیگا۔ لامحالہ شہین جبروتی کا تحیر
بڑھتا رہے گا اور جتنا تحیر ترقی افزا ہوگا خشوع و خضوع ترقی کرے گا اور جلال حق اس پر
اور اس کے دل پرستولی ہوتا جائے گا۔

تو پھر وہ اپنے کو اتنا اجنبی اور بعید سمجھتا ہے کہ آرزوئے وصل بھی فنا ہو جاتی ہے اور
خشوع پر خشوع زیادہ ہونے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
بحالت مکالمہ جناب باری سے عرض کیا۔ اَیْنِ اَطْلُبُكَ قَالَ عِنْدَ التَّوَكُّلِ قُلُوبُكُمْ
”اہی میں تجھے کہاں تلاش کروں فرمان الہی ہوا ٹوٹے دلوں میں“
اور اُن میں جو قید عشق سے اپنے کو بایوس کر چکے ہیں

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اہی مجھے میرے دل سے فائدہ کوئی نا امید تر اور کستہ نظر نہیں
آتا۔ تو ارشاد باری ہوا کہ موسیٰ پھر وہیں چل جہاں تو ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جس میں ترس و خشوع
نہیں اس کا دعویٰ عرفان جہات خالص ہے۔ اُسے عارف نہیں کہہ سکتے

اس لئے کہ حقیقت معرفت کیلئے علامات صدق ارادت لازمی ہے۔ اور ارادت صلاوق بندہ
کامل کے اسباب انساب کو قطع کرنے کی طرف آمادہ کرتی ہے۔ اُسے سوائے اپنے رب جل مجدہ کے کسی
سے تعلق و نسبت نہیں رہتی۔

میساکر ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا۔ اَلصِّدِّيقُ سَيْفٌ اللّٰهُ فِي اَرْضِنَا مَا وَضِعَ

ماریات.com

Marfat.com

کچھ باتیں کی جائیں۔ چنانچہ جب وہ قریب آیا تو میں نے دیکھا۔ وہ مرد نہیں ہے بلکہ ایک بڑھیا
 معمرہ ہے۔ ہاتھ میں لکڑی ہے۔ اور شیشہ کا جھنڈا ہے۔ میں نے کہا میں اُن کو آپ کہاں
 سے تشریف لارہی ہیں۔ قَالَتْ مِنْ اللَّهِ فرمایا اللہ کی طرف سے قُلْتُ اِلٰی اَیْنِ مِنْ نے
 کہا کہ ہر تشریف لے جا رہی ہیں۔ قَالَتْ اِلٰی اللَّهِ فرمایا اللہ کی طرف۔ میرے پاس کچھ دینار
 تھے۔ میں نے کال کر پیش کرنے چاہے کہ اٹا لے سے مجھے روک دیا اور فرمایا کہ لے ذوالنون تیرا
 وہم جو میری طرف سے تیرے دل میں پیدا ہوا یہ میری عقل کے ضعف کی بنا پر ہے۔ میں جو کام
 کرتی ہوں اللہ کے لئے کرتی ہوں اور سوانے اپنے رب کے کسی سے کچھ نہیں لیتی۔ اس لئے کہ میں سواد
 اس کے کسی کی پرستار نہیں تو جس کی پرستار ہوں اسی سے جو لینا ہو وہ لیتی ہوں۔ یہ فرمایا اور مجھ
 سے علیحدہ ہو کر چلیں۔ اس واقعہ میں ایک عجیب غریب رمز لطیف ہے کہ اس بڑھیا
 مقرب۔ بارگاہ نے کہا۔ میں ہر کام اسی کے لئے کرتی ہوں۔ یہ انکی صدق محبت کی دلیل ہے۔

اس لئے کہ لوگوں کے عمل دو صورت پر ہوتے ہیں ایک تو وہ جو اپنا ہر کام شراعت کے لئے کرتے ہیں۔
 اور جانتے ہیں کہ ہم نے یہ کام خالص اللہ کے لئے کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ وہ خالص اللہ کے لئے
 کرتے ہیں۔ مگر کچھ بھی وہ اپنے لئے کرتے ہیں اگرچہ ان کی ہوائے نفسانی اور خواہش ان سے منقطع
 ہوتی ہے۔ مگر آخر وہ جو عمل کر رہے ہیں اس میں حرص ثواب آخرت اور جزائے جنت کا لالچ ضرور
 ہوتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں کہ عمل کرتے ہیں مگر ثواب عقاب آخرت اور ریاضت و ریاضتوں سے
 علیحدہ ہو کر محض تمیل حکم محبوب کے لئے کرتے ہیں۔ اور حقیقہً شامحت حق تعالیٰ اس کی متقاضی ہے کہ اپنے
 حقوق سے بھی علیحدہ ہو کر فرمان محبوب کی تعمیل حکم اور تعظیم میں بھٹک جائے۔

پہلی جماعت کے خیال میں یہ بات سمجائی ہوتی ہے کہ جو کچھ آخرت کے لئے کیا جائے وہ خالص
 اللہ کے لئے ہے۔ اور انہوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ اطاعت کرنے سے مطیع کو جو بیکر اہل حصہ ملے گا
 وہ دنیا کی اس مصیبت سے بہتر ہے جس میں اس دنیا کے اندر راحت اور تھوڑی دلیطف حاصل
 ہوتا ہے اس لئے اطاعت الہی کے بدلہ جو راحت ابدی ملے گی وہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔

اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال و عبادات و ریاضات و مجاہدات سے کیا فائدہ ہے
 اور اعمال صالحہ ترک کرنے سے کیا نقصان ہے مگر تمام عالم صدق ابو بکر رضی اللہ عنہ حاصل کر لے تو اس کا

فائدہ اسی کے لئے ہے اور کذب فرعون اختیار کرنے تو اس کی ذات تو وہ صفات کا کیا نقصان
سوا اس کے کہ اپنی جان پر ظلم ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ، وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا۔ اگر تم اچھے عمل کرو گے
تو اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کر گے اور اگر بُرے عمل کرو گے تو وہ بھی تمہاری جانوں پر ہیں۔
اور یہ بھی فرمایا۔ وَمَنْ جَاهَدْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ
”جس نے کوشش کی تو یقیناً اس نے اپنے لئے کوشش کی بیشک اللہ تعالیٰ عالم سے بے نیاز ہے“
لوگ ملک ابدی اپنے لئے چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کریں گے وہ خالص اللہ کے لئے
کر رہے ہیں۔ یاد رکھو محبت الہی میں طریق محبت اختیار کرنا یہ بالکل علیحدہ چیز ہے۔

دوست دوست کے حکم کی تعمیل اس غرض سے نہیں کیا کرتا کہ اس کا معاوضہ ملنے کی
امید رکھے بلکہ اس کا مقصد اس تعمیل میں صرف اور صرف دوست کے حکم کی ادائیگی اور
اس کی خوشنودی مرکوز ہوتی ہے۔ اس کی نظر کسی اور چیز پر نہیں جاتی۔ یہاں صرف اتنا ہی
کافی ہے۔ خدا نے چاہا تو اس کی تفصیل باب اخلاص میں بیان ہوگی۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمہ اللہ علیہ
انہیں میں سے میرا مرزا سالک طریق لقا
ابو اسحق حضرت ابراہیم بن ادہم بن منصور

رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں۔ اپنے زمانہ کے یگانہ عارف طریقت اور سید قرآن گذرے ہیں
آپ کی بیعت حضرت خضر علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھی۔ آپ نے بہت سے فتراء
مشائخ کو دیکھا اور حضرت امام ہمام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ
رہ کر تحصیل علم فرمایا۔ ابتدائی ذریعہ میں آپ امیر بیخ تھے۔ ایک دن آپ شکار لوگئے اور اتفاقاً لشکر
سے بچپڑ گئے اور ایک ہرن کے پیچھے لگ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ہرن کو قوت ناطقہ عطا فرمائی اس نے بزبان فصیح حضرت ابراہیم بن ادہم
رحمۃ اللہ کو مخاطب کر کے کہا۔ اَلِهٰذَا اَخْلَقْتَ اَوْ هٰذَا اُؤْتِیْتُ۔ کیا اسی لئے تم پیدا
کئے گئے تھے یا اسی کام کا تمہیں حکم ملا ہے۔

یہ سنتے ہی آپ کے دل میں خیل آیا۔ اور توبہ فرما کر سب سے ہاتھ اٹھا لیا اور زہد ورع

کے پابند ہو گئے۔

پھر حضرت فضیل ابن عیاض اور حضرت مسنیاں ثوری رضی اللہ عنہما سے ملے۔ انہی صحبت میں رہ کر مستفید ہوئے۔ اور قوبر کے بعد آپ نے اپنی محنت کی آمدنی کے سوا بیت المال وغیرہ کسی ذریعہ کو ذریعہ معاش نہ بنایا۔ آپ کی عملی شان اظہر من الشمس ہے اور آپ کی کرامات بیحد مشہور ہیں۔ فن تصوف میں آپ کے بڑے بڑے لطیف و بدیع اقوال بغیرہ نقل ہیں۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ آپ کی توصیف میں فرماتے ہیں: مَقَاتِمُ الْعُلُومِ اِبْنُ اَهْمَكُ كُنْجَانُ جَمِيعِ عِلْمِ اِبْرَاهِيمَ بْنِ اَدَمَ مِنْ اَبٍ سَمَوِيٍّ هُوَ كَمَا فَرَمَا: اَتَّخَذَ اللّٰهُ صَاحِبًا وَفَدَّ النَّاسَ جَانِبًا۔ الشَّجَلُ عَلَا شَادُ كُوَا پَنِيَا رِكْزَا اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جب بندہ کارِ جوع بحق تعالیٰ درست ہو تو وہ محبت الہی میں مخلص بنتا ہے۔ اور مخلصانہ رجوع الی اللہ اس امر کا مستقاضی ہے کہ ماسوائے اللہ سے اعراض و انحراف کرے۔ اس لئے کہ صحبت خلق کو معاملہ الہی سے کٹی سروکار نہیں اور محبت الہی اگر صحیح طور پر قبول کر لی جائے تو پھر مخلص بحق تعالیٰ ایسا ہو جاتا ہے کہ فرمان الہی کے پورے کرنے اور اطاعت الہی میں ٹکونسا ز رہنے میں اخلاص کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ خلوص عین محبت ہے۔ اور خلوص محبت بحق جب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب نفس امارہ سے دشمنی ہو جائے تو نفس امارہ کے دشمن سے حرص و ہوا کی تمام بھیر بہاڑ دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ جو ہواؤ حرص و آز کا آشنا و پابند ہے وہ یقیناً خدا سے جدا ہے۔ اور جو شاخ ہوا کو کاٹ چکا۔ وہ اپنے رب کی خلوة خاص میں آریدہ ہو گیا۔

تو درحقیقت وجود انسان ہی اپنے حق میں دنیا ہے جب انسان اپنے وجود سے اعراض کرے تو گویا اُس نے مخلوقات سے اعراض کر لیا۔ اور جس نے اپنے وجود کی طرف توجہ کی تو گویا مخلوق کی طرف متوجہ ہوا اور یہی وہ جہاں ہے جو اُس نے اپنے اوپر کی۔ اور یہ بھی مسلم امر ہے کہ تمام مخلوقات جس حال میں ہے بحکم تضاؤ و قدریح ہے مگر ہر انسان کو اپنے سے کام ہے۔ اور ہر انسان مخلوق ہے۔

تو بنابر استقامت ظاہری و باطنی طالب کے لئے دو چیزوں پر ہے۔

marfat.com

Marfat.com

ایک اس امر پر کہ اپنے کو پہچانے اور جانے یعنی علم حاصل کرے۔ دوسرے وہ عمل جو کر رہا ہے۔ اسے سمجھے اس کا تعلق رویت لوح تقدیر پر ہے۔ اس میں ترک فرمان حق کو محبت ماتحت تقدیر نہیں بنایا جاسکتا۔

اس لئے اعراض مخلوقات سے اس وقت تک صحیح نہیں ہوگا جب تک خود اس کی جانب سے ارادہ ثنائی اعراض نہ ہو۔ جب خود اپنے ارادہ سے اعراض مخلوقات سے کر لیا تو سب کچھ مرادیں اپنے رب سے پالے گا۔ اور جب حق تعالیٰ شاذہ کی طرف رجوع ہوا۔ تو گویا اقامت امر حق کے لئے خود آیا۔ اب مخلوقات سے آرام حاصل کرنے کی کوئی صورت تیرے پاس نہ رہے گی۔ تو جو چیز بھی سوائے حق جل علاہ شاذہ کے کسی غیر سے چاہے گا۔ تو اس کے یہ معنی ہو گئے کہ بغیر اللہ سے آرام جان طلب کر رہا ہے اور بغیر رویت توحید ہوگا۔ اور آرام اپنی ذات سے حاصل کرنا اثبات تعطل ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن سابع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کو بلی کی طرح رہنا اس سے بہتر ہے کہ اپنے اعتبارات میں رہے۔ اس لئے کہ صحبت یا غیر خدا کیلئے ہے اور صحبت بان خود حرص و خواہ کے پائے کے لئے۔

اب اس بحث کو ہم اسی کتاب میں کسی اور جگہ مفصل بیان کریں گے۔
حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت ہے جو فرماتے ہیں کہ جب میں خلیل میں گیا ایک ضعیف العمر بزرگ صورت سے ملا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ اے ابراہیم تمہیں معلوم ہے۔ یہ کون جگہ ہے۔ تم بغیر زاد و راحلہ کے جا رہے ہو۔ میں اسے سمجھ گیا کہ یہ ضعیف العمر بزرگ نہیں بلکہ شیطان ہے۔ میری جیب میں چار درم نقرئی پڑے تھے۔ جو میں نے کوفہ میں زبیل بیچ کر جیب میں ڈال لئے تھے۔ میں نے انہیں نکال کر بیچ دیا۔ اور عہد کیا کہ ہر سال پر چار سو روپے نفل پڑھوں گا۔ چار سال متواتر صبر افور دی میں رہا میرا رزاق مطلق بلا کسی تکلیف کے مجھے روزی پہنچاتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ اُن کے فیض صحبت میں میں نے اُن سے اللہ کا نام سیکھا۔ پس اس کے بعد سے میرا دل ماسواۃ اللہ سے قطعاً فارغ ہو گیا۔ علاوہ ازیں آپ کے بہت سے مناقب میں۔ واللہ التوفیق

انہیں میں سے سریر معرفت تاج اہل
حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ

معاملت حضرت بشر بن الحارث الحافی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ مجاہدات و ریاضات میں بڑی بلند شان والے ہیں۔ اعمال
اخلاص میں حیط نام رکھتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض کے خاص صحبت یافتہ لوگوں
میں سے تھے۔ وہ اپنے ماموں حضرت علی بن حشر رضی اللہ عنہ سے مرید تھے۔ مسلم
اصول و فروع کے بڑے جید عالم گذرے ہیں۔ آپ کی توبہ کا ذکر یوں ہے کہ ایک روز
آپ مست شباب ہوئے جا رہے تھے راستہ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا اسے تعظیم کے
ساتھ آپ نے اٹھا لیا۔ اُسے پڑھا تو لکھا ہوا تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ آپ نے اُسے
عطر لگا کر پاک تمام پر رکھ دیا

اُسی رات خواب میں جمال البی سے شرف ہوئے اور یہ بشارت سُنی۔ یَا بُشَیْرُ
طَلَبْتَ اِجْنَ فَبَعَثْنِيْ لِطَلَبِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَلَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اَنْ اَنْتَ لَمْ تَكُنْ
نَحْوَ شَبُوْكَیَا مِیْرَی عَزَّتْ وَجَلَّالُیْ قِسْمٌ مِّنْ تِیْرَی نَاكِیْ مِهْکَ دُنْيَا وَاٰخِرَةٍ مِّنْ یَّحْیُوْثِیْ کَا۔
حتیٰ کہ کوئی تیرا ناک نہ سنے گا مگر ہاں سنا اسے راحت دل ملے گی۔ آپ نے اپنی آرزو دُش سے
اسی وقت توبہ کی اور زہد و تقویٰ کا طریقہ مضبوط تھا مایا اور شاہدہ جلیل یار میں اتنے محو
ہوئے کہ غایت استغراق میں جوتی بھی نہ پہنتے راسی و جبر میں آپ حافی کہلاتے ہیں۔ حافی ننگے
پیر کو کہتے ہیں، لوگوں نے پوچھا آپ نے جوتی پہنا کیوں ترک دیں۔ فرمایا زمین میرے محبوب کا بنایا
ہوا فرش ہے۔ میں جائز نہیں سمجھتا کہ محبوب کے بچاٹے ہوئے فرش سے اپنے پیروں کو علیحدہ کر دوں
اور میرے پیر اور اُسکی بساط میں کوئی واسطہ رکھوں۔

یہ بات آپ کے غرائب محالات میں سے ہے کہ ان کے نظر و خیال میں پاؤں اور زمین کے
مابین جوتی بھی حجاب تھی۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّکُوْنَ عَزِیْزًا فِی الدُّنْيَا وَشَرِیْفًا فِی الْاٰخِرَةِ فَلْیَحْجِبْ
ثَلَاثًا لَا یَسْئَلُ اَحَدًا اَحَابَّتَهُ وَلَا یَدُّکُمْ اَحَدًا یُسُوْدُ وَلَا یَجِیْبُ اَحَدًا
اِلٰی طَعَامِهِ ”جو چاہے کہ دنیا میں عزت دار رہے اور آخرت میں شریف تو اسے چاہیے

کہ تین باتوں سے مجتنب رہے (۱) مخلوقات میں سے کسی کو اپنی حاجت روائی نہ چاہیے۔
(۲) کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے (۳) اور کسی کا ہمان نہ بنے۔

اس لئے کہ جو اپنے رب کے دروازہ کو جانتا ہے اُسے مخلوق کے سامنے حاجت لے جانے کی کیوں حاجت ہو اور یہ حقیقت ہے کہ وہ مطلق کے در کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف وہی درست سوال و راز کرے گا جیسے کیف عرفان حق حاصل نہ ہوا ہو۔ اور جبکہ یقین قلب کے ساتھ وہ جان چکا کہ قاضی الحاجات تمام کالم کا وہی حیل حقیقی ہے تو جس غیرت سے حاجت روائی چاہے گا وہ اپنے جیسے سے حاجت روائی چاہنا ہوگا۔

لَا تَسْتَعَانَّةَ لِمَخْلُوقٍ مِنَ الْمَخْلُوقِ كَاسْتَعَانَةِ الْمُسْتَجِوِنِ مِنَ الْمَسْجُونِ۔ اس لئے کہ طلب اعانت مخلوق کی مخلوق سے ایسے ہے جیسے ایک قیدی اپنے ساتھ کے قیدی سے اعانت چاہے۔ (اقول بالشر التوفیق)۔

حضرت شہر حافی کے اس قول پر جو ذکر ہوا۔ عارف بالشر فانی فی اللہ حضرت خواجہ عالم مخدوم علی بن عثمان الجلائی رحمۃ اللہ نے جو تحریر فرمایا بالشر العظیم ان کے مرتبہ اور شان کے لئے ہی شایان ہے لیکن اس سے کوئی نجدی یا زبانی توحید کا بیمار یہ نہ سمجھے کہ یہ شان ہر ایراغیر لائق تھو میرا کی ہے بلکہ یہ مرتبہ ان پاک ہستیوں کا ہے جو مشاہدہ جمالی یاریں ہر آن مستغرق رہنے والے ہیں۔ عوام کے لئے تو قرآن کریم وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ فرما رہا ہے اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فليَسْأَلْ أَعِيشُوا فِي يَاسِعَاتِ اللَّهِ کا حکم مکرر کر رہے ہیں۔ لہذا اس مضمون سے عوام غلط فہمی میں پڑ کر اپنے کو محروم نسبت خاصان بارگاہ نہ بنائیں۔ اچھی طرح یاد رکھیں کہ یہ خاصان بارگاہ شہناوران و ربکا محبت غرق بجز وحدت مرستان بادۂ عشق و معرفت کے شلن کی ترجمانی ہے۔ عوام کا یہ درجہ ہرگز ہرگز نہیں۔ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور صدر مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان۔ آگے فرماتے ہیں تہذیبیہ جو شخص کسی کو برا کہے یہ برا کہنا تصرف کرنا ہے حکم الہی کے اندر اس لئے کہ وہ جسے برا کہا اور اس کے افعال کا خالق رب العزت تبارک و تعالیٰ ہے۔ اور حضرت عزت امجد جل مجدہ کی بنائی اور پیدا کی ہوئی چیز میں نقادی کرنا اس کے فعل فیہم

حضرت یزید بسطامی رضی اللہ عنہ انہیں میں سے خاک معرفت فلک محبت

یونیر پیٹیفورین عینے بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہیں ماجدہ مشائخ سے گزری ہیں۔ ان کی کیفیت عالیہ اعلیٰ درجہ پر تھی اور ان کی مشائخ تصوف بہت بلند مانی گئی ہے جتنی کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

أَبُو يَزِيدٍ مَثَابَةٌ جَبْرِيْلٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ۝ يَزِيدُ بَسْطَامِي بِمِثْلِ مَعْلَمٍ
مِثْلِ جَبْرِائِيلَ فِي جَبْرِائِيلَ ۝

آپ کے جدا مجد مجوسی تھے اور بسطام کے معز زین میں سے ایک آپ کے والد بھی تھے اور آپ سے احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت روایات ہیں۔

رو کرنا ہے۔ اس لئے کہ جب کسی فعل کو عیب لگے کہا گیا تو یہ فاعل کو عیب دار کہنے کے مترادف ہے سو اس کے کہ جس چیز کو اس کے خالق نے جس حکم کے ساتھ ظاہر کرنے کو فرمایا اس کی تعمیل حکم میں ویسا کہو جیسے حکم الہی کی تعمیل میں ذمہ کفار کرنا ہم پر فرض ہے دوسری علی بذاتہ اللہ مثل النجدیۃ والرفضۃ والوالبیہ والمرزائیہ ومن علی الباطل ابو الحسنات قادری۔

ہے باقی تیس زکفر و اسلام گیس ورنہ تیرے کافر بھی اچھے (لا ترمیم) اور یہ جو فرمایا کہ کسی کی مہمانی میں نہ جائے۔ یہ اس لئے کہ جب رزاق مطلق خدا ہے تو اگر وہی مخلوق کو تیری روزی کا سبب بناتا ہے تو بنائے۔ تو ہر حال میں اپنے رازق حقیقی کو دیکھ۔ مخلوق کو نہ دیکھ۔ بقول سعدی شیرازی۔

نہ کس مبدل اند نہ کس سے دہد خدا سے وہ اند خدا سے دہد (لا ترمیم) تو یہی یقین رکھ کہ یہ روزی میرے رب نے مجھے دی اور اگر وہ اس معذی رسانی پر مجھے اپنا احسان مند بنائے تو ہرگز نہ کہ اس کی دعوت قبول نہ کر اس لئے کہ روزی کسی فدیہ سے پہنچے وہ تیرے رازق حقیقی نے پہنچائی ہے اس میں کسی کا احسان نہیں

ہاں یہ ضرور ہے کہ اہل سنت کے نزدیک روزی جو ہے وہ غذا ہے اور معتزلہ کے نزدیک روزی بلکہ ہے۔ اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ بذریعہ غذا پاتا ہے نہ مخلوق مخلوق کو یہ مجاز محض ہے اللہ اس

اور آپ اپنے بسطام کی آبادی میں فروا نفریہ گزرتے ہیں اور فن تصوف میں آپ کو یکتا عالم
 مانا گیا ہے اور حقائق علم بیان کرنے میں آپ سے زائد دوسرا نظر نہ آیا اور آپ علم کے ساتھ محبت
 و شریعت مطہرہ کی خاص طور پر تعظیم کرنے والے تھے اور یہ تمام صفات آپ میں حقیقتہً موجود
 تھیں یہ نہیں کہ الٰہی دوزنہ کی مدد کے لئے زہد و ورع کا محض پردہ ڈال لیا ہو جیسا کہ اکثر ایسا
 لیتے ہیں۔

بلکہ آپ ابتداء سے مجاہدہ و عمل صالح میں رہے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں۔ عَمِلْتُ فِي
 الْمَجَاهِدَةِ ثَلَاثِينَ سَنَةً ثُمَّ فَجِدْتُ شَيْئًا أَشَدَّ عَلَىَّ مِنْ أَنْ يَعْلَمَ وَمُتَابَعَتِهِ
 وَأَوْلَا اِخْتِلَافَ الْعِلْمِ وَالْبَقِيَّةِ وَ اِخْتِلَافُ الْمُتَمَارَحَةِ إِلَّا فِي تَجَرُّدِ التَّوْحِيدِ
 تیس سال مجاہدہ کرتا رہا میں نے شدید ترین علم و عمل سے کسی چیز کو نہ پایا اور اختلاف علم نہ ہوتا تو
 میں نہ ہر دور سے رہ جاتا اور حق اطاعت دیں ادا نہ کر سکتا اور سچ بات یہ ہے کہ اختلاف علماء
 رحمت ہے۔ گر جبکہ توحید میں مجرور ہو جائے تو پھر اختلاف نہیں رہتا۔ بقول شاعر۔

پہ کافر چہ کفر چہ گبر و چہ ترسا دو عالم بدو زلف مشید ابر آمد (از مرقم)
 اور حقیقت حال یہ ہے کہ عالم طور پر طبیعت علم کے مقابلہ میں جہل کی طرف زیادہ میلان
 رکھتی ہے اور جہل کا یہ ادنیٰ فائدہ واضح ہے کہ بہت سے کام بغیر کسی فکر کے انسان کر سکتا ہے۔
 اور اس علم کا پہلا نتیجہ ہے کہ الٰہ کوئی قدم نہ کرے بغیر نہیں اٹھ سکتا اور شریعت اسلامیہ کا راستہ
 اور اس کی پل صراط اخروی پل صراط سے کہیں زیادہ باریک اور پر خطر ہے۔

تو ایسے ماحول میں انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اس طرے رہے کہ اگر بلند و بالا مقامات ولایت
 حاصل کرنے سے عاجز ہو تو میدان شریعت میں رہ جائے اور بندی سے گریے تو اوپر اوپر نہ گریے
 بلکہ شریعت کے ماحول میں گر کر کھڑ جائے۔ تاکہ اگر تمام کمالات و مراتب تقرب تکجہ سے رو جائیں
 تو کم از کم تیری عملی کیفیت تو باقی رہے۔ اس لئے کہ میر کیئے حبیبوں کی بڑی بلا اور آفت نزک عمال ہے
 اور شریعت مطہرہ کی اتباع اور اس کے ماتحت معاصر رکھنے میں مدعیان ولایت و کرامت کے
 تمام دعاوی گم ہو جاتے ہیں۔ اور تمام انسان اپنی لسان سے جو پردہ ڈال کر لوگوں کو گمراہ
 کرتے پھرتے ہیں۔ برہنہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت بائزید سطاہی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ: آپ نے فرمایا: **الْحُبُّ لَا يَخْطُرُ لَهْفًا**
عِنْدَ أَهْلِ الْمُحَبَّةِ وَأَهْلِ الْمُحَبَّةِ كَمُحِبِّو دُونَ بِمُحَبِّتِهِمْ "عشاق اور اہل محبت
کے دلوں میں جنت کا کبھی خطرہ بھی نہیں گزرتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب کے پردہ محبت
میں محبوب ہیں۔ انہیں اپنے محبوب کے انداز و ناز کے مقابلہ میں کسی دوسرے طرف دیکھنے
کی ہمت ہی نہیں۔"

اور چونکہ بہشت مخلوق ہے۔ اگرچہ مخلوقات میں بہترین مخلوق یہی مگر محبت محبوب
صفت محبوب ہے۔ اور صفت مخلوق نہیں۔ تو قدیم کو چھوڑ کر جو مخلوق کی طرف گیا۔ وہ
محروم ہوا۔ تو عجبان محبوب پر وہ محبت میں ردپوش ہیں اسلئے کہ جو محبت محبوب یعنی دونوں
ہے اور اصل توحید میں دوی کا وجود ہی نہیں۔ اس لئے عجبان الہی وحدانیت سے
وحدانیت کی طرف جوتے ہیں اور ماسوے اللہ سے بالکل محجوب

اور یہ بھی حقیقتہً الامر ہے کہ طریقہ محبت میں علت محبت بھی محبت ہی ہے۔ اسلئے ایک
بڑی آفت جو اس محبت میں ہے۔ وہ یہ کہ دوستی میں ایک مرید اور ایک مراد ضروری ہے
تو اب اگر مرید حق ہے تو بندہ مراد ہوگا۔ اور اگر مراد حق ہے تو مرید بندہ ہوگا۔

تو ایسی صورت میں جبکہ حق کو مرید اور بندہ کو مراد کہا جائے تو بندہ کا ثابت ہونا
لازم ہوگا (جو بالکل باطل ہے) اور اگر حق تعالیٰ مراد اور بندہ مرید قرار دیا جائے۔ تو
بھی طلب ارادت مخلوق بجانب حق لازم آئے گی۔ اور طریقہ محبت میں ان توجہات کا قطعاً
دخل نہیں۔ بہر حال محب میں آفت ہستی و وجود جتنا کہ ہے اس وقت تک محب نہیں ہو سکتا۔
محب۔ محب ہی جب کہلائیگا جبکہ اس کے ارادہ اور دعاوی تمام فنا ہو جائیں۔ اور یہی
محب کے لئے بہترین مقام ہے۔ اور محب حقیقت وہی ہے جو بقا محبت کے ساتھ فنا
ہو جائے۔ حضرت بائزید رحمۃ اللہ علیہ سے ہی مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

ایک دفعہ میں مکہ معظمہ گیا تو صرف بیت اللہ نظر آیا۔ میں نے کہا حج مقبول نہیں
ہوا۔ اس لئے کہ ایسے پتھر میں نے بیت سے دیکھے ہیں۔ دوبارہ جب گیا تو بیت اللہ بھی
دیکھا اور رب جل علاہ صاحب بیت کو بھی پایا۔ تو میں نے کہا ابھی حقیقت توحید

کشف نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ قدیم کے ساتھ حادث بھی نظر آ رہا ہے
 تیسری بار گیا تو تمام کا تمام جلوہ خداوندی نظر آیا۔ نہ بیت تھا نہ کوہ۔ تو غیر سے
 ملا آئی۔ لے بایزید تو اگر اپنے کو بھی نہ دیکھتا تو خواہ تمام عالم دیکھتا مگر مشرک نہ ہوتا۔ اور
 جبکہ تو تمام عالم کو میرے ساتھ نہیں دیکھتا مگر اپنے کو دیکھ رہا ہے۔ مشرک ہے۔
 میں نے فوراً توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی واسطے کہ توبہ کرنے والا حادث ہو کر اپنا
 وجود مانتا ہوا توبہ کرتا ہے اور اس مقام پر وجود کا اثبات ہی عند الفوقیا شرک خالص ہے۔

حضرت عبداللہ بن حارث انہیں میں سے امام فنون جاسوسی ظنون

حضرت ابو عبداللہ بن حارث بن اسد
 محاسبی رضی اللہ عنہ میں۔ عالم تھے اور اصول و فروع میں عالم کے علماء آپ کی طرف
 رجوع کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے علماء میں ممتاز اور یکہ تاز تھے آپ نے ایک کتاب اصول
 تصوف میں تالیف کی رغائب نام رکھا۔ علاوہ اس کے بہت سی تصانیف بڑے بلند
 فنون میں تصنیف فرمائیں۔ اتنے بلند بہت تھے کہ بغداد شریف میں اپنے وقت کے شیخ
 المشائخ مانے گئے۔

آپ کا ایک ارشاد منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ أَلْعِلْمُ بِحُرُكَاتِ الْقُلُوبِ فِي
 مَطَالِ الْعِلْمِ الْحَيُوبِ أَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحُرُكَاتِ لُجُورِ الْجَوَارِحِ ”جو حرکات
 دل عیوب پر واقف و مگزن رہے وہ عمل ظاہری کرنے والے سے افضل ہے، اس
 سے مراد یہ ہے کہ علم محل کمال ہے۔ اور جہل محل طلب۔ اور علم بارگاہ رب العزت میں
 بہتر ہے۔ اور جہل بدتر۔ علم انسان کو درجہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ اور جہل بارگاہ
 الہی میں جانے سے رکتا ہے۔

اور خلاصہ توبہ ہے کہ حقیقتہ علم عمل سے بزرگ تر ہے۔ اس لئے علم ہی وہ
 ہنرمند ہے جس کے ذریعہ انسان کو عرفان الہی حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر بجالت جہل

یہ حکم ایسی ہستیوں کے لئے ہے عوام اس سے علیحدہ ہیں، از مترجم غفرلہ
 ایک لطیف واقعہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے حال کی ترجمانی کیلئے کافی ہے۔

عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پاسکتا۔ مصرع

کہ بے علم نتوان خدا را شناس۔ از مترجم

اور پھر واضح طور پر ظاہر ہے کہ اگر عمل بلا علم میں کوئی قوت ہوتی تو زمانے کے رہبان اپنے انتہائی زہد اور شدت مجاہدے سے مقام شاہدہ پر پہنچ جاتے اور مومن غیبت میں پڑے رہ کر عاصی کے عاصی ہی رہ جاتے۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ عمل بندہ کی صفت ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

بعض راویوں نے ہماری مذکورہ بالا عبارت میں غلطی کی اور انہوں نے علم و عمل کو

جگہ عمل ہی نقل کر دیا۔ یعنی اسی طرح انہوں نے کہا۔ اَلْعَمَلُ بِخَرَكَاتِ اَلْاَوْثَابِ

اَشْرَفُ مِنْ اَلْعَمَلِ بِخَرَكَاتِ الْاَوْثَابِ۔ حالانکہ یہ محال ہے کہ بندہ کا عمل حرکت

دل کے ساتھ ہوا۔ اگر اس سے مراد فکر و مراقبہ اور حالات قلبیہ ہوں تو تعجب نہیں اس لئے

کہ حضور سیدہ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تَفَكَّرُوا سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةٍ سَنَةً

سَنَةً۔ ایک ساعت قدرت الہیہ کے فکر و مراقبہ میں بیٹھنا ساٹھ ہزار برس کی عبادت سے

افضل ہے۔ لیکن درحقیقت عمل جوارح کو فکر و مراقبہ بستری سے کوئی نسبت نہیں۔ اگرچہ

یقیناً عمل بستری ہونے کے علاوہ اعمال جوارح سے فاضل تر ہیں اور افعال باطن سے

حالات پر اثر ہوتا ہے وہ درحقیقت اعمال ظاہر کی تاثیر سے اثر پذیر ہوتا ہے۔

اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نَوْمُ الْاَبْلِغِ عِبَادَةً وَ مَكْرُ الْاَبْلِغِ

مُعَصِيَةٌ۔ عالم کا سونا بھی عبادت ہے اور جاہل کی بیداری معصیت۔ اس لئے کہ خواب

بیداری میں جاہل کا سر یعنی قلب مغلوب ہوتا ہے۔ اور جس کا دل مغلوب ہے اس کا جسم بھی

مغلوب ہے۔ تو دل کا مغلوب بنی ہو یا حرکات ظاہری اور محنت کے سبب نفس امارہ کے

ہونے سے بہتر ہے۔

آپ کے ایک روایت ہے کہ ایک روز آپ نے ایک عیش کو فرمایا کُنْ لِلّٰهِ وَالْاَنْفَالِ

تَنْكُنْ۔ تو یا تو اپنے کو ذات واجب کے سپرد کرے یا فنا ہو جائے یعنی یا بنی یا از خود

ناز ہو جائے۔ صفت ہے متھونک جسے رب جل جلالہ نے فرمایا۔ اَسْجُدْ لِلّٰهِ وَ اَلْاَنْفَالِ

”آدم کو سجدہ کرو۔“ یا اس صفت سے متصف ہو۔ ”هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مِّنْ كُوْرٍ“ کیا انسان پر وہ وقت آگیا اس زمانہ سے جبکہ وہ کچھ نہ تھا؟

اگر تو بحق باقی رہتا ہے تو تیری قیامت تیرے اختیار میں ہوگی اور اگر لٹا ہو جائے گا۔ تو باقی بحق رہ کر قیامت بحق کے ساتھ تیرا شر ہوگا۔ اور اس میں ایک معنی ہیں جسے زائد ان بلا زحیل جانتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

انہیں میں سے مہرِ مین خلق طلب ریاست کے
حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ
منقطع حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصر طائی
رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ کبراشناخ سے گزے ہیں اور اہل تصوف میں سید السادات تھے اپنے
زمانہ کے بے مثل صوفی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید ہیں۔ اور حضرت فیضیل بن عیاض و
ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ وغیرہ عارفانِ کامل کے ہم عصر گزے ہیں۔ اور حضرت حبیب
ابن سلیم داعی کے مرید خاص ہیں۔ آپ کو علوم عقیدہ و نقلیہ سے حظ وافر ملا اور ابنِ فقر میں
فقیہ الفقہاء مشہور ہیں۔

حکومتِ ریاست چھوڑ کر اپنے گوشہ نشینی اختیار فرمائی آپ کا زہد و ورع خصوصیت
سے مشہور ہے۔ آپ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں۔ اور آپ کی عملی شان خاص طور
پر قابلِ ذکر ہے۔ اور بیانِ حقائق معرفت میں آپ کامل گزے ہیں۔

آپ کے مردی ہے کہ آپ نے اپنے ایک مرید کو مریدانِ خاص میں سے فرمایا ”إِنْ أَرَدْتَ
الْسَّلَامَةَ سَلِّمْ عَلَى الدُّنْيَا فَإِنْ أَرَدْتَ الْكَرَامَةَ كَبِّرْ عَلَى الْآخِرَةِ“ ”یہیے اگر
دنیا کی سلامتی چاہتا ہے تو دنیا سے وداع ہو کر اس سے غائب ہو جا اور اگر کرامتِ آخرت
چاہتا ہے تو آخرت پر کبیرِ مرگ پڑھ لے“

یعنی یہ دونوں چیزیں محلِ حجاب ہیں۔ اور تمام فراغتیں دنیا و آخرت کے ترک میں مضمر
ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ وجود سے فارغ ہو جائے اُسے کہہ دو کہ دنیا سے اعراض کر لے۔ اور جو
چاہے کہ دل فارغ ہو اس سے کہہ دو کہ عاقبت کی امیدوں سے اپنا دل علیحدہ کر لے۔

ایک حکایت ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محمد بن حسن کے ساتھ ربط ضبط رکھتے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضی اسلام سے طلبا پسند فرماتے عرض کیا یہ دونوں مبلغ علم مانے ہوئے ہیں پھر ان میں سے ایک کو آپ محبوب رکھتے ہیں اور ایک سے تعلقات ربط نہیں فرماتے

آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ محمد بن الحسن نے نعمتہائے دنیاوی ترک کر دیں۔ اور منصب علم کو پسند فرمایا ہے تو اس کی عزت کا دینی سبب علم ہے۔ اور ذلت دنیاوی اس کی نظر میں ہے۔ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک رویش تارک الدنیائے ازلان کی تنگدستی حصول علم کی وجہ میں رہی اب ان کی عزت کا سبب اور وجاہت و ثروت کا باعث ان کا علم بنا ہے۔

تو محمد بن حسن ابو یوسف جیسا نہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو طائی جیسا مستغنی عن الدنیا نہیں دیکھا۔ ان کی نظروں میں تمام دنیا اور ازل و نیلی کچھ حشیت ہی نہیں آپ کو حزب فقر و بچشم کمال دیکھتے تھے۔ اگرچہ آپ دنیاوی بلا میں بھی ہوتے۔ علاوہ اس کے آپ کے بہت سے مناقب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت سمری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے شیخ اہل حقائق متقطع ہذا علائق حضرت ابو الحسن سری بن سقطی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مامول تھے اور تمام علما میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ بالخصوص بن تصوف میں آپ کی شان بہت بلند تھی اور تصوف کی ترتیب مقامات اور بسط احوال میں سب سے اہل جس نے غور و خوض کیا وہ ہی سمری سقطی ہیں۔ اور شاخین عراق کا اکثر حصہ آپ کے ہی بیعت سے مشرف ہے۔ آپ نے حضرت حمید بن سلیم راعی کی بھی زیارت کی۔ اور ان کے فیض صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ آپ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ چونکہ آپ بازار بغداد میں سقط فروشی کیا کرتے تھے۔ جسے اردو زبان میں کباڑی کہتے ہیں، اسی بنا پر آپ کو سقطی کہا جاتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

آپ کا رجوع الی اللہ کا واقعہ یوں ہے کہ جس بازار میں آپ کیا بی بی کا کام کرتے تھے اس میں آگ لگ گئی۔ تمام بازار جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ حضرت آپ کی دکان بھی جل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں دکان احوال کی قید سے آزاد ہو چکا ہوں۔ جب آکر لوگوں نے دکان دیکھی کہ تمام بازار میں وہی ایک دکان ہے جو جلنے سے بچی ہوئی تھی۔ اور چاروں طرف کی تمام دکانیں سوختہ تھیں۔ جب آپ نے اپنے حافظہ حقیقی کا یہ کرم دکھایا تو فرطِ مسرت میں تمام سامان و دکان درویشوں کو دے کر طریقہ تصوف اختیار فرمایا۔

بعض نے آپ سے پوچھا کہ ابتداءً عرفان آپ کو کس طرح حاصل ہوا۔ فرمایا ایک روز حبیب بن سلیم راعی کا میری دکان پر گذر ہوا۔ میں نے اپنے کباڑ خانہ کی بعض شک چیزیں انہیں دیں کہ وہ درویشوں میں تقسیم فرمادیں۔ تو انہوں نے مجھے دعا دی **خَيْرَ لَكَ اللَّهُ** "اللہ تجھے بخیر فرمائے" اس روز سے کہ میرا کان میں ان کی دعا کی آواز آتی میرا دل دنیا سے مٹتا رہا۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ دعا میں فرمایا کرتے۔ **اللَّهُمَّ عَذِّبْنِي بِهٖ مِنْ شَيْءٍ فَلَا تُعَذِّبْنِي بِذَلِكِ الْيَحْيَابِ** الہی مجھے عذاب دینا ہی منظور ہو تو اپنے جمال کے حجاب کا عذاب مجھ پر نہ فرمانا۔

اس لئے کہ اگر میں مشاہدہ جمال سے محبوب نہ ہوتا تو پھر کوئی مصیبت و بلا آئے مجھے آسان ہوگی۔ اور اگر تیرے مشاہدہ جمال سے محبوب رہ کر معذب ہوا تو ذلت حجاب کی وجہ سے تیری نعمتیں بھی میرے لئے موجب ہلاکت ہوں گی۔

اور بات بھی ٹھیک ہے کہ مشاہدہ جمال محبوب بننے جو بلا بھی آئے وہ بلا نہیں ہو سکتی لیکن بغیر مشاہدہ یا نعمت بھی اگر ہو تو بوجہ حجاب بلا عظیم ہے۔

اور جہنم میں سب سے شدید ترین جو عذاب ہے وہ حجاب ہے۔ اور اگر جہنم میں جلوہ ذات کا مشاہدہ ہے تو کسی مؤمن کو بہشت یاد نہ آئے۔ اس لئے کہ ویدار حق کی اس قدر مسرت و فرحت ہوگی کہ بلا اتن اور عذاب جسم کا ہوش ہی نہ رہے گا۔

اور بہشت میں کوئی نعمت جمال ذات باری عزائے سے بڑھ کر نہ ہوگی۔ اگر

وہ نعمتیں جو بہشت میں ہیں اُن سے سو گنی اور نعمتیں ملیں اور جلوہ احدیت سے جنتی محبوب ہو جائے۔ تن میں سب فنا کر دے اور ہالک ہو جائے۔

تو سنت الہیہ یہی ہے کہ اپنے محبوبوں کے قلوب کو اپنے جلال کے مشاہدہ میں ہر حال رکھتا ہے تاکہ مجاہدہ و ریاضت و بلا ہائے ترک اکل و شرب تمام برداشت کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ عارفانِ کابل کی بھی صدا و دعاء ہے کہ ہر عذاب منظور ہے مگر اپنے جلال کے حجاب سے محفوظ رکھ اگر تیرا جمال ہمارے دلوں کی چشم حق میں مکتوف ہے۔ تو پھر ہمیں کسی بلا و مصیبت کی پرواہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

رحمۃ اللہ علیہا نہیں میں سے سر منگ
حضرت ابو علی شفیق بن ابراہیم ازدی۔ اہل بلاد بلوچی مایہ زہد و تقویٰ
حضرت ابو علی شفیق بن ابراہیم ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بڑے معزز قوم و مقصد
ہمچشمہاں عالم جمیع علوم شرقی و فقہی گزری ہے۔ آپ کی بہت سی تصانیف تصوف اور
دیگر علوم میں شہور ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے ہم صحبت تھے اور بڑے بڑے
مشائخ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اُن کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے۔
آپ سے مروی ہے: آپ نے فرمایا: جَعَلَ اللَّهُ أَهْلَ طَاعَتِهِ أَحْيَاءَ فَمَتَاتِهِمْ وَ
أَهْلَ الْمَعَادِ أَمْوَاتًا فِي حَيَاتِهِمْ "اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت کرنے والوں
کو موت کے اندر بھی زندہ فرمایا ہے۔ اور اہل معصیت کو زندگی کے اندر مردہ بنایا ہے۔
یعنی بطبع اگرچہ مردہ ہو زندہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تمام ملائکہ اس کی اطاعت پر آفرین
کہتے ہیں جو قیامت کے دن اُن کے اجر و ثواب کے لئے مؤید ہوگی تو وہ لوگ قنبر مرگ
میں باقی بہ بقا و جزا ہوتے ہیں۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک ضعیف العمر حضرت ابو علی شفیق کی خدمت میں آئے اور عرض
کی کہ حضور میں سخت گنہگار ہوں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بڑے مہیاں

بقول شخصے۔

marfat.com

Marfat.com

بڑھا دیر میں تو بڑی طرف رخ کیا۔ وہ عرض کرنے لگا حضور دیر میں نہیں آیا بلکہ جلدی آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے۔ عرض کی حضور جو مرنے سے قبل تو بڑی طرف آجائے اگرچہ بظاہر دیر میں آئے اس کا نام جلدی آنے کے مترادف ہے

مشہور ہے کہ حضرت ابوعلی شفیق رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع الی اللہ بالافلاک اس طرح ہوا کہ ایک سال بلخ میں قحط پڑا اور اتنا شدید پڑا کہ آدمی آدمی کو کھانے لگ گیا۔ تمام مسلمان غمناک تھے کہ ہمارے میں ایک غلام آپ نے دیکھا جو نہایت بیفکر اور ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے کہا تو اتنا بیفکر ہو کر ہنستا پھر رہا ہے۔ تجھے شرم کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں تو سخت اضطراب اور غم ہے تو یہ خوشیاں بچھا رہا ہے غلام آگئے لگا بات یہ ہے کہ مجھے اصل کسی بات کا غم نہیں اس لئے کہ میں جس کا غلام ہوں۔ وہ جاگیر دار ہے اور اس کا فن کی پیداوار کافی ہے۔ اس کی ذرا خدمتی نے مجھے بے غم کر رکھا ہے۔

حضرت ابوعلی شفیق نے غلام کا یہ جواب سنتے ہی عبرت حاصل کی اور دل میں کہا کہ اس غلام کو ایک جاگیر دار کے استغنا کی وجہ میں بے غمی حاصل ہوئی اور میں جس کا بندہ ہوں وہ مالک الملک مذاق کل لب الارباب ہے۔ اور کب لا محاضہ روزی پہنچانے والا ہے پھر میں کسی اندوہ و غم کا شکار بننا کیونکر روا ہے۔

یہ سوچا اور شغل دنیا سے منہ پھیر کر طریق حق کا رخ فرمایا۔ اور غم روزی سے آزاد ہو گئے۔ اور یہ قصہ بھی آپ کی کیفیت تواضع پر ہے آپ کے بہت سے فضائل و مناقب ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک غلام کا شاگرد ہوں جو کچھ مجھے ملا۔ اسی کی بدولت ملا۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت ابوسلیمان عبدالرحمن بن عطیہ دارالمنیہ انہیں میں سے اپنے وقت کے شیخ فرد سلیمان عبدالرحمن بن عطیہ دارالمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قوم کے چمکتے جوہر اور ربیعان قلوب

دوستان را کجا کنی محروم تو کہ بادشمنان نظرداری از منزم

خلایق گزینے میں۔ آپ کا ریاضت و مجاہدہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اپنے وقت کے علم فرزانہ تھے اور نفس امارہ کی بیماریوں پر آپ خاص طور سے متنبہ تھے۔

آپ کے اقوال نہایت لطیف و نفیس ہیں معاملات اور محافظت قلوب اور رعایت جوارح میں آپ کی نصائح میں مدح و تحسین الٰہی میں نہایت مفید ہے۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اِذَا غَلَبَ الرَّجَاءُ عَلَى الْخَوْفِ فَسَدَ الْوَقْتُ سبب امیدیں خوف بے نیازی پر غالب آجائیں تو اس کا وقت خراب ہو جاتا ہے۔

اس لئے کہ وقت کہتے ہیں اپنی حالت کی نگہبانی کو تو جب انسان اپنی حالت و ماحول کو نگہبان نہ رہا تو کس طرح خوف بے نیازی اسکے دل پر ستولی ہو سکتا ہے اور جب اٹھ گیا تو

یقیناً انسان نگہبانی کے ماحول سے بے پرواہ ہو جائے گا۔ اسی صورت میں اس کا وقت ضائع ہونے کے سوا اور کیا ہو گا اور اگر خوف امید پر غالب رہا تو کیف توحید باطل ہو جائے گا اس لئے

کہ غلبہ خوف سے مایوسی ہوتی ہے اور حق سے مایوسی (مذہب صوفیاء میں) شرک خالص ہے۔ تو بہترین حالت مونی یہ ہے کہ محافظت توحید ہے اور امید کے میدان کو بھی ہاتھ سے چھٹے نہ

اور اپنے وقت کی محافظت بھی کرے اور خوف الٰہی بھی پُرستولی رکھے۔ گویا خوف و امید کے دونوں پہلو مساوی ہوں باور بندہ محافظت توحید میں مومن ہوتا ہے کما فی الحدیث اَلْاِيْمَانُ

بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ (ترجمہ مغرر) اور محافظت وقت کیستہ سالہ تسلیم ہوتا ہے۔ اور امید و رجاء کا تعلق محض مشاہدہ سے ہے اور اسی میں اعتقادات کی جڑ مستر ہے۔

اور خوف کا تعلق محض مجاہدہ سے ہے۔ اور اس میں اضطراب ہی اضطراب ہے۔ اور مشاہدہ جمال و ربّ مجاہدہ ہے۔

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام امیدیں تا امید سے ظہر ہوتی ہیں اور جو اپنے اعمال کے فلاح و بہبود سے ناامید ہو تو اس کا ناامید ہونا نجات و فلاح اور کرم الٰہی کی طرف راہ نمائی

کرتا ہے اور اس پر من جانب اللہ درکش و دل کھل جاتا ہے اور اس کے دل کو خواہشات کی بلاؤں سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے اور تمام اسرار بانی اس پر کھل جاتے ہیں۔

حضرت احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ ایک شب خلوت میں نوافل پڑھ رہا تھا کہ

اشنا نمازیں مجھے نہایت احتیاط محسوس ہوئی۔ دوسرے دن حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ سے عرض کیا تو فرمایا۔ ابھی تو ضعیف ہے ابھی خطرہ خلافت تیرے دل سے نہیں نکلا۔

یہی وجہ ہے کہ خلوت میں تیرا اور حال ہے اور جلوت میں اور حال۔

دونوں جہان میں اس سے بزرگوں کی وسوسہ اور خطرہ نہیں جو بندہ کو تقرب ذات سے روک دے۔ جب دہن کو رونمائی کے لئے بٹھاتے ہیں تو اس غرض کے لئے بٹھاتے ہیں کہ سب اُسے دیکھیں اور اس رونمائی میں اس کی عزت بڑھتی ہے لیکن دہن کو یہ نازیبا ہے کہ اس وقت اپنے کو خود دیکھنے میں مصروف ہو جائے اور غیر کے دیکھنے سے اُس کی ذلت ہو۔

اسی طرح اگر سب لوگ مطیع کے اطاعت کو دیکھنے لگیں تو اس میں مطیع کا کچھ نقصان نہیں لیکن اگر مطیع خود اپنی اطاعت اور حسن عمل پر ناز کرنے لگے تو یہ اس کی ہلاکت کا موجب ہے
عیاناً باللہ منہ

انہیں میں سے پروردہ حضرت علی بن موسیٰ رضاؑ والستہ درگاہ مولانا ابو محفوظ

حضرت معروف بن فیروز الکرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ قدما رسادات اور مشائخ کبار سے گزرتے ہیں۔ جو انفرادی اور ورع و تقویٰ میں آپ مشہور و معروف تھے۔

آپ کا ذکر اس سے پہلے چاہیے تھا لیکن میں نے یہ ترتیب دو بزرگوں کی تتبع میں مناسب سمجھی حضرت شیخ عبدالرحمن سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اسی ترتیب پر اذکار و مشائخ بیان فرمائے۔ استاد ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب میں اسی ترتیب سے بیان فرمایا۔ حضرت معروف کرخي رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی کے استاد تھے اور حضرت داؤد طائی کے خاص مرید۔

ابتداء میں غیر مسلم تھے پھر حضرت علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر سلام قبول فرمایا۔ اہل ان کی خدمت میں نہایت محبوب بن کر رہے۔ ان کے اوصاف حمیدہ بہت ہیں۔ حتیٰ کہ آپ فنون و علوم میں سید القوم کہلائے۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لَفُتُّوْتِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ وَفَاءٌ بِمَا خَلَفَ

وَمَذْخَرٌ بِلَا جُودٍ وَعَطَاءٌ بِلَا سُؤَالٍ جو انہر کے لئے تین علامتیں ہیں۔ وفاداری میں پیدا
 اترنا کہ کبھی بے وفائی نہ کرے اور مدح بلا امید جو خوش تیسرے عطا بلا سوال ۲

وفادار بلا بے وفائی ہے کہ بندہ اپنے عہد و پیمان میں بیوفائی اور مصیبت کو اپنے اوپر حرام
 جانے اور مدح بلا جود یہ ہے کہ تعریف اس کی کرے جس سے اپنے اوپر کوئی احسان کا بار نہ لیا ہو۔
 اور عطا بے سوال یہ ہے کہ جب استطاعت ہو تو دین میں کسی کی تیز نہ کرے اور جب کسی کا حال غم
 ہو تو اسے سوال کرنے سے پہلے کچھ بخشے۔

اور یہ تینوں صفتیں خلق سے خلق میں ہیں۔ مگر تمام مخلوقات ان صفتوں سے عاری یا متعسف
 ہے۔ اس لئے کہ درحقیقت یہ برسر صفت صفات حق سے ہیں۔ اور ان صفات کا مظہر بندگان
 الہی ہیں اور بندگان الہی ان صفات میں حقیقت صفت الہیہ کے دکھانے والی ہیں اس لئے کہ
 اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ وہ وفا ہے کہ اس کا خلاف نہیں۔ ہر چند کہ بندے اپنی وفائی میں
 خلاف کرتے ہیں۔ مگر وہ اُن پر اپنے الطاف کی بارشیں ہی کرتا ہے۔

دوسرے اس کی وفا پر یہ امر بھی دلیل واضح ہے کہ روزِ ازل میں بلا کسی نسل کے نیک بندوں
 کو جو مقدمہ میں نیک تھے۔ چلائے گا۔ اور دنیا میں فعل بد کی وجہ سے فہرست مرجعین سے خارج
 نہیں فرماتا۔ اور مدح بے جود سوانے اس ذات پاک کے کوئی نہیں کر سکتا اس لئے کہ بندہ کسی
 فعل کا وہ محتاج نہیں ہے مگر بندہ کے اونٹے سے اونٹے نیک عمل کی وہی تعریف فرماتا ہے۔

اور عطا بے سوال بھی سوانے اس کے کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ کریم وہی ہے اور ہر
 ایک کا حال اس پر منکشف ہے۔ اور ہر ایک کا مقصود بغیر زبان سے ظاہر کرنے وہی جانتا ہے۔
 توجیب اللہ تعالیٰ اپنے بند کو اعزاز و کرامت کا منصب عطا فرماتا ہے اسے بزرگ بنانا
 ہے۔ تو وہ اپنی استطاعت و قوت کے مطابق بندوں کے ساتھ ان ہر صفت کو لیکر بڑاؤ
 کرتا ہے۔ اس وقت بارگاہِ ایزدی سے اس کا نام صاحبِ فہرست رکھا جاتا ہے اور جماعت
 فقیان میں اس کا نام درج ہو جاتا ہے۔

یہ ہر صفت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں دیکھی گئی تھیں۔ اور اس کا خلاصہ اس کی
 جگہ انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

انہیں میں سے زبردہ عبادِ جمال لاؤں
حضرت حاتم الامم رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبد الرحمن حاتم بن الامم

رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ عتشان بنخ سے ہیں اور قدما و مشائخ خراسان سے گزریے ہیں۔
 آپ حضرت ابو علی شیعق بن ابراہیم ازدی کے مرید ہیں۔ اور حضرت احمد ضروریہ کے استاد
 آپ کا رہنما ہے انتہائی کوفی قدم صدق و اخلاص کے خلاف نہیں اٹھا جی کہ ان کے
 منقبت میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ **صِدِّيقُ زَمَانِنَا حَاتِمُ الْاَصَمِّ**
 ہمارے زمانے کا صدیق حاتم امم ہے۔

آپ کے اقوال آفات نفس کے دیکھنے اور سمجھنے میں نہایت دقیق اور بلند منقول ہیں۔ اور
 دعوت و تلویح کے متعلق بہت کچھ ارشادات ہیں۔

آپ کی بہت سی تصانیف معاملات و عبادات میں مشہور ہیں۔

مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ **الشَّهْوَةُ ثَلَاثَةٌ شَهْوَةٌ فِي الْأَكْلِ وَشَهْوَةٌ فِي
 الْكَلَامِ وَشَهْوَةٌ فِي النَّظَرِ فَاحْفَظِ الْأَكْلَ بِاَلْثَلَاثَةِ وَاللِّسَانَ بِالصَّدْقِ
 وَالنَّظَرَ بِالْعِفَّةِ** شہوت تین ہیں۔ ایک کھانے کے اندر ایک کلام کرنے میں
 اور ایک دیکھنے میں۔

لہذا کھانے میں ہوشیار رہو اور اپنی روزی کا خدایہ بھروسہ رکھو۔ اور زبان
 کو سچ بولنے کے علاوہ محفوظ رکھو۔ اور آنکھ کو محفوظ رکھو جہاں نظر پڑے۔ اس سے

عزت حاصل ہو۔

تو جو کھانے پینے میں اندر پر توکل کر لیتا ہے وہ شہوتِ اکل و شرب سے آزاد ہو جاتا ہے
 اور جرات کرنے میں راست گوئی کا پابن ہو جاتا ہے وہ شہوتِ کذب سے آزاد ہو جاتا ہے
 اور جو آنکھ سے دیکھتے وقت راستی ملحوظ رکھتا ہے (یعنی جائز و ناجائز کا خیال کر لیتا ہے)
 وہ شہوتِ چشم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اور حقیقت توکل یہ ہے کہ اپنا رب حقیقی دل زبان سے اپنے رب حقیقی کو جانے اور اس پر
 اسے استغاثت حاصل ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ **وَإِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا**

اللہ تَعَالٰی اَسْتَغْفِرُکُمْ (اور مترجم غفر) اس وقت اس کی عبادت بھی اخلاص اور راستی سے ادا ہوگی۔ اور معرفت و صداقت کے ساتھ رہہ رشتے پر نظر رکھے گا جتنی کہ اس کا اکل و شرب سوائے دوست کے نہ ہوگا۔

اور اس کی ہر حرکت و سکون میں کیفیت و جدائیہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اور اس کی نظر سوائے مشاہدۂ ذات کے کسی طرف نہ جائے گی۔

تو جب وہ صحیح طور پر کھائے گا صحیح کلام کرے گا۔ تو یہ کھانا خالص حلال ہوگا۔ اور یہ کلام خالص ذکر و دوست ہوگا اور صحیح دیکھنا بھی جب ہی صحیح ہوگا جبکہ سوائے ذات کے کچھ نہ دیکھے۔

اس لئے کہ عارف کے لئے وہی کھانا حلال ہوتا ہے جو رب حقیقی کا عطیہ ہوا اور بلا اذن محبوب اُسے وہ کھانا کھانا بھی حلال نہیں ہوتا۔ اور سوائے ذکر محبوب کے اٹھارہ ہزار عالموں میں سے کسی عالم کا ذکر راست نہیں آتا۔

اور سوائے جمال و جلال محبوب موجودات عالم میں اس کا نظارہ ہی جائز نہیں۔ پھر جب اُسی سے کھائے اسی سے پیئے اسی کو دیکھے تو شہوت نہ ہوتی۔ اور جب اُسی سے کلام ہوا اور بلا اس کی اجازت کلام بھی نہ ہوا۔ تو یہی شہوت لسانی نہ رہی اور جب ہر شے میں جو فعل دیکھا۔ اس کی طرف سے دیکھا اور اس کے اذن سے دیکھا۔ تو یہ دیکھنا بھی غیبی علی الشہوت نہ ہوا۔

اور اگر تو اپنی خواہش اور حرص سے کھائے اگرچہ حسبِ مال سے ہی کھائے مگر یقیناً شہوت اکل ہے۔ اور اگر تو اپنی ہوائے نفسانی کے ماتحت کلام کرے اگرچہ وہ دروغ نہ ہو۔ مگر شہوت لسانی ہے۔ اور اگر اپنی خواہش نفسانی سے دیکھے اگرچہ اس دیکھنے سے شہادۂ وغیرہ میں کام لے مگر یہ وبال اور شہوت نظر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی

انہیں میں سے امام مطلبی ابن عم
نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو

عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے تمام علوم میں

امام گزے ہیں اور جو انفرادی و درجہ میں مشہور ہیں۔ آپ کے بہت زیادہ مناقب ہیں اور آپ کا کلام بہت بلند مانا گیا ہے۔

آپ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے اُس وقت تک گروہ جتیک مدینہ منورہ میں آپ کا قیام رہا۔ پھر حیدرآباد میں تشریف لائے تو حضرت محمد بن حسن گروہ مدینہ منورہ کے ساتھ نشست و برخاست رکھی۔ آپ کے مزاج میں خلوت نشینی کا خاص شوق تھا۔ مگر ایک جماعت آپ کی خدمت میں آئی اور آپ کے مقلد بن گئی حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ بھی انہیں متبعین میں سے ہیں۔ جب اس خدمت کی طرف آپ مجبور ہو گئے تو پھر آپ نے اجتہادیات کے ذریعہ خدمت امامت انجام دینی شروع فرمائی اور آپ کی وجاہت عام ہو گئی۔ اور خلوت نشینی نہ فرما سکے لیکن اس امامت وجاہت کے دور میں بھی آپ محمود و انحصار رہے۔

اجتہاد و دور میں آپ کے مزاج کے اندر کچھ سختی تھی جب حضرت سلیمان راعی کے فیض صحت سے مستفیض ہوئے تو اس کے بعد آپ کی وہ مشورت عباتی رہی اور جہاں بھی آپ تشریف لے گئے طلب حق میں رہے۔ آپ کا ارشاد ہے: **اِذَا دَاوَيْتَ الْعَالِمَ يَشْفِيكَ بِالرَّخْصِ فَلَيْسَ بِخَبِيْثٍ مِنْهُ شَيْءٌ**۔
 صعب تو علماء کو دیکھئے کہ رخصت اور تاویلات میں مشغول ہیں سمجھ لے کہ اب ان سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔
 یعنی علما و پیشوا تمام اصناف خلائق سے ہیں اور یہ ہرگز روا نہیں کہ ان سے آگے کوئی ایک قدم بھی بڑھے۔ اور ماہو حق احمد منی حقیقی کا انکشاف بغیر احتیاط اور مجاہدہ کے ہرگز نہیں ہو سکتا۔
 اور علم حاصل کرنا اس کا کام ہے جو مجاہدہ سے گریز کرے اور طالب علم کو چاہئے کہ احکام میں تخفیف اختیار کرے اس لئے کہ علم حاصل کرنا درجہ خواہ میں ہے تاکہ کم از کم اس علم کے ذریعے دائرہ شریعت کے تو باہر نہ گریں۔ اور مجاہدہ دریا صنت یہ درجہ خواہ ہے۔ اُن کا علم درجہ جو ہے وہ رضا محض ہے اس سے ناٹوہ کسی چیز پر نظر نہیں ڈالتے اور نہ انہیں نظر ڈالنا چاہئے۔

اور علماء حقہ اس درجہ میں رخصت خواہ ہیں جب یہ انھیں خواہ اس عوام کے رخصت پر راضی ہو گئے تو اس کا نتیجہ کچھ نہیں اور نہ ایسی حالت میں ان سے کچھ امید رکھنی چاہئے۔
 اور رخصت اور تاویلات ڈھونڈنا خدا تعالیٰ کے احکام میں نرمی اور رخصت نکالنا۔

اور علماء تو خاص مجربان خدا میں پھر فرمان دوست کو ہلکا اندر خیف کرنا کس طرح گوارہ کر سکتا ہے۔ اور وہ تعمیل حکم دوست میں ادنیٰ درجہ برگز منظور نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر حکم کی تعمیل اعلیٰ درجہ احتیاط پر کریگا۔

ایک شیخ مشائخ کرام سے راوی ہیں کہ ایک شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کی حضور مجھے روایت پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اوتا داود لیا مقرر فرمائے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ اس راوی نے تجھے خبر صحیح پہنچائی ہے۔ میں نے عرض کی حضور میں چاہتا ہوں کہ اُن میں سے کسی ایک کی زیارت کروں۔ فرمایا حضرت محمد بن ادریس اُن میں سے ایک ہیں۔ آپ کے مناقب اس کے علاوہ اور بہت ہیں۔

حضرت امام محمد احمد بن حنبل انہیں میں سے شیخ سلف قاہر اہل بدعت حضرت ابو محمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ورع و تقویٰ میں امتیاز خصوصی رکھتے اور حافظ حدیث تھے۔ اور انہیں اسباب شرع اور اہل طریقت دونوں فرائق مبارک مانتے ہیں آپ بڑے بڑے مشائخ کرام کے صحبت یافتہ ہیں مثل حضرت ذوالنون مصری اور شرفانی ادبیری سقطی معروف کرخی رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ اور بھی مشائخ کرام کے فیض صحبت مستفید ہوئے ہیں۔ آپ کی کتابیں بہت ہیں اور آپ کی فراست و بصیرت ایمانی سے خطرات قلوب عوام پر عبور بالکل صحیح ہے۔

بعض لوگ حضرت مدوح کا تعلق فرقہ مشبہ سے بتاتے ہیں۔ یہ محض غلط ہے اور اُن پر انفرادی مشبہ مثل معتزلہ دہریہ کے اس زمانہ میں کوئی فرقہ تھا وہ قطعاً اس الزام سے بری

۱۔ فرقہ مشبہ کی تعریف میں حضرت عزت عظمیٰ رضی اللہ عنہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔ **الثَّابِتَةُ وَهِيَ ثَلَاثَةٌ فَرَّقَ اللَّهُ شَامِيَهُ وَالْمَقَاتِلِيَّةَ وَالْوَأَسِيَّةَ۔ وَالْأُولَى اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ الثَّلَاثَةُ أَنَّ اللَّهَ جِسْمٌ وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يُعْقَلَ أَلَمْ يُجَوِّدْ إِلَّا جِسْمًا۔** مشبہ میں تین فرقے ہیں شامیہ اور مقاتلیہ اور واسیہ اور یہ تینوں فرقہ متفق ہیں وہ یہ نہ کہ اللہ تعالیٰ ایک جسم ہے اور وہ جسم ایسا ہے کہ اس کا انداک عقل کو جائز نہیں۔ وہ موجود ہے اور جسم ہے الخ۔ از غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ مطبعہ مدنی لاہور (والجوانحسنت)

میں اُن کے عقائد اور اصولِ دین و مذہب نہایت پسندیدہ تھے۔ اور تمام علماءِ اہلِ حق میں۔
 جبکہ آپ بغداد شریف تشریف لائے۔ فرقہ معتزلہ نے آپ پر غلبہ کیا اور یہ تجویز کی کہ آپ
 کو تکلیف دے کر مجبور کیا جائے تاکہ آپ بھی قرآنِ کریم کو مخلوق فرمادیں۔
 باوجودیکہ آپ عمر اور نہایت ضعیف تھے۔ آپ کی مشکیں کسی گیش۔ ہزار تازیانہ آپ کو
 لگائے۔ اور پھر کہا کہ قرآنِ کریم کو مخلوق کہیں۔ مگر آپ ستیقیم علی الحق رہے۔ اسی حالت میں آپ کی
 شلوار ہارک کا کر بند کھل گیا اور چونکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اسے باندھنے
 میں آپ عاجز ہوئے کہ یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ ایک تیسرا ہاتھ غیر سبک نمودار ہوا اور کر بند
 باندھ کر غائب ہو گیا جب اُن ظالموں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو گھبرا گئے اور آپ کو چھوڑ
 دیا۔ آپ نے اس تمام تکلیف کو بھی من جانب اللہ سمجھا۔ اور اُن سے کوئی انتقام قوتِ باطنی کے
 ذریعہ نہ لیا۔

غرض کہ آخر عہدِ حکومت معتزلہ میں ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر آئی۔ اور
 عرض کیا کہ جن لوگوں نے آپ کو یہ تکلیف دی اس کی بابت آپ کا کیا حکم ہے۔ فرمایا میں کیا
 کہوں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ واسطے مجھے یہ تکلیف دی۔ وہ یہ سمجھے کہ میں قرآنِ
 کریم کو مخلوق نہ کہنے میں باطل پرہوں اور یہ اپنے کو حق پر سمجھتے رہے۔

میں یہاں تو یہاں بروقت قیامت بھی ان تازیانوں کے بدلہ میں اُن سے خسومت کیلئے
 تیار نہیں۔ آپ کا کلام بہت بلند ہے اور معاملات میں آپ کے احکام نہایت واضح ہیں۔
 چنانچہ جب کوئی آپ کے پاس مشورہ پہنچے آتا تو آپ معاملات کے سوال کا جواب
 واضح دیتے اور اگر حقائق تصوف کے متعلق ہوتا تو اسے حضرت بشر حافی کے سپرد فرماتے
 چنانچہ ایک روز ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کَا اِخْلَاصُ حضورِ اخلص کی
 کیا تعریف ہے۔ فرمایا۔ اَزْ اِخْلَاصُ هُوَ اَنْ خَلَّصَ مِنْ اَفَاتِ الْاَعْمَالِ اَخْلَاصُ
 کہتے ہیں اعمال سے آفات کے نجات پانے کو۔ یعنی جو عمل کرے اس میں اُس کی آفت جو
 رہا ہے وہ قطعاً نہ ہو اور دکھائے کا کوئی حصہ تیرے عمل میں نہ آئے۔

اُس نے عرض کی مَا الشَّوْكَلُ حضور تو کل کیا ہے۔ فرمایا۔ اَلْيَقَّةُ يَا لَلَّہِ۔ اللہ پر پورا

بھروسہ کر لینا اور اس کی رزاقی پر یقین داثی کر لینا۔ عرض کی حضور۔ مَا التَّوَضُّعُ إِلَّا خَيْرٌ
 ہے فرمایا۔ تَسْلِيمُ الْأَمْرِ إِلَى اللَّهِ اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دینا عرض کی حضور
 مَا التَّوَضُّعُ إِلَّا خَيْرٌ ہے فرمایا یہ بشرحانی سے جا کر پوچھ اس نے کہ جیتک رونق
 افروز ہیں میں اس کا جواب دینے کا اہل نہیں۔

اور حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام احوال میں امتحان لئے گئے اپنی زندگی
 میں تو طعن معتزلہ سے امتحان ہوا۔ اور بعد وفات مشبہ کے ساتھ مل جانے کی تہمت
 حتیٰ کہ آج تک بعض اہل سنت و جماعت میں بوجہ عدم واقفیت حال آپ پر تہمت
 لگاتے رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ان اتہامات سے بالکل بری ہیں۔ و اللہ اعلم
 حضرت ابوالحسن احمد بن حواری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں میں سے
 سراج وقت واقف اسرار آفات مفت حضرت ابوالحسن حواری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔
 مشائخ شام میں بڑے زبردست متبحر مانے گئے ہیں اور ان کی تعریف مشائخ نے خود ہی فرمائی
 حتیٰ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ أحمد بن الحواری یحیٰۃ الشام
 "احمد بن حواری ملک شام کے ہوتے پھول ہیں۔" ان کا کلام بہت بلند ہے ان کے اشارات
 بغایت لطیف ہیں۔ علم طریقت اور متعدد فنون میں ماہر گذرے ہیں۔ آپ سے صحیح روایات
 کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بھی مروی ہیں۔ اور آپ کے زمانہ میں لوگوں
 کا رجوع آپ کی طرف زیادہ تھا۔ یعنی اپنے بغیر جھگڑے کا فیصلہ لوگ آپ سے ہی کرتے تھے۔
 آپ ابوسلیمان ذرانی کے مرید تھے۔ اور حضرت سفیان بن عیینہ اور مروان بن معاویہ
 فرازی کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ علاوہ اس کے سیاحت کر کے متعدد مقامات سے ادب
 فائدہ حاصل فرمایا۔ آپ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اللَّهُ نِيَامُ لَيْلَةً وَمَجْمَعُ الْكَلَابِ أَقَلُّ مِنَ الْكَلَابِ مَنْ عَكَفَ عَلَيْهَا
 فَإِنَّ الْكَلْبَ يَأْخُذُ بِهَا حَاجَةً وَيَنْصَرِفُ وَالْحَبَّ نَهَا لَا يَزُولُ
 عَنْهَا وَلَا يَتْرُكُهَا بِحَالٍ۔ دنیا گندگی کا ڈھیر ہے یعنی کوڑھی ہے اور کتوں کا جم
 رہنے کا مقام۔ اور ادنیٰ درجہ کا ذلیل کتا وہ ہے جو اس کے گرد پھرتا ہے اور ہوس دنیا سے

اُسے سیری نہ ہو۔ اس لئے کہ کتا مزبلہ پر اگر اپنی حاجت کے مطابق لیتا ہے اور لوٹ جاتا ہے اور دنیا کا دوست اور حریف غافل رہے جو کبھی مال دنیا سے شیر نہیں ہوتا۔
حضرت ابوالحسن مازندرانی علیہ السلام مروان خدا سے گزسے ہیں کہ اُن کی نظر میں دنیا اتنی حقیر تھی کہ اُسے مزبلہ سے تشبیہ ہی اور دنیا دار کو دلیل تریں کتا بتایا اور اس پر دلیل میں فرمایا کہ کتا اپنا پیٹ بھر کر مزبلہ سے ہٹ جاتا ہے مگر دنیا دار مال دنیا سے شیر نہیں ہوتا۔ اُس کی حرص میں آخر عمر تک لگا رہتا ہے۔

یہ فرمان آپ کے انقطاع دنیا پر خاص نشان ہے اور اہل دنیا سے آپ کے اعراض پر خاص دلیل ہے۔ اور دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اہل طریقت کا خوش آئند چمن زار اور میدان خوشگوار ہے۔ آپ نے ابتداء میں علم حاصل فرمایا جتنی کہ اماموں کے منصب جلیل پر پہنچے۔
اس کے بعد اپنی تمام کتابیں اٹھا کر دریا برد فرمادیں اور کہا: نَعْمَ الدَّلِيلُ أَنْتَ وَآمَّا الْإِشْتِغَالُ بِالتَّالِيَيْنِ بَعْدَ الْوُصُولِ مَحَالٌ ”میرے لئے بہترین دلیل اور میرا بہتر بہاد وجہ اُمیر ہے لئے کافی ہے تو ہمارا استدلال چوہین بود کے بموجب اشتغال بالدلیل واصل الی اللہ کے لئے محال ہے۔ اس لئے دلیل کہ اس وقت حاجت ہے جبکہ مرید راستہ میں ہوا اور جب بارگاہ تک پیش ہو چکا ہو تو وہ پدار کا جلاہ بل گیا۔ اب بارگاہ اور راہ دونوں کی قدر و قیمت نہ رہی۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ یہ فعل آپ کا بحالت سکرت ہوا تھا۔ اور یہ کلام بھی سکریہ ہے۔

اصل لئے کس راہ میں جو یہ کہنے و صَدَقْتُ میں بل گیا۔ فَقَدْ فَضَّلَ وہ یقیناً علیحدہ ہو گیا کیونکہ اس بارگاہ تک خود پہنچنا اس بارگاہ سے دور ہونے کے مرادف ہے تو ہر شغل شغل ہی ہے اور ہر فراغت فراغت ہی ہے اور ہر اصول مشاغل وصول میں اپنے وجود سے نیست ہونا ہے۔

اس لئے کہ وصل و فصل اشتغال و فراغت اور اصول وصول یہ سب بندہ کی صفت ہیں۔
فصل و وصل اور عنایت الہی بارگاہ احدیت سے ازل میں اس کے انتخاب کے موافق ہو چکی ہوتی ہے اور بندہ اپنی قوت ارادی سے کسی طرح اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتا۔

اور عنایت الہی اور اس کے ازل مقرر شدہ حصہ کے وصول کے لئے اس کا کوئی اصول اصول نہیں اور نہ ملازمت اور ارادہ قرب و مجاہدت اور مجاہدہ اس کا قدیم بن سکتے ہیں تو عاشق کیسے یہ دعویٰ روا ہی نہیں ہو سکتا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ وصل ذات بندہ کی عزت کا موجب ہے اور فصل و ہجر بندہ کی ذلت و اہانت کا سبب اور صفات قدیمہ میں تغیر جائز نہیں۔

میری رائے ہے کہ یعنی حضرت علی بن عثمان جلوی افرماتے ہیں کہ ممکن ہے وصول الی اللہ کے لفظ سے اس شیخ کامل کی مراد خدا کا راستہ ہو۔ اس لئے کہ کتابوں میں خدا کا راستہ ہے۔ توجیب رہتہ واضح ہو گیا تو کتاب عبارت منقطع ہو گئی۔ اس لئے کہ عبارت کتب میں وہ فقرہ نہیں جو شاہدیں ہے۔ عبارت تو مقصود کو غائبانہ ہی سمجھا سکتی ہے۔ اور جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو عبارت گم ہو گئی اور پھر مشاہدہ و معرفت کے بعد زبان بھی عبادت کی طرف سے گونگی ہو جاتی ہے توجیب عبارت کی طرف سے زبان ہی گنگ ہو تو کتاب کا ضائع کرنا ہی بہتر ہے۔

حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور بزرگوں نے بھی ایسا کیا منجملہ ان کے حضرت ابوسعید فضل اللہ محمد مہمیں کے صاحبزادہ ہیں۔ انہوں نے بھی جب ان پر کیف شوری طاری ہوا اپنی تمام کتابیں دریا برد کر دیں۔

اور محض رسمی لوگوں نے مصنوعی صوفی بن کر اپنی کابلی ادا نا اہلی کی وجہ میں ان مردان خدا کی تقلید کی۔ مگر وہ بے حاصل بات ہے۔

ان خاصانِ خدا نے جو ایسا کیا وہ محض تعلق دنیاوی کے انقطاع کی غرض سے کیا اور تہذیبی غیر کو ترک فرمایا۔ ماسوی اللہ سے اپنے قلب منور کو۔ فارغ غرض سے ان کا یہ فعل ہوا۔ اور یہ حالت جینک ازلی سکرا اور ازلی دانش و عیش و ویت نہ ہو کبھی نہیں ہو سکتی اور اس حالت کا تعلق کیفیت سکرا اور ابتداء عشق کی آگہی ہے منتہی کو اس سے یوں تعلق نہیں ہوتا کہ وہ ممکن بالمشاہدہ ہوتا ہے اور ممکن کے لئے کوئیں بھی حجاب نہیں بن سکتے۔ اس لئے کہ ان کا دل علائق سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے۔ توجس پر کوئیں حاجب نہ ہو سکے اس پر ایک کاغذ کی کیا حیثیت جو حجاب بن سکے۔ راہ اگر یہ بہا جائے کہ کتابیں و حدود الیں تو اس سے مراد بھی عبارت ہو سکتی ہے اس لئے کہ جو یہ حقیقت معنی حاصل ہو جائے تو عبارت بیکار ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں تو بہترین بات یہ ہے کہ عبارت خود بخود زبان سے سنہی ہو۔

اور جو عبارت مناسب کسی ہے وہ زبان پر جاری ہے اور عبارت عبارت سے ادنیٰ نہیں

جو کہ میرزا خیل ہے کہ شیخ ابوالحسن احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلبہ حال میں کچھ کچھ مگر جب اس کے سننے والے دپائے تو اسے دریا بگڑ کر دیا ہو گا۔ اور یہ جو فرمایا تو بہترین میری دلیل اور میرا راہنما ہے۔ تو جب مراد مرید اس ذات سے پوری ہو گئی تو ماسوی اللہ سے اس کی مشغولی محال ہے۔

اسلام میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے پاس بہت سی کتابیں جمع ہو گئی ہوں جو آپ کو اپنے اور دوا اعمال میں روکتی ہوں اور مشغول کرتی ہوں تو آپ نے مشغول لغیر اللہ کو اٹھا ڈالا ہو اور فراغت قلبی غیر سے حاصل کی ہو اور ترک عبارت کے لئے فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

ابو حامد حضرت احمد بن خضر ویر البلخی رحمۃ اللہ علیہ انہیں میں سے سرمنگ جگہ فردا

آفتاب خراسان حضرت ابو حامد احمد بن خضر ویر البلخی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ اپنے حال میں بہت بلند گزے ہیں اور شرافت و وقت میں مخصوص ہیں۔ اور اپنے زمانہ کے مقتدا و قوم اور جمع خواص و عوام کہتے ہیں کہ آپ کا طریقہ علامتیہ تھا ہمیشہ آپ کا لباس سپاہیانہ ہوتا تھا اور آپ کی بیوی صاحبہ سماء فاطمہ امیر بلخ کی صاحبزادی تھیں۔ رحمہما اللہ۔ یہ بھی طریقت میں عظیم الشان مرتبہ رکھتی تھیں اور امیر بلخ کی صاحبزادی یعنی بیگمات شاہی سے تھیں۔ جب ان کے دل میں نور عرفان من جانب اللہ پیدا ہوا۔ حضرت احمد خضر ویر کی خدمت میں آئی بھیجا اور عرض کرایا کہ آپ مجھے میرے والد سے طلب فرمائیں۔ آپ نے التماس نہ کیا۔ دوبارہ پھر آئی بھیجا اور کہلایا کہ حضور میں آپ کو اس وجہ میں چاہتی ہوں کہ آپ راہ برحق میں نہ اس لئے کہ آپ کو جو اس حسین دیکھ کر آپ کی طرف مائل ہوں۔ راہ راست سے ہٹا دینے والے بہت ہیں۔ مجھے راہ برحق کی تلاش ہے لہذا آپ پیام دیں۔ آخر شش آپ نے امیر بلخ کے یہاں پیام دیا۔ امیر بلخ نے ایک مرد خدا عارف کامل سے اپنی صاحبزادی کو نامزد کرنا اپنے لئے عین سعادت جانا اور فوراً رشتہ کر دیا۔ بعد شادی حضرت فاطمہ بنت امیر بلخ نے آپ کی خدمت میں آئے ہی مشاغل دنیا و بہ ترک فرما دینے اور گوشہ نشین ہو گئیں۔ آپ کے خلوت خانہ خاص میں صرف حضرت احمد اور حضرت فاطمہ ہی رہتے۔

حقائق باب حضرت احمد بن خضر ویر رحمۃ اللہ کو حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی

زیارت کا شوق ہوا۔ حضرت فاطمہ بھی حضرت بایزید کے دربار میں ہمراہ حاضر آئیں۔ جب حضرت بایزید کے سامنے دونوں آگئے حضرت فاطمہ نے نقاب ہٹا دیا۔ اور حضرت بایزید کے ساتھ بے حجابانہ گفتگو شروع کر دی۔ حضرت احمد خضرویہ کو ان کی اس حرکت پر تعجب ہوا اور غیرت زوجیت آپ پرستولی ہوئی۔ فرمانے لگے فاطمہ جس بے حجابی سے تم بایزید کے سامنے باتیں کر رہی ہو اس کی وجہ مجھے بھی معلوم ہونی چاہیے۔

حضرت فاطمہ نے فرمایا۔ احمد تم محرم طبیعت ہو۔ اور بایزید محرم طریقت نہا ہے ذریعہ میری آنکس حرص و ہوا کا علاج ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ خدا رسی ہوتی ہے۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ بایزید مجھ سے بے نیاز ہے اور تم میرے محتاج ہو۔

غرض کہ حضرت فاطمہ ہمیشہ حضرت بایزید کے سامنے بے حجاب رہیں۔ اور نہایت کلمنی سے کلام فرماتیں۔

ایک روز حضرت بایزید کی نظر حضرت فاطمہ کے ہاتھ پر پڑی۔ دیکھا ہندی لگی ہوئی ہے فرمایا فاطمہ ا ہاتھوں میں ہندی لگا رکھی ہے تاکہ فرمایا بایزید اب تک کہ تمہاری نظریں ہاتھ پر نہ پڑی تھی۔ میرا آپ کے ساتھ رابطہ بے حجاب تھا۔ اب جبکہ تمہاری نظر مجھ پر پڑنے لگی۔ اب آپ نے بیحجابی حرام ہے۔ بس اسی روز واپس ہو گئیں اور عیشاپور تشریف لا کر قیام فرمایا۔ اہل عیشاپور آپ کے ساتھ نہایت خوش اعتقاد تھے۔ اور مشائخ عیشاپور بھی آپ کے یہاں زانوئے عقیقت تہہ فرماتے تھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاویہ رازی عیشاپور گئے۔ بڑے جلدی کا عزم تھا حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کرنی چاہی۔ حضرت فاطمہ سے مشورہ کیا کہ دعوت کبھی میں کیا کیا کھانے ہوں۔ اور کیا کیا سامان مہیا ہوتا چاہیے۔

آپ نے فرمایا اتنی کٹائیں اتنی بکریاں اتنا سامان توڑیں اتنے چراغ اتنی قسم کے عطر اور ان تمام سامانوں کے ساتھ میں گدھے بھی ذبح ہونے چاہئیں۔

حضرت احمد نے فرمایا یہ میں گدھوں کے گوشت سے کیا مطلب ہے۔ فرمایا جب کوئی صاحب کرم صاحب ثروت کے گھر جاتا ہے تو محلہ کے لوگوں کے ساتھ محلہ کے کتوں کیٹے بھی

کچھ ہونا چاہیے۔

حضرت بائید بسطامی رضی اللہ عنہ نے آپ کے منقبت میں فرمایا۔ مَنْ أَرَادَ أَنْ
يُنْظَرَ إِلَى تَجَلٍّ مِنَ الرِّجَالِ يَحْبُو بِتَحْتِ لِبَاسِ النِّسْوَانِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى
فَاطِمَةَ رَحْمَتِهَا اللَّهُ ۖ جو چاہے کہ کسی مرد کو عورت کے لباس میں مخفی دیکھے۔ اس سے
کہو کہ وہ فاطمہ کو دیکھ لے۔

اور حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَوْلَا أَحَدٌ مِنْ خُصَمَاءِ مَا
ظَهَرَتْ الْفِتْوَى ۖ اگر احمد بن حنبلہ نہ ہوتے تو دنیا میں مروت و جوانمردی پیدا
نہ ہوتی۔ آپ کے بڑے بلند کلام اور نہایت مہذب و تحصیل ہیں اور آپ کی تصانیف ہر
فن میں اعمال و آداب و نکات میں مشہور و معروف ہیں۔

آپ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ الطریق وَاعْتِمُ وَالْحَقُّ لَا رِمَحُ
وَالذَّاعِي قَدْ أَسْمِعَ فَمَا الْمُتَحَيِّرُ يُدْنِهَا إِلَّا مِنَ الْأَعْمَى ۖ راستہ کھانا ہے
اور حق روشن ہے اور نگہبان سننے والا پھر تجریدی کر سکتا ہے جو اندھا ہو۔ یعنی
اب راستہ ڈھونڈنا محض غلطی ہے۔ اس لئے کہ راہِ حق مثل آفتاب کے تابان ہے بلکہ
انسان اپنے آپ کو ڈھونڈے کہ وہ کہاں ہے اور جب اپنے کو پالے تو راستہ پر آجائے
کیونکہ حق اس سے بھی زیادہ اظہر ہے کہ طالب اس کی طلب کرے۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ فرمایا۔ أَسْتَرْعِزُ فَقْرَكَ ۖ فقیری کے منصبِ جلیل
کو پوشیدہ رکھ ۖ یعنی مخلوق کے آگے نہ کہتا پھر کہ میں درویش ہوں تاکہ تیرا راز کھل
جائے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی زبردست بخشش ہے۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ فرمایا۔ ایک درویش نے رمضان المبارک میں ایک منقول
کی دعوت کر دی۔ اور اُن کے گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا جب وہ دولت مند واپس
ہوا۔ تو اس نے ایک نہری تھیل سکہ کی اُن کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے اس تھیلی کو واپس
کر دیا۔ اور کہلا دیا کہ یہ تھیلی اسے دے جو اپنا راز تیرے جیسے کے آگے ظاہر کرے۔ یا تیرے
جیسے دولت مند کو اپنی عزت فقر سے بلند جانے۔

یہ اُن کے سچے فقر کی دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عسکری بن الحسن علیہ السلام - انہیں میں سے امام متوکلان برگزیدہ
اہل زمان ابو تراب حضرت عسکری بن

الحسن یعنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ مشائخ خراسان میں اہل اسادات میں مشہور ہیں اور جو نمری
وزہد و ورع میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی بیکرا متیں ہیں اور بہت زیادہ عجائبات
ایسے ہیں جو جنگلوں میں دیکھے گئے۔

ستیاح متصوفین میں سے آپ تھے اور ہمیشہ جنگل میں خلوت نشیں رہا کرتے۔ یہی وجہ ہے
کہ آپ کی وفات بھی بصرہ کے ایسے جنگل میں ہوئی کہ بعد وفات کئی سال بعد ایک قافلہ پہنچا تو
آپ کی لاش مبارک کو ایک پیر پر قبلہ رو کھڑے دیکھا لاش مبارک بیجان تھی اور خشک
ہو چکی تھی اور آپ کے پاس سائے چمڑے کا کوہ یعنی کسکول چرمی رکھا ہوا تھا اور عصا ہاتھ
میں تھا لیکن جنگل کے درندے آپ کی لاش مبارک کے پاس نہ خشکے اور اتنی مدت تک پاؤں
مبارک سے لاش نہ گری۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا: "الْحَقِيقُ قُوْبُهُ مَا وَجَدَ وَلِبَاسُهُمَا سَتْرٌ وَمُسْكُنٌ
حَيْثُ كُنْزٌ۔" فقر کی غذا وہی ہے جو مل جائے اسی کو اختیار کرے اور لباس وہ ہے جس سے
بدن ڈھانپ لے اس میں اپنا تصرف نہ کرے اور اس کے مقام کیلئے وہی جگہ ہے جہاں چلے جاتے
ٹھہر جائے۔ اپنے لئے کوئی خاص جگہ نہ بنائے۔

اس لئے کہ ان تین چیزوں میں تصرف کرنا غیر اللہ ہونا ہے اور درحقیقت تمام عالم ان ہی
تین چیزوں کی بلا میں مبتلا ہے اور یہ جو کچھ تین چیزوں کا ذکر فقیر کا ہوا یہ بھی اسباب ظاہری کے
لحاظ سے ہے۔ ورنہ درحقیقت غذائے درویش و جہد ہے اور لباس درویش تقویٰ ہے اور مسکن
درویش مقام غیب۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا مُوَأَعِلًا لَّاسْتَعِيْذُكُمْ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَتَىٰ الْأَرْضَ فُؤَادًا۔ اور اگر یہ لوگ صراطِ مستقیم
پر قائم رہتے تو ہم انہیں کافی پانی پلاتے اور فرمایا۔ وَدِيْنَا وَرِيْنَا سِ الْتَقْوَىٰ ذٰلِكَ خَيْرٌ۔
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الْفَقْرُ وَطَنُ الْغَيْبِ فقر وطن غیب ہے۔ توجہ اکل و
شرب فقر ثمر اب و دربار ہے اور لباس فقر تقویٰ اور مجاہدہ اور وطن فقیر مقام غیب و اصل

کے مقام کا اظہار چاہتا فقر کے طریقہ کا کھلا راستہ ہے اور اس کے عمل روشن ہیں اور یہ فقیر کا درجہ کمال ہے۔

حضرت ابو ذر یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں میں سے سادہ

دولہ حضرت ابو ذر یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ نہایت بلند حال اور یکسیرت گزرے ہیں اور آپ کا مقام رجا میں میدان حقیقت کے اندر پورا قدم راسخ تھا حتیٰ کہ من بصری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو بھئی پیدا فرمائے ہیں۔ ایک نبیوں میں اور ایک ولیوں میں۔ انبیاء میں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تھے کہ آپ کو طریقی خوف اس درجہ عطا ہوا کہ تمام مدعیان فراطر خوف کی وجہ میں اپنی کامیابی سے ناامید ہو گئے۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کو طریقی رجا و ایمان اس درجہ عطا ہوا کہ تمام مدعیوں کے ہاتھ سے بھر گئے کسی نے کہا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا حال تو معلوم ہے لیکن یہ یحییٰ کون ہیں اور ان کا حال کیا ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ یحییٰ جہالت کی طرف ہرگز نہیں تھے اور آپ سے کبھی کبیرہ غنہ سرزد نہیں ہوا اور اعمال و عبادت میں پوری سعی فرماتے تھے۔ بلکہ ایسی جدوجہد کرتے تھے کہ ان کی کسی کسی میں محنت کرنے کی تاب و طاقت نہیں۔

ان کے کسی نے صحابہ کرام میں سے فرمایا کہ بچے تمہارا مقام مقام رجا ہے اور تمہارا عمل عمل خائفانہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ صاحبزادے اچھی طرح یاد رکھو ترک عبودیت ضالہ ہے اور خوف رجا ستون ایمان میں

یہ حال ہے کہ کوئی ارکان ایمانیہ کی حفاظت میں سعی کرتا ہو اگرچہ ہو جائے خوف والا اس خوف سے عبادت کرتا ہے کہ وہ مقام تقرب سے کہیں قطع نہ ہو جائے اور رجا والا با مبد و وصل جمیل عبادت کرتا ہے۔ اور جب تک عبودیت و عبادت نہ ہو تو خوف صحیح ہے نہ رجا اور جب عبادت حاصل ہے تو دونوں یعنی خوف و رجا عبادت ہیں۔ اور یہاں عبادت نہیں وہاں عبادت اور لفظ ایمان رجا کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں ہامز نکات و اشعار عجائب و غرائب کافی۔

غفائے راشدین کے بعد دوسرے پہلے مشایخ کرام میں سے بر سر مبر جلوہ افروز ہوئے۔ وہ بھی ابو ذکریا حضرت یحییٰ بن معاذ ہیں۔ ادیبین ان کے کلام کو بہت پسند کرتا ہوں میں نے کہ ان کا کلام میرا لیتی طبع ہے۔ اور سماعت میں نہایت لذیذ اور اصیلت میں بحد غایت قیق اور عبارت کی حیثیت سے نہایت مفید۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: **الدُّنْيَا دَارُ إِشْغَالٍ وَالْآخِرَةُ دَارُ أَلَهْوٍ** وَلَا يَزَالُ الْعَبْدُ بَيْنَ الْإِشْغَالِ وَالْأَلَهْوِ حَتَّى يَسْتَقَرُّ بِهِ الْقَرَارُ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِلَّا مَرَّ إِلَى النَّارِ دُنْيَا جَانَّةٌ وَإِشْغَالٌ وَأَعْمَالٌ ہے۔ اور آخرت منہم خوف و ہول اور بندہ ہمیشہ اعمال اور خوف میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ٹھہرنے کا مقام یا جنت ہو جاتی ہے یا جہنم بن جاتا ہے۔ کہ اُس میں پٹا روتا رہے۔

بہت بخت و راز و خوش وقت وہ دل ہے کہ اعمال و اشغال اور خوف سے مایون ہو کر اپنی ہمت کو دونوں سے جدا کر کے اپنے رب حقیقی سے پیوستہ ہو چکا ہو۔

آپ اپنے خیال میں غنا کو فقر پر بزرگ جانتے تھے۔ اور جب مقام اُسے میں آپ پر بہت قرض ہو گیا تو خراسان کا قصد فرمایا۔ جب بلخ پہنچے تو اہل بلخ نے آپ کو روکا تاکہ کچھ دخل و پند نہیں۔ مگر ضکہ یہاں کے لوگوں نے آپ کو ایک لاکھ دو سو نذر کئے۔ جب آپ یہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں چوروں نے سب لوٹ لئے اور آپ تنہا پیشاپور تشریف لے آئے آپ کی وفات پیشاپور میں ہوئی۔ لوگوں میں آپ کی خاص عزت تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

انہیں میں سے شیخ المشکوخ خراسان نادر میں

حضرت عمرو بن سالم پیشاپوری حدادی دامان ابو غنیمت حضرت عمرو بن سالم پیشاپوری

حدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ قوم کے بڑے بزرگ اور سادات تھے۔ مشائخین وقت کے بڑے مدوح گذرے ہیں۔ حضرت ابو عبد اللہ البیرونی کے ہمیشیں اور حضرت احمد خضر دہ کے رفیق خاص ہیں۔ کرمان سے شاہ شجاع ان کی زیارت کے لئے آئے۔ اور آپ اس وقت بغداد میں تشریف فرما تھے۔ مریدوں نے آپس میں کہا۔ سخت افسوس ہے کہ شیخ الشیوخ خراسان سے

یہاں تشریف لائیں۔ اور ہم اُن کے کلام فیض ترجمان سے استفادہ نہ کریں۔ آپ کیلئے
ایک ترجمان تلاش کیا جائے۔ راستے کے عام طور پر سب جلتے تھے کہ آپ کو عربی زبان
نہیں آتی۔

جب آپ مسجد شونیزہ میں تشریف لائے تو بہت مشائخ یہاں جمع ہوئے حضرت
جنید بغدادی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ آپ تمام مشائخ کے ساتھ ایسی فیصلہ پلغ
عربی زبان میں گفتگو فرمائی کہ حاضرین جلسہ آپ کے بلاغت کے مقابلہ سے عاجز آ گئے۔
آپ سے سوال کیا گیا۔ مَا الْخُتُوْتُ حضرت فتوت کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا تمام
مشائخ تشریف فرما ہیں اور سب کے بعد دیگرے تعریف فتوت کریں۔

پچانچہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ پہلے شروع ہوئے اور فرمایا۔ اَلْخُتُوْتُ
عِنْدِي تَرْكُ التَّوْبَةِ وَاسْتِقَاةُ النَّبَةِ میرے نزدیک فتوت یہ ہے کہ انسان
اپنی فتوت یعنی حیران مروی کو نہ دیکھے اور جو کچھ کر رہا ہے۔ اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرے
اور یوں نہ کہے کہ یہ نہیں کرتا ہوں۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مَا أَحْسَنَ مَا قَالَ الشَّيْخُ نہایت اچھا بیان
فرمایا شیخ نے۔ وَلَكِنْ الْخُتُوْتُ عِنْدِي اَدْوَالُ انْصَافٍ وَتَرْكُ مُطَالَبَةِ الْاِنْصَافِ لیکن
میرے نزدیک فتوت نام ہے انصاف کا حق ادا کرنا اور اپنے لئے طلب انصاف کو ترک کرنا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ تَوَمَّوْا اَصْحَابَنَا فَتَدَّ زَادَ ابُو حَفْصٍ قُلْ اَدَمُ وَ
هُدَيْتِهٖ لائے میرے بار و کمرے ہو جاؤ ابو حفص جو نامردی میں آدم اور آدم کی اولاد سے بڑھ گیا۔
آپ کی ابتداء توبہ کا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک لونڈی پر زنجیر ہو گئے تھے۔
لوگوں نے آپ سے کہا کہ شہر نیشاپور میں ایک بادوگر۔ یہودی ہے۔ اس کے ذریعہ سے تمہارا
مقصد قتل ہو جائیگا۔ حضرت ابو حفص اس کے پاس آئے اور سب حال سنایا۔ یہودی نے کہا
چالیس روز کے لئے نماز چھوڑنی ہوگی۔ اور اپنے تمام ذکر و اذکار نیک نیتی کے اعمال دل اور زبان سے
ترک کرنے ہونگے۔ تو میں افسوس کر ڈنگا وہ تیری کامیابی میں پھرا ہوگا۔

آپ نے ایسا ہی کیا جب چالیس دن گزر گئے۔ یہودی نے پناہ منتر کیا لیکن آپ کی مرو

یہودی نہ ہوئی یہودی کہنے لگا آپ نے تمام باتیں میری ہدایت کے موافق پھرتی ہیں آپ کچھ نہ کچھ کرتے ہیں

حضرت ابو حفصہ نے فرمایا: اپنے اعمال ظاہری میں نے سب ترک کر دیئے لیکن میرا ضمیر جو ملامت کرتا رہا وہ علیحدہ بات ہے۔ یا ایک روز جس راستہ سے میں آ رہا تھا وہاں ایک پتھر پڑا ہوا تھا اسے میں نے راستہ سے علیحدہ کر دیا تھا تاکہ اس سے کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔

یہودی نے کہا ابو حفصہ لوگوں کی ایذا رساں چیز کو تم نے ہٹایا اور اپنے رب کو غضبناک کیا اور چالیس روز اس کا حکم ضائع کر دیا، اگر تو اپنے رب کو غضبناک نہ کرتا تو وہ تجھے جس لونڈی کی مہاجریت کے رنج سے نجات دے دیتا۔

حضرت ابو حفصہ نے اس وقت توہم کی۔ اور وہ یہودی بھی مشرف بسلام ہو گیا۔ آپ لوہار کا کام کرتے تھے۔ آپ مقام بامد گئے اور حضرت عبداللہ بامدی رختہ طیکہ زیارت کی اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ جب واپس فیشاپہر تشریف لائے ہاتھ میں ایک نابینا کو رکھا کہ تلاوت کلام پاک کرے تاکہ آپ اپنی دکان پر بیٹھے ہونے کی تلاوت سن رہے تھے۔ کہ آپ پر وجد طاری ہوا اور حالت جذب میں بغیر سنا اس کے شروع لوہا بھشی سے ہاتھ میں لے لیا۔ جب شاگردوں نے یہ حال دیکھا تو حواس باختہ ہو گئے۔ جب آپ کی کیفیت جدائی فرو ہو گئی اور ہوش میں آئے تو کسب معاش سے ہاتھ اٹھالیا اور دکان چھوڑ دی۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: تَزَكُّوا لَعَلَّ تَجْعَلُوا لِي وَتَزَكُّوا لَعَلَّ تَجْعَلُوا لِي اَدِجْمُ الْيَهُودِيْنَ نے کسب معاش چھوڑا پھر اس کی طرف رجوع ہوا پھر کہنے لگے چھوڑا تو اب میں اس کی طرف رجوع نہیں۔

اس لئے کہ جو چیز بندہ اپنے ارادہ سے ترک کرے وہ ترک کرنا بہتر نہیں۔ اس لئے کہ یہ صحیح اصول ہے کہ ہر کسب بل آفت ہے۔ اور یہ بہتر نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلا قصد و ارادہ غیر کے وہ چیز ترک ہو اور ہر موقع پر اختیار بندہ اس سے متصل نہ رہے۔ اس لئے کہ لطیفہ حقیقت اس ارادہ کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے۔

تو کسی شے کا ترک واجب بندہ کی طرف سے بالکل درست نہیں۔ اس لئے کہ عطا و

ندال و حقیقت منجانب اللہ ہے تو پھر جو عطا کئے تو حق کی طرف سے اسے ملے اور جب زوال آنے تو ترک کر دے۔

جب اس حال میں صوفی ہو جاتا ہے تو وجود اخذ ترک منجانب اللہ ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ بندہ کی طرف سے ہو کہ بندہ اپنی کوشش سے اس کا لینے والا بنے یا دفع کرنے والا۔
تو اگر ہزار سال مرید قبول حق میں کوشاں رہے تو اتنا نہیں ہو سکتا کہ ایک لمحہ بھی اس کی قبولیت حق کے ساتھ مانا جائے۔ اس لئے اقبال بلا یزال قبولیت نازی کے ساتھ بستہ ہے اور سرورِ سرمدی سعادت سابقہ ازلیہ سے پیوستہ۔ اور بندہ کو اخلاص و خلوص کے سوا چارہ نہیں۔
تو وہ بندہ محبوب بارگاہ ہے جو تمام اسباب مسبب کی مثبت پر چھوڑ دے۔

حضرت ابو صلح محمد بن حاتمہ اللہ علیہ رحمۃً
انہیں میں سے قدوۃ اہل مست

من عمار القصاص فی اللہ تعالیٰ عنہ میں۔ تمام مشائخ میں متولیج اور فقہ کے اندر خاص درجہ کے مالک تھے۔ آپ کا سلسلہ ندی تعلقہ امیر حضرت ابو تراب نخشی کے مرید تھے اور حضرت علی نصر آبادی کے مقرروں میں سے تھے۔ آپ کے نہایت دقیق رموز اور اعمال میں آپ کا کلام دقیق مشہور ہے۔ اور مجاہدات میں اتنے منصب بن پر تھے کہ میثاقہ کے اثر و مشائخ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مہر پر جلوہ فرما ہوں اور لوگوں کو وعظ کریں تاکہ آپ کے کلام سے لوگوں کے دلوں میں فائدہ پہنچے۔

آپ نے فرمایا مجھے وعظ کہنا دیا نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کیوں فرمایا اس لئے کہ ابھی میرا دل دنیا اور جاہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ میرا کلام بیفائدہ ہے اور لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں کرے گا۔ اور جو کلام دلوں پر اثر پذیر نہ ہو وہ علم کے استخفاف کا موجب ہے اور شریعت مطہرہ کا استہزا کرنا ہے۔ کلام کرنا اس کے لئے مسم ہے کہ خاموشی اس کی دین میں داخل ہو۔ اور جب بولے تو جتنا غل ہونٹ جائے آپ سے پوچھا گیا کہ سخن سلف صالحین کس لئے دلوں کے واسطے بہت مفید ہیں۔ جھل کی باتیں کرنے سے آپ نے فرمایا۔

لَا تَهْمُ نَكَلُمُوا لِحَبْرَةِ الْإِسْلَامِ وَنَجَاتِ النَّفُوسِ وَنَعْمَاءِ الرَّحْمَنِ وَنَحْنُ شُكْلُكُمْ

لِحِزِّ النَّفْسِ وَطَلَبِ الدُّنْيَا وَقَبُولِ الْخُلُقِ۔ اس لئے کہ وہ کلام فرماتے تھے اعزاز اسلام کے لئے اور نفسوں سے نجات کے لئے اور رضاناہی حاصل کرنے کو اور ہم بولتے ہیں نفس کے غرض کی خاطر اور طلب دنیا کے لئے اور لوگوں میں مقبولیت پیدا ہونے کی غرض سے۔
 تو جو کلام موافقت حق کیسے ہو وہ حق کی مدد کے ساتھ ہوتا ہے اس میں رعب و تاب ہوتا ہے اور اثر ار پر اثر کرتا ہے۔ اور جو کلام اپنی موافقت کیسے ہو اس میں ذلت و خواری ہے اور اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ ایسے بولنے سے نرولنا بہتر ہے اس لئے کہ ایسا بولنے والا اپنے لفظوں سے خود بیکار ہوتا ہے۔

انہیں میں سے شیخ بادقار شرف خواہد اور

حضرت منصور بن عمار رضی اللہ عنہ حضرت ابوسری منصور بن عمار رضی اللہ عنہ تعلقے عنہ ہیں۔ انکا بشارت سے گزری ہے۔ اور اہل اہل حق کے ہم صحبت اور اہل حق میں مقبول الکلام و اعط تھے۔ آپ کے بیان لطیف کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ انسانے تقریر میں فنون و علمی و روایات و درایات احکام و معاملات کے دریا موجزن ہوتے تھے بلکہ بعض اہل تصوف نے تو آپ کی تعریف میں بہت ہی مبالغہ کیا ہے۔

آپ کے ذکر میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ قُلُوبَ الْعَارِفِينَ أَوْعِيَةً لِلْكَوْنِ وَقُلُوبَ الدَّاهِيِينَ أَوْعِيَةً لِلْتَّوَكُّلِ وَقُلُوبَ الْمُتَوَكِّلِينَ أَوْعِيَةً لِلزَّمَانِ وَقُلُوبَ الْفُقَرَاءِ أَوْعِيَةً لِلْقَنَاعَةِ وَقُلُوبَ أَهْلِ الدُّنْيَا أَوْعِيَةً لِلْهَمِّ۔ اس کے درجہ منیر کو پاکی ہے جس نے عرفاء کے قلوب کو ذرا کابرتیں بنایا اور اہل دلوں کے دلوں کو ظرف توکل کیا اور متوکلین کے قلوب کو منبع رضا بنا دیا۔ اور درویشوں کے ضمیر کو محل قناعت قرار دیا اور دنیا داروں کے حلوں کو طمع کا برتن کیا۔

اس میں عبرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو حساس بنایا اور اس میں معنی متھانس رکھے۔ چنانچہ ہاتھوں کو محل بطش و گرفت بنایا۔ پیروں کو چلنے کے کام کا آلہ قرار دیا۔ آنکھوں کو دیکھنے کے لئے پیدا کیا۔ کانوں کو سماعت کے واسطے مخصوص بنایا۔ زبان کو بولنے کے لئے رکھا۔
 اور ان اعضاء کے اسماء خلقی میں اودہ افعال جو ان سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی

زیادہ خلاف نہیں رکھا بلکہ ہر جگہ ہر عضو ایک کو اپنے کام میں یکساں ہی ہے۔ مگر دل ایک ایسی چیز پیدا فرماتی کہ ہر ایک کے اندر وہی دل ہے مگر اس میں مختلف ادارے اور مختلف خواہشات ہیں۔ ایک دل طلبِ حوائجِ عظمیٰ کے لیے ضلالت کر دیا۔ ایک دل میں قناعت ڈال دی تو ایک دل کو اویسہ سمہ وریا کر دیا تو معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سے وہ مخلوق جس سے خلاقِ عالم کی صنعت کمال تعجب فیضِ ظاہر ہو سوا دل کے نظر نہیں آتی۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: النَّاسُ رَجُلَانِ عَارِفٌ بِنَفْسِهِ فَشَغْلُهُ فِي الْجَاهِدَاتِ وَالْبِتَاءِ صَمَةٌ وَعَارِفٌ بَرِيَّةٍ وَشَغْلُهُ بِخِدْمَتِهِ وَعِبَادَتِهِ وَمَرْضَاتِهِ۔ لوگوں میں دو گروہ ہیں یا بخود عارف ہیں بحق عارف ہیں۔ وہ لوگ جو بخود عارف ہیں ان کا مشغلہ مجاہدہ و ریاضت ہے۔

اور وہ لوگ جو بحق عارف ہیں ان کا مشغلہ خدمت و عبادت و طلبِ رضائے۔ تو عارفانِ بخود کی عبادت ریاضت ہوئی اور عارفانِ بحق کی عبادت ریاضت ہوئی پہلا اس لئے عبادت کر رہا ہے کہ درجہ حاصل کرے۔ دوسرا اس لئے عبادت کرتا ہے کہ عطا شدہ نعمت کا شکر گزار رہے۔

فُتْنَانِ مَا بَيْنَ السَّنْزَلَتَيْنِ تو دونوں کے منازل و مقام میں بڑا فرق ہے۔ یعنی عارف بخود وہ بندہ ہے جو مجاہدہ پر قائم ہے۔ اور عارف بحق وہ بندہ ہے جو مشاہدہ میں محو ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

النَّاسُ رَجُلَانِ مُفْتَخِرٌ إِلَى اللَّهِ فَمَوْفِي أَعْلَى الدَّرَجَاتِ عَلَى لِسَانِ الشَّرِيعَةِ وَالْآخَرُ لَا يَمُرُّ إِلَّا بِتَقَارِبِ مَا عِلْمٌ مِنْ فِعْلِ الْبَعْضِ مِنَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ وَالْإِقْدَامِ وَالْمَيَاتِ وَالشَّمَادَةِ وَالشَّقَاوَةِ فَمَوْفِي إِفْتِقَارِهِ إِلَيْهِ وَاسْتِغْنَاءُ رَبِّهِ۔ لوگ دو قسم کے ہیں ایک نیاز مند بخدا۔ یہ نہایت اعلیٰ و ارفع درجہ والے ہیں اور شریعتِ طہرہ نے بھی انہیں بلند درجہ کہا۔ دوسرے وہ ہیں جو اپنی نیاز مندی اور حاجت کو نہیں دیکھتے۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہی مخلوق کے رزق۔ اجل۔ حیات۔ شقاوت۔ سعادت سب مقدر کر دی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تو وہ گروہ اپنی حوائج میں حاجات کا

محتاج ہوا۔ اور یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے مستغنی ہے۔

یعنی پہلا گروہ عین اقتدار میں محبوب ہو ہوا اور اللہ سے دوسرا گروہ اپنی حاجتوں سے مستغنی ہو کر اللہ کے ساتھ غنا و مشاہدہ میں ہوا۔ تو پہلا گروہ نعمت کے ساتھ ہوا۔ دوسرا گروہ منعم نعمت کے ساتھ پہلا گروہ مشاہدہ نعمت میں اگرچہ غنی ہے مگر فقیر ہے دوسرا گروہ مشاہدہ منعم میں اگرچہ فقیر ہے مگر غنی ہے۔

انہیں میں سے ممدوح اولیا
حضرت احمد بن عاصم انطاکی رضی اللہ عنہ قدوة اہل رضا حضرت ابو

عبد اللہ احمد بن عاصم انطاکی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اعلیٰ ان قوم اور سادات قبائل سے گزے ہیں۔ علوم شریعت کے بہترین عالم اصول و فروع میں اعلیٰ ماہر تھے نہایت ودانہ عمر پائی۔ قدما مشائخ کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ اتباع تابعین کو کچھ اہل معصرت بشر حالی اور سری سقلمی رضی اللہ عنہما تھے حضرت حدیث محاسبی کے مرید تھے۔ حضرت فضیل عیاض کی بھی تلمیذت کی۔ اور انکے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ آپ اکثر زبانوں میں ستودہ تھے۔ آپ کا کلام بہت بلند مانا گیا ہے۔ آپ کے لطائف نہایت شافی ہیں۔ علم طریقت میں آپ ماہر گزے ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا: **أَنْفَعُ الْفَقْرِ مَا كُنْتُ بِهِ مُجْتَمِلًا وَهُمْ رَاضِيًا**۔ نافع ترین فقر وہ ہے جس سے تو جمال پائے اور اپنے مجمل کے ساتھ راضی رہے۔

یعنی مخلوقات کا جمال وجود اسباب میں ہے اور فقیر کا جمال نفسی اسباب اور اشبات مسبب میں اور اسی کی طرف رجوع رہ کر اس کے احکام پر راضی رہنے میں۔ اس لئے کہ فقر فقہان سبب کا نام ہے اور غنا وجود سبب کو کہتے ہیں۔

تو فقیر بلا سبب حق کے ساتھ ہے اور جہاں سبب ہے وہاں وجود خودی ہے یہی وجہ ہے کہ سبب محل حجاب ہے اور ترک سبب محل کشف و جمال و درجیاں۔ اور کشف میں رضا ہے۔ سخط و غضب میں تمام عالم حجاب میں ہے اور یہ بیان فضیلت فقر میں واضح ہے۔

حضرت ابو محمد عبد اللہ خلیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہیں میں سے سالک طریقی تقویٰ اندیشہ بزرگ ہیں۔

حضرت ابو محمد عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ ہیں۔ زیادہ تو میں سے گلیے ہیں۔ اور ہر معاملہ میں اعلیٰ متوجع تھے۔ آپ سے بہت روایات ہیں اور آپ فرما دیتے ہیں کہ آپ کا مسک فقہ میں مسلک ثوری تھا اور معرفت و حقیقت میں ماہر تھے۔

اور آپ نے صحابہ کرام کی زیارت کی اور ان کے فیضِ محبت میں اسے آپ کے مضامینِ قابلِ عمل میں نہایت لطیف ہیں۔ آپ کا ایک ارشاد ہے۔ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكُونَ حَيًّا فِي حَيَاتِهِ فَلَا يَسْكُنُ الْعَنَمُ فِي قَلْبِهِ مَوْجِبًا رَتَا هُوَ دُنْيَا وَزَنْجَلِيں زَنْدہ ہو جائے اُسے کہو کہ اپنے دل کو مسکنِ طبع نہ بنائے تاکہ کل ماسوی الشہ سے آزاد ہو۔

اس لئے کہ طبع ہمیشہ مردہ ہوتا ہے اور اپنے طبع کی قید میں مقید۔ تو جس دل میں طبع ہے وہ دل جیسا ہے جس پر ہر گلی ہو اور لازمی ہے کہ جو دل غمومہ یعنی مہر شدہ ہے وہ یقیناً مردہ ہے۔

نہاں اللہ دل وہی ملے جو ماسوی الشہ سے مردہ ہو اور اپنے رب کی محبت میں زندہ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے لئے عزت و ذلت پیدا فرمائی ہے۔

اور اس کی یاد سے جو دل مسموم ہے اُسے دل کی عزت گردانا اور جس میں طبع ہے اُسے دل کی ذلت قرار دیا۔ جیسا آپ نے فرمایا ہے خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْقُلُوبَ مَسَاكِينَ الذِّكْرِ فَصَارَتْ مَسَاكِينَ الشَّهَوَاتِ وَلَا يَذْهَبُ الشَّهَوَاتِ مِنَ الْقُلُوبِ إِلَّا خَوْفٌ مَوْجِبٌ أَوْ شَوْقٌ مُتَعَلِّقٌ بِاللَّهِ تَعَالَى دِلوں کو مساکن ذکر بنایا تھا مگر جب نفسِ مادی کی صحبت کا اثر پڑا مسکینِ شہوت بن گیا اب اس دل کو کوئی چیز شہوات سے پاک نہیں کر سکتی مگر وہ خوف جو مضطر کرے۔ یا وہ شوق جو آرام بھلا کر قلق پیدا کر دے۔

تو خوف اور شوق دو ستون ہونے ایمان کے۔ جیسے دل محلِ ایمان ہے اور اس کے قرینِ ناعیت و ذکر ہیں۔ نہ کہ طبع اور غفلت تو قلبِ مومن طماع اور تابعِ شہوات نہیں ہو سکتا۔ اس لئے طبع و شہوت کا قیودِ وحشت ہے جو دل کو متوجش کر کے ایمان سے بے خبر کر دیتی ہے اور ایمان کو انس بحق لازمی ہے۔ اور وحشت کو انسِ غیر حق کے ساتھ ضروری۔

جیسا کہ کہا ہے کہ الطَّمَاعُ مُتَوَجِّشٌ مِنْهُ كُلُّ وَاحِدَةٍ طَمَاعٍ کی صحبت سے ہر ایک وحشت زدہ ہو جاتا ہے۔

انہیں میں سے شیخ طریقت اہل طریقت
حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابوالقاسم حضرت جنید بن محمد بن
جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مقبول اہل طہا و ہر وار باب قلوب تھے علوم کے تمام فنون میں
کامل اور اصول و فروع و معاملات و عبادات میں مہفتی اعظم اور امام اصحاب ثوری مانے گئے
ہیں۔ آپ کے فرامین نہایت عالی ہیں اور آپ کا مال بددہ غایت کامل حتیٰ کہ تاکا اہل طریقت
آپ کی امامت پر متفق ہیں۔ اور کسی مدعی علم و تصوف کو آپ پر اعتراض نہیں۔

اور آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے گھانچے ہیں اور انہیں کے مرید ہیں۔
ایک روز حضرت سری سقطی سے پوچھا گیا کہ کوئی مرید ایسا بھی ہے جس کا مرتبہ میرے
بلند ہو گیا ہو۔ فرمایا۔ ہاں اس کے برابر میں رہتا ہے یعنی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی

طرف اشارہ کر کے فرمایا، اس کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے اگرچہ یہ فرمایا کہ حضرت سری سقطی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بصورت تواضع تھا۔ اور آپ نے جو کچھ فرمایا اپنی بصیرت باطنی کے ذریعہ
فرمایا۔ اس لئے کہ کوئی اپنے سے اوپر دے کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ دیوار کا تعلق تخت سے ہے۔
بنابر این آپ نے یعنی حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ انہیں دیکھا اپنی نظر میں بلند دیکھا
مگر یقیناً اپنے درجہ سے یہ دیکھنا نیچے ہی درجہ کا دیکھنا ہوگا۔

اور مشہور ہے کہ زمانہ حیات میں حضرت جنید بن محمد سے عرض
کی ہمیں کچھ فرمائیے تاکہ ہمارے دل سکون و راحت پائیں۔ آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اللہ
فرمایا جب تک کہ میرے شیخ حضرت سری جلوہ آرا مسند ظاہر ہیں میں کوئی بات کہنے کا مجاز
نہیں رکھتا یہاں تک کہ ایک رات خواب استراحت میں تھے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم
کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں۔ جنید لوگوں کو کچھ سنایا کہ
اس لئے کہ تیرے بیان سے اللہ تعالیٰ ایک عالم کی نجات فرمائے گا۔

جب بیدار ہوئے تو دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ میں اپنے مرشد کے درجہ سے اتنا بلند ہو گیا
ہوں کہ حضور نے مجھے حکم دیا کہ صبح ہوئی حضرت سری سقطی نے ایک مرید
بھی اور حکم دیا کہ جب جنید نماز میں قائم ہوں تو کہو کہ میرے مریدوں کی درخواست تم

نے رد کر دی۔ اور انہیں کچھ دستیار، شیوخ بغدادیہ سفارش کی اسے بھی تم نے رد کر دیا۔ انہیں نے پیغام بھیجا پھر بھی آمان و خط نہ ہوئے۔ اب جبکہ پیغمبر عالم سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تمہیں ملا ہے، لہذا اس حکم کی تعمیل کرو۔

حضرت جنید بن محمد نے یہ حکم سنتے ہی جواب میں کہلا بھیجا کہ حضور جو میرے ارغ میں افضلیت کا سودا سکایا ہے وہ باتار ہے اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ سری سقطی میرا مرشد کامل میرے تمام حالات ظاہر و باطن سے شرف ہے۔

اور آپ کا درجہ ہر حال میں میرے درجہ سے بلند۔ اور آپ یقیناً میرے اصرار پر مطلع ہیں، اور میں آپ کے منصب جلیل کی بلندی سے محض بے خبر ہوں۔ اور اپنی غلطی سے استغفار کرتا ہوں جو میں نے اس خواب کے بعد اپنے متعلق سوچا تھا۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی حضور آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضور کی زیارت کی۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے کمال سے خواب میں شرف حاصل کیا۔ مجھے جناب ہادی تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ میں نے اپنے سبب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا کہ اسے حکم دو تاکہ وہ وعظ کیے تاکہ اہل بغداد کی مراد برائے:

یہ حکایت دلیل واضح ہے کہ پیران کامل ہر صورت میں مرید کے حالات پر واقف ہوتے ہیں آپ کے کلام بہت بلند ہیں اصد منذ نہایت لطیف۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

كَلَامُ الْأَنْبِيَاءِ نَبَأٌ عَنِ الْخَصْوَرِ وَكَلَامُ الصِّدِّيقِينَ إِشَارَةٌ عَنِ الْمُسْلِمِينَ
ہم انبیاء کرام حضور کے ذریعے ہوتا ہے یعنی وہ جو کچھ فرماتے ہیں آنکھوں کی درجہ تفصیل علم کے

بھی ہوتا ہے، اور کلام صدیقین مشاہدہ سے ہوتا ہے یعنی ان کی صحت خبر محض مشاہدہ پر ہے جو ملاحظہ ہوتا ہے۔ اور اسی درجہ میں مشاہدہ تجلیل سے ہے اور خبر سوائے آنکھ کے دیکھنے نہیں جاسکتی۔ اور اشارات سوائے غیر کے نہیں ہوتے۔

تو صدیقین کا مرتبہ کمال انبیاء کرام کے ابتدائی مراتب کے برابر ہوتا ہے اور اس میں جو نام ہے وہ واضح ہے۔ اور یہ عقیدہ محمد بن کا ہے کہ انبیاء کرام کو فضیلت میں متفرع ماننے

ہیں۔ اور اولیاء کرام کو مقدم کہتے ہیں۔

آپ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک بار میرے دل میں خواہش ہوئی کہ ابلیس لعین کو دیکھوں۔ کہ نہیں ایک دن مسجد کے صحن پر کھڑا ہوا تھا۔ کہ ایک بڑھا آیا اور دُور سے میری طرف دیکھا۔ جب اس کو میں نے دیکھا تو میں نے اپنے دل میں وحشت کا اثر محسوس کیا۔ جب وہ میرے نزدیک آیا میں نے اس سے پوچھا۔ بڑھے تو کون ہے کہ میری نظر وحشت سے تجھے دیکھنے کی تاب نہیں لاتی اور تیرا نحوست کی سبب کو میرا دل برداشتہ نہیں کرتا۔ کہنے لگا میں وہی ہوں جس کے دیکھنے کی آپ نے خواہش فرمائی تھی میں نے کہا طعون تجھے آدم علیہ السلام کے سجدہ سے کس چیز نے روکا۔ بولا جنید آپ کا یہ خیال ہے کہ میں غیر خدا کو سجدہ کرتا ہوں۔ لیتا۔ حضرت جنید فرماتے ہیں۔ میں متحیر رہا ہو گیا۔ اور اس کا یہ کلام میرے ضمیر پر اثر پذیر ہوا اسی تھا کہ مجھے الہام ہوا قُلْ لَّهِ كُنُوتٌ لَّوْ كُنْتَ عِندَ مَا مَوْزَا مَا خَرَجْتَ مِنْ أَمْرٍ وَنَهْيٍ فَسَمِعَ النَّبَاءَ مِنْ قَلْبِي فَصَاحَ وَقَالَ أَخْرِقْنِي يَا اللَّهُ وَغَابَ عَنِّي جَنِيدٌ خَبِثَ كُودٌ کہو کہ بے ایمان تو جھوٹا ہے اگر تو زندہ تھا تو اپنے مالک کے حکم سے باہر نہ ہوتا اور اس کی نہی سے تقرب نہ کرتا شیطان نے یہ آواز میرے قلب کی سن لی اور ایک پیچ ماری اور بولا خدا کی قسم اسے جنید تو نے مجھے جلاؤ والا۔ اور نظر سے غائب ہو گیا۔ یہ حکایت آپ کے تحفظ عصمت پر خاص دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی خود گرائی فرماتا ہے۔ اور ہر حالت میں کلمات شیطانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک واقعہ ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ سے آپ کا ایک یہ کچھ بد اعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑا کہ اب میں بھی کسی درجہ پر فائز ہو چکا ہوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کر لیا۔ چند روز بعد اس فرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا خیال جنید پر منکشف بھی ہوا یا نہیں۔ اور حضرت جنید اپنے نور فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے جب وہ مرید آیا آپ سے کچھ سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کیسا جواب چاہتا ہے الفاظ و عبارات میں یا حقیقت معنی میں مرید نے عرض کی دونوں طرح آپ نے فرمایا

marfat.com

Marfat.com

نہ ہوتا۔ اس بلکہ تجربہ کی فرض سے نہ آتا۔

اور سنوئی جواب ہے کہ میں نے تجھے منصب لائیت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا پچھنے لگا اور پکارا کہ حضور راحت یقین میرے دل سے جاتی رہی تو یہ کہنے لگا۔ اور پہلی بجوں سے ہاتھ اٹھایا۔ اس وقت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیان اسرار ہوتے ہیں۔ تجھ میں ان کی ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پر ماری۔ وہ پھر اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اُس دن سے خاصان بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے بھی توبہ کی اد پختہ عہد کر لیا۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ انہیں میں سے شیخ المشائخ طریقت امام اثم شریعت شاہ اہل تصوف بڑی ازاقت تکلف حضرت ابوالحسن احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت نیک عمل اور واضح کلام فرمانے والے اور مجاہدات میں نہایت عالی ظرف گز سے ہیں۔ تصوف میں آپ کا مسلک مخصوص ہے۔ اور صوفیوں میں اسی وجہ سے ان کی جماعت کو نوری کہتے ہیں۔

اس سے بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ متصوفین میں باعتبار مسلک بارہ فرقہ ہیں دو گروہ مردود ہیں۔ اور دس گروہ مقبول بارگاہ ہیں۔

وہ بارہ فرقہ یہ ہیں۔ (۱) محاسبیال (۲) قصاریان (۳) طیفوریان (۴) جنیدیان۔ (۵) نوریان (۶) ہسلیان (۷) حکیمان (۸) خزانہ یان (۹) حیفیان (۱۰) شتاریان۔ (۱۱) حلویان (۱۲) علاجیان۔

ان میں سے دس فرقے شتاری فرقہ تک محققان اہل سنت و جماعت سے گئے ہیں لیکن دو گروہ مردود ہیں۔ ایک حلی ہے جو حلول و امتزاج کا قائل ہے۔ از ترجمہ لینے اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے جسم میں حلول کرتا اور بندہ میں اکمل ہوتا ہے، معاذ اللہ۔ اور اسی فرقہ سے وابستہ سالکی اور مشبہہ ہے مشبہہ کا تو عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور وہ جسم ایسا ہے کہ عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اور فرقہ سالیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ صورت انسانی میں جلوہ فرما دے گا۔ اور امیر محمد صلی اللہ علیہ

دوسرا فرقہ علما جہاں ہے جن کے نزدیک شریعت اور الحاد و کفر بے تفاوت ہے یہ فرقہ بھی مردود ہے۔ اور ان میں دو فرقہ اور ہیں۔ ایک اباختیان و دوسرا فارسیان مان کی تصریح اسی کتاب میں اپنے مقام پر نہیں ملے گی۔

ان فرقوں کے عقائد اور ان کے فرق اور اختلاف کا بیان مفصل ص ۱۰۰ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ لیکن حضرت ابوالحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ نہایت پاکیزہ ہے اور ترک مباحثت اور رفع مسامحت میں آپ نہایت سخت تھے۔ اور ہمیشہ مجاہدیت و باطلات میں رہے۔ آپ فرماتے ہیں میں حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوا میں نے دیکھا آپ صدر مقام پر تشریف فرما ہیں میں نے کہا۔ یَا أَبَا الْقَاسِمِ غَشِیَتْکُمْ قُصْدٌ رُذُلٌ وَ نَفْسٌ کُتِبَتْ لَکُمْ فِی الْبَحَارِ لَا لَکُمْ بِالْقَاسِمِ نَمَ لَکُمْ ان سے حق چھپا یا تو انہوں نے نہیں سمجھیں بنالیا اور میں نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے مجھے پتھروں سے مارا۔ اسلئے کہ مباحثت کو خواہشات نفسانی سے موافقت ہے اور حق گوئی اور نصیحت کو مخالفت اور آدمی اس خیر کا دشمن ہے جو اس کی خواہشات کے مخالف ہو۔ اور اس کا دوست ہے جو اس کے ہوائے نفسانی کے موافق ہو۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے فریق خاص تھے اور حضرت سری سنی علیہ السلام کے مرید اور آپ نہایت متشاغ کرام کی زیارت کی اور ان کی دوستی میں رہے اور آپ نے حضرت احمد بن ابی الحارثی کو بھی پایا۔

فن تصوف میں آپ کے اشارات نہایت لطیف ہیں اور آپ کے اقوال نہایت پیاری اور جہل فہم میں آپ کے نکات عالی مشہور ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ الْجَمْعُ بِالْحَقِّ لَفِرْقَةٍ عَنْ غَلِبٍ وَ تَفْرِقٌ عَنْ غَلِبٍ جَمْعٌ بِہ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنا غیر سے مفارقت ہے اور غیر اللہ سے علیحدہ

و سلم میں (معاذ اللہ) ظہور کرے گا اور تمام مخلوقات کے لئے قیامت کے دن جن و انس اور ملائکہ اور حیوانات کی شہادت میں ظہور کرے گا اور ہر ایک کے ساتھ ایک خاص صفت ہوگی جس لاکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ و شہادت سے منزہ ہے۔

www.marfat.com

ہونا اللہ سے ملنا ہے :

یہی جس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمعیت خاطر محال کر لے تو غیر خدا سے وہ قیام اعلیٰ ہے اور اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنا اندیشہ مخلوق سے بھرا ہو جانا ہے۔ تو جو مخلوقات سے اراض صحیح ہو جائے تو اقبال بحق درست ہوگا اور یہ مسلم امر ہے کہ اقبال بحق درست ہونے کی صورت میں خِذْ اِنْ لَا يَخْتِجُ قَاتِ۔ دو ضدیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں بقول مولانا روم علیہ رحمۃ۔

ہم خدا خواہی دہم دنیا زدوں ای خیالست و محالست و جنوں "از مرجم"
ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ابوالحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بار ایک مکان میں تین روز تک متواتر شور کرتے رہے۔ لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

عرض کی۔ آپ فوراً اٹھے اور تشریف لائے اور فرمایا اے ابوالحسن اگر تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس بے نیازی کے ساتھ شور کرنا فائدہ مند نہیں ہے تو اپنے دل کو رضا و تسلیم کے محور پر لاؤ تاکہ تمہارا دل خوش و خرم رہے۔

حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ جنید کی اس ہدایت پر خاموش ہوئے اور فرمانے لگے ابوالقاسم تم میرے بہترین استاد ہو۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَعْرِضْ اَلْاَشْيَاءَ فِيْ زَمَانِنَا شَيْئًا عَالِمٌ يَعْمَلُ بِعِلْمِهِ وَ عَارِفٌ يَنْطِقُ عَنْ حَقِيْقَتِهِ ہمارے زمانے میں محبوب ترین دو چیزیں ہیں ایک وہ عالم جو اپنے علم پر عامل ہو دوسرا وہ عارف جو حقائق راز اپنے کلام میں بیان کرے :

یعنی ہمارے زمانہ میں علم و معرفت دونوں محبوب ہیں۔ اس لئے کہ علم بے عمل علم نہیں ہے اور عرفان بے حقیقت عرفان نہیں ہے۔

اس بیان میں حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کا پتہ دیا اور حقیقتاً ان کے وقت تک ہمیشہ یہ دونوں چیزیں محبوب رہیں۔

آج کے دن بھی اگرچہ یہ دونوں چیزیں عزیز ہیں۔ مگر اب یہ بات ہے کہ جو شخص کسی علم کی یا عارف کی تلاش میں مشغول ہو تو اس کے لیل و نہار پر اگندہ ہو جائیں گے۔ مگر اُسے عارف عالم

نہ ہو گا۔

آج کے دن طالب کو چاہیے کہ خود جدوجہد میں مشغول ہو اور اپنے رب کی طرف رجوع کرے۔ تاکہ اسے علم میں عالم و عارف ہی نظر آئیں۔ اس لئے کہ عالم و عارف اسے عزیز ہے عزیز شے بشکل ملتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شے عزیز الوجود ہو اس کی تلاش میں پریشان ہونا توضیح اوقات کرنا ہے تو پھر جب اس نے علم و معرفت اپنے میں طلب کی تو گویا اس نے حقیقت و معرفت اپنے اندر پائی۔ لہذا یہی طریقہ بہترین ہے کہ فی زمانہ خود جدوجہد کرے اور اپنے رب سے اس درجہ کی طلب کرے۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ فرمایا: مَنْ عِلِمَ الْأَشْيَاءَ بِاللَّهِ فَوَجَّوْهُهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَى اللَّهِ" جو خالق اشیا تقرب الہی سے جانے تو تمام اشیا کی طرف جو اس کا رجوع ہے وہ خالق اشیا کی طرف ہے نہ کہ اشیا کی طرف۔

اس لئے کہ وجود ملک اور ظہور ملک مالک پر موقوف ہے۔ تو عارف کی راحت رویت مکنون پر ہے نہ کہ کون پر۔ اس لئے کہ اگر اشیا کو علت افعال جانے گا ہمیشہ زنجور و غمگین رہے گا۔ اور ہر شے کی طرف رجوع کرنا اس کیلئے شرک ہوگا اس لئے کہ یہ اشیا کو سبب فعل جانتا ہے۔ اور سبب اپنے آپ کبھی قائم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سبب کے ماتحت ہوتا ہے۔ توجب سبب الاسباب ہی خالق اسباب ہے تو اسی کی طرف رجوع کرنا مشاغل اسوی الشریعہ نجات دلاتا ہے۔

ابو عثمان حضرت سعید بن اسماعیل حیرمی از سلف خود خلف ابو عثمان

حضرت سعید بن اسماعیل حیرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں۔ قدامدا جلد صوفیاء سے گزرے ہیں اور اپنے زمانہ میں فرد فرید تھے۔ اور اہل دل آپ کو منصب رفیع پر مانتے تھے آپ کی ابتدا صحبت حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھی۔ اس زمانہ میں ایک مدت تک حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی رہ چکے ہیں۔ اور انہیں کے ہمراہ فیسا پور آئے اور حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ کی زیارت کی اور انہیں کی خدمت میں بقیۂ عمر پوری فرمائی۔

Marfat.com

رجوع تھا اور پچھن سہی مجھے اہل ظلو ابھرے نفرت تھی۔ تو میں سمجھتا تھا کہ اس ظاہری عمل
اعمال کے سوا جس پر عوام لگے ہوئے ہیں شریعت منظر میں ضرور کوئی خاص راز بھی ہوگا۔ آخر
میں اپنے مقصود کو پہنچا

وہ اس طرح کہ ایک دینی بھائی بن معاذ کی مجلس میں میرا گذر ہوا۔ میں ان سے ملا اور ان کی
فیض صحبت سے جس راز کی مجھے تلاش تھی وہ مجھے حاصل ہو گیا۔ میں نے ان کی صحبت میں
رہنا پسند کیا۔ پھر ایک جماعت شاہ شجاع کے پاس سے آئی، اس نے ان کے فضائل مجھے سنائے
مگر میں نے اپنے دل کا رجحان اسی طرف پایا۔ غرض کہ سے کرمان آیا اور شاہ شجاع کی خدمت
میں رہنا چاہا۔ انہوں نے مجھے رہنے کی اجازت نہ دی۔ اور فرمایا تیرا دل رجا پروردہ ہو چکا
ہے۔ تو نے بھائی بن معاذ کی صحبت پائی ہے اس کا مقام مقام رجا ہے۔ اور جس نے مقام رجا
حاصل کر لیا ہو وہ طریقت نہیں پاسکتا۔ اس لئے کہ پروی رجا سے شستی کا پھل ملتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے بہت تضرع و نزاری کی اور بیس دن تک اُن کے در پر پڑا رہا آخر
کرم فرمایا اور مجھے قبول کیا اور فیض صحبت سے مستفیض فرمایا۔ ایک مدت تک اُن کی خدمت میں
رہا۔ بڑے زبردست مرد غیور تھے۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ میں آکر حضرت ابو حفص کی زیارت کرنے
کا تھا۔ تو میں بھی آپ کے ہمراہ آیا جس روز شاہ شجاع حضرت ابو حفص حداد کے یہاں آئے
تباہی ہوئے تھے۔

حضرت ابو حفص نے شاہ شجاع کو دیکھتے ہی قیام فرمایا۔ اور استقبال کیلئے آگے بڑھے۔ اور
فرمایا: وَجَدْتُ فِي الْقَبَائِرِ مَا ظَلَمْتُ فِي الْعِبَادِ "قبائیر میں وہ چیزیں نے پائی جو میں مانگ
رہا تھا۔ میں ایک مدت تک وہاں رہا۔ میری دستگی یہاں ہو گئی۔ لیکن شاہ شجاع کے ودرہ ولایت
نے ان کی صحبت میں زیادہ رہنے سے مجھے روک دیا۔

حضرت ابو حفص فراست ولایت سے میری دلی مرضی کو دیکھ رہے تھے اور درحقیقت
میں تضرع و نزاری کے ساتھ جناب باری میں دست بدعا تھا کہ مجھے ابو حفص کی صحبت اس
طرح میسر ہو کہ شاہ شجاع مجھ سے آزر دہ نہ ہوں۔

غرض کہ دو دن شاہ شجاع کا قصد واپس کا ہوا تو میں نے اُن کی پروی میں کپڑے پہنے

مگر میرا دل ابو حفص کے پاس ہی تھا۔ کہ روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ شجاع سے فرمایا کہ حضرت اس بچے کو آپ خوشی سے میری دستی کی لئے چھوڑ دیں کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔

حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا۔ اَچَبَ الشَّيْخُ شَيْخَ حَكَمَ کی تعمیل کر اور تشریف لے گئے۔ میں بخوشی یہاں رہ گیا۔

اب میں نے ان کی صحبت میں جو عجائبات دیکھے وہ قابل بیان نہیں ہیں اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقام شفقت فرمایا تھا۔ خداوند کریم نے حضرت ابو عثمان کو تین پیروں کے ذریعہ انہیں مقامات سے عبور کرایا۔ اور تینوں لطیفے ان تین پیروں کے ذریعہ انہیں ملے۔ تمام احباب حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ کی صحبت سے مقام غیرت صحبت حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اور مقام شفقت حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرید پانچ یا چھ یا اس سے بھی زائد مرشدوں کے ذریعہ منزل رسید ہو سکے۔ اور ہر پیر کی صحبت علیحدہ علیحدہ اس کے ایک مقام کی کشف کے لئے ہو۔

مگر بہترین اخلاص کا مقتضی یہ ہے کہ اپنے پیر کو اپنی ترقی مقامات میں محدود کر کے اس کی شان نہ گھٹائے اور یہ نہ سمجھے کہ میرے پیر کی قوت کا انتہی یہیں تک تھا۔ بلکہ یوں کہے اُن کے در سے میری قسمت میں اتنا ہی حصہ تھا۔ اس سے زائد نہ تھا اور میرا مرشد اس کے کہیں زیادہ درجہ و ذریعہ کا مالک ہے اور یہی ادب کا مقتضی ہے۔ اس لئے کہ راہ حق میں منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ انہیں کسی مقام اور حال سے کام نہیں رہتا۔

اور اظہار حقانیت تصوف کے سبب عیشاپور اور خراسان میں حضرت جنید اور حضرت یونس اور حضرت یوسف بن الحسین اور حضرت محمد بن فضل بلخی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوئے کہ ان کے فیض صحبت سے استفادہ کیا اور یہ لوگ اپنے فن میں زبردست دستگاہ رکھتے تھے کہ ان کے برابر شاخ میں میں نے قوت باطنی نہیں دیکھی۔ عیشاپور کے لوگوں نے حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے لئے متبرک گایا۔ اور انہوں نے تصوف کی تعلیم لوگوں میں پھیلائی۔ ان کی کتب و روایات

بہت یقینی ہیں۔

اُن سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا بحق لَنْ اَعْلَمَ اللّٰهُ بِالتَّعْرِفَةِ اَنْ لَّا يَذْلِكُهُ بِالتَّعَصُّيَةِ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہی زیادہ ہے کہ جسے اپنے جامِ عرفان سے سرشار کر دے اور اپنی معرفت کی عزت سے نواز دے اُسے معصیت کے ساتھ ذلیل نہ کرے۔ اور اس مرتبہ کا تعلق کسب بندہ پر ہے اور اس کے مجاہدہ و دہائی پر اور امور حقہ کی رعایت کرنے پر لیکن حضرت سعید بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے منقولہ فرمان کے مطابق حجت سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے کہ جب کسی کو اپنی معرفت کے ساتھ نواز دے تو معصیت اُسے اُسے نواز دے تو اس کا مفہیم یہ ہوگا کہ معرفت عطا ہے حق پر موقوف ہے۔ اور معصیت مستحب الی العبد ہے۔

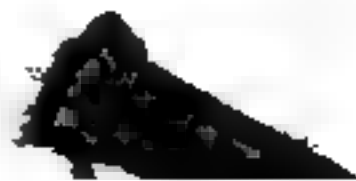
تو جب کسی کو بے عطا الہی اعزاز عرفان مل گیا تو محال ہوگا کہ وہ بندہ اپنے کسی بُرے فعل کے ساتھ ذلیل ہو۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کیے عرفان سے نوازا اور تاج معرفت بخشا تو محض وقتِ آدم کے ذریعہ انہیں ذلیل نہیں فرمایا۔

انہیں میں سے پہلے فتن

ابو عبد اللہ حضرت احمد بن یحییٰ بن الجلال قطب محبت ابو عبد اللہ حضرت

احمد بن یحییٰ بن الجلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ قوم کے سردار سادات وقت سے گزرے ہیں۔ آپ کا طریقہ نہایت نیک اور آپ کی سیرت نہایت پاکیزہ صاحب جنید بغدادی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت ابو الحسن نوری اور ایک جماعت کبرائے شاخ کی زیارت کے ہوئے ہیں۔ آپ کا کلام نہایت بلند ہے۔ آپ کے اشارات بہت لطیف ہیں حقائق معنی کے بیان میں آپ مخصوص تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ هَمَّتُ الْعَارِفُ اِنِّي مَوْلَاةٌ فَلَمْ يُعْطِفْ عَلَيَّ شَيْءٌ سِوَاهُ۔ عارف کے تمام ارادے اور قوتیں اس کے مولا کی طرف موقوف ہیں تو ہرگز وہ اپنے مولا کے حکم بغیر کسی طرف رجوع نہیں ہوتا۔

اس لئے کہ عارف کو معرفت کے بغیر کچھ معلوم نہیں اور عارف کا سرمایہ ضمیر معرفت ہی ہے۔ اور اس کے ضمیر کا مقصود رویت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے کہ بہت و تجل کی پرکندگی



رنج و غم کا پھل دیتی ہے اور رنج و غم انسان کو بارگاہِ خاص سے روک دیتا ہے۔
 آپ سے ایک حکایت ہے فرماتے ہیں۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت جوان کو
 دیکھا، آتش پرست۔ میں اس کے جمال کو دیکھ کر متحیر ہو گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔
 کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ میری طرف سے گزرنے میں نے عرض کی حضور کیا اللہ تعالیٰ
 ایسی صورت کو بھی آگ میں جلا دینگا۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ صاحبزادے یہ چند لمحات
 زندگی کی گرم بازاری ہے جس نے تجھے اس خیال میں پھانسا ہے۔ تو ان چیزوں کو بنظر
 عبرت نہیں دیکھتا۔ اگر بنظر عبرت دیکھے تو ہر ذرہ میں ایسے ہی عجائبات موجود ہیں۔
 لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تو مزدور اس چیمیکوئی اور بے حمتی میں مصدب ہوگا۔
 جنید تو یہ فرما کر شریف لے گئے اور مجھ پر یہ عذاب آیا کہ کیسے قرآنی مجھ سے فراموش
 ہو گیا۔ کئی سال بحضور عزوجل توبہ کرتا رہا۔ تو کہیں جا کر وہ بلا دفع ہوئی اور اب میری
 ہمت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز پر التفات کروں یا اپنے وقت کو بنظر عبرت بھی موجود
 میں ضائع کروں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت رویم بن احمد رضی اللہ عنہ، انہیں میں سے وحید العصر امام الدہر حضرت
 محمد بن رویم بن احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔
 اہلہ مشائخ و سادات قوم سے گزرنے میں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے خاص راوی
 مرید اور آپ کے بمعصرتھے۔ آپ کا مسلک حضرت داؤد انطاکی کے موافق تھا، فقہ میں فقہ
 الفقہاء تھے اور علم تفسیر و قرأت میں کافی حصہ لئے ہوئے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ اپنے زمانہ میں
 یکتائے علم مانے گئے آپ کی کیفیت عالیہ نہایت بلند تھی اور آپ کا مقام تقرب رفیع
 سیاحی تصوف کی وجہ میں تجرید اور کثرت ریاضت کے باعث تفرید میں آپ مشہور تھے۔
 آپ نے اپنی آخری عمر اہل دنیا میں محض اپنے کو وقف رکھنے کے لئے گزاری اور خلیفہ وقت
 کے معتمد خاص بن گئے اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ حالانکہ آپ کا درجہ کمال
 اس سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اس وجہ میں آپ اس عہدہ میں بھی چھپے گئے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ ان کی تعریف میں فرمایا۔ "ما فارغان مشغولہم و رویم"

مشغول فارغست ہم دنیا کے علاقے سے فارغ ہو کر مشغول بن گیا ہیں۔ اور ندیم بن احمد علاقے میں مشغول رہ کر بھی دنیا سے فارغ ہے۔

آپ کی تصانیف فن طریقت و حقیقت میں بہت ہیں خواہ بکری بحث سماع میں ایک کتاب ہے جس کا نام غلط الواجیلین ہے۔ میں اس کتاب پر عاشق ہوں۔

آپ سے روایت ہے کہ ایک روز کوئی شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کُفِّ حَالِكَ حضرت کیسے مزاج میں۔ آپ نے جواب دیا۔ کُفِّ حَالِ مَنْ دُنِيَكَ هَوَاكَ وَ هَيْئَةُ دُنْيَاكَ لَيْسَ هُوَ لِيَصْلِحَ نَفْسِي وَلَا يَخَارِفَ نَفْسِي اسکا مزاج کیا ہو سکتا ہے جس کا دین اس کی حرص از ہو اور جس کی مہتبار مقصود اس کی دنیا ہو نہ وہ صالح اور متقی ہے اور نہ عارف نفعی اس جواب میں آپ نے عیوب نفس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ نفس امارہ کے نزدیک ہوا و حرص ہی دین ہے۔ اور نفس کے متبع کا دین حرص کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے اور اس کی شریعت اس کا اتباع و قدامے جو شخص اس کی پیروی کرے۔ اگرچہ وہ بدعتی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ان کے نزدیک دیندار ہو گا ماد جو ان کے خلاف چلے گا اگرچہ وہ پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو۔ دین کہلائے گا۔

اور یہ آفت ہمارے زمانہ میں اتنی عام ہے کہ اس سے کوئی بھی بچا ہوا نہیں رہا اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں ایسے شخص کی صحبت سے جس میں یہ صفت ہو۔

لیکن حضرت محمد یویم بن احمد رضی اللہ عنہ نے مسائل کے جواب میں احوال زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اور ممکن ہے کہ انہیں اس حال میں اپنا وجود معلوم ہوا ہو۔ اور اس سے اپنے وجود کی صفت بیان فرمائی ہو۔ اور عارف چونکہ منصف ہوتا ہے اس لئے منصفانہ انداز میں جواب دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابو یعقوب یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہیں میں سے یگانہ زمانہ بلند قدر حضرت ابو یعقوب یوسف

رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے وقت کے امام اور مشائخ عظام میں سے گزرے ہیں۔ معمر تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ علاوہ ان کے بہت سے مشائخ کی زیارت سے شرف ہوئے ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے، اُرْذُلُ النَّاسِ الْفَقِيرُ الطَّمَاعُ كُنَّا عَذَهُمُ الْمُحِبُّ الْعَمْدِيُّ
 ”ذلیل ترین انسانوں میں طماع فقیر ہے جیسے معزز ترین انسان راغب از محبوب صادق ہے۔“
 طمع درویش کو دونوں جہان کی ذلت کا شکار بنا دیتی ہے۔ اسلئے کہ درویش پہلے ہی اہل دنیا
 کی نگاہ میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے۔ تو جب وہ اہل دنیا سے طمع کرتا ہے تو اور بھی زیادہ حقیر و
 ذلیل ہو جاتا ہے۔ تو عزت کا غنا اس فقیر سے بہت افضل ہے جو ذلت کے ساتھ فقیر ہو۔
 اور طمع درویش کو جھوٹ کے ساتھ منتسب کر دیتی ہے۔ اور محب اپنے محبوب کی نظر
 میں سب سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

اس لئے کہ محب اپنے آپ کو محبوب کے مقابل میں حقیر سمجھتا ہے اور محبوب کی تواضع میں رہتا ہے۔
 اور یہی نتائج طمع میں سے ریکہ نتیجہ ہے۔ پھر جب طمع جاتی رہتی ہے ذلت عزت سے بدل جاتی ہے
 جب تک زینح کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طمع تھی۔ ہر خطرہ سوا اور ذلیل ہوتی تھی۔ پھر جب
 ان کے دل سے طمع جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے خوبصورتی اور جوانی سب کچھ عطا فرما کر معزز کر
 دیا۔ اور قاعدہ ہی کچھ ایسا ہے کہ دوست کی توجہ محبوب کی ہے تو جہی کے موجب ہوتی
 ہے۔ اور جب محب بے نیاز ہو جائے اور طمع جاتی رہے تو محبوب اس کی طرف توجہ ہو جاتا ہے۔
 اور درحقیقت محب کی اس وقت تک ہی عزت رہتی ہے جب تک طمع وصل نہ ہو۔ اور جب طمع
 وصل آجائے اور وہ حاصل نہ ہو تو سب ذلتوں سے بدترین ذلت ہے۔
 تو محب وہی ہے جو محبوب کے وصال و فراق میں مشغول نہ ہو۔

انہیں میں سے آفتاب اہل محبت قدس
 حضرت ابوالحسن سمنون رضی اللہ عنہ
 اہل معالمت حضرت ابوالحسن
 سمنون بن عبد اللہ انھما رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے بے نظیر عارف اور درجہ
 عشق و محبت میں شان رفیع رکھنے والے تھے۔ مشائخ وقت آپ کو بزرگ جانتے اور سمنون
 المحب کے نام سے پکارتے تھے۔ لیکن آپ اپنے کو سمنون الکذاب فرمایا کرتے تھے۔
 آپ نے غلام الخلیل سے بہت درجہ اٹھانے۔ یہ وہ شخص تھا کہ اس نے خلیفہ وقت
 سامنے خلاف واقعہ شہادتیں دیں اور اس سے شیخ سمنون کو دلی رنج تھا اور غلام

انجیل بڑا ریاکار تھا اور مدنی زہد و پارسائی بنا ہوا تھا۔ اور اپنے کو صوفی بتائے ہوئے تھا۔ اور اعیان دولت اور خلیفہ وقت کے ساتھ بہت زیادہ ریلط ضبط کر رکھا تھا۔ گویا اس نے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالا تھا۔ جیسے کہ اس زمانہ میں اس قسم کے صوفی نما دنیا دار بھرتے ہیں۔ یہ وہ بد باطن تھا کہ لباس تصوف میں امراء و خلفاء کے دربار میں پہنچتا اور خاصان بارگاہ کے خلاف دربار شاہی میں زیر انگشت۔

اور اس سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ خاصان بارگاہ کے فیوض سے یہ لوگ محروم رہیں۔ اور اُن کے فیض صحبت سے تبریک حاصل نہ کر سکیں اور یہ اُن کی نظروں میں چپا ہے اور فروغ صدق سے اس کا دھواں دب جاتے۔

بڑے خوش قسمت تھے حضرت سمنون کہ اُن کے زمانہ میں اُن کے اور دیگر شاخ کرام کے لئے ایک ہی غلام انجیل تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں تو ہر محقق کے لیے لاکھ لاکھ غلام انجیل موجود ہیں۔

مگر یہ واد نہیں۔ اس لئے کہ مردار کس کا ہی حستہ ہوتا ہے مردار گوشت کھانے والے گروہ خوا کرتے ہیں۔

جبکہ حضرت سمنون کے اور عرفان کی بارشوں نے بغداد میں انہیں صحیح خلافت بنایا اور ہر ایک آپ کے فیض صحبت سے استفادہ کرنے کو جو بکا۔ تو غلام انجیل کو اس کی جگہ پر لے کر حضرت سمنون کے خلاف افتراء پر دازیاں شروع کر دیں مختصر یہ کہ ایک عورت حضرت سمنون رحمہ اللہ کی تابانی حسن پر فریفتہ ہو گئی اور خدمت میں حاضر آ کر اپنے کو پیش کیا۔ آپ نے صاف انکار کر دیا۔ (یوں) ہو کر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی مہلت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ آپ حضرت سمنون کو حکم فرمائیں کہ مجھے قبول کر لیں حضرت جنید اس عورت پر سخت ناراض ہوئے۔

جب عورت نے دیکھا کہ کامیابی ناممکن ہے تو اس نے غلام انجیل کے پاس جا کر افتراء پر دازی شروع کی جیسا کہ عورتیں کما اُن کے ٹکر کے اعتبار سے عام رویہ ہوتا ہے۔ غلام انجیل تو پہلے ہی جیل بھری ہوا تھا۔ اس عورت کے بیانات اس طرح سُننے جیسے ایک

دشمن اپنے دشمن کے متعلق کچھ نہ مانتا ہے۔ اور پھر خوب طعن و تشنیع حضرت سمنون کے شان میں کرتا رہا جیسی کہ خلیفہ وقت کے کان تک واقعہ پہنچا دیا۔ خلیفہ کچے کانوں کی وجہ میں علی الفور برہم ہوا۔ اور تجویز قتل سمنون کی کھاتی۔ جب جلا بدلا لیا گیا اور اس نے عذابِ طہ کے موافق حکم چاہا۔ تو خلیفہ کی زبان قدر شاہ بند ہو گئی اور کچھ حکم نہ دے سکا۔

رات جبکہ سو یا تو خواب میں منکشف ہوا کہ قتل سمنون تیری سلطنت کے زوال کا موجب ہے (ہوش کر۔ اور غلام الخلیل کی فتنہ پردازی سے اپنی جان بچا) صبح خدمت سمنون میں خلیفہ حاضر ہوئے اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور بہ شان شکوہ آپ کو بُری کیا۔

آپ کے بڑے بلند کلام اور دقیق اشارات میں جس سے حقیقتِ محبت واضح ہوتی ہے۔ اور یہ وہ بلند ہستی ہیں کہ ایک بار آپ سفر حجاز سے تشریف لایے تھے۔ مقامِ فیہ میں آئے تو اہل فیہ نے درخواست کی کہ کچھ وعظ سنائیں۔ آپ منبر پر رونق افروز ہوئے تو مجمع مجتمع نہ تھا۔ آپ نے قنادیل کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ میں تمہیں وعظ سناتا ہوں۔ یہ فرمانا تھا کہ تمام قندیلیں کچھ چمچ ہو گئیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔

لَا يُعْبَرُ مَعْنَى شَيْءٍ إِلَّا بِمَا هُوَ آتَى مِنْهُ وَلَا شَيْءٌ أَرْقَ مِنْ الْمَحَبَّةِ فَيَسَّرُ
يُعْبَرُ عَنْهَا۔ یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تعبیر نہیں دی جاسکتی۔ مگر اس کی جو اس کی
بہ نسبت رقیق ہو اور محبت ایک ایسی باریک چیز ہے کہ اس سے رقیق کوئی شے نہیں تو اس کی
تشبیہ و تعبیر کس شے سے کی جائے؟

اور اس سے مراد یہ ہے کہ محبت وہ چیز ہے کہ جس کا تشبیہ کسی چیز کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔
اس لئے کہ محبت صفتِ محبوب ہے۔ پھر اس کی حقیقت جب بیان ہو سکتی ہے جبکہ اس کا احاطہ
ممکن ہو اور صفاتِ محبوب کا ادراک محال ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابوالفوارس حضرت شاہ شجاع الکرمانی

ابوالفوارس حضرت شاہ شجاع الکرمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں شہزادہ ہیں۔ اپنے زمانہ
کے بے نظیر صوفی ہوئے ہیں حضرت ابوتراب غنشی ہر اللہ علیہ کے صحبت یافتہ ہیں۔ اور

بہت سے مشائخ کرام کی زیارت کر چکے ہیں حضرت ابو عثمان حیری کے مناقب میں ان کا
تفصیل بیان ہو چکا ہے۔ تصوف میں ان کے مسائل مشہور ہیں۔ ایک کتاب مرثیۃ المحکم
میں مولفہ مشہور و معروف ہے آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ کا ارشاد ہے

لَا هُدَىٰ لِّلْغَضَلِ فَحَسْبُكَ مَا لَمْ يَرَوْهُ قَالُوا لَا أَفْهَمُ وَلَا أَفْهَمُ وَلَا أَفْهَمُ وَلَا أَفْهَمُ
لَا وَلَا يَهْدِي وَلَا يَهْدِي وَلَا يَهْدِي وَلَا يَهْدِي وَلَا يَهْدِي وَلَا يَهْدِي وَلَا يَهْدِي وَلَا يَهْدِي

اسی وقت تک فضیلت حاصل ہے۔ جب تک کہ وہ اپنی فضیلت کو خود نہ دیکھیں اور جب
خود بینی انکی فضیلت جاتی رہتی ہے اور اہل ولایت اسی وقت تک دلی ہونے میں جب تک
ہیں اپنی ولایت کا احساس نہ ہو جب وہ اپنے کو دلی سمجھنے لگے تو سمجھ لو کہ انکی ولایت
انکی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ جب تک فضل ولایت رہتا ہے تو خود بینی سا قلم ہو جاتی ہے

جو جب خود بینی آجاتی ہے معنی حقیقی ولایت کے اس سے سا قلم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ فضل
ایسی صفت ہے کہ جسے وہ حاصل ہو جائے تو اسے معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ولایت بھی

ایک ایسی ہی صفت ہے کہ دل کو اپنی ولایت کی ریت نہیں ہوتی اور جب کوئی کہنے لگے
کہ میں فاضل ہوں یا دل تو وہ فاضل اور نہ دلی۔ ان کی کرامتوں میں لکھا ہے کہ مکمل چالیس سال

آپ نے رات دن میں خواب نہیں فرمایا اور قطعاً نہیں سوتے۔ اور جب کبھی آنکھ لگی بھی تو اللہ تعالیٰ

سے لگی چٹان پر خواب میں جہاں الہی سے شرف ہونے تو آپ نے عرض کی۔ الہی میں تیرے جمال
بلکال کو بیداری شب میں دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن آج سویا تو جمال پایا۔ ارشاد ہوا اے شاہ

راہوں کی بیداری کی بدولت ہی آج تو ہمیں خواب میں دیکھ رہا ہے۔ اگر وہ راتیں بیداری میں
نہ گذارتا تو آج خواب میں ہمیں نہ پاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عمرو بن عثمان کی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہیں میں سے سرور دل نور ستر
عمر میں کبریا قوم سے اور سادات زمانہ سے گزیرے ہیں۔ آپ کی تصانیف تصوف میں مشہور ہیں

آپ کو نسبت ارادت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے تھی۔ پہلے آپ حضرت ابو سعید
عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے پھر حضرت جنید سے بیعت کی۔

اصولی میں آپ امام وقت تھے آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

لَا يَقَعُ عَلَى كَيْفِيَّةِ التَّوَجُّدِ عَيَانٌ إِلَّا أَنَّهُ سَبْرًا مَلَهُ عِنْدَ الْمُؤْمِنِينَ كَيْفِيَّةٌ
وجدانیہ کی ترجمانی کسی لفظ اور عبارت سے نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ خاص سبب الہی ہے اور
مؤمنین اس کے امین ہیں۔

اور وہ چیز جس پر بندہ کی عبارت اور الفاظ کا تصرف ہو سکتا ہے وہ ہرگز سرحق نہیں
اس لئے کہ کلیتہً تصرف و تکلف بندہ کا اسرار ربانیہ سے منقطع ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن عثمان صفہان تشریف لائے تو ایک بے ریش نو عمر لڑکا
آپ کی صحبت میں آیا۔ اور اس لڑکے کا باپ اُسے آپ کی خدمت میں آنے سے منع تھا آخر
وہ اس روک ٹوک کی وجہ میں اس قدر غمگین ہوا کہ بیمار ہو گیا۔ ایک مدت تک بیمار رہا آخر ایک
روز آپ اپنی جماعت کے ساتھ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ لڑکے نے حضرت عمرو بن
عثمان سے عرض کی کہ حضور قوال کو حکم فرمائیں کہ وہ کچھ سنائے۔ آپ نے قوال کو فرمایا۔ قوال نے گانا

شروع کیا اور یہ بیت پڑھی۔

مَا لِي مَرَضْتُ فَلَمْ يُعِدَّنِي عَلِيٌّ وَيَتَرَضُّ عِنْدَكَ فَاُعَيْدُ

یعنی کیا بات ہے کہ میں بیمار ہوا تو تم میں سے کسی نے میری عیادت نہ کی۔ حالانکہ تم میں سے

اگر کوئی بیمار ہو تو میں عیادت کرتا ہوں۔

مریض نے جیسے یہ شعر سنا تو بستر مرض سے اٹھا اور بیٹھ گیا اور اس کے چہرے سے ظاہر تھا

کہ مرض میں افادہ ہے۔ لڑکا بولا۔ ذِذْنِي كَچھ اور بھی سنا۔ قوال نے یہ بیت سنائی۔

وَأَشَدُّ مِنْ مَرَضِي عَلَى صَدْرِي وَصَدُّ وَجْهِي عَنْكَ عَلَى شَدِيدٍ

اور میرے مرض کی سخت ترین علت تم سے مجھے روکنا ہے۔ اور اس سے زیادہ اشد اور بھاری تھپا

مجھ سے رک جانا ہے۔

اس کے بعد وہ لڑکا تندہست ہو گیا۔ باپ نے یہ کرامت دیکھ کر لڑکے کو حضرت عمرو بن

عثمان کے سپرد کر دیا۔ اور جو بدگمانی اس کے دل میں تھی وہ جاتی رہی اور تائب ہوا۔ اور یہ

لڑکا اپنی قوم کے بہترین درویشوں میں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

Marfat.com

حضرت سہل بن عبد اللہ قسری رضی اللہ عنہ انہیں میں سے
مالک القلاب

ماہی العیوب حضرت ابو محمد سہل بن عبد اللہ قسری رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے بہترین شیخ ہیں۔
اور آپ ہر زبان میں نہایت ستون تھے۔ آپ کی یہ صفتیں بہت زیادہ ہیں اور آپ نہایت
باجل تھے۔ آپ کا اخلاص و عیوب و افعال میں نہایت لطیف کلام ہے۔ علما و ظاہری آپ کی
شان میں کہتے۔ **هُوَ جَمْعُ بَيْنِ الشَّرِيعَةِ وَالْحَقِيقَةِ**۔ انہوں نے شریعت و حقیقت
میں اتحاد کر کے دکھا دیا۔

لیکن یہ کہنا ان ارباب ظواہر کا غلط ہے۔ اس لئے کہ کوئی صوفی ایسا نہیں جو شریعت
و طریقت میں فرق کرتا ہو۔ اس لئے کہ شریعت بغیر حقیقت کے مکمل نہیں اور حقیقت بغیر شریعت
کے حقیقت نہیں ہو سکتی۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ارشاد کے کلام بہت باریک اور دقیق ہیں جسے عوام کے ذہن قبول

نہیں کر سکتے اور حضرت سہل کے منہ میں بہت سہل اور اس قدر آسان ہیں کہ عوام کے ذہن بھی اسے
قبول کر لیتے ہیں۔ اس وجہ میں انہوں نے اس خصوصیت کے ساتھ حضرت سہل کی تعریف کی۔
ورنہ جبکہ خود حضرت رب عز و جل نے شریعت و طریقت و حقیقت کو متحد کیا ہے تو اولیاء
کلام کا اس میں فرق کرنا محال ہے۔ لامحالہ یہ بات ضرور ہوگی کہ جب فرق حقیقت و شریعت میں
سمجھا جائیگا تو ایک کو رد کر کے دوسرے کو قبول کرنا ہر گاہ کہ یہ یاد رکھو کہ رو شریعت الحاد
و غالی ہے اور وہ حقیقت شرک۔ اور جو فرق کرتے ہیں وہ تفریق معنوی کیلئے کرتے ہیں، تو وہ
فرق عین اثبات ہے۔

جیسے کہتے ہیں لا الہ الا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت۔ اگر کوئی
چلتا کہ ایمان صحیح رکھ کر ایک کو دوسرے سے جدا کرے۔ ہرگز نہیں کر سکتا اور اس کی یہ خواہش
باجل محض ہوگی۔ درحقیقت شرع فرع حقیقت ہے جس طرح معرفت فرع حقیقت ہے۔
تو خلاصہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ اور تعمیل حکم کرنا، اصل ظواہر کے لئے شریعت کے معنی میں

ہے بلکہ جس چیز کو ان کی طبیعت قبول نہ کرے اور بے سمجھی سے اُلجھ جائیں اس سے منکر ہو جاتے ہیں۔ اور انکار کے اصل کا اصول راہ حق میں نہایت خطرناک ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی الْاِیْمَانِ اور اس رب علیل و جہ منیر کو عطاء الایمان پر حمد ہے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلَى أَهْلِ وَجْهِ الْأَرْضِ إِلَّا وَهُمْ جُنَّالٌ بِاللّٰهِ الْأَمْنُ يُؤْتِي ثَمَرًا لِلّٰہِ عَلٰی نَفْسِهِ وَرَوْحِهِ وَنَبَاتِهِ وَ الْخَرْتِہٖ۔ آفتاب طلوع اور غروب نہیں ہوتا کسی روئے زمین کے رہنے والے پر گروہ ذات عز اسرار کے ساتھ جا ملتا ہوا ہے۔ مگر وہی جسے اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا ہوا اس کی جان و تن اور دنیا و آخرت سے یعنی جو اپنے کج دل میں اپنے درست ارادی کو متصرف بناتا ہے۔ یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے۔ ذات واجب تعالیٰ شائد سے اور جسے نعمت عرفان حاصل ہے وہ ترک تدبیر میں جھکا ہوا ہے۔ یہ جہل سے معرفت تقدیر کی دلیل ہے۔ و شائد

انہیں میں سے برگزیدہ الیٰہی حضرت ابو عبد اللہ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ حرین قرۃ العین حضرت ابو عبد اللہ محمد بن فضل بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اجلہ مشائخ سے ہیں۔ اہل عراق و خراسان کے محبوب ترین مشوار تھے حضرت احمد بن خضر وہ کے مرید اور حضرت ابو عثمان حمیری رحمۃ اللہ علیہ ان سے خاص محبت تھی۔ آپ کو بلخ کے متعصب کجرو جاہلوں نے آپ کے مسلک عشق سے بدظن ہو کر بلخ سے نکال دیا۔ مگر آپ نے اپنا مسک نہ چھوڑا بلخ چھوڑ کر سمرقند میں عمر بسر فرمائی۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَعْرِضِ النَّاسَ بِاللّٰہِ اَشَدُّهُمْ مُجَاهِدَةً فِیْ اَوَامِرِہٖ وَ اتَّبَعُوْهُمُ رِسَالَتِہٖ (صلی اللہ علیہ وسلم) ارباب عرفان میں بزرگ ترین وہ ہیں جو اوامر ربیت کی اتباع میں زیادہ سعی و مجاہدہ کرے۔ اور اہل اتباع میں بہترین وہ ہے جو سنت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت کوشش سے پیروی کرے۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یُحِبُّ مَنْ يَّقْطَعُ الْبَوَادِیَ وَالْقُفْنَ وَالنَّغَارَ وَ خَشِيَ مِنَ النَّبِیِّہِ وَ حَیْثُ مَلَکَ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْہِ اَنْتَارَ اَنْبِیَآئِہِ کَیْفَ لَا یَقْطَعُ نَفْسَہٗ وَ

هَوَا مَحْشَى يَصِلُ إِلَى قَلْبِهِ لِأَنَّ رَيْبَهُ أَثَارَ مَوْلَاكَ - مجھے تعجب ہے اس پر جو
 نوادی اور جنگل عبور کر کے اللہ کے گھر (مکہ) پہنچا اور اس کے صدمے آگیا ہے اس لئے کہ اس میں انبیاء
 کرام کے آثار ہیں، وہ کیوں نفس کے لیے جنگلوں اور حرم کے دریاؤں کو قطع کر کے اپنے کج
 قلب تک نہیں پہنچتا کہ اس میں اس کے مالک کے نشان ہیں۔

یعنی دل محل معرفت الہی ہے۔ اور فضیلت میں کعبہ سے افضل ہے، اس لئے کہ کعبہ قبلہ
 عبادت ظاہری اور بندہ کی نگاہ اس پر رہتی ہے مگر دل وہ ہے کہ اس پر تلبس رب جنت
 عید عزاسمہ ہے تو جہاں دل ہے وہاں میرا محبوب ہے اور جہاں اس کی ملکیت ہے
 میری مراد وہاں ہی ہے۔

اور جہاں انبیاء کرام کے نشان ہیں وہاں ہمارے دوستوں محبوبوں کا قبلہ ہے: اسلام

انہیں میں شیخ باطل فانی از صفات

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی

بشر ابو عبد اللہ حضرت محمد بن علی الترمذی

یعنی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ علوم و فنون میں امام کامل اور محققین مشائخ سے گنتے ہیں۔ آپ کی

بہت سی تصانیف ہیں اور کلامتیں بھی مشہور ہیں اور آپ کی تصانیف سے آپ کی

شان ظاہر ہے۔

جیسے ختم الولائی کتاب النہج۔ نوادرا اصول وغیرہ علاوہ اس کے بعض کتابیں بہت

ہی زبردست ہیں۔

چنانچہ میرا ان کے ساتھ رابطہ عقیدت اتنا ہے کہ گویا میں اور میرا دل تو ان کا شکار

ہے اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محمد بن علی وہ درّہ قیم ہے کہ عالم میں اس کی مثال

نہیں۔ اور علوم ظاہری میں بھی ان کی بہت سی تالیفات ہیں اور احادیث میں انکی سندیں

نہایت بلند ہیں۔ اور قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی مگر عمر تمام ہو گئی۔ مگر جس قدر کہ

لکھی ہے وہ اہل علم میں موجود ہے۔

اور علم فقہ ترمذی میں ہی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مناصب

دوست حضرت محمد حکیم سے حاصل کیا۔

یہ وہ محمد حکیم ہیں کہ ولایت ترمذ کے صوفی علما ان کی اقتدار کرتے تھے۔ غرض کہ ان کے مناقب بہت ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بھی حاصل ہوئی۔

اور آپ کے مرید حضرت ابو بکر و راق راوی ہیں کہ ہر ایک شنبہ یعنی اتوار کو حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے تھے۔ اور آپس میں واقعات پھوال و جواب پھو کرتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

مَنْ جَهَلَ بِأَوْصَافِ الْعَبُودِيَّةِ فَهُوَ بِمَعْنَى الْمَرْبُوبِيَّةِ أَجْهَلٌ جَوْهَرٌ
 شریعت اور اوصاف بندگی سے جاہل ہے۔ وہ مناعت ربوبیت سے سخت تیرا جاہل ہے
 اور جو ظاہر میں نفس کو نہیں پہچانتا وہ حق تعالیٰ شانہ کے عرفان کا رستہ ہرگز نہیں جان سکتا۔
 اور آفات صفات بشریت نہیں دیکھ سکتا۔ وہ لطائف صفات حق ہرگز نہیں جان
 سکتا۔ اس لئے کہ ظاہر کا تعلق باطن سے ہے۔ تو جو ظاہر سے بغیر باطن کے تعلق کرے یہ محال
 ہے۔ اور جو باطن سے تعلق کرے اس کا تعلق بغیر ظاہر ہی تعلق کے محال ہے تو خدا کی
 صفات کی معرفت عبودیت کے ارکان کی صحت پر موقوف ہے۔ اس کے بغیر معرفت حاصل
 نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کلمہ اصل اصول ہے۔ اور نہایت ہی مفید بات ہے۔ انشاء اللہ اس کی مزید
 توضیح اپنی جگہ پر مل جائے گی۔

حضرت ابو بکر محمد بن عمر و راق رحمۃ اللہ علیہ

اہل فقہ و صفوہ حضرت ابو بکر محمد بن عمر و راق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بزرگان مشائخ سے
 گزریے ہیں۔ اور زاد قوم میں تھے۔ حضرت احمد بن خضر و یہ اور حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ
 کے دیکھنے والے اور اُن کی صحبت یافتہ ہیں۔ آپ کی تالیفات آداب و معاملات میں
 متعدد ہیں۔ اور مشائخ کرام میں آپ مودب ادیب کہلاتے ہیں۔

آپ ایک حکایت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے چند اجزاء میں
 اپنے دل کو اپنے دل میں ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ یہ گواہ کیا نہیں

بجائے دریا میں ڈالنے کے انہیں گھر میں رکھ دیا اور خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ دریا میں ڈال آیا ہوں فرمایا پھر کیا دیکھا میں نے عرض کی۔ کچھ نہیں دیکھا فرمایا تو نے وہ دریا میں نہیں ڈالا۔ واپس جاؤ اور دریا میں ڈالو۔ واپس حکم کی تعمیل کے لئے چلا۔ اور دل میں اس امر کا احساس ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی، خوش وہ اجزا میں بنے دریا میں ڈالے تو فوراً دریا پھٹا اور اس میں سے ایک صندوق ظاہر ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ اور اس میں وہ جزو جو میں نے دریا میں ڈالا تھے۔ چلے گئے۔ اور صندوق کا ڈھکنا بند ہو گیا۔ اور پانی بھی ہل گیا۔ اور صندوق واپس پانی میں چلا گیا۔ یہ سب تماشہ دیکھ کر میں واپس آیا اور تمام قصہ عرض کیا۔ فرمایا۔ اب تو یقیناً وہ اجزا پانی میں ڈال کر آیا میں نے عرض کی حضور اس معاملہ کا راز تو معلوم ہونا چاہیئے۔ فرمایا ہم نے اصول اور تحقیق میں کچھ تصنیف کیا تھا لیکن اس کے سمجھنے کی عام عقلوں میں اہلیت نہ تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ مجھ سے طلب فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے دریا سے جیون کو حکم دیا کہ ان اجزا کو خضر تک پہنچائے۔ چنانچہ وہ اس فدلیعہ سے خضر علیہ السلام تک پہنچ گئے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ النَّاسُ ثَلَاثَةٌ الْعُلَمَاءُ وَالْأُمَرَاءُ وَالْفُقَرَاءُ فَإِذَا فَسَدَ الْعُلَمَاءُ فَسَدَ الطَّاعَةُ وَالشَّرِيعَةُ وَإِذَا فَسَدَ الْأُمَرَاءُ فَسَدَ الْمَعَالِمُ وَإِذَا فَسَدَ الْفُقَرَاءُ فَسَدَ الْأَخْلَاقُ۔ آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک علماء دوسرے امراء تیسرے فقراء جب علماء میں فساد پیدا ہوگا۔ طاعت الہی اور شریعت مطہرہ میں فساد ہو جائیگا اور جب امراء میں فساد آگیا۔ تو لوگوں کی معاش خراب ہو جائے گی۔ اور جب فقراء بگڑ گئے تو لوگوں کے اخلاق و عادات خراب ہو جائیں گے۔ یہ

تو امراء و سلاطین کا فساد جو ر و تعدی ظلم و ستم ہے اور علماء کا فساد طمع و حرص آرز ہے اور فقراء کا فساد ریاست و جاہ طلبی

جبکہ علماء امراء ملک علماء سے علیحدہ نہ ہوں گے تباہ نہ ہوں گے اور جب تک فقرار کے اندر ریاست طلبی نہ آئیگی تباہ نہ ہوں گے۔ اور جو ر ملوک بے علمی کی وجہ میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور علماء کا طمع بیداری و ریاء کی وجہ سے ہوگی۔ اور فقر میں ریاست طلبی بے ترقی کی وجہ میں

اننگی۔ تو بادشاہ بے علم اور عالم بے عمل اور فقیر بے توکل شیطان کے قرن وائیں ہیں۔
اور علم کا فساد ان مینوں میں فساد آجانے سے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابو سعید احمد بن خراز طریق فنا ابو سعید احمد بن طوسی خراز

رضی اللہ عنہ ہیں۔ بڑے زبردست اہل کشف گزشتہ ہیں مریدوں کے احوال دروں
کے بہترین ترجمان اور طالبوں کے حالات پر زبردست برہان تھے۔ آپ کی خصوصیت
سے یہ بات ہے کہ طریق فنا و بقا کو الفاظ کا جامہ پہنا کر واضح فرمانے والے ایک آپ
ہی تھے۔ آپ کے مناقب مشہور ہیں اور آپ کی ریاضت اور نکات کا بہت زیادہ چرچا
ہے۔ آپ کی تصانیف اور کلام اور روزات نہایت بلند تھے۔ حضرت ذوالنون مصری
کو آپ نے پایا اور حضرت بشر حافی اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہم جمعین کے صحبت یافتہ تھے
آپ نے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر کہا حضور کا فرمان ہے۔
جُعِلَتْ الْقُلُوبُ عَلَى حُبِّ مَنْ أَحْسَنَ إِلَيْهَا۔ دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ جبل اثر
رکھا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے جو اس کے ساتھ نیکی کرے۔ یعنی جو کسی کے ساتھ احسان کے
لامحلہ اس کے ساتھ انسان کا دل نیکی کرے اور اسے محبوب سمجھے گا تو آپ نے اس پر فرمایا۔
وَأَعْجَبًا مِمَّنْ لَمْ يَرْحَمْنَا غَيْرَ اللَّهِ كَيْفَ لَا يُمِيلُ بِكَلْبَةٍ إِلَى اللَّهِ مَحَنًا
تعجب ہے کہ جو شخص سوائے اپنے رب کے کسی کو محسن ہی نہ دیکھے وہ کیوں کلبہ اپنے رب کی
طرف مائل نہیں ہوتا؟

اس لئے کہ احسان درحقیقت اسی کا ہے جو مالک ایمان رب الارباب کر رہا ہے۔
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ احسان کسی کے ساتھ نیکی کرنے کو کہتے ہیں پھر اس احسان کا بدلہ
اس کے ساتھ پورا ہو سکتا ہے جو جزائے احسان کا محتاج ہو۔ اور اس کا احسان بھی اس
شان کا ہو کہ جس چیز سے وہ احسان کر رہا ہے وہ اس کی ملک بھی نہیں ہے پھر وہ احسان نہ
احسان ہے نہ اس احسان کا بدلہ درحقیقت بدلہ ہے۔ اس لئے کہ بدلہ بھی ایسی ہی چیز سے ہوتا

ہے جو اس کے بدلہ کے مالک نہیں ہے۔

تو تمام ملک ملک الہی ہے اور وہ ذات ہے کہ اپنے غیر سے بے نیاز ہے۔
اور محبوبان بارگاہ اس کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ انعام و احسان میں منعم حقیقی اور
معتمد حقیقی وہی ایک ذات ہے اور وہ اپنے دلوں کو کلیشہ اسی کا امیر بناتے ہوئے ہیں اور
ان کی دوستی اسی ذات کے ساتھ ہے اور وہ غیر ذات منعم حقیقی سے ہمیشہ اعراض کرتے ہیں۔

انہیں میں سے شاید محققان دلیل مریدان

حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رضی اللہ

عنه میں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی بن سبیل بھی مشائخ کبار سے گزرے ہیں۔ اور حضرت جنسید
بغدادی رضی اللہ عنہ کی خط و کتابت حضرت ابوالحسن علی کے ساتھ جو ہوئی ہے وہ نہایت
لطیف مضامین سے پر ہے اور اس پایہ کے بزرگ گندے ہیں کہ حضرت عمرو بن عثمان ان کی
زیارت کے لئے اصفہان حاضر ہوئے اور عمرو بن عثمان خود اتنے زبردست صوفی عارف تھے
کہ انہیں حضرت ابوتراب رضی اللہ عنہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور حضرت جنسید رفیق
خاص تھے مگر ابوالحسن رضی اللہ عنہ کا پایا طریق تصوف میں بہت ستودہ تھا اور آپ فن
تصوف میں صفا و ریاضت کے زیور سے آراستہ تھے اور تصرف نفس امارہ اور ہر قسم کے
فتن و آفات سے محفوظ تسلیم کئے گئے ہیں آپ کے طرز بیان کو حقائق و معاملات میں نہایت
پسند کیا جاتا تھا۔ اور دقائق و اشارات میں آپ کا کلام لطیف تھا۔ آپ سے مروی ہے کہ
فرمایا۔ اَلْحَضُورُ اَفْضَلُ مِنَ الْيَقِينِ لِاَنَّ الْحَضُورَ وَطَنَاتٌ وَالْيَقِينُ خَطَرَاتٌ
”حضور بارگاہ لم یزل افضل تر ہے یقین وجود ذات سے اس لئے کہ حضور ذات جو ائینہ
دل میں ہے وہ وطن کی طرح ہے۔ اور اس پر غفلت کسی طرح روا و ممکن نہیں اور یقین خاطر ایک
ایسا تصور ہے کہ کبھی آتا ہے اور کبھی جاتا رہتا ہے۔ تو حاضران حضور بارگاہ لم یزل میں رہتے ہیں اور
مومنین درگاہ انزوی پر کبھی غیبوبیت کے جواب میں جوتے ہیں اور حضور بارگاہ کی تفصیل کے
لئے ایک جلید باب اس کتاب میں آئے گا۔ انشاء اللہ

آپ نے فرمایا۔ مِنْ وَقْتِ اِدَمَ اِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ النَّاسُ يَقُولُونَ الْقَلْبُ
الْقَلْبُ وَنَا أَحَبُّ اَنْ نَأْذَى رَجُلًا يَصِفُ اِلَى شِقِّ الْقَلْبِ فَلَا اَرَى۔

”آدم علیہ السلام کے وقت سے قیامت تک لوگ دل دل کہتے چلے آ رہے ہیں اور میں اس امر کو درست رکھتا ہوں کہ ایک ایسا آدمی دیکھوں جو بیان کرے کہ دل کیا چیز ہے اور وہ کیسا ہوتا ہے۔ مگر میں نے ایسا آدمی نہیں دیکھا اور عوام الناس پارہ گوشت کو دل کہتے ہیں۔ اور وہ گوشت پارہ مجاہدین و اطفال اور مغلوب النفس لوگوں کے لئے دل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اہل دل نہیں بلکہ محض بے دل ہیں۔ تو دل کیا چیز ہوا۔ اگر دل وہ ہے جس سے انواع و اقسام کی عبارتیں سموع ہو رہی ہیں۔ تو پھر اسے عقل کیوں نہ کہا جائے۔ وہ دل نہیں ہے۔

اور اگر روح کا نام دل رکھا جائے تو وہ بھی نہیں ہے۔ ادا اگر علم کو دل کہا جائے۔ تو وہ بھی دل نہیں۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ دل وہ ہے کہ جس میں شواہد حقہ کا قیام ہو اور اس کے علاوہ جسے بھی دل کہو وہ عبارتیں اور لغظی دل ہے حقیقتہً دل نہیں۔

انہیں میں سے ہر اہل تسلیم اندر
حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر نساج طریق محبت مستقیم حضرت
ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر نساج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بزرگان مشائخ سے تھے اور
اعمال میں آپ بہترین اعلیٰ گزے ہیں۔ آپ کی عبارات نہایت مہذب ہوتی تھیں۔ عمر
دران پائی ہے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ انہیں کی مجلس
میں توبہ کی۔

آپ نے حضرت شبلی کو ماقلمت مراحم جنید کے لئے حضرت جنید رحمۃ اللہ کی
خدمت میں بھیج دیا۔ آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ سے بیعت تھے اور آپ حضرت
جنید کے ہم عصر تھے۔ اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بہت وقار کرتے تھے حضرت
ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فلزین گوش قبول سے سنا کرتے تھے۔

آپ کو خیر نساج اس وجہ میں کہا جاتا ہے کہ ایک بار آپ اپنے مولد سے سامرہ کی
طرف بقصد حج تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں آپ کا گداز کوڑ میں ہوا اور دانہ کو فیر

ایک خزانہ یعنی رشیم گننے والے جلا ہے پکڑ لیا۔ اور کہا تم میرے غلام ہو اور تمہارا نام خیر ہے۔ آپ نے اس کی حرکت کو منجانب اللہ سمجھا اور اس کی مخالفت نہ کی۔ کئی سال اس کی خدمت کرتے رہے۔ جبکہ وہ آپ کو پکارتا یا خیر تو آپ اس کے جواب میں لبیک فرماتے یعنی وہ کہتا ہے خیر تو آپ فرماتے حاضر۔ آخر وہ اپنے لئے پریشان ہوا۔ اور ایک دن کہنے لگا۔ تشریف لے جائیں ہمیں نے غلطی کی۔ آپ میرے غلام نہیں ہیں۔

آپ وہاں سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ آئے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق فرمایا حنیو حنیو یعنی بخیل بخیل ہے۔ اور اُسے آپ محبوب رکھتے جو آپ کو خیر کے نام سے پکارتا۔ اور آپ فرماتے کہ میرے لئے رو انہیں کہ ایک مرد خدا میرا نام رکھے اور میں اُس نام کو پلٹ دوں۔

کہتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا نماز مغرب کا وقت تھا جب آپ کو کیفیت غشیانی سے ہوش آیا اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا ملک الموت کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا قَدْ عَاثَاكَ اللَّهُ بِأَنْتَا أَنْتَ عَبْدٌ مَا مُوَدَّ وَأَنَا عَبْدٌ مَا مُوَدَّ وَمَا أَمَرْتُ بِهِ لَا يَفُوتُكَ وَمَا أَمَرْتُ بِهِ فَهُوَ شَيْءٌ لَفَوْشِي قَدْ غَنَى أَمْنِي قِنَا أَمْرٌ بِهِ ثُمَّ أَمْنِي بِمَا أَمَرْتُ بِهِ۔ ”مہر اللہ تجھے معاف فرمائے بیشک تو بھی عبدِ ماحم حکم دیا ہوا بندہ ہے۔ اور میں بھی بندہ حکم الہی ہوں۔ اور جو کچھ تجھے حکم ملا ہے وہ مل نہیں سکتا ہے۔ یعنی جان لینا لازمی ہے اور جو تجھے حکم ملا ہے وہ میری سنسٹ گزاشت کی وجہ میں مل رہا ہے۔ یعنی وقت نماز ہے وہ تجھے پڑھ لینے دے تاکہ میں اس حکم سے سبکدوش ہو لوں۔ جو تجھے حکم ملا ہے۔ پھر میں تجھے اجازت دوں گا کہ تو اپنے متعلقہ حکم کی تعمیل سے سبکدوش ہو۔

پھر آپ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا۔ نماز شام ادا فرمائی۔ اُس کے بعد جان آفرین کو جان سپرد فرمائی۔ اسی شب آپ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا جواب دیا۔

لَا تَسْأَلْنِي عَنْ هَذَا وَلَكِنْ اسْتَرْحُتْ مِنْ دُنْيَاكُمْ ”مجھ سے یہ نہ پوچھو

مگر اتنا بتائے دیتا ہوں کہ تمہاری دنیا سے بہت راحت میں ہوں۔
 آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اپنی مجلس خاص میں۔ شَوْحَ اللّٰهُ صُدُورَ الْمُتَّقِينَ
 بُنُورِ الْيَقِينِ وَكُشْفَ لُصَائِرِ الْمُؤَقِنِينَ بِنُورِ حَقَائِقِ الْإِيمَانِ ”مستقی کو یقین
 بغیر چادر نہیں کہ اس کا دل نور یقین چمکلا ہوا ہے۔ اور مومن کو حقائق ایمان بغیر چادر نہیں
 کہ اُن کی چشمہائے عقل نور ایمان سے منور ہیں۔

تو جس جگہ ایمان ہوگا اور جہاں یقین ہوگا۔ تقویٰ بھی ہوگا۔ اس لئے یہ سب باہم مدح
 تابع ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت ابو حمزہ خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و انہیں میں سے
 دہر حضرت ابو حمزہ خراسانی رضی اللہ عنہ میں۔ قدما مثل خراسان سے گزریں میں حضرت
 ابو تراب رحمہ اللہ علیہ کی صحبت یافتہ تھے۔ اور حضرت ابو سعید احمد خراسانی کی زیارت سے
 مشرف ہوئے۔ تو کل میں آپ کا قدم بہت راسخ تھا۔

ایک حکایت میں مشہور ہے کہ آپ ایک روز جاتے جاتے کوئیں میں گئے تین روز اس
 کنوئیں میں رہے۔ ایک قافلہ ادھر پہنچا۔ آپ نے اپنے دل میں کہا کہ انہیں آواز دل پہنچول میں
 ہی فرمایا کہ یہ اچھا نہیں کہ اپنے رب کے سوا کسی سے مدد چاہی جائے۔ بلکہ شکایت اپنے مولا
 کی ہے جو غیر سے کی جائے۔ اس لئے کہ مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ میرے رب نے مجھے کنوئیں میں ڈالا۔ اب تم
 مجھے اس کنوئیں سے نکالو۔

کہتے ہیں کہ اس قافلہ کے لوگوں میں سے کسی نے اس کنوئیں کو دیکھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ
 یہ کنواں برسرِ راہ ہے۔ اگر اسے بند کر دیا جائے تو ہمیں ثواب ملے گا اور یہ اِمَانَتِ اُذنی
 ہے یعنی تکلیفِ دہ اور ایذا رسانی ہے۔ اس کو بٹا دینا ثواب ہے۔ آخر شرفِ روح ہوتے کہ اس کا
 منہ بند کر دیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اضطرابِ عروس ہوا اور بالوسی پیدا ہوئی جب میں لوگوں
 نے کنوئیں کا منہ استوار کرنا شروع کیا اور تمام کنوئیں کا منہ پاٹ دیا اور واپس ہو گئے۔
 میں اس بند کنوئیں میں اپنے رکے حضور مناجات میں مشغول ہو گیا۔ اور جان دینے کے لئے

آباد ہو گیا۔ اور تمام مخلوق سے ناامید تھا۔ جب شام ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کنوئیں کے اوپر کچھ جنبش معلوم ہوئی۔ میں نے غور سے دیکھا کہ یہ کنواں کون کھول رہا ہے تو معلوم ہوا کہ ایک سانپ کے مانند کوئی ہانوس ہے۔ اس نے اپنی دم نیچے لٹکار رکھی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ منجانب الشرمیری اس کنوئیں سے نجات اس کے ذریعہ مقرر ہے۔ میں نے فوراً اس کی دم پکڑ لی۔ اس نے مجھے فوراً اوپر کھینچ لیا۔

غیب سے فرشتہ نماواز دی اسے حمزہ تیری نجات بہت اچھی نجات ہے کیونکہ تجھے ایک بڑی ہلاکت کے بعد نجات ملی ہے۔ اپنے لوگوں سے پوچھا غریب کون ہے جو اب دیا اَلْمُتَّوَحِّش مِنَ الْاَلْفَتِ جو الفت سے بھاگنے والا ہو یعنی جس کو سب الفتوں سے وحشت ہوتی ہے وہ غریب ہے۔ اس لئے کہ دنیا اور عاقبت میں درویش کا وطن وحشت ہے اور الفت وطن میں وحشت ہوتی ہے۔ اور جب الفت محبوب کے سوا کائنات سے منقطع ہو گیا تو وہ تمام عالم سے متوحش ہو گا۔ اس وقت وہ غریب کہلائے گا اور یہ درجہ بہت بلند ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰمٌ۔

انہیں میں سے داعی مریدان حضرت
حضرت ابوالعباس احمد بن مسروق ابوالعباس احمد بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 ہیں۔ اجلہ بزرگان مشائخ سے گزریے ہیں اور تمام ادیبائے کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اَقْنَادُ الْاَرْضِ بنایا۔ آپ کو قطب المدار کی محبت کا بھی شرف حاصل ہے
 آپ سے سوال کیا گیا کہ قطب کون ہے۔ آپ نے ظاہر نہیں فرمایا لیکن اشارتاً بتایا
 کہ شاید جنید رحمۃ اللہ علیہ میں آپ نے چالیس عارفان کامل کی خدمت کی اور ان سے
 فیض حاصل فرمایا۔ اور علوم ظاہری و باطنی میں آپ نہایت اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔
 آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ مَنْ كَانَ مُسْرُوْرًا بِغَيْرِ الْحَقِّ فَسْرُوْرًا
 يُوْرَثُ الْهَيْوَمَ وَمَنْ لَفَّ اَنْفُ فِيْ خِدْمَتِ رَبِّهٖ فَاَنْفُسُهُ يُوْرِثُ التَّوْحِيْدَ

”جو غیر خدا کے ساتھ شاد و آباد ہے وہ مجسمہ اندوہ و ملال ہے اور جسے اپنے رب کے ساتھ
موانست نہیں اس کا انس خالص وحشت ہے۔“

یعنی وہ چیز جو ماسوائے اللہ میں ہے اسے فنا ہے۔ اور جو فنا کے ساتھ شاد ہے
وہ باطل کے ساتھ باطل ہوگا۔ اور اس کا تہیج غم و اندوہ ہے۔ اور سوائے اس ذات
کے ہر شے لاشے ہے۔ تو لاشے سے انس رکھ کر جب اُسے حقیر دیکھے گا اور اس کی
حقارت اس پر منکشف ہو جائے گی۔ تو یہ انس وحشت ہی وحشت ہوگا۔ تو خلاصہ
یہ ہوا کہ رویت غیر اللہ میں اندوہ و وحشت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت ابو عبد اللہ بن محمد اسماعیلؒ انہیں میں سے استاد متوکلان شیخ محققان
مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ گذشتے ہیں اور
مقبول استاد نگہبان مریدان مانے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم خراسانی اور حضرت ابراہیم شیبانی رضی اللہ عنہما دونوں آپ کے مرید ہیں
تھے۔ آپ کے بڑے مباحث تجربہ دنیا میں نہایت واضح تھے۔ آپ کا قدیم القطار
دنیا میں نہایت مضبوط تھا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

مَا رَتَيْتُ أَنْصَفَ مِنَ الدُّنْيَا أَنْ خَدَيْتُهَا خَدًا مَتَكَ فَإِنْ تَوَكَّلْتُهَا
تَرَكَتُهَا۔ ”دُنیا سے زیادہ منصف میں نے نہیں دیکھا۔ اگر تو اس کی خدمت کرے۔ تو
وہ تیری خدمت کرتی ہے۔ اگر تو اسے چھوڑ دے تو وہ تجھے چھوڑ دیتی ہے۔“

یعنی اگر تو اس سے اعراض کرے اور طلبِ بھڑاسمہ کو مضبوط کرے تو دنیا تجھ
سے بھاگتی ہے۔ اور اُس کے خطرات بھی تیرے دل پر نہیں آتے۔ تو جو شخص صداقت سے
تارک دنیا ہو جائے وہ اُس کے شر سے مامون ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی ہر قسم کی آفتوں
سے نجات پا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوالحسن بن علی جرجانیؒ انہیں میں سے پیر زمانہ اور زمانہ میں
یگانہ حضرت ابوالحسن بن علی جرجانی رضی

شکر عنہ ہیں۔ اپنے وقت میں بے نظیر عارف گذرے ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ معاملات میں بھی آپ نے تالیفات فرمائیں۔ اور رویت آفات نفس میں بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔

آپ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ کے مرید ہیں۔ اور حضرت ابو بکر رائق رحمہ اللہ کے ہم عصر گذرے ہیں۔ اور حضرت ابو امام سمرقندی آپ کے مرید تھے۔ آپ کے مروی ہے کہ فرمایا:

أَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ فِي مَيَادِينِ الْغَفْلَةِ يَزُكُمُونَ وَعَلَى الظَّنُونِ يَعْتَمِدُونَ
وَعِنْدَهُمْ أَنَّهُمْ فِي الْحَقِيقَةِ يَتَقَلَّبُونَ عَنِ الْكَاشِفَةِ يَنْطَلِقُونَ "دُنْيَا کے
لوگ غفلت کے میدانوں میں ہیں اور اپنے توہمات و آفت ظنات پر اعتماد رکھتے ہیں
اور ان کے نزدیک یہ سب باتیں مبنی بر حقیقت ہیں اور ان کی زبانی باتیں اسرار و
مکاشفات کے ساتھ ہوتی ہیں۔"

اس فرمان میں آپ کا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عوام گمان طبع اور غرور نفس پر بھروسہ
کئے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی جاہل اپنی جہالت کا معترف نہیں۔ بالخصوص صوفیوں میں
جو جاہل ہیں وہ بہت سخت ہیں۔

ایسے ہی علم بھی اہل دنیا کے ہیں۔ تو وہ اپنے کو اعز ما خلق اللہ سمجھے بیٹھے ہیں یعنی
تمام دنیا میں انہیں اپنے سے زیادہ عزت والا کوئی نظر نہیں آتا۔ تو پھر عوام جہال بھی اذی ما
خلق اللہ ہو گئے ہیں کہ ان سے زیادہ ذلیل اللہ کی مخلوق میں کوئی نہیں۔

حالانکہ عالم کی یہ شان ہونی چاہیے تھی۔ کہ ان کی کوئی بات سوائے حقیقت حال
نہ ہوتی اور غرور و نخوت ان میں قطعاً نہ ہوتا۔ اور جاہلوں میں تو وجود حقیقت ہونا ہی محال
ہے۔ تو ان میں غرور لازمی ہے۔

غرضیکہ سب غفلت کے میدان میں متحیر ہیں اور گمان باطل نے بیٹھے ہیں کہ ہم جس حال
میں ہیں وہ ولایت ہمارے ظن و وہم پر یقین کر کے سمجھ رہے ہیں کہ رہنا عمل یقین ہے اور ہم
تصوف کے موافق ہے۔ اور اپنی حرص آرزو کے ماتحت باتیں کرتے اسے مکاشفہ بنا بیٹھے ہیں

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اسرار سے باز نہیں آتا، مگر دیت، جمال و جلال حق کے ساتھ اپنا
 اظہار جمال ان پر اتنا مستولی ہو جاتے کہ ہر شے میں جلوت ذات کا مشاہدہ کرے، اور اپنی شان کو
 فانی دیکھے۔ اور کشف جلال ذات کے وقت اپنے وجود کو قطعاً نہ دیکھے۔ اور اپنے وجود کا وہ بھی
 بھی اس کے دل میں نہ ہو۔

انہیں میں سے ہر ایک علوم و ادب کا سرور و سرور حضرت
 حضرت ابو محمد احمد بن حسین حریری ابو محمد احمد بن حسین حریری رضی اللہ عنہ ہیں۔
 محاصرین حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور حضرت سہیل بن عبد اللہ کے صحبت
 یافتہ تھے۔ اور تمام علوم میں بہترین مہارت رکھتے تھے۔ اور فقہ کے امام وقت گمے ہیں
 اور اصول میں نہایت اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ اور طریقت و تصوف میں اتنا بلند پایہ
 تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ ہمارے مرید دل کو ادب تصوف اور
 ریاضت عمل کی تعلیم دی۔ حتیٰ کہ حضرت جنید کے بعد ان کی سجادگی آپ کو حاصل ہوئی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ دَوَامُ الْإِيْمَانِ وَقَوَامُ الْأَدْيَانِ وَصَلَامُ الْإِيْمَانِ
 فِي ثَلَاثَةٍ: الْإِكْتِمَاءُ وَالْإِقْنَاءُ وَالْإِحْتِمَاءُ فَمَنْ أَكْتَمَ بِاللهِ صَلَاحَ سِرِّيَّتِهِ
 وَمَنْ أَتَقَامَاهُ اللهُ عَنْهُ اسْتَقَامَتْ سِيرَتُهُ وَمَنْ إِحْتَمَاهُ الْمَرْئِيُّ أَفْكَهُ
 إِدْرَاسَتِ طَبِيعَتِهِ فَمَنْ لَمْ يَلْزَمْ الْإِكْتِمَاءَ صَغُرَتْ الْحُرْفَةُ وَعَارِقَبَةُ الْإِقْنَاءِ خُسُوفُ الْخَلْقِ
 وَغَايَتُهُ الْإِحْتِمَاءُ بِرَأْسِ الطَّبِيعَةِ. ایمان کا دوام و استمرار اور قوام و قیام دین اور
 اصلاح جسم میں چیزوں میں ہے۔ ایک کفایت کرنا دوسرا پرہیزگاری اختیار کرنا تیسرے غذا
 میں احتیاط رکھنا۔ جو شخص اپنے رب کے ساتھ اکتفا کرے اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی
 ہے۔ اور جو تقویٰ حاصل کرے۔ اور پرہیزگار ہو جائے اس کی عادت و خصلت نیک ہو
 جاتی ہے اور جو غذا میں احتیاط رکھے اس کا نفس ریاضت سے پاک و درست ہو جاتا ہے۔
 تو ثمرہ اکتفا صفائی قلب ہے اور انجام تقویٰ اور پرہیزگاری حسن خلق ہے اور احتیاط غذا کا
 نتیجہ تندرستی اور اعتدال طبیعت ہے۔

یعنی جو اپنے رب کے ساتھ توکل کرے اس کا عرفان بلند اور قلب مصطفیٰ ہو جاتا ہے اور جو اعمال

میں تقویٰ کا پابند ہو۔ اس کا خلق درست ہو جاتا ہے اور دنیا فاقہ غرت میں غرت پا جاتا ہے
 جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنی کَثُرَ صَلَواتُہُ بِاللَّیْلِ حَسَنٌ وَجَنَّةٌ
 بِالنَّهَارِ۔ جو رات میں نمازیں زیادہ پڑھے۔ اس کا چہرہ دن میں بہت منور ہو جاتا ہے۔
 دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن متقیوں کی جب جماعت لگی کہ قُجُوْهُمُ نُّوْا
 فَعَلَّ مَتَابِرُہُمْ نُّوْا۔ تو ان کے چہرے میرل پر منور ہو گئے اور میرلی لودی ہوئی۔ اور جو غلام ہیں
 احتیاط رکھے تو اس کا آن ہر بیماری سے محفوظ رہے۔

اسی کلام نہایت جامع ہے اور یاد رکھنے کے قابل۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن سہل آملی وفادار صفا حضرت ابو العباس
 احمد بن محمد بن سہل آملی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بزرگان مشائخ سے گزریں میں اور اپنے معصروں
 میں محترم مانے گئے ہیں علم تفسیر و علم تجوید کے بڑے عالم تھے۔ لطائف قرآنی کے بیان میں آپ
 مخصوص تھے حضرت جلیل بغدادی رضی اللہ عنہ کے مریدان خاص میں تھے حضرت ابراہیم
 ہارستانی کے صحبت یافتہ تھے۔ اور حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ آپ کی بہت عزت
 فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کے سوا کسی کو علم تصوف میں آپ تسلیم نہیں فرماتے تھے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلْکَلُوْنُ اِلٰی مَا لَوْحَاتِ الْطَّبَّائِعِ یُطْعَمُ صَاحِبُهَا
 عَنْ بُلُوْغِ دَرَجَاتِ الْحَقَائِقِ۔ جس چیز کی طرف رغبت طبع ہو اس سے آرام سکون
 حاصل کرنا بلند حقائق کے درجات سے گرا دیتا ہے۔ یعنی جو مالوفات طبع کے ساتھ
 آرام حاصل کرے۔ وہ حقیقت آشنائی سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس لئے کہ امزجہ اور طبائع آلات و اوزار نفس ہیں۔ اور نفس محل حجاب کے
 اور حقیقت محل کشف تو جو طالب محبوب ہے اور اس سے سکون چاہتا ہے جبکہ مکاشف
 نہیں تو ادراک خفائی کیونکر کر سکے گا۔ اس لئے کہ محل کشف سے وہ محبوب ہے چنے ہوئے
 اعراض سے جو مالوف طبع ہیں۔ اور زحمان طبع دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک دنیا کے تمام
 ملذات کے ساتھ۔ دوسرے طبعی اور اس کے تمام احوال کے ساتھ۔

دنیا کے ساتھ بوجہ جنسیت الفت ہوگی یا عقبت کے ساتھ بوجہ نا جنسیت اور

تا ویدہ ہونے کے تو نفس عاقبت کے ساتھ اُلفت محض گمان پر کرتا ہے نہ کہ اس کی حقیقت عینیہ سمجھ کر۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس حقیقت آشنا نہیں ہوتا اگر وہ حقیقت شناس ہوتا۔ تو دنیا سے اپنا تعلق قطع کر لیتا اور جیسی دنیا سے انقطاع کر لیتا تو ولایت طبع طے ہو جاتی۔ اور ولایت طبع کے طے ہو جانے سے کما شفعہ حقیقت ہو جاتا ہے کیونکہ عاقبت کا خویش با: لبطع لنا طبع ہے۔ لَا تَقْضِيهَا مَا لَا خَطَرَ غَيَّ قَلْبٍ بِشَرِّ اس لئے کہ اس میں قلب بشر پر عقبے کا تصور نہیں آسکتا کہ وہ راہ کیسی پر خطر ہے۔ اور جو چیز بدریغہ کشف دل میں مستخر ہو اس کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اور جب معرفت حقیقت عقبے سے واہمہ انسان ہی عاجز آجاتا ہے۔ تو پھر طبیعت اُس کے عین حقیقت سے کیونکر اُلفت کر سکتی ہے۔

تو یہ بات صحیح ہوئی کہ اُلفت طبعوت گمان عاقبت سے ہے۔ واللہ اعلم۔

انہیں میں سے مستغرق معنی ابو النخيث حضرت حسین بن منصور حلاج حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ ہرستان بادۂ وحدت اور مشتاق جمالِ احدیت گزریں ہیں اور نہایت قوی الحال شائع میں تھے۔

آپ کی شان میں مشائخ طریقت کے علیحدہ علیحدہ فیصلہ ہیں جس کی ایک گروہ تو آپ کو مردود کہہ گیا۔ ایک گروہ آپ کو مقبول بارگاہ بتا گیا۔

مردود کہنے والوں میں (۱) عمرو بن عثمان مالکی (۲) ابویقوب نہروری (۳) ابویوب قطع (۴) علی بن سہیل صہبانی وغیرہ ہیں اور مقبول بارگاہ ماننے والے مشائخ میں ہازیدہ عطا محمد بن حنیف۔ ابوالقاسم نصرآبادی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے علاوہ تمام متاخرین صوفیہ انہیں مقبول مانتے چلے آئے ہیں۔

اور ایک گروہ اود ہے جو آپ کے معاصرین میں توقف کرتا ہے جیسے حضرت جنید بغدادی حضرت شبلی حضرت حریری حضرت حضری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور ایک

گروہ نے آپ کو جادو وغیرہ اسباب ظاہری کے ساتھ منتسب کیا ہے لیکن حضرت شیخ المشائخ ابوسعید البخیری و شیخ ابوالقاسم گرگانی اور شیخ ابوالعباس شقاقی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حسین بن منصور کو صاحب برکت تھے اور ان لوگوں کے نزدیک حسین بن منصور ایک عارف کامل بزرگ تھے۔

لیکن استاد ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں کہ اگر وہ ابابہ معانی و حقیقت میں سے تھے تو لوگوں کے مطعون کرنے سے ایک عارف مجبور نہیں ہو سکتا اور اگر وہ مجبور فی الطریق والعرفان تھے۔ اور مردود بارگاہ تو مخلوق کے مقبول بنانے سے وہ مقبول نہیں ہو سکتے۔ لہذا ان کا معاملہ ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ اور جس قدر ان سے ہم علامات عرفانی دیکھتے ہیں۔ اسی حد تک ہم انہیں بنظر عظمت دیکھتے ہیں۔

اور مشائخ میں علاوہ چند کے کوئی ان کی مقبولیت کا منکر نہیں بلکہ تمام مشائخ ان کے کمال فضل اور صفائی حال اور کثرت اجتہاد و ریاضت کے معترف ہیں۔ اور ان کے حالات کا اس کتاب میں ذکر کرنا ایک حد تک بے امانتی و خیانت تھی۔ اس لئے کہ بعض لوگ ابابہ ظواہر سے جو ہیں وہ ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی شان عرفان کے منکر ہیں۔ اور ان کے تمام کمالات و خوارق عادات امور کو مکر اور جادو کے ساتھ نسبت کرتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ یہ حسین بن منصور بن علاج بغدادی ہے جو محمود بن زکریا کا استاد ہے اور ابوسعید قرطبی کا رفیق خاص ہے۔ حالانکہ وہ حسین بن منصور بن صلاح ہے اور یہ حسین بن منصور علاج ہیں رحمہ اللہ علیہ پھر وہ حسین بن منصور جو ابن صلاح ہے۔ وہ بغداد کا ہے۔ یہ حسین بن منصور علاج فارسی مقام بیضا کے ہیں۔

اور جو مشائخ حضرت حسین بن منصور علاج ہی کو مردود و مجبور مانتے ہیں۔ اور ان کے دین میں بھی طعن کرتے ہیں۔ کہ یہ طعن درحقیقت اس کے دین میں نہیں بلکہ ان کی کیفیت حال پر ہے۔ وہ یہ کہ حضرت حسین بن منصور علاج رحمہ اللہ علیہ پہلے حضرت سہیل بن عبد اللہ سے بیعت ہوئے۔ پھر ان کی بلا اجازت ان سے علیحدہ ہو کر حضرت عمر بن عثمان مکی سے ملے وہاں بھی مستقل طور پر نہیں رہے۔ اور وہاں سے بھی بلا اجازت چل دیئے۔ اور حضرت جنید بغدادی

رحمۃ اللہ علیہ سے اکر تعلق کر لیا۔ مگر حضرت جنید نے انہیں قبول نہ فرمایا۔ اور اس وجہ میں سب نے انہیں اپنے یہاں بند کر دیا۔ تو اس صورت میں آپ کو مجبوراً مملکت کہا جاسکتا ہے نہ کہ مہل میں آپ کو مردود و مذہب مانا جائے۔

دیکھتے نہیں کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ حضرت حسین بن منصور کی شان میں کیا فرما رہے ہیں۔ آپ کا اعلان ہے۔ اَنَا وَ الْخَلَاءِ فِي شَيْءٍ وَاحِدٍ فَخَلَفَنِي جَنُودِي قَاهِلُكَ عَقْلُهُ میں اور حسین بن منصور علاج ایک ہی طریق پر ہیں۔ مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کرادیا اور حسین بن منصور کو اس کی عقلمندی نے ہلاک کرادیا۔

اگر معاذ اللہ وہ بیدین ہوتے تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ یہ نہ فرماتے کہ میں اور علاج ایک چیز ہی ہیں۔ حضرت محمد بن خنیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ هُوَ عَالِمٌ رَبَّانِيٌّ حَسْبُ بْنُ مَنْصُورٍ عِلَاجٌ عَالِمٌ رَبَّانِيٌّ تَقَى۔ اور ایسے ہی اور دل نے بھی بہت کچھ تعریف کی اور انہیں بزرگ بتایا۔ تو مشائخ کرام کی ناخوشنودی اور ان کی طرف سے عاق کر دینا اس امر کو مستلزم نہیں کہ انہیں اسلام و مذہب سے بھی خارج کر دیا جائے۔ بلکہ یہ مجبوری طریقت کی مافی الخانیگی اور اس کا طریقہ وحشت و اضطراب ہوتا ہے۔

آپ کی تصانیف مشہور ہیں۔ اور آپ کے روز اور کلام نہایت مہذب ہیں جو اصول و فروع میں آپ نے فرمائے اور لکھے۔ اور میں نے دینی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ پر کیا رسالے ان کی تصنیف کئے ہوئے بغداد و حوالی بغداد میں دیکھے بعض خوزستان میں بعض فارس و خراسان میں۔ سب میں ہم نے ایسی باتیں دیکھیں جو مریدانہ سلوک میں کیا کرتا ہے اور ان تصنیفات میں بعض رسالے نہایت معمولی بعض کچھ آسان بعض نہایت اوق مضمون سے پُر تھے۔ اور یہ حالت کے ساتھ بات ہے جب تخلیق ہونے لگتی ہے تو اس کی قوت حال اس کی زبان و قلم پر بعض ہاں ایسی جلدی اور عجلت سے مضمون آجاتے ہیں کہ ناواقف دیکھ کر تعجب ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا وہیم اس کے سنتے سے متنفر ہو جاتا ہے اور غلام اس کے کہنے سے قاصر رہتی ہے۔ تو جو آشناء و مرز خاصان بارگاہ وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ مضمون بہت بلند ہے اور جو جماعت سے خواہ مخواہ طریقہ سے لکھا گیا ہو تو یہ وہ قطعاً ہی بھڑکتی ہے۔

تو ان کا کار بھی بس نزول اقرار کے ہوتا ہے اس لئے کہ وہ سمجھے بغیر منکر ہو کر اقرار کرتے ہیں کہ یہ مضمون ہمارے محدود معلومات و بصارت کے ماتحت غلط ہے۔
مگر جب اہل بصیرت و محققان حقیقت دیکھتے ہیں تو وہ ان منکرین کے ہمنوائی نہیں کرتے اور خدمت و تعریف و فہم سے علیحدہ ہو کر ساکت ہو جاتے ہیں اس لئے کہ جانتے ہیں کہ ان منکرین کی عقل ندرسا وہاں تک پہنچ سکے گی۔ لہذا ان سے اعراض ہی مناسب ہے، تو منکر کو کہہ دیتے ہیں کہ تیرا انکار تیری حیثیت علمی سے صحیح ہے اور جانتے والے تو پہلے ہی ہمنوا ہوتے ہیں تو ان سے کہنا تحصیل حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ لوگ جو اس مرد خدا کے احوال کو سحر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ یہ انتساب ان کی ذات سے محال ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک جادو بھی ویسا ہی حق ہے جیسا کہ کرامت اولیاء کو حق مانا جاتا ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ساحر کا کمال کا مظاہرہ کفر ہے اور کمال حال میں کرامت کا اظہار کمال معرفت۔ تو ایک کا نتیجہ کمال غضب الہی ہے۔ اور ایک کا نتیجہ قرب رخصا مولا ہونا۔

اور اس بحث کی تفصیل اثبات کرامت کے باب میں بیان کیا جائے گا۔
اور بالاتفاق اہل بصیرت و اہل سنت ایک مسلمان خاص اور ساحر نہیں ہو سکتا۔
اور ایک کافر مکرم اور واجب الشکریم نہیں بن سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ سحر و کرامت میں ضد ہے اور اجتماع اضداد محال ہے۔

اور حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ۔
اپنی مدت العمر میں لباس صلاحیت کے ساتھ مرتین رہے۔ نماز کے پابند ذکر و مناجات میں لیل و نہار گزارنے والے، روزہ کے پابند اور آپ کی حمد نہایت مہذب تھی اور توحید میں نہایت لطیف نکتہ بیان فرماتے تھے۔ اگر وہ جادو کا کام کرنے والے ہوتے تو صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور ذکر اذکار میں سرگرمی ان سے محال تھی تو صحیح طور پر ثابت ہوا کہ ان سے جو امور خارق عادات ظہور میں آئے۔ وہ کرامت تھی۔ اور کرامت سوائے ولی کے محقق نہیں ہو سکتی۔

بعض اہل تصوف اُن کو اس وجہ میں رد کرتے ہیں کہ اُن کے بعض کلمات میں
استفراج و اتحاد مذہب کا مفہوم نکلتا ہے۔ یہ اعتراض بھی عبارت پر ہے نہ کہ اُن کی
حقیقت معنی پر۔ اس لئے کہ غلبہ حال میں صوفی اس قدر مغلوب ہوتا ہے کہ وہ ادب عبارت
پر قدرت نہیں رکھتا اور اس سے امکان عبارت ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگرچہ عبارت
فی نفسہ صحیح ہوتی ہے۔ مگر اس میں اس قدر اخلاق ہوتا ہے کہ عوام اور اہل ظواہر اس
کی حقیقت معنی کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی عبارت اس قدر مشکل ہوں کہ اس کے مفہوم و مقصود
کو عوام نہ سمجھ سکیں۔ اس وجہ میں اس کے منکر ہو جائیں لیکن یہ انکار اُن کے سمجھنے کا
انکار ہے نہ کہ اس عبارت کا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں محدثین کا ایک
گروہ دیکھا جو اپنے کو حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معتقد
ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے الحاد و زندہ پر اُن کے کلام پر حجت لاتا ہے۔ اور اس گروہ
کا نام ہی حلاجی ہے۔ اور حضرت حسین بن منصور حلاج کے معاملہ میں اس حد تک غلو
کرتا ہے جس حد تک روافض محبت علی کریم اللہ وجہ میں کرتے ہیں۔

ان کی رو میں ایک باب ہم لائیں گے۔ اُس میں ان سب فرقوں کا حال بیان
کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز

تو اس امر کا خیال رہے کہ اس قسم کے مغلوب الحال صوفیوں کے کلام کا ہرگز
اتباع نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ وہ اپنے حال میں اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ
اُن میں استقامت قطعی نہیں ہوتی۔ اور صوفیائے کرام میں اُن کی پیروی کرنی چاہیے
جو صاحب استقامت ہیں۔ میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمہ اللہ کو بکھرا اللہ
تعالیٰ اپنے دل میں عزیز رکھتا ہوں۔ اور اُن کی عظمت میرے دل میں ہے۔ لیکن یہ
یقینی بات ہے۔ ان کی حالت مستقیم نہ تھی بلکہ وہ طریقت میں مغلوب الحال تھے۔ اور
مغلوب الحال کا کلام فقیر سے غلط نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین بن منصور

علاج کے کلام سے بہت زیادہ خوف فتنہ ہے۔ بلکہ میرے ساتھ بھی میری ابتداء زاد میں ایسی کیفیت حالیہ گذر چکی ہے۔

میں نے حضرت حسین بن منصور علاج رضی اللہ عنہ کے کلام کی شرح بھی لکھی ہے اور اس کتاب میں دلائل و دجج باہرہ کے ساتھ ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کلام اتنا بلند ہے کہ اسکو اباب حال کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

اور ایک کتاب مسی منہاج الدین ہماری تالیف ہے۔ اس میں حضرت حسین بن منصور علاج رحمۃ اللہ علیہ کے ابتداء و حال سے انتہا تک تمام کوائف ذکر کئے ہیں یہاں بھی ہم نے مختصراً ان کا کچھ تذکرہ کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس راستہ میں اس قدر پہلو موافق و مخالف نظر آتیں سبکی پیروی سے احتراز کرنا لازم ہے۔ مگر زبان طعن و داز کرنے سے بھی اجتناب کیا جائے۔ اور جو نفسانی خواہشات اور ہوا پرستی کے متبع ہیں وہ ہر جگہ ایسے امور کے متلاشی ہوتے ہیں جس سے کبھی اور تنفر پیدا ہو۔ اُن سے بھی بچنا چاہیے۔

آپ کا ایک فرمان ہے جو آپ نے فرمایا۔ اَلَا لَيْسَنَّهُ مُسْتَنْطَقَاتٌ تَحْتَ اَفْطَقَهَا مُسْتَهْلَكَاتٌ۔ یعنی گویا زبان خاموشی و بے زبان دل کی ہلاکت ہے۔

یہ عبارت عوام کے لئے خالص آفت ہے۔ اس کے معنی میں حقیقت معنی کے بغیر بیہودگی ہے اور جب اس کے معنی حاصل ہو جائیں تو وہ عبارت سے مفقود نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ جب معنی مفقود ہو جائیں تو عبارت کے ساتھ موجود نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ ایسی عبارات طالب کو ہلاکت کے سوا اور کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں سوا اس کے کہ عبارت پڑھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ اسکے یہ معنی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

انہیں میں ہر بینک متوکلان سالار
حضرت ابواسحاق ابراہیم بن احمد خواص مستطمان ابواسحاق حضرت
براہیم بن احمد خواص رضی اللہ عنہ میں۔ توکل میں عظیم الشان تھے۔ اور نہایت

بلند تر والے گزے ہیں۔ بڑے بڑے مشائخ کو پاچکے میں۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں۔ اعمال طریقت میں آپ کی تسانیف بھی بہت ہیں۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلْعِلْمُ كُلُّهُ كَلِمَتَيْنِ لَا شُكَّ لَكُمْ فَمَا كَفَيْتُمْ وَلَا تَضِيْعٌ مَّا اسْتَكْفَيْتُمْ۔ یعنی علم سارا دو کلموں میں ہے ایک یہ کہ جس چیز کا اندیشہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے اٹھالیا۔ اس میں تکلیف نہ کر۔

دوسرے یہ کہ جو تجھے کرنا ہے۔ اور جو کچھ تجھ پر فرض و لازم ہے اُسے ضائع نہ کر۔ تاکہ دنیا و آخرت میں خوش رہے۔ اس فرمان سے یہ مراد ہے کہ نوشتہ قسمت میں تکلیف نہ کر اس لئے کہ جو تیرے لئے مقسم ہے وہ تیری جدوجہد سے بدل نہیں سکتا۔ اور جو حکم تجھے بذریعہ شرع ملا ہے اس کی تعمیل میں قصور نہ کر۔ اس لئے کہ ترک فرمان تیرے لئے موجب عذاب ہے۔ آپ نے کسی سے پوچھا کہ عجائبات میں سے آپ نے کیا ملاحظہ کیا۔ فرمایا بہت سے عجائبات دیکھے۔ مگر اس سے زیادہ تعجب ناک بات میرے نزدیک کوئی نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے اجازت صحبت چاہی مگر میں نے انکار کر دیا۔ عرض کیا گیا جنوریوں انکار فرما دیا۔ فرمایا اس لئے نہیں کہ اُن سے بہتر کامیں مستطاشی تھا۔ بلا اس خوف سے کہ کہیں اپنے بے عز و جل کے سوا غیر پر میرا اعتماد نہ ہو جائے اور اُن کی صحبت میرے توکل کو نقصان نہ پہنچا دے۔

اور نفل میں پڑ کر ادا فرض سے کہیں نہ جاؤں۔ یہ آپ کے درجہ کمال توکل کی دلیل تھی۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی رضی اللہ عنہ، اہل یقین حضرت ابو حمزہ بغدادی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کرکٹے متکلمین اور مشائخ اہل بغداد سے گزے ہیں حضرت عارف عابدی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت یافتہ تھے اور حضرت بوری اور خیر نساج رحمہما اللہ کے ہم عصر تھے اور علاوہ ان کے بڑے بڑے مشائخ کرام کے ساتھ رہے ہیں۔ مسیّرہ صافہ میں بغداد کے اندر آب و عطر فرمایا کرتے تھے۔ اور علم تفسیر و قرأت

ان رسالت کے زبردست عالم گنہے میں اہل حدیث میں بھی آپ کو کافی مہارت تھی۔
اور یہ وہ ہیں کہ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بلا کے موقع پر یہ ساتھ لکھے۔
انزل اللہ تعالیٰ نے سب کو اس بلا سے نجات دی۔ اس کی تفصیل ہم مذہب نوری کا
جہاں ذکر کریں گے وہاں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اِذَا سَأَلْتُ مِنْكَ نَفْسَكَ فَقَدْ أَقْبَيْتَ حَقَّهَا
وَ اِذَا سَأَلْتُ مِنْكَ الْخَلْقَ قَضَيْتَ حَقَّ قَوْمٍ۔ جب تو اپنے نفس سے سلامتی حاصل
کریے تو تو نے اپنی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ اور جب خلق تجھ سے سلامتی حاصل کرے تو تو
نے حق مخلوق ادا کر دیا یعنی حق دو میں ایک نفس کا حق تجھ پر اور ایک مخلوق کا حق تجھ پر۔ تو
جب تو نے اپنے نفس کو مصیبت سے روک لیا اور طریقہ سلامتی عقبیٰ پر اسے چلا یا اس کا
حق ادا کر دیا۔ اور جب مخلوقات کو اپنے شر سے امین کر دیا اور ان سے بُرائی نہ کی مخلوق کا
حق ادا کر دیا۔ گویا ایسی حالت میں زندگی گزار کہ تجھ کو غلاتق سے اور تجھ سے غلاتق کو کوئی
برائی نہ پہنچے۔ اس کے بعد حق عبودیت اور عبادت الہی میں مشغول ہو۔ واللہ اعلم۔

انہیں میں سے امام
حضرت ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ عالی مقام حضرت
ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ میں محققان مشائخ میں سے گزرے ہیں جتنا حق
شناختی میں عظیم الشان شخصیت تھی۔ اور مدارج تصوف میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔
مشائخ کرام میں آپ تودہ صفات مانے گئے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے ہم صحبتوں
سے گزرے ہیں۔ آپ کا کلام اسی قدر دقیق ہے کہ اہل نلو اہر کی اس کے منہمک رک سکی
نہیں۔ اسی وجہ میں آپ نے اپنا کلام قلمبند نہیں فرمایا۔ اور آپ کا کسی شہر میں قیام نہیں
رہتا تھا۔ اسی وجہ میں کہ غالباً ہر جگہ نا اہلوں سے واسطہ پڑتا ہوگا۔ وہاں سے پرانہ خط
جو کہ دوسرے شہر کو تشریف لے جاتے ہیں گئے، سیاحت کرتے کرتے جب آپ مقام مَر
تشریف لائے۔ تو اہل مَر کو آپ کے باعتبار طبع لطیف اور نیک سیرت پایا اور اہل مَر کو
بھی آپ کی عظمت کی اور آپ کے پند و نصائح گوش دل سے سُننے چنانچہ بقیہ عمر میں پُر

فرمائی۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

الَّذَا كُرُوْنَ فِي ذِكْرِي ۚ اَلْكَثْرُ غَفْلَةٌ مِنَ الشَّيْءِ لِذِكْرِهِ ۚ يَادُ كُرْهُوْا لَوْ
کو یاد کرنے میں فراموشی کرنے والے سے ذکر میں زیادہ غفلت ہوتی ہے؟

اس لئے کہ رب جل مجدہ کو یاد رکھتے ہوئے اگر اس کا ذکر بھول جائے تو اتنا نقصان
نہیں۔ اور بڑا نقصان اس میں ہے کہ اُسے فراموش کر دے اور اس کا ذکر کرتا رہے۔

اس لئے کہ ذکر ایک عظیمہ چیز ہے اور مذکور علیحدہ تو جو خیال ذکر میں مذکور کی ذات
کو فراموش کر دے اور اس سے روگرداں ہو جائے تو یہ بہت بڑی غفلت ہے کہ اس میں ذکر غیر ہے

بہ نسبت اس کے کہ مذکور کی یاد کا گمان بھی نہ رہے۔ بلکہ بھول جائے۔ تو اس بھولنے والے
کو باوجود ذکر غفلت سے قریب ہے۔ اور بھولنے والے کو نسبتاً غفلت میں مجاہدیت
ہی ہے اور مشاہدہ حضور نہیں۔

تو ذکر میں بحالت ذکر یاد اور تصور مذکور اگر ہے تو حجاب غیبت میں بھی اس کے لئے حضور ہے۔
تو خلاصہ یہ ہوا کہ اگر حضور کی کا خود خیال کرے تو صوفی غفلت کے نزدیک ہے۔

اس لئے کہ طالب حق کے لئے اپنی طرف سے خواہش کرنا ہی ہلاک ہے کیونکہ اس اہم
اگر گمان زیادہ ہو جائے تو معنی گم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر معنی زیادہ ہو جائے تو گمان گم ہو جاتا

ہے۔ درحقیقت صوفی کو گمان ہی جب ہوتا ہے۔ جب عقل کے ساتھ وہ متہم ہوا اور جب
عقل کے ساتھ وہ متہم ہے۔ ارادہ نفسانی لازمی ہے۔ اور یہاں ہمت کو تہمت اور ارادے

سے کوئی تقرب کی منزل حاصل نہیں ہوتی۔ اور جسے حقیقت ذکر کہتے ہیں وہ یا تو حجاب غیبت میں
ہوتا ہے۔ یا متاہم حضور میں۔

اور جب ذکر مشاہدہ حضور حق کر لیتا ہے تو پھر ذکر نہیں رہتا بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے اور
جب غائب از حق ہوا اور اپنے وجود سے مطلع تو اگرچہ ذکر ہوتا ہے مگر اُسے ذکر نہیں کہتے

بلکہ وہ غیبت ہے۔ اور غیبت درحقیقت غفلت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہی پردہ دہائی ہے یہی ہے حجاب جاتان

از ترجمہ غفران

Marfat.com

Marfat.com

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ انہیں میں سے سیکھنے احوال سفینہ مقال حضرت
ابو یحزق ولف بن محمد شبلی رضی اللہ عنہ ہیں۔

بزرگانِ شائع سے گزریں ہیں اور آپ کے لیل و نہاد نہایت مہذب و مطیب بحق
گزرے ہیں۔ آپ کے اشارات لطیف و ستودہ ہیں۔

چنانچہ ایک متاخرین سے فرماتے ہیں۔ ثَلَاثَةٌ مِنْ عَجَائِبِ الدُّنْيَا اَشَارَاتُ
الرَّسُولِ وَنُكْتَةُ الْمُرْتَعَشِ وَحِكَايَاتُ جَعْفَرٍ عَجَائِبَاتُ عِلْمٍ فِي تَمِينِ حَزِينٍ ہیں۔
حضرت شبلی کے اشارات اور مرتعش کے نکتہ اور جعفر کی حکایتیں۔

آپ قوم کے بہت بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اربابِ طریقت میں ساداتِ طریق
سے شمار کئے گئے ہیں۔ ابتداء میں خلیفہ وقت کے دزر و غہ ڈیوڑھی تھے حضرت خیر
نصاج کی مجلس میں آپ تائب ہونے اور تعلقِ بیعت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے کیا۔ بہت سے مشائخ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ سے مروی
ہے کہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں۔

قُلْ لِلّٰہِ مَنِینٌ یَغْضُوہُمۡ اَبْصَارُہُمۡ (اَیْ اَبْصَارُ التَّوَدُّسِ عَنِ
الْمَحَارِمِ وَ اَبْصَارُ الْقُلُوْبِ عَمَّا یَسُوْی اللّٰہُ) اے محبوبِ مومنین کو حکم فرمائی کہ
وہ چشمِ سر کو نظرِ شہوت سے نگاہ رکھیں اور چشمِ دل کو ماسوی اللہ سے اور انوارِ
فکر و اندیشہ سے محفوظ کر کے رویتِ ذات کا خیال رکھیں۔

اس لئے کہ شہوۃ کا اتباع اور محارم کے گھبراہٹ گھاری غفلت میں سے ایک
غفلت ہے۔ اہل غفلت کے لئے عذابِ بہیم یعنی نہایت ذلیل کرنے والا وہ عذاب
ہے جو انہیں اپنے عیبوں سے جاہل کہہ رہا ہے اور جو اس دنیا میں جاہل رہا وہ حققی
میں بھی جاہل ہی رہے گا۔

وَمَنْ کَانَ فِیْ ہٰذِیْہٖ اَعْمٰی فَہُوْیَ الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔ جو دنیا میں عیب
صواب کی طرف سے اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔

جب تک اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے اراداتِ شہوت کی نجاست نکال دے

اس وقت تک اس کی چشم سر غور میں یعنی جن سے آنکھ بند ہونا ضروری ہے محفوظ نہیں رہ سکتی۔

اور جب تک اپنی محبت کسی کے دل میں ثابت نہ کرے۔ اس کی چشم سر بلا نظارہ غیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

آپ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک دن آپ بازار میں تشریف لائے۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کیا۔ هَذَا اَجْنُونٌ "یہ دیوانہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اَنَا عِنْدَ كُمْ بِجُنُونٍ ذَا نَتْمٍ عِنْدِي اَصْحَاءُ فَرَادَى اللّٰهُ فِیْ جَنُوْنِیْ ذَا اَكْرَمِیْ حَقَّتْ كُمْ۔ "میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں۔ اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو۔ میرا جنون شدت محبت محبوب کے ہے اور تمہاری محبت قوت غفلت سے تو اشرار و جل میری دیوانگی زیادہ کرے۔ تاکہ میرا تقرب قرب سے اقرب ہو۔ اور تمہاری ہوشیاری زیادہ کرے تاکہ تمہارا بعد موجودہ بعد سے ابعد ہو جائے۔

اور یہ ارشاد آپ کا بمقتضائے غیرت تھا۔ کہ یہ لوگ دوست اور دیوانہ میں تمیز نہیں کرتے اور انہیں اپنی غفلت کا احساس نہیں تو یہ آخرت میں بھی ایسے ہی جے جس ہونگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت ابو محمد بن جعفر بن نصیر خالیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ^{انہیں میں سے} علی احوال بہ الطنف اقوال واداح حضرت ابو محمد بن جعفر بن نصیر خالیدی رضی اللہ عنہ میں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے کبار اصحاب سے گزرتے ہیں۔ اور فنون و علوم میں متبحر تھے۔ اور مشائخ کرام کی سیرتوں کے حافظ اور ان کے مراتب کے خاص نگار بن گئے ہیں۔ آپ کا کلام ہر فن میں شہور ہے۔ اور خاص کر دعوت میں آپ نے بہت کچھ فرمایا اور ہر مسئلہ پر اپنے حکایت چسپاں فرمائی اور اس کا حوالہ کسی زکسی کی روایت سے ثابت کیا۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

الشَّوْكَلُ اسْتَوَاعَ الْقَلْبَ عِنْدَ الْوَجُودِ وَالْعَدَمِ "توکل یہ ہے کہ وجود و عدم

اور ذوق تیرے دل کے نزدیک یکساں ہو۔ اور جب وجود ذوق ہو تو خرم و شاد ہو اور عدم ذوق کے وقت اندوہ لگیں نہ ہو۔ اسی لئے کہ جسم ملک ملک ہے اور پوش و ملوک جسم کے لئے تجھ سے بیرونی ملک عالم ہے جیسے چاہے رکھے تو اس کی دار السلطنت میں کسی قسم کا دخل نہ ہے اور ملک ملک کے سپرد کر اور اپنا تصرف منقطع کرے۔

حضرت ابو محمد جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ کو بخار ہے میں نے عرض کی حضور اپنے پیسے دعا کریں تاکہ وہ آپ کو شفا دے۔ فرمایا کل میں نے عرض کی تھی تو مجھے جو اسلئے کہ جنید جسم ہماری ملک ہے ہم چاہیں تو تندرست رکھیں۔ چاہیں بیمار ہم کوں ہو جو ہمارے اور ہماری ملک میں دخل و تصرف کر رہے ہو خاموش رہو اور اپنا تصرف ہمارے ملک سے منقطع کرو تاکہ ہمارے بعد عداوت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

انہیں میں شیخ محمود
حضرت ابو علی محمد بن القاسم زودبازی

حضرت محمد بن قاسم زودبازی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ شہزادہ تھے اور نوجوانان متصوف کے بزرگ تھے۔ اعمال طریقت میں عظیم الشان درجہ پایا ہے۔ دقائق طریقت میں آپ کا کلام بڑا لطیف ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

الْمُرِيدُ لَا يَرْيُدُ لِنَفْسِهِ إِلَّا مَا أَرَادَ اللَّهُ لَهُ وَالْمُرَادُ لَا يَرْيُدُ مِنْ الْكَوْنَيْنِ شَيْئًا غَيْرُهُ۔ ”مرید وہ ہے جو کسی چیز کا ارادہ اپنی ذات کیلئے نہ رکھے۔ مگر وہی جو اس کے رب کے ارادہ سے ہو اور مراد وہ ہے کہ کونین میں سوائے ذات حق کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

توجیب تک اپنی ابادت و عقیدت میں راضی ہے مرید ہے۔ اور محب کی رادت و عقیدت جب نہیں رہتی تو وہ مراد ہو جاتا ہے۔ پھر جو حق تعالیٰ چاہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں چاہتا اور جو خدا چاہے وہ کرے۔ یہ سوائے خدا کے تعالیٰ کے اور کچھ نہیں چاہتا۔ تو رضا مقامات ابتدائی سے ہے۔ اور محبت انتہاء حال کا نام ہے اور مقامات

کی نسبت وجود عبودیت تک ہے۔ اور سرِ حشمہ اور درجاتِ تائیدِ ربوبیت میں ہیں۔
جب یہ سمجھ لیا تو غلامِ صمد یہ ہوا کہ مریدِ بخود قائم ہوتا ہے اور مرادِ بحق قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

حضرت ابوالعباس مہدی سیاری رضی اللہ عنہ خزانہ دارِ توحید

عالمِ عال علی الفریہ ابوالعباس حضرت مہدی سیاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ امامِ وقت تھے اور علوم
تلاہری و باطنی کے عالم گذرے ہیں۔ حضرت ابوبکر واسطی کے صحبت یافتہ تھے اور بیت
سے شاخ کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے نہایت عالی ظرف اور زہد و ورع میں
مشہور آپ کا کلام نہایت بلند اور تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ
فرمایا: اَلشَّوْجِیْدُ اَنْ لَا یَخْطُرَ بِقَلْبِكَ مَا ذُوْنَهُ "تو حید یہ ہے کہ ماسوائے ذاتِ
حق تیرے دل کے نزدیک کوئی خطرہ نہ آئے۔ اور مخلوقات کی نظر کا تیرے دل کی پس گزرنہ ہو
اور تیری صفائی معاملہ میں کدورت نہ ہو۔ اس لئے کہ اندیشہ غیر اثباتِ غیر نہیں ہوتا
اور اثباتِ غیر ہونے کی صورت میں حکمِ توحید ساقط ہو جاتا ہے۔

یہ مروی کے بڑے رئیسوں کے خاندان سے تھے۔ اہل مرویہ ان کے مقابلہ کا کوئی
رہس نہ تھا۔ انہیں میراثِ پدری کافی ملی تھی وہ تمام کی تمام دیکر دو موئے مبارک حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل کئے۔ اللہ تعالیٰ نے موئے مبارک کی برکت سے توفیق
توبۃ النصوح دی۔

حضرت ابوبکر واسطی کی صحبت میں آگئے اور اس درجہ کو پہنچ گئے کہ ایک گروہ
صوفیہ کے امام بن گئے۔

جب آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو وصیت کی تھی کہ یہ موئے مبارک میرے
منہ میں رکھ دیئے جائیں۔ آج تک مرویہ ان کا یہ اثر ہے کہ لوگ اپنی حاجت سوائی
کے لئے اس قبر پر جاتے ہیں اور بامراد واپس آتے ہیں۔ اور حلِ مقاصد کے لئے آپ کی قبر
پر جانا مجرب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

انہیں میں سے مالک
وقت خود تصرف

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن خنیف رحمۃ اللہ علیہ

عالی طبع از تصرف و تکلف حضرت ابو عبد اللہ محمد بن خنیف رحمۃ اللہ علیہ ہیں اپنے زمانے کے
ایک عظیم گز سے ہیں۔ اور مجاہدات میں آپ کی شان بہت بلند ہے۔ اور آپ کا بیان
معانی حقائق میں نہایت شافی ہے۔ اور آپ کی عمر کا بیشتر زمانہ تصانیف و تالیفات
میں گزرا۔ حضرت ابن عطا حضرت شبلی حضرت حسین بن منصور وغیرہ رحمہم اللہ کی زیارت
فرما چکے ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں حضرت یعقوب زہری رحمۃ اللہ کی صحبت میں رہ
چکے ہیں اور سیر مکاشفات آپ کی بہت اچھی ہے اور خلوت نشینی بھی آپ نے بہت
کی ہے۔ آپ بھی خاندان شاہی سے گزرنے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق دی۔
اور حکومت و سلطنت سے اعراض فرما کر ماسوی اللہ سے انقطاع کیا۔

آپ کی بزرگی کا سکہ اور باب معانی کے دلوں پر سکھ زن ہے۔ آپ سے مری
ہے کہ فرمایا۔ **الْتَّوْحِيدُ الْإِعْرَاضُ عَنِ الطَّبِيعَةِ** "توحید نام ہے طبیعت سے
اعراض کرنے کا۔ اس لئے کہ طبیعت آلاء و نعمت الہی سے مجبور و تابینا ہوتی ہے۔
تو جب تک طبائع سے اعراض نہ ہو تو قریب الی اللہ نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب طبع
حقیقت و توحید سے مجبور رہتا ہے۔

جب آفت طبع نظر آجائے تو یقیناً منزل توحید تک پہنچ جاتا ہے۔ آپ کی بہت
سی کرامتیں اور دلائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

انہیں میں سے سیف سیادت آفتاب
حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی
رضی اللہ عنہ ہیں۔ اہل تمکین کے مہر اور علم خط کے بہترین ماہر تھے ریاضت و ثبات
توکل میں مشہور تھے۔ آفات نفس کے عالم تھے۔ آپ کی علامات و روایات اور راہیں
روشن ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

مَنْ أَشْرَ مَخِيَّةٍ إِلَّا غَنِيًّا يَحْلِلُ الْفَقْرَ وَابْتِلَاةُ اللَّهِ بِمَوْتِ

marfat.com

Marfat.com

الْقَلْبُ بِمَحَبَّتِ الْغَنِيَاءِ فَقَرَأَ كِى مَحَبَّتِ بِرِيسَندِ كَرِے۔ اَللّٰهُ تَعَالٰی اُسے موتِ قَلْبِ
میں مبتلا کرے گا۔

اس لئے کہ غنى لوگوں سے محبت کرنے والے کو، اغنيا نفرت سے دیکھتے ہیں۔ تو
یہ محبت کرنے والا ان اغنيا کے خیالات سے متاثر ہو کر ان کے فیضِ محبت سے محروم
ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اغنيا کی محبت کسی غرضِ دنیاوی کی وجہ میں کی جاتی
ہے۔ تو جب غرضِ دنیا کی مجالست اغنيا سے بڑھ گئی تو یقیناً دل نیازِ مندی دنیا کی
وجہ میں مَر جاتا ہے۔

اور اس کا تین خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔ تو پھر محبت اغنيا کا نتیجہ موتِ قلب
ہے۔ تو کس لئے ان کی محبت سے اعراض نہ کیا جائے۔ اس مضمون میں محبت و مجالست
فقرار و اغنيا کا فرق واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابراہیم محمد بن محمود نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

اتوال عارفان حضرت ابوالقاسم ابراہیم محمد بن محمود نصیر آبادی رضی اللہ عنہ ہیں۔
آپ نیساپور میں شہل بادشاہ کے تھے جس طرح نیشاپور میں شاہانِ محمودیہ تھے۔ ویسے ہی یہ
بھی اپنے حال میں بلند اور شہنشاہِ عقبی تھے۔ فرق اتنا تھا کہ شاہِ محمودیہ کی عزت دنیا میں تھی
اور ان کی عزت کا تعلق عقبی سے تھا۔ آپ کے کلامِ دینیہ نہایت رفیع تھے حضرت شہل
رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ خاں تھے اور اہلِ خراسان کے متاخرین میں پرواستاد ملنے گئے ہیں
حتیٰ کہ آپ کے زمانہ میں آپ کے مقابلہ کا عارف کوئی نہ تھا۔ اور آپ عالمِ اہلِ زمانہ اور
متورع مانے جاتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

أَنْتَ بَيْنَ النَّبِيِّ نَسَبَةٍ إِلَى آدَمَ وَنَسَبَةٍ إِلَى الْحَقِّ فَإِذَا انْسَبْتَ
إِلَى آدَمَ دَخَلْتَ فِي مَيَادِينِ الشَّهَوَاتِ وَمَوَاضِعِ الْآفَاتِ وَالذَّلَالَةِ
وَهِيَ نَسَبَةٌ تَحْقِقُ الْبَشَرِيَّةَ۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَاهِلُونَ

لے ایک نہ مظلوم ہو رہا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

فَإِذَا انْتَسَبْتَ إِلَى الْحَقِّ فَخُذْ فِي مَقَامَاتِ الْكُشْفِ وَالْبُرَاهِينِ
وَالْعِصْمَةِ وَالْوَلَايَةِ وَهِيَ نِسْبَةُ الْعِبُودِيَّةِ - قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا - تو دو نسبتوں
میں ہے۔ ایک نسبت آدم دوسری نسبت حق جیسے آدم کے ساتھ نسبت ہوگی
تو مجھے میدانِ شہوات و مقاماتِ آفات و ذلت میں پڑنا ہو گا اس لئے کہ طبائع
انسان نہایت ذلیل و بے قدر ہیں۔ اور اگر مجھے نسبت بحق حاصل ہو گئی تو مقامات
کشف و برہان اور عصمتِ لائیت میں آجائے گا اور نسبت عبودیت حاصل کر لیا
اور یہ یقینی امر ہے کہ نسبت آدم بروز قیامت منقطع ہو جائیگی اور نسبت عبودیت ہمیشہ
قائم رہے گی۔ اور اس کا تغیر ہرگز نہ ہوگا۔

تو جب بندہ اپنے کو اپنے ساتھ متسوب کرے یا آدم کے ساتھ رتوبہ درجہ بہت
گرا ہوا ہے، مقامِ کمال ہے کہ بندہ خود کسی طرف اپنی نسبت نہ کرے بلکہ خود حق
تعالیٰ اُسے فرمائے۔ يَا عِبَادِي لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ "اے میرے بندو آج
کے دن تمہیں کوئی خوف نہیں" واللہ اعلم بالصواب

حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حسریؑ یہی میں سے سرورِ سالکاں طریق
جمالِ جا نہائے تحقیق حضرت
ابوالحسن علی بن ابراہیم حسری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حرار و رگاہ کے تحشمان میں
گزرے ہیں اور ائمہ تعوف میں بڑے امام مانے گئے ہیں۔ اپنے زمانہ کے بنیظیر صوفی
تھے۔ آپ کے کلام نہایت بلند ہیں۔ اور آپ کی عبارات نہایت پُر لطف ہیں۔
آپ مروی ہے کہ فرمایا

دَعَوْنِي فِي بَلَدِي هَانُوا مَا نَكُمُ اَلَسْتُمْ مِنْ اَوْلَادِ اَدَمَ الَّذِي خَلَقَهُ
اللَّهُ تَعَالَى بَيْدًا وَنَعِمَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَسَجَدَ لَهُ الْمَلَائِكَةُ ثُمَّ اَمَرَ

سے ندا کے تمام بندے وہ ہیں جو زمین پر ٹھیک کر چلتے ہیں۔

يَا مُرْخَالِفِ اِذَا كَانَ اَوَّلُ الْاَيِّ كَيْفَ يَكُونُ اٰخِرُكَ - پھوڑو مجھے
 میری بلا میں۔ کیا تم سب اولاد آدم سے نہیں ہو اور کیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے
 یہ قدرت سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر اس میں فتح روح کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ
 کریں۔ پھر اُسے ایک حکم دیا گیا لیکن اس نے اس حکم کے خلاف کیا تو جب پہلی ہی غم میں
 تلچھٹ ہو تو بتاؤ اُس کے اخیر و اختتام میں کیا ہوگا؟

جب آدمی کو اس کی نسبت آدمیت پر پھوڑ دیا جائے تو وہ مجسمہ مخالفت نہ
 ہوگا تو کیا ہوگا۔ اور جب عنایت حقہ نسبت حق کے ساتھ اس پر ستولی ہو تو پھر وہ
 محبت الہی میں عمر گزارنے کے سوا کچھ پسند نہ کرے۔ وباللہ التوفیق۔
 یہاں تک یعنی متقدمین صوفیائے کرام کے حالات اور ان کے پیشواؤں کے مناقب
 بیان کئے گئے ہیں۔ اگر سب کے ذکر اس کتاب میں کئے جائیں اور ان کے حالات و کرامات
 و حکایات جمع کریں تو مقصود تالیف کتاب رہ جائے اور کتاب اتنی طویل ہو جائے کہ
 مطالعہ مشکل ہو اب ہم بعض تاخرین کے حالات نقل کریں گے۔

بارہواں باب

صوفیائے متاخرین

ناظرین کرام اللہ تمہیں توفیق عطا فرمائے۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ ہمارے زمانہ میں اس قسم کے لوگ باقی ہیں جو ریاست عرفان پر قبضہ بولیا صنت و مجاہدہ کے چاہتے ہیں۔ اور متصوف بن کر اب باب قصد و عزم کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ طریقہ اُن کا یہ ہے کہ جب ذکر وارفنگاں اور حالاتِ سلفِ سن کر انکے تشرفِ قرب کو دیکھتے ہیں۔ اور انکے زہد و صبح اور مجاہدہ کا قصہ معلوم کرتے ہیں۔ اپنے نفس اور دل سے پوچھتے اور نگاہ کرتے ہیں کہ آیا ہم اتنا مجاہدہ اس قدر ریاضت کرنے کے اہل ہیں یا نہیں، تو وہ اپنے نفس اور دل کو اُن مجاہدوں سے دور اور بعید پاتے ہیں (مگر صوفی بن کر عجم پر دامِ تزویر ڈالنے کے شوقین ہیں) تو بس ان چیزوں سے انکار شروع کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم وہ نہیں۔ اور ہم میں اس قسم کے لوگ اب باقی نہیں رہے۔

حالانکہ یہ قول اُن کا بڑا تبرہ محال کے ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی زمین کو بے حجت الہیہ نہیں چھوڑا۔ اور امتِ جو بھی بغیر ولی کے نہیں رہی۔ اور نہ رہے گی۔

چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا یزال طائفة من امتی علی الخیر والحق حتی تقوم الساعة اور فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم۔ لا یزال فی امتی اربعون علی خلق ابراہیم علیہ السلام۔ ہمیشہ میری امت ایسی جماعت سے خالی نہ رہے گی جو خیر اور حق پر قیامت تک رہے گی۔ اور ہمیشہ میری امت میں چالیس ہزار

خدا خلق ابراہیم علیہ السلام پر ہمیں گئے۔
 اب ہم جن لوگوں کا اس کتاب میں ذکر کر چکے ہیں وہ گزر گئے اور ان کی روحیں
 راحت روح ریحان میں پہنچ گئیں۔ اور بعض اُن میں سے ابھی حیات جسمانی میں موجود
 ہیں۔ رضی اللہ عنہم وعنا وعن حیح المسلمین والمسلمات۔

حضرت ابوالعباس احمد بن قصاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اُن متاخرین عوفیہ سے طرز طریق ولایت جمال اہل ہدایت ابوالعباس حضرت احمد بن
 قصاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے متعدد میں ماوراء النہر کی زیارت کی ہے اور ان کے فیض
 صحبت سے بھی مستفید ہوئے ہیں۔ آپ اپنے علو حال اور صدق فرست اور کثرت برہان و کثرت
 میں مشہور و معروف تھے۔ حضرت ابو عبد اللہ خلیفہ طریقت رحمۃ اللہ علیہ امام طبرستان تھے فرماتے
 ہیں کہ حضرت جلت مجد عز اسمہ کے فضلوں میں سے ایک فضل یہ ہے کہ اپنے مقرب بندے کو
 بلا تعلیم علم یہ ذہن سلیم عطا فرما کر ہے کہ اگر مجھے اصول طریقت میں یا دقائق توحید میں کوئی کمال
 پیش آجاتی ہے تو میں ابوالعباس احمد سے پوچھ کر حل کر لیت ہوں۔ آپ غیر تعلیم یافتہ تھے
 مگر کلام اور نکات اتنے بلند بیان فرماتے تھے کہ علم تصوف اور اصول طریقت میں ابتداء سے
 انتہا تک آپ کو عالی حال نیک سیرت مانا گیا۔

آپ سے بہت زیادہ حکایتیں ہیں نے سنی ہیں۔ مگر اس کتاب میں میرا دور یہ اختصار
 پر ہے اس لئے بعض صرف نقل کر دیئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ایک بچہ سامان لائے ہوئے اونٹ
 کی نعل تھامے ہوئے بازار آمل میں جا رہا تھا۔ اور اس بازار میں غمو نا کیچر رستی تھی اتفاقاً اونٹ
 کا پاؤں پھسلا اور گر پڑا پنڈلی چر ہو گئی۔ لوگوں نے ارادہ کیا کہ اونٹ کی پشت سے سامان
 اتار دیں بڑے نے منع کیا اور رو کر بارگاہ الہی میں دست بدعا ہو گیا۔

فرماتے ہیں کہ میں بھی ادھر سے گزرا۔ دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا۔ اونٹ کا پاؤں ٹھنڈا
 گیا۔ آپ نے اونٹ کی بگ تھامی اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور عرض کی الہی
 اونٹ کا پاؤں درست کر دے۔ اگر درست کرنا منظور نہیں تو قصاب کا دل اس بچہ سے

رونے سے کیوں سوختہ کیا۔ اتنے میں اذیت اٹھا اور باسانی چلنے لگا۔
 آپ سے مروی ہے کہ فرمایا تمام عالم خواہ چاہے یا نہ چاہے اللہ تعالیٰ کی رضا کا
 خوگر کرنا چاہیے۔ ورنہ رنج میں رہیں گے۔ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہے گا وہ
 ہوگا وہ ہر بلا کو منجانب سے بل سمجھ کر بلا نہ سمجھے گا۔ پھر گویا جو بلا بھی اُس پر آئے گی وہ بلا نہ ہوگی۔
 اور اگر خوگر رضا نہ ہو تو بلا جو آتی ہے۔ آتی مگر رنجیدگی اس پر لازمی ہے اور وہ حقیقت بلا و
 عذاب جو ہمارے لئے مقبوض ہے۔ اس تقدیر کو ہم متغیر نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہم راضی ہر بلا
 رہیں گے۔ تو ہماری رضا کی وجہ میں وہ بلا بحکم قادر ہمارے لئے راحت ہو جائیگی۔
 تو جو اپنے رب کی رضا میں راضی رہے گا وہ کرے۔ اس کا دل ہر حال میں رحمت
 پاتا ہے اور جو قضا و قدر سے اعراض کرتا ہے تو ورود قضا کے وقت رنجیدہ
 دل ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیہ بیان نزدیک ان برائی محققان حضرت ابوہریرہ بن
 حسن بن محمد دقاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ امام فن تھے اپنے زمانہ میں بکثرت عالم
 گزریے ہیں۔ بیان صریح زبان فصیح رکھتے تھے۔ اور کشف راہ مولا میں کامل بہت سے
 مشائخ کرام کو دیکھ چکے ہیں۔ اور ان کے فیض صحبت میں مستفید رہے۔ ہیں آپ حضرت
 محمد بن محمود نصیر آبادی کے مرید تھے۔ اور بہترین واعظ تھے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا مَنْ أُنْسَ بِغَيْرِهِ ضُجِفَ فِي حَالِهِ وَمَنْ
 نَطَّقَ مِنْ غَيْرِهِ كَذِبَ فِي مَقَالِهِ۔ جسے غیر خدا کے ساتھ دانست ہو وہ اپنے
 کیفیت حال میں ضعیف ہے۔ اور جو اپنے رب کے سوا کسی سے مکالمہ کرے وہ اپنے
 بیان میں جھوٹا ہے؟ اس لئے کہ اُنس غیر قلت عرفان کی وجہ میں ہوتا ہے اور اُنس
 دانست حق سے اُنس جب ہوتا ہے جبکہ وحشت دلی جاتی ہے۔ اور جو متوحش بالغیر
 ہوگا غیر خدا سے ناطق نہیں ہو سکتا۔

ایک بزرگ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز مجلس علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ

میں اس بیت سے پہنچا کہ متوکلوں کا حال دریافت کروں۔ آپ کے ہر اقدس پر دست
طبری زیرب تھی۔ میرے دل میں اس دستار کی طرف میلان ہوا۔ میں نے علی وفاق سے
عرض کی کہ حضور تو کل کیا چیز ہے۔ فرمایا تو کل یہ ہے کہ تو اپنے دل کا میلان کسی کی دستار
کی طرف نہ ہونے دے۔ یہ فرمایا اور دستار ہر اقدس سے اتار کر میری طرف پھینک
دی۔ والتداعلم بالصواب

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیاء سے شرف اہل زمانہ اہم یگانہ ابوالحسن حضرت علی بن احمد
خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اجلہ مشائخ سے تھے۔ اور اپنے
وقت میں ممدوح اولیاء گذرے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ
زیارت آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کے نہایت خاص راز کی باتیں ہوئیں۔ جب آپ
ہوئے تو فرمایا۔ ابوالحسن ہم نے تمہیں اپنی عہد ولایت کے لئے منتخب کیا اور حسن مودب
خادم شیخ ابوسعید کہتے ہیں۔ کہ جب شیخ حضرت ابوالحسن خرقانی کے پاس پہنچے تو آپ نے
اپنی طرف سے کوئی بات نہ کی۔ اور حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سننے
رہے کبھی کبھی کسی بات کے جواب میں کلام فرماتے۔

میں نے عرض کی حضرت آپ کس لئے خاموش رہے۔ فرمایا۔ ایک بات کیلئے
ایک ہی بولنے والا کافی ہوتا ہے۔

اور استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ فرماتے ہیں جب ہم ولایت
خراسان میں آئے تو ہماری فصاحت ختم ہو گئی۔ اور عبارات حال جاتی رہیں۔ یہ
دبدبہ و شوکت پیر خراسانی کا تھا۔ حتیٰ کہ ہم اپنے منصب ولایت سے وہاں کی مدت
قیام میں معزول ہو گئے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا راستے دو ہیں۔ ایک راہ ضلالت ہے دوسرا راہ
ہدایت۔ وہ جو راہ ضلالت ہے وہ بندہ کا راستہ ہے خدا کی طرف۔ اور وہ جو راہ
ہدایت ہے وہ بندہ کا راستہ ہے جو بندہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی

پہنچا۔ وہ ہرگز نہیں پہنچا۔ اور جسکے مجھے اللہ تعالیٰ کمک پہنچا دیا وہ یقیناً پہنچ گیا۔
اس لیے کہ کامیابی پہنچنے اور نہ پہنچنے اور کامیابیاب ہونے نہ ہونے میں نہیں ہے
کہ پہنچانے اور نہ پہنچانے اور آزاد کرنے نہ کرنے میں ضرر ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن معروف بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیہ سے بادشاہ زمان حضرت ابو عبد اللہ محمد بن معروف ہرستان
بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ علوم میں بہترین عالم اور دکان حق میں مقسم تھے۔ آپ کا
کلام نہایت مہذب تھا۔ اور اشارات نہایت لطیف۔

شیخ سہلی جو اس ملک کے امام تھے۔ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور میں نے
شیخ سہلی سے ہی ان کے کچھ اقوال سنے ہیں۔ مغلہ ان کے یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔

التَّوْحِيدُ حَقٌّ مُّوْجُودٌ وَ أَنْتَ فِي التَّوْحِيدِ مَفْقُودٌ۔ ”توحید
درست ہے لیکن تو توحید میں نادرست اور مفقود ہے۔“

یعنی ہر جب اعتنائے حق توحید پر تیرا قیام صحیح نہیں۔ اور ادنیٰ درجہ توحید کا
نفعی تصرف ہے۔ ملک جسم سے اور اپنے امور میں حق عزوجل کا اثبات شیخ سہلی
نے فرمایا کہ جس وقت کہ بسطام میں ٹڈیاں اس قدر آئیں کہ تمام درختوں کو چاٹ
گئیں۔ اور کشتیاں ان کی سیاہ ہو گئیں۔ اور لوگ تصریح و زاری میں مشغول ہو
گئے۔ تو شیخ بسطامی نے کچھ سے پوچھا یہ کیسا شور ہے۔ عرض کی حضور ٹڈیاں آئی
ہیں۔ اور لوگ ان سے تنگ آتے ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی شیخ اٹھے اور محبت پر
تشریف لائے اور آسمان کی طرف رخ کیا۔ کہ اُسی وقت تمام ٹڈیاں اکٹھیں
اور مصر کی نماز تک ایک بھی نہ رہی اور کسی کا ایک پتہ برابر نقصان نہ ہوا۔ واللہ اعلم

حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد ہسنی رضی اللہ عنہ

انہیں متاخرین صوفیہ سے شہنشاہ مہمان ملک بلوک صوفیان حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد ہسنی

ہیں۔ سلطان وقت و جمال طریقت گزرے ہیں تمام اہل زمانہ آپ سے سخر تھے۔ کوئی آپ کے دیدار کا مشتاق رہتا۔ کوئی آپ سے حسنِ عقیدت رکھتا۔ کوئی آپ کی قوتِ حال کا قائل تھا۔ علوم و فنون میں مانے ہوئے عالم ہونے کے علاوہ اشرف قوم میں عظیم الشان درجہ رکھتے تھے۔ مزید برآں طریقت میں آپ کی نشانیاں اور برہین بے حد ہیں چنانچہ آج تک آپ کے آثارِ کالات اتنے ظاہر ہیں کہ دنیا جانتی ہے۔

ابتدائی زمانہ میں آپ بغرض حصولِ علم مقامِ منہ سے مقامِ سرخس میں آئے اور حضرت ابو علی رافضی یعنی چاکسوار کی خدمت میں رہے۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ تین روز کا ہفتی ایک دن میں پڑھا کرتے اور تین دن عبادتِ الہی میں بسر فرماتے۔ امام ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ کی یہ راست روی ملاحظہ فرمائی تو آپ کی عظمت فرماتے گئے۔ اور تعلیم میں کچھ زیادتی کر دی اس زمانہ میں والی سرخس شیخ ابو الفضل حسن تھا۔ ایک دن حضرت فضل اللہ ابوسعید جو ثبار خراسانی ملکشت فرما رہے تھے کہ ابو الفضل والی سرخس سے دو چار ہو گئے۔

ابو الفضل حسن نے آپ سے کہا۔ ابوسعید جس راستے پر تم جا رہے ہو یہ تمہارا راستہ نہیں

اپنا راستہ لو۔

حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور سیر فرما کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ اور اپنے مشاغلِ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے درہایت کھولا اور حضرت ابوسعید کو مدارجِ علیا پر فائز فرمایا۔

شیخ ابو ظلم فارسی فرماتے ہیں کہ مجھے ابوسعید فضل اللہ سے دیرینہ خدمت تھی (لیکن ان کے زہد و ورع کا شہرہ سن کر) جب ان کی زیارت کا شوق ہوا۔ تو میں ایسی حالت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میرے جسم پر ایسا غرقہ تھا کہ میلا ہو کر میرے کپڑے کی طرح ہر گیا تھا۔ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا آپ تختِ مرتفع پر روانے مصری ڈالے تشریف فرما ہیں۔ میں نے اپنے دل میں یہ اعتراض کیا کہ یہ مرد عوی فیقری کر کے اس قدر ملائق و زیلوکا میں بھنسا برا ہے۔ اور تمام غلائق سے انقطاع کر کے مدعی فقر ہونے سے میری اس کے ساتھ کیونکہ موافقت ہوگی۔

ابوسعید فضل اللہ اپنے نور فراست سے میرے اس فطرے کا قف ہر گستاخ اور سرٹاکر کو
 سے فرمایا۔ یا ابا سید فی اوق و یقوان و جذات من کان قلبہ قایما فی مشاہدۃ
 الحق یقع علیہ اسد الفکر۔ ابوسعید نے کس کتاب میں دیکھا کہ جب کسی کا دل خدا
 کے شاہدہ میں قائم ہو اس پر نام فقرا آتا ہے۔ یعنی جو اصحاب شاہدہ ہیں وہ اپنے رب کے
 ساتھ غنی ہیں۔ اور جو فقیر ہیں وہ اربابِ مہاجہ کہلاتے ہیں۔

ابوسعید نے کہا یہ جواب سن کر میں اپنے دل میں غفل و پریشان ہوا اور اپنے بے بار و سوز
 سے کرب کی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلتَّحَوُّنُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰهِ یَلًا وَ اِیْطَیۃً یَعْنُو
 قِیَامِ دِلِّ بَحْثِ کَامِ ہے جو بلا واسطہ ہو۔ اور یہ بھی شاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ شاہدہ
 قلب دوستی سے ہوتا ہے اور شوقِ ریت و شاہدہ استغراق میں ہوتا ہے اور فنا جیسے کہتے ہیں
 وہ بقا بھی کہلاتا ہے۔

اس بحث کو کتاب الحج کے عنوان سے شاہدہ و برد کی تفصیل کے لیے علیحدہ باب
 میں بیان کیا جائے گا ابتداءً۔

ایک بار حضرت ابوسعید فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شاہدہ پر سے طوس کا قصد فرمایا۔ راستہ
 میں سردی سخت تھی۔ حتیٰ کہ موزوں کے اندر بھی پائے مبارک سردی محسوس کرنے لگے۔ ایک
 درویش کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اپنی کمرچی کے دو ٹکڑے کر کے پائے مبارک میں پیٹ
 دوں۔ مگر میرے دل نے اس کا لانا گوارہ نہ کیا۔ اس لیے کہ وہ بہت عمدہ تھی۔ جب ہم طوس
 آگئے۔ ایک روز محل میں میں نے عرض کی کہ حضور! میں شیطان اور الہام میں کیا فرق ہے
 فرمایا۔ الہام وہ ہے جس میں تجھے کہا گیا کہ کمرچی کاٹ کر ابوسعید کے پیروں کو سڑک سے محفوظ کر
 اور دوسرا شیطان وہ ہے جس نے تجھے اس کام سے روکا۔ اور اس قسم کی بہت سی باتیں تواتر
 ہیں۔ لیکن اس مختصر میں یہ ہی بس ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ

(یہ حضرت ماما صاحب کے مرشد ہیں)

انہیں متاخرین صوفیاء میرے مرشد بحق زین اقداد شیخ عباد اللہ بن فضل حضرت محمد بن حسن ختلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ طریقت میں میری پیروی واقعہ ان کے ساتھ ہے۔ علم تفسیر و روایات کے زبردست عالم تھے۔ اور تصوف میں مسلک بنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ رکھتے تھے۔ اور آپ حضرت حسری کے مرید تھے۔ اور سردی کے صاحب اور حضرت ابو عمر قرنی اور ابوالحسن بن سابع رحمہم اللہ کے معاصر تھے۔

ساتھ سال عزالت نشین رہ کر مخلوق میں سے اپنا نام گم فرما چکے ہیں۔ زیادہ تر آپ کا قیام جبل لکام میں رہا۔ کافی عمر پائی۔ آپ کی آیات و ہدایاں بہت ہیں۔ مگر آپ کا لباس متعسفین کی رسم کا نہ تھا اور رسمی چیزوں کے آپ سخت خلاف تھے جس نے اس مرد خدا سے زیادہ باہم کوئی نہیں دیکھا۔ آپ سے میں نے سنا کہ فرمایا: اَلْكَذِبُ يَأْتِي يَوْمًا وَلَنَا فِيهِ صَوْمٌ۔ دنیا اسل ایک دن کے ہے اور اس دن میں ہمارا روز ہے۔ یعنی اس دنیا سے ہم نے کچھ حقہ نہیں لیا۔ اور اس کی قید میں ہم نہیں آتے۔ اس لیے کہ دنیا کی آفتیں ہماری دیکھی ہوئی ہیں۔ اور اس کا جو عذاب ہے اس سے ہم واقف ہو چکے ہیں۔

ایک روز میں حضور کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا تھا وضو کے لیے۔ تو میرے دل میں خطر پیدا ہوا کہ جب تمام نظام عالم اور کاروبار دنیا قیمت پر موقوف ہے تو کس لیے اچھے خاصے آزاد لوگ امید کرامت و فیوض پر اپنے آپ کو پیروں، فقیروں کا غلام اور بندہ حکم بناتے ہیں۔

میرے دل میں یہ خطرہ گزرا ہی تھا کہ حضور فرمانے لگے صاحب زلوے جو دوسرے تھاکے دل میں پیدا ہوا، میں مسلم ہے۔ یاد رکھو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا و قدر کے ہر حکم کے لیے اللہ تعالیٰ نے سبب رکھے ہیں۔ جب نظام سچے معنی سپاہی زادہ کو اللہ تعالیٰ تاج عرفان و مملکت عشق سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے ترفیق تو دے دے کہ اپنے کسی مقرب و دوست کی خدمت میں مشغول فرمادیتا ہے

ہے کہ وہ خدمت گزاری اس کی عزت و کرامت کے لیے سبب بنے اور مثل اس کے بہت سے
لطائف ہر روز میرے اگلی نظر سے ہوتے رہتے تھے۔

جس روز کہ حضرت کی وفات کا وقت آیا۔ آپ اس لذتِ بہتِ الجن میں تھے۔ یہ ایک
گاہوں ہے جو دمشق اور بایارود کے ماہر ایک گھاٹی پر آباد ہے۔ آپ کا سر مبارک میری
گود میں تھا۔ اور مجھے ایک پیر بھائی سے دل میں رنج تھا۔ جیسا کہ عام لوگوں کی عادت کے ماتحت
لوگوں میں ہوتا ہے۔ تو سرکارِ مجھ سے فرمانے لگے۔ بیٹا! تمہیں ایک عقیدہ بتاتا ہوں۔ اگر تم اس
پر قائم ہو گئے تو تمام جہان کے غلوں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ یا اور کچھ ہر گز اور ہر حال اللہ تعالیٰ
جل شانہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ خواہ نیک ہو یا بد۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کسی عیب اک ہوا
چیز سے خصومت نہ رکھیں اور کسی کی طرف سے دل میں رنج نہ رکھیں۔ بس اس وصیت کے
بعد اور کچھ نہ فرمایا اور جان جان آفرین کے سپرد فرمادی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابوالقاسم حضرت عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیاء میں استاذ و امام زین الاسلام ابو القاسم حضرت عبدالکریم بن ہوازن
قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے زمانے کے بدیع المثال لوگوں میں تھے اور عزت و حرمت میں
رفیع المثال اور منزلوں میں علو الحال تھے۔ ان کی بزرگی کا زمانہ مقرر ہے اور ان کے فضائل مام طود
پر مشہور۔ ہر فن میں ان کے لطائف بے حد ہیں۔ تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
آپ کے حال و حال کو حشو و زوائد سے محفوظ فرمادیا تھا۔

آپ سے میں نے سنا کہ فرمایا۔ مَثَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَعَلَّةِ الْبَرِّ سَامِرًا وَ لَهٗ هَذَانِ
وَ اٰخِرُهُ مُكُوْنٌ وَاِذَا تَمَكَّنَتْ خَرَسَ۔ صوفی کی مثال مریض برسام کی سی ہے جس
کی ابتدا ہڈیاں اور ہڈی ہڈی باتوں سے ہوتی ہے اور آخر میں خاموشی۔ اور جب وہ متمکن ہو
جاتا ہے تو گونگا کر دیتا ہے۔

تو صفاءِ قلب کے دو درجہ ہیں۔ ایک وجہ دوسرے نمود۔ وجہ کیفیت بتدیان ہے اور نمود۔
وجہ منتیان ہے اور وجہ ایک ایسی کیفیت ہے کہ اس کی ترجمانی عبارت میں محال ہے۔ ترجمہ

تک مبتدی طالب رہتا ہے۔ اپنی علمیت میں مطلق ہوتا ہے۔ جو مثل کو اس بہ اور اسی کو بذیان کہا گیا۔ اور جب منتہا کمال کو پہنچ گیا تو پھر نہ عبارت رہتی ہے نہ بیان نہ ہدیان۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ جب موسیٰ علیہ السلام درجہ مبتدی میں تھے۔ آپ کی ہمت رویت کی طالب تھی۔ جی کہ اپنی ہمت کے ماتحت طلب رویت کی عبارت بھی کہ ڈالی اور صاف عرض کیا۔ رَبِّ ارِنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ۔ اے رب اپنا تجلی حسن دکھا کہ میں اس جلوہ کو دیکھوں۔ یہ وہ عبارت ہے جس سے مقصود حاصل نہ ہونا تھا تو یہ نطق بے معنی ہی تھا اور ہمارے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مقام غنی پر پہنچ گئے تھے۔ تو جب کسی کی شخصیت تمام مقامات سے عبور کر کے منتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس کی ہمت و خواہش سب فنا ہو جاتی ہے تو حضور فرما رہے ہیں۔ لَا أُخْصِي نِعْمَاءَ عَبْدِكَ۔ تیری حمد و ثنا کا احصاء ناممکن ہے۔ یہ منزل رفیع اور مقام عالی ہے۔ واللہ اعلم بالتواب۔

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد شبقاتی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیاء سے امام احمد ابوالعباس احمد بن محمد شبقاتی رحمۃ اللہ علیہ میں اصول و فروع میں بڑے ماہر اور امام وقت گذرے ہیں۔ بہت سے شاخ کبار کی زیارت سے شرف ہر چکے ہیں۔ متصوفین کی جماعت میں خاص طور پر کبراء کرم مائے عظمیٰ۔ آپ خود کو مقام فنا کے ساتھ تعبیر فرماتے تھے اور آپ کی عبارات بہت متعلق ہوتی ہیں اور ان عبارتوں کے لیے آپ مخصوص ہیں۔

میں نے ایک جماعت جاہلوں کی پالی جو آپ کی عبارت کے ظاہر پر کو رائے تقلید کرتی ہے اور یہ تقلید بے معنی اور ناستودہ ہے دینی مفہوم مضمون قائل نہ سمجھ کر محض عبارت کے سطحی معنی کی تقلید جہالت محض ہے۔ اور وہ تقلید جو امام معین کی ہوتی ہے۔ وہ عین مشابہ اسلام ہے۔ تم دیکھو کہ ان کی عبارتیں کس قسم کی ہیں۔ میرے دل میں ان کی زبردست محبت ہے۔ اور مجھ پر ان کی کدغایت صادق شفقت ہے۔ اور بعض علوم میں وہ میرے استاد بھی ہیں۔ جب تک میں ان کے پاس رہا میں نے تعظیم شرع کرنا والا ان سے زیادہ کسی کو نہ پایا۔

انہوں نے ماسوا اللہ اور کل موجودات سے اپنے دل کو صاف کر رکھا تھا۔ ان کے علم و بیان
 کا وقت بھر تک کسی کیلئے فائدہ نہیں تھا۔ ان کے وقت حال کے مطابق ان کی عبارت علم اصول سے
 جڑت ہوئی تھی اور ان کا دل دنیا و عقبی دونوں سے متنفر تھا۔

ہیشہ ہوش و غروش میں فرمایا کرتے تھے اَشْتَيْنِ حَدَّثًا لَا وَجُودًا لَہ۔ میں نے
 ایسے عدم کی خواہش کی کہ جس کا وجود ہی نہیں۔ کبھی فارسی میں فرماتے۔ سر آدمی لایا بیست ممال
 باشد و مرا نیز بیست ممالست کہ یقین دائم آن باشد کہ و آن آنست کہ بیایدیم کہ خداوند
 تعالیٰ ہر عدم پر کہ ہر گناہ عدم را وجود نباشد۔ ہر آدمی کے لیے ایک جگہ ہے اور میرے
 لیے ہی یقیناً ایک محل ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ عدم محض ہے اور وہ عدم وہ ہے کہ
 منور بجے وہاں نہایا جائے گا۔ اور میرا رب مجھے عدم میں پہنچائے گا۔ اور وہ وہ جگہ ہے جس
 کا وجود نہیں ہے۔

اس لیے کہ ممکنات و کرات تمام کے تمام محل حجاب و بلبا ہیں اور انسان اپنے حجاب کا
 عاشق ہے اور نیستی و عدم جو دیدار میں ہو وہ بہترین نعمت ہے اور اس بہشت سے افضل
 ہے جس میں حجاب محبوب ہو۔ اور جب حق جل جلالہ نہ ہستی ہے کہ اس پر عدم ممال ہے پھر
 اس کی ملکیت میں میرے نیست ہو جانے سے کیا زیان ہو سکتا ہے۔ اور یقیناً میرے عدم کو وجود
 نہیں ہے۔ یہ ان کی اصل طریقت میں دلیل قوی ہے۔ جو مرتبہ خاص میں منکشف ہوتی ہے۔ لہذا علم

حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبد اللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیاء میں قطب زمانہ حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبد اللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ
 ہیں۔ مشائخ المسلمین مقام اپنے وقت میں عارف بے نظیر اور اپنے زمانہ میں صوفی بے بدل گزرے
 ہیں۔ آپ کا ابتدائی زمانہ بھی بہت نیک گزرا اور آپ کے سفر بشرط نیاز بہت کامیاب
 ہوئے۔ آپ کی طرف قریب قریب ہر دل رجوع رہا ہے۔ اور ہر ایک کی نظر میں آپ کا بہت زیادہ
 اعتماد تھا۔

یہ مرتبہ کے علوم کتاب میں لکھا ہے اور مجموعہ کرامانی لکھا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے کمال کی معلومات کے تحت
 لکھا۔ رحمۃ اللہ علیہ (ابوالحسن قادری)

مردوں میں آپ کا کشف مشہور تھا۔ علوم ظاہری میں تمام فنون میں ماہر تھے۔ آپ کا ہر مرید ایک اختیار خاص رکھتا تھا۔ آپ کا خلق بھی نہایت اچھا تھا اور آپ کے سامان گمان بھی انشاء اللہ ایسے ہی ہوں گے۔ کہ قوم ان کی اقتدار و نیروی کرے۔ آپ کو سان العصر مانا جاتا تھا۔

حضرت ابو علی حضرت ابو الفضل بن محمد فارمدی بقاۃ اللہ نے دنیا سے اپنا حقہ ترک کر کے سب سے اعراض کر لیا ہے اور علامہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد اس مبارک ہستی کے صدقہ میں پوری کی اور سید علی گرگانی کی زبان بتا دیا ایک مفسر شیخ گرگانی کی خدمت میں حاضر تھا اور اپنے لطائف جو مجھ پر منکشف ہوئے تھے۔ عرض کر رہا تھا تاکہ اپنا حال ان کی ہدایت کے مطابق خدمت کروں کیونکہ آپ ناقد وقت تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ میرا تمام حال احترام کے ساتھ سنتے ہے۔

میرا دل کہیں آواز بچپن کا نخت اور جویش جوانی مجھے اپنے حال کی ترجمانی پر عرض ٹھکانا تھا اور دل میں یہ خیال سکھ رہا تھا کہ جو لطائف مجھ پر منکشف ہوتے ہیں۔ شاید اس قدر لطائف ان پر منکشف نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اتنے غرور و غرض سے شرم نہیں۔ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراست و لایت سے میرے ضمیر کی آواز و خیال کو سمجھ لیا اور فرمایا۔ اے جان پندری یہ لڑو تنی اور بنیاد مندی تیرے لیے نہیں ہے بلکہ ہر جلدی سے جو اپنے حالات لطائف مجھے سنا ہے۔ ایسے ہی سننا ہوں۔ یہ تمہارے لیے ہی خاص نہیں ہے۔ جب میں نے آپ سے یہ الفاظ سنے تو میں خاموش ہو گیا۔ آپ نے جب میری یہ خجالت محسوس فرمائی تو مجھ سے فرمایا۔ بیٹا! انسان کو طریقت میں اس سے زیادہ نسبت نہیں کہ جب وہ اس طریق کو اختیار کرتا ہے تو پھر اس کو چہ کے سوا کسی اور سمت اسے جانا منظور نہیں ہوتا۔ اور جب وہ اس منصب سے معزول کر دیا جاتا ہے تو اسے اس کو چہ کے مذکورہ سے فرحت ہوتی ہے۔

تو نفی و اثبات اور فقدان و وجود ہر دو ایک خواہش کے ماتحت ہیں اور انسان کبھی اپنی پندار و ہم و خواہش سے رستگار نہیں ہو سکتا۔ اسے چاہیے کہ بارگاہ ایزدی میں بندگی و عبودیت اختیار کرے اور تمام نسبتوں کو اپنے سے دفع کر کے سوا نسبت مرادگی اور غم و استقلال و فرمانبرداری کے کسی وقت التفات نہ رکھے۔

اس کے بعد منہاج اہل اس پر اسرار منکشف ہوں گے) علاوہ اس کے ان کے اور میرے ماہی بہت سے رائے تھے۔ اگر ان کی تفصیل کی طرف رجوع ہو جائیں تو جو مقصود ہائیف کتاب ہے وہ رہ جائے۔ اس لیے اس مختصر میں اختصار پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت ابو احمد مظفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ

انھیں متاخرین صوفیاء سے رئیس الاولیاء نامع اہل صفا حضرت ابو احمد مظفر بن حمدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرپرستیت پر درود و تائید اسرار منکشف فرمایا اور تاج کرامت و عزان سے انھیں فرازا۔ بحث فناء بقائیں ان کا پیام نہایت عمدہ و مجندہ ہے۔

شیخ الشانح حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہمیں بندگی و عبودیت کے قدیمہ و نوہ طریقے ملی مگر ابو احمد مظفر کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ یعنی ہم مجاہدہ کر کے مرتبہ مشاہدہ تک پہنچے مگر وہ بفضل الہی مشاہدہ سے مجاہدہ کی طرف آئے۔

میں نے خود حضرت ابو احمد مظفر سے سنا کہ فرماتے تھے کہ وہ نعمت جو عرفا و کلا کو قطع پوری عشق اور طے مراحل جہد کے بعد حاصل ہوتی اللہ تعالیٰ نے مجھے مسند پر حکومت کرتے ہوئے عطا فرمائی۔ بلکہ جو لوگ شکریہ میں وہ (اپنے اوپر قیاس کر کے) حضرت خواجہ ابو احمد مظفر کے اس قول کو محض تسلی خبر کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا عیب ہے۔ اس لیے کہ جو اپنے حال کو صد رقت سے بیان کرے۔ وہ محض دعویٰ نہیں ہوتا۔ علی الخصوص جب کہ ان کی رقت مکانی کو ارباب معنی بھی بیان کر رہے ہوں۔

اور آج ان کے فرزند رشید موجود ہیں اور حضرت خواجہ احمد فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ نیشاپور کا ایک مدعی تصوف ان کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا۔ خالی شہر آنگاہ باقی شہر یعنی اول خالی ہو تو پھر باقی ہوگا۔ حضرت خواجہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فنا پر بقا کس طرح صورت حاصل کر سکتی ہے اس لیے کہ فنا کے معنی نیست کے ہیں اور بقا کے معنی هست کے۔ اور ان دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کی نفی ہے۔ اس لیے کہ فنا بقا کی ضد ہے اور بقا فنا کی ضد) تو جب فنا ہوئی تو فنا معلوم کی فنا ہوگی۔ مگر یہ فنا

فنا میں نہیں بلکہ جسے فنا کہا جاتا ہے۔ وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں کہ حقیقتیں فنا ہوں۔ تو درحقیقت فنا نام صفت فنا کا ہے۔ اس لیے کہ سبب کا فنا ہوتا جائز ہے۔

تو صفت و سبب کے فنا ہوجانے سے موصوف اور سبب باقی رہتا ہے۔ اور یہ یاد رکھو کہ ذات پر فنا کبھی ٹوٹت نہیں۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی حضرت علی بن عثمان بڑا ہی رحمۃ اللہ علیہ) کہ مجھے خواجہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بلقظہ یاد نہیں رہی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اس عبارت کا مفہوم بیان کیا ہے۔

اور عبارت کے مفہوم کو میں اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتا ہوں تاکہ عام فہم ہو جائے وہ یہ ہے کہ بندہ کا اختیار بندہ کی صفت ہے اور جب تک بندہ اپنے اختیار میں رہتا ہے۔ مجرب ہوتا ہے۔ تو اگر یا صفت عہد حق تعالیٰ کی طرف بندہ کے لیے مجاہد ہے اور اختیار ذات واجب اللہ تعالیٰ شانہ ازلی وابدی ہے اور اختیار استجدہ حادث جس اور ازلی پر فنا محال ہے۔ تو جب اختیار فقہائی لَمَّا يُؤَيِّدُ حق عہد میں برترتہ بقا قائم ہوتا ہے تو اس وقت اختیار عہد قالی ہو کر تصرف عہدیت کو متعلق کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

ایک دن میں گرمی کی شدت سے شیخ ابوالمظفر کی خدمت میں اپنے کپڑوں کا شدید کھینچنے ہوئے پسینہ میں شرابور سلاسیہ حاضر ہوا۔ مجھ سے فرمایا۔ ابوالحسن کیا حال ہے جو اس قدر گھبرا رہے ہو۔ میں نے عرض کی۔ سزاوار سماع کی خواہش ہے۔ اسی وقت کسی خادم کو حکم ہوا علی الفور قوال حاضر ہو گئے۔ اور ایک جماعت اہل عشرت کی بھی آگئی۔

قوال شروع ہوئی کہ ایک نو عمر لڑکے نے جوش جوانی اور قوت ارادۃ اور آتش عشق حرارت سے آثناء سماع میں مجھے مضطرب کر دیا۔ کچھ اس کے جذبات سے اور کچھ کلمات پر سوز سے میں بیقرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ کیفیت غیبی جواقت حال سے مجھ پر طاری ہوئی تھی۔ کم ہوئی تو مجھ سے دریافت فرمایا۔ اب تیرا کیا حال ہے میں نے عرض کی اب بہت سکون ہے۔ فرمایا۔ ایک وقت تجھ پر وہ آئے گا کہ یہ آواز سماع اور سماع و قوالی کے نقصانات

کے سوا کچھ تو میری طرف سے نہیں رہتا ہے جب تک وہ مشاہدہ سے محروم ہے اور جب

مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو اس طرح بیکار ہو جاتا ہے۔ خیال رکھنا اس سماج کی عادت نہ ڈال لینا کہیں یہ طبیعتِ ثانیہ نہ کر کے مشاہدہ سے محروم نہ کر دے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تیسرا باب

مختلف ممالک کے مشائخ متاخرین

بطریق اختصار ان صوفیائے کرام کے حالات میں جو متاخرین میں سے ان شہروں میں بطور افرودہ ہیں۔ اگر میں اس وقت تمام متاخرین صوفیائے کرام کے حالات مفصل اس کتاب میں بیان کروں تو طوالت کتاب یقینی ہے اور اگر بعض کے حالات چھوڑ دوں جو مقصود کتاب ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ لہذا اب ہم ان کے اسمائے گرامی لکھتے ہیں جو ہمارے زمانہ میں ہیں۔ اودہ حقیقتاً اہل مسانی اور ابابالحن سے ہیں۔ اودہ دہی صوفی نہیں ہیں۔ بلکہ اگر خدا چاہے تو حصول جوام سے قرب حاصل ہو جاتے۔ انشاء اللہ

مشائخ اہل شام و عراق

۱۔ حضرت شیخ زکی ابن الاعلا رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگانِ مشائخ سے ہیں اور ساداتِ زمانہ کے ماننے جاتے ہیں۔ جس نے انہیں شعلہٴ محبت میں مثل شعلہ پایا۔ ان کی کرامات مشہور ہیں۔
۲۔ حضرت شیخ ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ رئیس الصوفیاء ہیں۔ نجف میں متوفی ہیں نہایت سلیس بیان رکھتے ہیں۔ حضرت حسین بن منصور کے ساتھ خاص تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی بعض تصنیفات میں نے پڑھی ہیں۔

۲۔ حضرت ابوالقاسم مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے مجاہدہ والے بزرگ ہیں اور بلند مال۔
چرواہے ہیں۔ بزرگوں کے ساتھ بہت حقیت مند ہیں۔

مشائخ اہل تارس

۱۔ شیخ اشیوخ حضرت ابوالحسن بن سابع رحمۃ اللہ علیہ۔ تصوف میں فصیح اللسان تھے
اور مسائل کومید میں واضح البیان۔ مشہور و معروف عالم ہیں۔
۲۔ شیخ مرشد حضرت ابواسحاق بن شہر یار رحمۃ اللہ علیہ۔ محدثان قوم میں ہیں۔ یاس
شرع کے بہترین عالم ہیں۔

۳۔ شیخ طریقت حضرت ابوالحسن علی بن بکر ان رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگان تصوف سے ہیں۔
۴۔ شیخ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنی سلطنت کے بہترین خلف اور امیدافسز اہمال
کے مالک ہیں۔

۵۔ شیخ ابوطالب رحمۃ اللہ علیہ۔ مرد کے رہنے والے عاشق کلمہ حق گزرے ہیں۔
۶۔ شیخ اشیوخ حضرت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی میں زیارت ذکر رکھا۔

مشائخ قہستان و آذربائیجان و طبرستان و فلک

۱۔ شیخ شفیق فرخ المعروف بہ انخی دہبانی رحمۃ اللہ علیہ نہایت نیک سیرت اور
ستودہ طریقت ہیں۔

۲۔ شیخ اندین رحمۃ اللہ علیہ۔ زندگان قوم سے ہیں۔ آپ کی بہت سی نیکیاں قابل تحسین ہیں۔
۳۔ حضرت بادشاہ تائب رحمۃ اللہ علیہ۔ راہ خدا میں مستقل گزرے ہیں۔
۴۔ شیخ ابو عبد اللہ منید رحمۃ اللہ علیہ۔ پیر کامل اور بہترین رفیق طریقت ہیں۔
۵۔ شیخ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ۔ کشف میں اجلہ کلا سے ہیں۔
۶۔ حضرت خواجہ حسن سنان رحمۃ اللہ علیہ۔ عاشق نذر جمیل حقیقی اور امیدوار رحمت جلی ہیں۔
۷۔ شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ صرفیوں میں بڑے مجاہدہ و دیانت کرنے والے ہیں۔
۸۔ حضرت احمد پیر شیخ قرطانی رحمۃ اللہ علیہ۔ فرزند سید ہیں۔

۹۔ حضرت ادیب گندی رحمۃ اللہ علیہ۔ سادات زمانہ سے ہیں۔

مشائخ اہل کرمان

۱۔ خواجه علی الحسین سیرکانی رحمۃ اللہ علیہ۔ سیاح وقت مصاحب طریقت، توحید میں کامیاب اور سفر باد عرفان میں کامل گزرے ہیں۔

۲۔ خواجه علی الحسین کے صاحبزادہ حکیم اور مقبول حق ہیں۔

۳۔ شیخ محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگان وقت سے ہیں۔

ان کے علاوہ کرمان میں بہت سے مشائخ اولیاء کرام، جوان و ستم حوام سے مکتوم رہی بھی ہیں۔ فرسان میں جو حضرات سایہ گستر ہیں وہ یہ ہیں۔

مشائخ فراسان

۱۔ شیخ محمد حضرت ابوالعباس سرمائی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی زندگی خوب ہے اور بخت نہایت اچھا ہے۔

۲۔ خواجہ ابو جعفر محمد بن علی حواری رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگان قوم اور محققان صوفیاء میں ہیں۔

۳۔ خواجہ ابو جعفر ترشیزی رحمۃ اللہ علیہ۔ معززین قوم میں سے ہیں۔

۴۔ خواجہ محمد زین الشاہدی رحمۃ اللہ علیہ۔ مقتدا زمانہ اور زبان با اثر رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت شیخ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ۔ نیک زندگی گزار رہے ہیں اور صاحب اطمینان ہیں۔

۶۔ خواجہ شید بن شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ۔ اُمید دار لجز رحمت مقتدا قوم و ملت قلوب میں۔

۷۔ خواجہ احمد غادی رخی رحمۃ اللہ علیہ۔ زبردست مبارز وقت اور ایک مدت تک میرے رقی رہے ہیں۔ ان کے مسائل عجیب میں نے دیکھے۔

۸۔ شیخ احمد نثار رحمۃ اللہ علیہ سمرقندی مقیم مرو۔ اپنے زمانہ کے سلطان گزرے ہیں۔

۹۔ شیخ ابوالحسن علی بن اسود رحمۃ اللہ علیہ۔ پنجاب کے بہترین خلف ہیں۔ آپ کی علو

نت و صدق فرست کی تفصیل کروں تو اہل فرسان کے حالات میں یہی کتاب بہت طویل ہو جائے

گی۔ میں نے تین سو مردانِ خدا فرما دیے ہیں۔ ایسے جیسے جو آفتاب و مہتابِ طریقت ہیں۔

مشائخ مآدِ انہر

۱۔ خواجہ امام رحمۃ اللہ علیہ۔ مقبول خواص و عوام سے ہیں۔

۲۔ حضرت ابو جعفر بن محمد حسین عمری مروستغ و گردناؤ عشقِ حقیقی ہیں۔ آپ کی ہمت

عالی اور میل و نہار نہایت مستغنی ہیں۔

۳۔ خواجہ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہمعصر گوروں میں وجاہت رکھتے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو محمد العزیز یا بانغری رحمۃ اللہ علیہ نہایت قوی المعاملہ اور عارفِ کامل ہیں۔

۵۔ حضرت احمد یطانی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخِ وقت و مہم دم زمانہ تھے۔

۶۔ خواجہ عارف رحمۃ اللہ علیہ۔ فریدِ وقت اور جامع العصر گزرے ہیں۔

۷۔ حضرت علی بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔ پیشوا و زمانہ اور مردِ متشتم تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں

جن کی میں نے زیادت کی اور ان کے مناصب دیکھے۔

مشائخ عزیزین

۱۔ شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو الفضل بن اسدی پیرِ بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی

کرامتیں بہت ہیں۔ اور آتشِ عشق میں مثلِ شعلہ تھے۔

۲۔ شیخ اسماعیل شاشی رحمۃ اللہ علیہ پیرِ متشتم تھے۔ اور آپ کا طریقہ ملاقیہ تھا۔

۳۔ شیخ سالار طبری رحمۃ اللہ علیہ علماءِ متصوفہ سے گزرے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو عبد اللہ محمد بن الحکیم المعروف بہ مرید رحمۃ اللہ علیہ۔ ستانِ حضرتِ حق سے گزرے

ہیں۔ اپنے مرتبہ کمال میں لاثانی تھے۔ اور لوگوں سے آپ کا حال مخفی تھا۔ آپ کے دلائل مانعِ انصاف

کا حال بہتر ہی تھا۔

۵۔ شیخ محترم حضرت سعید بن ابی سعید رضی اللہ عنہ۔ حافظِ سیرت تھے۔ کافی عمر الیٰ حق

بہت سے مشائخ کی زیارت فرمائی۔ قوی الحال تھے۔ مگر لوگوں سے اپنا حال مخفی رکھا۔

۶۔ خواجہ بزرگوار حضرت ابو الاملا عبد الرحیم بن محمد سعدی رحمۃ اللہ علیہ۔ ممتاز قوم تھے۔

مجتہدین سے بہت محنت حاصل کی۔ قوی الحال اور عالمِ علوم تھے۔

marfat.com

Marfat.com

۴۔ شیخ ادرقودہ بن محمد مروزی رحمۃ اللہ علیہ اہل طریقت کے ساتھ محبت رکھنے والے اور
 صوفیاء میں آپ کی عزت بے حد تھی۔ امید ہے کہ جمعی عقیقت لوگوں کو ان سے ہے۔
 ان کے بعد بھی کوئی ایسا پیدا ہو جس سے ایسی ہی عقیقت ہو۔ آپ نے بہت سے
 مشائخ کی زیارت کی۔ اس وقت اگرچہ یہاں کے مکاروں نے شہر میں گندگی پھیلا دی ہے
 امید ہے کہ ان سے جلدی شہر پاک ہو جائیگا۔ اور پھر ادیبانے کرام کا قدم گاہ بن جائیگا۔
 اب ہم صوفیائے کرام کے فرقوں کا فرق بیان کرتے ہیں۔ انشاء اللہ عزوجل۔

صوفیاء کے مختلف مکاتب و مذاہب

قبل اس کے میں نے حضرت ابوالمحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں بتایا تھا کہ صوفیاء کرام میں بارہ فرقے ہیں۔ ان میں سے دو فرقے مروج ہیں۔ اور دس مقبول۔ یہ دس فرقے اعمال و طریقہ میں نیک ہیں اور مجاہدہ و ریاضت میں ان کے ادب لطیف ہیں۔ شاہدہ میں قوی الحال ہیں۔ اگرچہ ان کے مجاہدہ و ریاضت کے طریقوں میں اختلاف ہے۔ مگر اصول و فروع شرح میں اور عقیدہ توحید میں سب متفق ہیں۔

حضرت ابو یزید نے فرمایا: اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ لَا فِي تَجْرِيدِ التَّوْحِيدِ۔
علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر تجرید توحید میں سب کا اتفاق ہونا ضروری ہے۔ اور اس مضمون کے موافق ایک حدیث مشہور ہے۔

تربی اختلاف عمل فی المجاہدہ والریاضت تصوف میں ہے اور روایات مشائخ میں تو درحقیقت سب متفق ہیں۔ اور اندازوں کے مجاز مختلف۔

اب میں یہاں برسمیل اختصار مشائخ کے اقوال کے ساتھ ان اختلافات کو تقسیم کروں گا اور ہر ایک کی وضاحت کے لیے ایک بساط پچھاؤں گا تاکہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ اور علماء کی اس سے اصلاح ہو اور مریدوں کیلئے اُس سے فائدہ اور محبتوں کو کامیابی۔ اور اہل عقل کو اس کا اندازہ اور تہیہ ہو۔ اور میرے لیے اس خدمت کا ثواب دلوں جہاں میں ہے بحسب تقویٰ

فرقہ محاسبیہ

فرقہ محاسبیہ کا تعلق ابو عبد اللہ عمارت بن اسد محاسبی سے ہے۔ یہ اتفاق دنیاء کرام مقبول نانہ

marfat.com

Marfat.com

نفس تھے۔ اور علوم اصول و فروع و تقاضی و تصرف میں بڑے ماہر و تہذیب و توحید کی حقیقت جاننے والے اور معاملات ظاہری و باطنی میں نہایت ثابت قدم۔

آپ کا حقیقہ تھا کہ دینی برضا و پناہ یہ کوئی مقام معترف نہیں ہے بلکہ یہ صول کا ایک حال ہے۔ مقام پناہ کو مقام نہ ملنے کا دعویٰ سب سے پہلے آپ فرمایا۔ پھر اہل فرسان نے اسے قبول کیا۔ پھر اہل عراق نے اس کا رد کیا اور کہا کہ مائیتنا ایک مقام ہے جو مقام توکل کا منتهی ہے۔ اور آج کسود و اختلاف عرانی اور فرسانوں میں پلا آ رہا ہے۔ اب انشاء اللہ اس قول کی شرح ہم کرتے ہیں۔

حقیقت رضا

اول ہم رضائی حقیقت بیان کریں اور اس کی اقسام بتائیں تاکہ متنازعہ یہ کوئی لے لینے سے ملنا واضح ہو جائے۔ ہمارے بعد اہل اہل کمال رضائی بائبل۔ اول کتاب و سنت میں تحقیق رضا کے متعلق تصریح موجود ہے۔ بدیہہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ اور فرمایا۔ لَقَدْ رَضِیَ اللہُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَايِعُوْكَ فَحَقَّتْ الشَّجَرَةُ۔ بے شک اللہ راضی ہوا مؤمنین سے جب کہ انھوں نے تجھ سے بیعت کی شجر کو بیچے۔ حضور صید یم الفشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فَاَقْبَلْتُ عَنْهُمْ اِلَیْہِمْ اِنْ مَرَّ رَضِیَ بِاَھْلِهِ وَبَنَی۔ اس نے ذائقہ ایمانی کا لطف حاصل کر لیا جو راضی ہوا اللہ کی ربوبیت پر۔ اور رضاد کی رد نہیں ہیں۔ ایک رضاد حق مجل و علامتہ کے ساتھ اور ایک رضاد بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ تو رضاد حق تعالیٰ جو بندہ سے ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ راضی ہو کر اسے ثواب اور نعمت جنت اور کرامت عنان عطا فرمائے۔ اور رضاد بندہ بحق تعالیٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے فرمان پر قائم ہو کر گروہی اطاعت مجھائے رکھے۔ تو رضاد حق مقدم برضا بندہ ہے۔

حتیٰ کہ جب تک برضا حق بندہ کو توفیق اطاعت و امتثال امر نہ ملے بندہ کبھی اس کے حکم کے آگے نہیں جھکا سکتا۔ اور اس کی مرضی پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اس لیے کہ رضاد بندہ مقرون برضا حق ہے۔ اور رضاد بندہ کا قیام رضاد حق کے ساتھ

نیت حاصل ہونے پر ہے۔ اور بندہ کی رضا اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا دل مستوی و مستقیم نہ ہو جائے۔ قضا اللہی کے دونوں پہلوؤں پر۔ اس لیے کہ قضا اللہی کا ایک پہلو منع نعمت و فرحت ہے۔ دوسرا پہلو عطا و بخشش ہے۔

رضا کے عہد پر بندہ کا قیام تب صحیح ہوتا ہے جب کہ وہ عطا و منع دونوں کا نظارہ مشمول سے اس طرح کرے جس طرح احوال عالم کا نظارہ کیا جاتا ہے یعنی عطا پر غری و شادی اور منع کرنے پر رنج و تعب اس کے دل پر اثر پذیر نہ ہو۔ گویا شانِ بلالی یا شاہی جمالی جو بھی اس کے مشاہدہ میں آئے اس پر اس کی رضا کا شاہدہ ہو۔

یعنی جب کہ اسے منع نعمت یا عطا نعمت کا علم ہو تو احساسِ شادی و غم سے مقدم وہ سابق برضا ہو اور ایسا راضی برضا ہو کہ دونوں کیفیتیں اس کے لیے مساوی ہوں۔ خواہ آتشِ ہیبت و حلالِ حق میں بلایا جائے یا نورِ کفایت و جمال میں منور کیا جائے راضی برضا کے لیے جلتا اور مستنیر ہونا دونوں زبان و دل سے یکساں ہوں۔ اس لیے کہ راضی برضا شاہدِ حق ہوتا ہے۔ اور منجانبِ حق جو کچھ ہوتا ہے سب اچھا ہی ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین شہزادہ گلگوں قبا شہید دشتِ کربلا امام حسین بن علی سید الشہداء رضی اللہ عنہ وکم اللہ وجہہ منہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا جو انھوں نے کہا تھا۔ اَلْفَقْرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْفِتْنَةِ وَالشَّقُّ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْيُسْرِ۔ یعنی درویشی تو انگری سے زیادہ پیاری ہے اور بیماری تندرستی سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت شہزادہ صاحب نے فرمایا۔ رَحِمَہُ اللہُ اَبَا ذَرٍّ اَمَّا اَنَا فَاَقُولُ مَعْنُ اَشَوْفُ عَلٰی حُسْنِ اِخْتِیَارِ اللہِ لَعَرِیْتُمَنِ عَمِیْرٍ مَّا اَخْتَارَ اللہُ لَہٗ۔ اللہ رحم فرمائے ابوذر پر اور ان پر رحمتیں ہوں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ اللہ جلّ علاہ شانِ اس کے حسن اختیار سے پہنچے اس کے سوا میں ہرگز تمنا نہ کروں۔ سوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اختیار فرمایا۔

اس لیے کہ جب بندہ اختیارِ الہی کو دیکھ چکا اور اپنے اختیارات سے اعراض کر چکا تو تمام اندوہ و دلال سے آزاد ہو گیا۔ اور یہ عقیدہ تمام غیبت میں کبھی صحیح نہیں ہوتا۔ اس یقین و اطمینان کے لیے حضور و شہورِ پابے۔ لَا اِنِّیْ اِلَّا رِضًا بِالْاَحْزَانِ نَافِیۃٌ وَّلِلْغَفْلَةِ مُعَاجِزۃٌ

کثافت ہے۔ اس لیے کہ خدا مرد خدا کو اندھ و غم سے آزاد کرتی ہے اور محکب غفلت سے چھڑھوتی ہے اور اندیشہ خیر کو دل سے نازل کرتی ہے۔ اور قید بندہ شقت سے آزاد کرتی ہے۔ اس لیے کہ رضا کی معیت رہنا یہی ہے یعنی بری و آزاد کر دینا۔ لیکن معاملہ رضا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ علم الہی کے ساتھ منع و عطا کر کے اسی کے علم پر قانع اور شاکر ہو جائے اور اس کا عقیدہ اس حال میں یہ ہو کہ تمام حالات کا دائرہ بنیادی ربہ بل مجاہد ہے۔

اس مسئلہ میں صرف اہل کرم کی چار اقسام ہیں۔

ایک گروہ وہ ہے جو راضی بھی ہے عطا محبوب پر اور یہ درجہ معرفت ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے نہاء الہی پر اور یہ درجہ جگہ نیا ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے بلا پر اور یہ درجہ محنت و مجاہدہ ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے اصطفیٰ پر اور یہ درجہ محبت ہے۔

وہ گروہ جو معطلی سے عطا کو دیکھ کر زبان و دل قبول کر رہا ہے۔ اس کے دل سے کلفت

و مشقت قطعی زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ گروہ جو عطا کو یعنی عطا دیکھ رہا ہے اور عطا کنندہ پر نظر رکھتا ہے۔ وہ عطا پسند ہوتا ہے اور تکلف راہ رضا کو عبور کرتا ہے۔

اس رضا میں سب رنج و تعب مستولی ہوتے ہیں اور معرفت اس وقت حقیقت بنتی

ہے جب بندہ معرفت الہی میں مکاشف ہوتا ہے۔ اور جب معرفت اس کے لیے جس و حجاب

ہو تو وہ معرفت ناشناسائی ہوتی ہے۔ اور نعمت نعمت ہو جاتی ہے۔ اور عطا عطا بن

جاتی ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ سے گریزا پر راضی ہوتا ہے۔ وہ ہلاکت و ذلیاں کاری میں ہے اور

بندہ کی یہ رضا سبب بے نصیبی ہے۔ بلکہ یہ رضا ہنرم ہے۔ اس لیے کہ دنیا را نہ لے حق کے

مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ پھر اپنے دل کی دوستی کو اس میں ضائع کرے اور قسم قسم

کے اندر اس کے ضمیر پر گزر کر رہے۔

نعمت اس وقت نعمت ہوتی ہے جب راو منعم کی راہ ہائی کرے۔ اور جب نعمت منعم

سے حجاب بنے تو وہ نعمت بلا محض ہے۔ اور وہ اس رب مجید کی بلا پر راضی ہے۔ وہ وہ گروہ

ہے کہ ہر بلا میں شہلی کو دیکھتا ہے تو ہر قسم کی مشقت و تکلیف شاہدہ جمالی یار کی مسرت میں وہ

برداشت کر لیا ہے۔ بلکہ درج اس مستوت سے جو شاہد جمالی دوست سے حاصل ہوا ہے
رنج نہیں رہتا۔

اور نہ گروہ ہوا صفا حق سے راضی چندہ عہد پناہ میں ہیں۔ یہ حالت رضا میں ہر خط و خنوب
میں بھی راضی رہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ہستی عاریت ہوتی ہے۔ یہ اپنی منازل دل کو سوائے ستر
جنت و عجز اس کے کہیں نہیں دیکھتے اور اپنی سرپرستہ اسرار کو سوائے رضائے الفت محبوب کہیں نہیں
پاتے۔ یہ حاضر ہوتے ہیں اور بظاہر غائب۔ یہ عرش ہوتے ہیں اور بظاہر فرشی۔ روحانی ہوتے ہیں اور
بظاہر جسمانی۔ لوگوں میں ہوتے ہیں مگر حقیقت ربانی تجلیات میں رہتے ہیں۔ تعلقات و حالات میں
ہوتے ہیں مگر ان کا دل منقطع ہوتا ہے مخلوقات سے قطع تعلق کئے ہوئے۔ دوستی کے لیے کزبتہ
اور سرف ماضی۔

وَلَا تَمْلِكُونَ إِلَّا نَفْسُكُمْ وَلَا تَنْفَعُ أَوْلَادُكُمْ وَلَا تَنْفَعُ مَوْتَاكُمْ وَلَا تَنْفَعُ
وَلَا تَنْفَعُ أَوْلَادُكُمْ۔ وہ اپنے نفسوں کے لیے ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہوتے اور نہ موت و حیات
اور نفع کے۔ تو خدا کے سوا غیر پر راضی ہونا خالص زیاں کاری ہے۔ اور اس کی ذلت کے ساتھ
رضا میں خالص رضوان حق ہے۔ اس لیے کہ راضی برضا حق ہونا مملکت دنیا اور ہدایت عاقبت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ كَرِهَ رِضًا مِنْ يَدِ اللَّهِ وَرِضَايِهِ شَغَلَ
قَلْبَهُ وَتَعَبَ نَفْسَهُ۔ جو خدا اور خدا کی رضا پر راضی نہیں۔ اس کا دل مشغول، اسباب
نفس ہے اور اس کا بدن اس کی طلب میں خلیں۔

فصل احادیث میں وارد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ كُنْ عَلَيَّ عَقِيلًا اِذَا
عَمِلْتُ رَضِيْتًا عَنِّيْ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّكَ لَا تُطِيقُ ذَالِكَ يَا مُوسٰى فَخَرَّ مُوسٰى
عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاجِدًا مُّتَضَرِّعًا وَحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ يَا اِبْنَ عِمْرَانَ اِنَّ
رَضَائِيْ فِي رِضَاكَ لَقَضَائِيْ۔ ”الہی مجھے وہ عمل کرنے کی راہنما فرما جسے جب میں کروں تو مجھ
سے راضی ہو جائے۔ جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ تم اس کی طاقت
نہیں دیکھتے۔ تو موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر پڑے اور تضرع و ناری فرمایا۔ پھر جناب
باری عزوجل نے آپ کو وحی فرمائی کہ اے ابن عمران میری رضا و خوشنودی اسی میں ہے کہ تو میری رضا

پر راضی رہے۔ یعنی جب بندہ قضا و قدر الہی کے ساتھ راضی ہو جاتا ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضیل بن یویاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ زہد اعلیٰ درجہ ہے یا رضا۔ حضرت فضیل نے فرمایا۔ الرضا افضل من الزهد لأن الرضا لا يتمنى قوتی مثلاً کہہ۔ رضا کا درجہ زہد سے بلند ہے۔ اس لیے کہ راضی ہونے کی کوئی تنہا نہیں ہوتی اور ناہم میں تنہا ہوتا ہے۔

یعنی منزل زہد پر ایک اللہ منزل ہے جس کی تنہا زاہد کر سکتا ہے اور رضا پر کوئی منزل نہیں جس کی تنہا راضی ہونا کرے۔ تو پیش کا وہ اس سے افضل ہے جو ابھی پائے گا۔ ہے۔ (یعنی حاضر و دبار اس سے افضل ہے جو ابھی حاضر ہونے کی سعی میں ہے۔)

یہ حکایت اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح ہے کہ رضا از جملہ احوال است۔ یعنی رضا منزل نہیں ہے بلکہ ایک حال ہے۔ اور یہ حال وہی ہے جو مواہب اللہیہ سے عطا ہوتا ہے کہ کسی کو مکاسب کے ذریعہ منازل پر پہنچا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ راضی ہونا کو کوئی تنہا نہیں ہوتا۔

حضور صل اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہے کہ حضور اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے۔ اَسْأَلُكَ الرَّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ۔ الہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے راضی رکھ اس حال پر جو تیری قضا کے ذریعے مجھ پر آئے۔ یعنی مجھے ایسی صفت سے متصف کر کہ جب تیری طرف سے وہ قضا وارد ہو جو میرے لیے مقدر تھی تو تو مجھے راضی پاتے۔

اس حدیث سے یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ رضا قبل حدود قضا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ قبل حدود قضا جو رضا ہے وہ محض عزم ہے اور عزم رضا میں رضا نہیں ہے۔

حضرت ابو العباس بن عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ الرضا نظر القلب إلى قديم اختيار الله للعبد۔ بندہ کیلئے رضائے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار قدیم کیساتھ اپنے دل کی نگاہداشت کرے۔ یعنی جو کچھ اُسے پہنچا اس میں یقین رکھے کہ خمار کائنات رب بھید کے اختیار قدیم اور مقدر حکم کے ساتھ پہنچا ہے۔ اس سے نہ مضطرب ہونے غم و شام۔

حضرت بارت محاسبی رضی اللہ عنہ صاحبِ مذہب فرماتے ہیں۔ اَلْوَضَا سَكُونٌ
اَلْقَلْبِ تَحْتَ تَجَارِي اَلْاَحْكَامِ۔ رضا سکونِ قلب کا نام ہے۔ جو احکام کے راستوں کی طرف سے
دل میں ہو۔ اس تعریف کے تحت بھی عبادت محاسبی کا مذہب قوی ہے۔ اس لیے کہ سکونِ طہارت
قلب بندہ کے کسب سے نہیں بلکہ مواہب اللہیہ کے ساتھ ہے۔ جب تک وہ سکونِ بجانب اللہ حاصل
نہ ہو۔ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت محاسبی رحمہ اللہ علیہ دلیل کرتے ہیں کہ رضا مالی بندہ کا نام ہے
نہ مقام کا۔

حضرت عقبہ الغلام ایک ذاتِ نہ سوتے اور صبح تک عرض کرتے رہے۔ اِنِّیْ نَعْبُدُ نَبِیَّ
مَا نَالَكَ عَبْدٌ لِّعَجَبٍ وَاَیُّ نَحْوِیْ فَاَنَالَكَ مَحَبَّتٌ۔ اگر تو مجھے عذاب دے تو بھی میں تیرا بندہ
و محبت و فرماں بردار ہوں۔ اور اگر دم فرمائے تو بھی مطیع فرمان و محبت ہوں۔

اے اگر بخشنے زہے قسمت نہ بخشنے تو شکایت کیا تسلیم غم ہے جو رضا و یاد میں کہنے
یعنی الہم عذاب و لذت نعمت تن پر ہے اور خلق دوستی دل میں۔ تو یہ الہم و لذت اُسے نقصان
نہیں دے سکتا۔ یہ بھی حضرت محاسبی کے دعویٰ کی تائید ہے۔ اس لیے کہ رضا و تہجد محبت ہے کہ
محبت اس کام سے ہر حال میں راضی رہے جو محبوب کرے۔ اگر عذاب میں رکھے تو محبوب محبت نہ
ہو بلکہ فرم رہا اور اگر نعمت میں رکھے تو بھی دوستی سے محبوب نہ ہو۔ لہذا اپنے اعتدال کو اختیار کرنا
حق کے مقابلہ میں علیحدہ کرے۔

حضرت ابو عثمان خیر کی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَلْسَلَةً مَا اَنَا
مَنْی اللہ فی حَالٍ فَکَرِهْتَهُ وَمَا نَقَلْنِیْ اِلَیْ غَیْرِہٖ فَسَخَطْتَهُ یعنی چالیس
سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جس حال میں رکھا میں نے اُسے کراہ نہ بگھا اور جب اس حال سے
ایسی حال کی طرف مجھے منتقل کیا تو میں اس حال میں غصہ نہ ہوا۔ اس مضمون میں دلائل و مذاہل
عبادت کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ ایک درویش دیہاتے و جل میں پھنس گئے اور تیراکی نہیں جانتے
تھے۔ ایک نے کنارے سے کہا۔ اگر آپ چاہیں تو میں کسی کو بلاؤں تاکہ وہ تمہیں دیہاتے نکالے۔ آپ
نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو اس شخص نے کہا۔ تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو میرا رب چاہے۔

وہ ہوگا سمجھ جانے سے کیا کام۔

غرضکہ مسئلہ منا میں مشائخ کرام کے بہت سے کام ہیں جو اختلاف جہارت کے ساتھ اس مفہوم کے موید ہیں۔ اور سب کے فرامین بکری در مفہوم ہیں۔ جو ہم نے بیان کئے مگر ترک تطویل کر کے اس مختصر میں بیان کیا گیا۔ اب ہمیں ضروری ہے کہ حال و مقام کے فرق کی تشریح کریں۔ تاکہ اس کی حدود اور اس کے معنی کا ادراک آسانی سے ہو سکے۔ اور اہل طرح سمجھیں آجائے

مقام و حال

اہل طرح یا در کھو۔ یہ دو لفظ صوفیاء کے طبقہ میں مستعمل و جاری ہیں۔ ادا ان کی جہاتوں میں بولے جاتے ہیں اور محققین صوفیاء ان دو لفظوں کے ساتھ ایک تطویل جہارت کا مفہوم حاصل کرتے ہیں۔ لہذا ان تصوف کے حاصل کرنے والوں کو ان کے کچھ منیر چارہ نہیں۔ اگرچہ یہ باب اس بحث کے بیان کا نہیں۔ لیکن اس جگہ ان دو لفظوں کو کچھ منیر چارہ نہیں۔ سب کو فوق ہمت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے ہے۔

یاد رکھو (مقام) عام طور پر فقہ مہم بندہ کی اقامت کو کہتے ہیں اور مقام بہ نصب مہم طرف میں اقامت کی جگہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ لیکن یہ تفصیل لفظ کے معنی میں جو کی گئی وہ سہو ہے جگہ غلط۔ در حقیقت مقام مہم کے پیش سے اقامت اور جاتے اقامت کے معنی میں مستعمل ہے اور مقام مہم کے زیر سے قیام اور قیام کی جگہ کے معنی دیتا ہے۔ اور بندہ کی اقامت کی جگہ خدا کی راہ میں ہوتی ہے۔ اور اس مقام میں حق الہی کی رعایت رکھنے اور اس کے ادا کرنے کا خیال کرنا لازمی ہے۔ تاکہ جس قدر ہو سکے وہ اس کی کمال لات کا ادراک کرے۔ اور جب تک خدا ہی وہاں سے نہ گزارے اسے رہا نہیں کر اپنے مقام سے گزرے۔

پھر مقاموں کی ابتداء توبہ سے ہے۔ اس کے بعد انابت یعنی حق کی طرف لوٹنا۔ پھر رہز۔ اس کے بعد توکل اور ثقل اس کے اور دعوات بعد میں ملتے ہیں۔ لیکن بندہ کو ہرگز روا نہیں کہ بلا توبہ و دعویٰ انابت کرے۔ اور بلا انابت دعویٰ زہد کرے اور بے زہد دعویٰ توکل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان جبرئیل علیہ السلام سے خبر دی جیسا کہ جبرئیل نے حضور کے سامنے عرض کی وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مُعَاظَمَةٌ مِّمَّا كُفِّرُوا ”ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کے لیے ایک

مقام معلوم نہ ہو۔

بہر حال اس کے معنی ہیں کہ کیفیت کا حق کی طرف سے دل میں پیدا ہونا۔ اُسے بندہ اپنے کسب کے ذریعہ دفع نہیں کر سکتا اور جب وہ کیفیت جاتی ہے تو بندہ اُسے اپنے کسب و تکلیف سے حاصل نہیں کر سکتا۔ تو مقام وہ راستہ ہے جس میں غالب کو شش کرے اور اپنی سعی و جہد کے ساتھ قدم رکھے۔ اور اس کے لیے حضرت حق جل مجدہؑ نے غالب کے لیے کسب کرنے اور مجاہدہ سے تقرب حاصل کرنے کی ایک مقدار کا درجہ لکھا ہے اور حال با تعلق مجاہدہ بندہ کے دل میں فضل الہی اور لطف محض کے ساتھ ایک کیفیت کا پیدا ہونا ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ مقام احوال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور حال تمام کا تمام اخلاقی حق سے دلی طلب میں آتا ہے۔ تو مقام۔ صاحب جہد سے ہوا۔ اور حال۔ صاحب حق سے۔ تو صاحب مقام اپنے مجاہدہ و ریاضت کے ساتھ قائم ہوگا۔ اور صاحب حال از خود قافی ہو کر اس حال کے ساتھ قائم ہوگا۔ جو حق تعالیٰ شانہ اس کے دل میں پیدا فرمائے۔ بشانِ کرم ہم ہمہ اس جگہ مختلف ہیں۔ ایک جماعت قردہ ہے جو حال کو دربار دار کہتی ہے۔ ایک جماعت وہ ہے جو حال کو دربار دار مانتی ہے۔

فرقہ محاسبیہ

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سی گروہ کے امام ہیں۔ جو حال کو دربار دار کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ محبت و شوق بغض و بغیر تمام احوال میں۔ اگر ان کا دوام روا نہ ہو تو نہ محب و محب ہوگا۔ نہ مشتاق و مشتاق نہ ہوگا۔ حال بندہ کی صفت نہ ہو جائے تو اسم محب و مشتاق اس پر صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے آپ نے رضا کو حال فرمایا اور حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے۔ مَحْبُذُ أَشْرَافِیْنَ مَسْنُوعِ مَا أَقَامَنِ اللّٰهُ عَلٰی حَالٍ فَكُوْهُتْہُ رِیَاسِی طَرَفٌ مُّشَدِّدٌ دُکُوْدٌ ہِیْ۔

اور دوسرا گروہ جو حال کی بقا و دوام رد نہیں مانتا۔ جیسا کہ حضرت بنید بندہ لوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اَلْاَعْمَالُ كَمَا اَنْبَرُوْكَ فَاِنْ بَقِیَتْ فَحَدِیْتُ الْقَفْنِیْنَ۔ احوال شل بھلیوں کے ہے جو نظر آتا ہے اور ٹھہر کر نہیں اور جو باقی رہتا ہے۔ وہ حال نہیں ہے۔ بلکہ وہ مریض نفس ہے

جو محض ہوس طبع ہے۔

ہدیکہ گروہ کتاب ہے۔ حال میں معنی ہے۔ اَلْاَحْوَالُ کَا سَمِیْہَا یَعْنِیْ اَلْمَاکَمَا تَحِلُّ بِاَقْلِبِ
عَزْوَل۔ حال مثل ایک نام کہ ہے یعنی حال طول کر کے ایک وقت دل میں ملتا ہے اور دوسرے
وقت حال ذائل ہو جاتا ہے اور جو باقی رہتا ہے وہ صفت ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قیام
صفت موصوف پر ہے اور یہ امر بھی لازم ہے کہ موصوف کامل تر اور صفت ہو اور یہ سب محال
ہے۔ محال ہے۔

یہ تمام فرق ہم اس لیے بیان کر رہے ہیں تاکہ موفیاء کی جہانات اس کتاب میں جہاں نقل
ہوں وہاں حال و مقام کا لفظ جب نظر آئے تو یہ آسانی سمجھ میں آ سکے۔ کہ یہاں حال و مقام سے کیا
مراد ہے۔ لی الجملاب مانع طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ صفات و مقامات کا نام ہے اور حال ابہد مقام
کو کہتے ہیں۔ اور یہ وہ عمل ہے کہ اس کی ایک طرف کسب و سعی میں ہے اور ایک طرف محبت حق اور
جوش میں ہے۔ اس کے اوپر پھر کوئی مقام نہیں۔ اور انقطاع کا ہوا ہی جگہ ہو جاتا ہے تو ابتدا کسب
سے ہے اور انتہا بخشش سے ہے۔ اب ایک احتمال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس نے ابتداء میں اپنی رضا
کو اپنے سے دیکھا اس نے کہا مقام ہے اور جس نے انتہاء رضا کو اپنے دلب سے دیکھا تو کہا حال ہے۔
یہی غریب محاسبی کا حکم اصول تصوف میں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مگر اعمال میں کسی نے اشکون نہیں کیا۔ سو اس کے کہ مریدوں کو ان عبارات و معاملات
سے منع کیا گیا۔ جن میں بہاؤ خطا و شبہ ہو۔ ہر چند کہ وہ دراصل درست ہی کیوں نہ ہوں۔

چنانچہ ایک روز حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو مرید محاسبی رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت
محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ ستمین میں سے تھے دستمیع اصطلاح موفیاء
میں صاحب وجد و حال کو کہتے ہیں) حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سیمرغ پالا ہوا
تھا۔ جو اکثر بانگ کہا کرتا تھا۔ اتفاقاً حضرت ابو حمزہ کی ماضری کے موقع پر اس نے بانگ دی۔
حضرت ابو حمزہ نے ایک نعرہ مارا۔ حضرت حارث پھری لے کر آئے اور حضرت ابو حمزہ سے فرمایا۔
تکفرت تو نے کفر کیا۔ اور حضرت حمزہ کے ذبح کرنے کا عزم فرمایا۔ حاضرین جلسہ میں جو خدام خاص

لہ بگفت ازل مابرق چہانت دے پیدا و دیگرم نہانت دسوی

تھے وہ مائل ہوتے اور آپ کے قدموں میں گر گئے اور مزد و معذرت کر کے حضرت عمارت عباسی کو ان سے علیحدہ کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت عمارت نے حضرت ابو حمزہ کو فرمایا: اَسْلِمْنَا مَوْفُودًا۔ اسے مزد و اسلام قبول کر۔ لوگوں نے عرض کی حضور ہم تمام لوگ انہیں خواہ اس اویلا سے جانتے ہیں اور خالص ہو جہت گھنے ہیں۔ حضور نے انہیں مزد فرمادیا۔ تو ایسی کیا بات ان سے ظاہر ہوئی۔ آپ نے فرمایا مجھے ایسی کوئی شبہ نہیں اور میں اس کے ظاہر باطن کو مستشرق کو حید جانتا ہوں لیکن اس نے ایک ایسی حرکت کی ہے جو حلو یوں کے افعال کے شاہد تھی۔ یعنی سرخ حلو ہے اور اس کی عادت میں بانگ دینا ہے۔ اپنی مرضی و خواہش سے بانگ دیتا ہے۔ انہوں نے اس کی آواز پر کیوں نعرہ مارا۔ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو تجزی سمجھا مال نکلاس کی تجزی ملال ہے اور جو عورت ہے اُسے سوائے محبوب کی آواز کے اور اس کی اطاعت کے کون دہم نہیں ملتا۔ اس نے اُس جلوس کا حلو اس سرخ میں سمجھ کر نعرہ مارا یا آنکلاس کی ذات کو حلو و حلو نہیں وہ اپنی صفات میں قدیم ہے۔ حضرت ابو حمزہ نے شیخ کی طرف دیکھا اور عرض کی۔ حضور ہر چند کہ میں دراصل صحیح تھا۔ لیکن چونکہ میرا فضل شاہد کسی قوم کے ہو گیا۔ میں تو بہ کراہوں اور آئندہ کے لیے ہمد کراہوں۔ اس قسم کی بہت سی باتیں آپ کی ہوتی ہیں۔ مگر میں مختصر کرتا ہوں۔ غرض یہ کہ سیرت حضرت عمارت عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ستورہ ہے۔ اور اس میں سلامتی ہے اور کمال صحت پر دل ہے۔

حضور سید یرم النور صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَن كَانَ مِنْكُمْ يَوْمَ يَوْمٍ يَأْتِيهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرَةِ فَلَا يَحْقِقُ مَوَاعِدَ التَّمَنُّهِ۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور قیام
قیامت کرنے اُسے تممت کے تمام پر پھڑنا نہیں چاہیے۔
اور میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلای رحمۃ اللہ علیہ) چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا
جی معاملہ عطا فرمائے جو آج کل کے رسمی کارپیروں کے شاہد نہ ہو۔ حالانکہ یہ اتنے سخت ہیں کہ
اگر ان کی مصیبت شکاری کی موافقت نہ کی جائے تو یہ سخت مخالف ہو جائے ہیں اور دشمن
جانتے ہیں۔ فنو ذی اللہ من الجبل و اللہ التوفیق۔

فرقہ قصاریہ

marfat.com

Marfat.com

اقتصادی انداز کے ساتھ ہے۔ آپ بڑے ہایکے بزرگ علماء اور سادات طریقہ ملے گئے ہیں۔ آپ کا طریقہ انکار و شرطت تھا۔ فنون و معاملات میں آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ما یرتا علم حق تعالیٰ نیک تر ازاں باشد کہ علم خلق۔ یعنی لازم ہے کہ تنہائی میں اپنے رب کیساتھ نیک سلوک اس سے زبان رکھا جائے جتنا ملایہ لوگوں کے سامنے رکھا جائے کہ وہ جوابِ علم ہے حق تعالیٰ سے اور مشغول ہے دل کے ساتھ مخلوق میں۔ اور بابِ معاملات میں ہم نے اس بحث کو اہل اس کتاب میں لکھ دیا ہے اسی وجہ سے یہاں اس بحث کو مختصر کر دیا ہے۔

ان کے عجیب و غریب واقعات میں سے ایک یہ حکایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نیشاپور کے لیے شہر حیرہ پر جا رہا تھا کہ فوج نامی ایک بزرگ جو قوت و زہد میں مشہور تھے اور تمام نیشاپور کے عباد و لڑاؤں کے تابع فرمان تھے میں نے انہیں راستہ میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ فوج جو ان کی کیا چیز ہے۔ کھنے لگے میری جو ان کی جہاڑیں یا آپ کی۔ میں نے کہا۔ دونوں فرمائیں۔ فوج نے فرمایا میری جو ان کی تیرہ ہے کہ میں تباہ کر کے ہر دہش بنوں اور احکام و اعمال میں سعی کر رہا ہوں۔ جی کہ صوفی بن جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی شرم سے اس فرقہ کے اندر ہر قسم کی معصیت سے اجتناب کروں۔ اور آپ کی جو ان کی یہ ہے کہ مرقعہ آمار کرتی علیحدگی اختیار کر دو کہ لوگ آپ سے اور آپ لوگوں سے فتنہ میں نہ پڑیں۔ تو گویا میری جو ان کی ظاہر احکام شریعت کا اتباع ہے اور آپ کی جو ان کی امر اور میں پر حقائق کا نگاہ میں رکھنا ہے۔ اور یہ بڑی قوی دلیل حاصل ہے۔

فرقہ طیفوریہ

یہ فرقہ ابریزہ طیفوریہ میں سے ہے جو شامی بنی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق و تعلق رکھتا ہے۔ یہ رؤساء متعزذہ سے تھے اور قوم کے اندر کبرائے قوم سے مانے جاتے تھے۔ ان کا مسلک غلبہ سکرو فرط شوقِ لائے ہے۔ اور ان کا یہ مسلک ہے کہ سکرو محبت کب انسان کی جنس سے نہیں ہوتا اور جو چیز و اثر و کتاب سے خارج ہو اس پر دعویٰ کرنا باطل ہے اور اس کی تعلیم محال۔ تو لامحالہ صامی صفت سکرنہیں ہو سکتی اور انسان غلبہ سکری اپنے اندر کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ و کیف صمدی اصطلاح متوفی میں ہر شداری کو کہتے ہیں اور صامی ہوش میں رہنے والا ہے۔ اور اس کا سکرو خود منسوب ہوتا ہے۔ جسے مخلوق کے ساتھ انتفاع نہیں ہوتا کہ نہ کسی صفت کے ساتھ اوصاف انسانی میں ظاہر۔

کے اور شاخ تصوف کی رائے اس طرف ہے کہ اقتداء صرف اسی شخص ستقیم کی درست ہے جو گوشِ احوال سے آزاد ہو چکا ہے۔ اور ایک گروہ شاخ کا اس طرف ہے کہ اقتداء صاحبِ ابد صاحبِ سرِ دونوں کی روا ہے۔ تاکہ فنان مختلف قلباً و سرّاً رہ سکیں۔

اسی وجہ سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَكُوا فَإِنَّ لَكُمْ تَبَكُّوْا قَتَبًا كَوْنًا۔ تم دیا کرو اور اگر نہ دو سکو تو رو نہ لو۔ ان کی مانند رو نہ سکی صورت بناؤ اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو گروہِ باکی کی صورت بنا کر دکھانا جو بعض ریا ہے۔ اور مویا کے یہاں شرکِ مرتجع ہے اور دوسرے اس لہارہ پر رقی شکل بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اس وجہ پر پہنچا دے جس وجہ وہ ان کی صورت بنا رہا ہے۔ اگر خیال ہے تو حدیثِ سورۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت ہو جاتے گی۔ اور حضور نے دوسری جگہ فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو جس قوم کے ساتھ شابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ تو یہ کچھ ذرا عجاہات سے ہم فرمایا کہ یہ ان پر عمل کرنا چاہیے اور نگاہِ واجب للراۃ سے امید رکھے تاکہ بعد دنیا میں سے اس کیلئے قریب سالی کشادہ ہوں۔ ایک شاخِ کرام میں سے فرماتے ہیں: الْمَشَاهِدَةُ أَقْوَامًا مِّنَ الْمُتَجَاهِدِينَ۔ یعنی شاہداتِ مجاہدات کا اللہ اور پیغمبر ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ مجاہدات ہر حال میں پہنچیں لیکن سکر اور غلبہ میں کسبِ انسانی کا کوئی پیدا دل نہیں کر اس بعد و بعد کے ذمہ کیفیتِ سکر و غلبہ کا جلب ہو سکے۔

اور مجاہدات کبھی علتِ حصولِ سکر نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ مجاہدہ بکالتِ موصیٰ ہوش میں انسان کر سکتا ہے۔ اور صاحبِ سکر کو سکر کی طرف التفات نہیں ہو سکتا۔ (اسی وجہ میں صاحبِ سکر میں بذریعہ مجاہدہ آنا محال ہے) اب ہم حقیقتِ سکر و صحو کو باختلافِ بیان شاخ متنازع ہیں تاکہ اشکال سامع رفع ہو۔ انشاء اللہ۔

سکر اور صحو

یاد رکھو! اللہ تمہیں نیکی دے سکر و غلبہ دو نقطہ رابِ عالمی میں استعمال ہوتے ہیں۔ غلبہ سے مراد غلبہِ محبتِ جل شانہ ہے۔ اور صحو ایک ایسا لفظ ہے کہ حصولِ ہر اولیٰ سکر کے معنی میں استعمال ہے مگر اہلِ عالمی کے اس میں سبب سے کام نہیں۔ ایک جماعت تو صحو پر سکر کے معنی میں استعمال ہے۔

فخیریت دیتی ہے۔ اور وہ ہرگز نہیں ادا ان کی حاجت۔ دیکھتے ہیں کہ جو ٹیکس و اخراجات پر صحت
 حکومت کی صورت پر دیتا ہے۔ اور یہ جواب حکم ہے حق تعالیٰ شانہ سے اور سکرذوال آفات اور
 نقصی صفات بشریت اور مایوسی و نا اختیار ذاتی کو دور کر دیتا ہے۔ اور صاحب سکر کے تمام تصرفات
 اختیار حق کے ساتھ فنا ہر جاتے ہیں اور تمام تدابیر و اختیارات کی قرین زائل ہر جاتی ہیں اور وہ معانی
 جو اس کے وجود میں بصورت قرنی اور خلافت میں ہیں۔ وہ اقویٰ ابلغ اتم و اکمل اس کے حال میں
 ہوتے ہیں۔

جیسا کہ داؤد علیہ السلام جب بکالت موصوفے۔ اس کے تمام افعال ان کی طرف سے وجود میں
 آتے تھے۔ اور اس وقت تک اس کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ہی مضاف فرمایا جیسا کہ لفظ
 "وَقَتْلَ دَاوُدَ جَاوُونَ" اور قتل کیا داؤد علیہ السلام نے جانوت کو اور ہمارے آقا و مرثی
 صاحب صریح عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت سکر میں تھے تو آپ کا ہر وہ فعل جو آپ کی طرف سے ظہور میں آیا۔
 اللہ تعالیٰ نے اس کی اصناف اپنی طرف فرمائی اور کہا۔ کَمَا نَمِيتُ اِذَا نَمِيتُ وَلَیْکَ اللّٰہُ
 "اور وہ لکھتا ہے تم نے اسے محبوب نہیں بھیجیں۔ جب تم نے بھیجیں وہ اللہ تعالیٰ نے بھیجی
 تھیں یہ قَسَمَاتُ مَا بَیْنَ حَبِیْبٍ وَ حَبِیْبٍ۔ ترجمہ اپنی ذات کے ساتھ قائم تھا اور
 اپنی صفات میں ثابت۔ اسے فرمایا تو نے کیا منصب کرامت کے ساتھ اور جو بندہ معظم اپنے رب
 کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ قائم تھا۔ اسے فرمایا۔ ہم نے کیا۔ جو کچھ تو نے کیا۔ تو انصاف
 فعل بندہ ذات جمع الصفات کی طرف بہترین ہے۔ اس انصاف سے جو بندہ اپنی طرف قائم رکھے
 ترجمہ فعل حق مضاف جو بندہ کی طرف تر بندہ بخود قائم ہوتا ہے۔ اور جب بندہ کا فعل حق
 طرف مضاف ہو تر بندہ بحق قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی نظر مبارک
 ان پڑی۔ جہاں پڑی نہ چاہیے تھی۔ یعنی ایک عورت پر جو امدیہ کی عورت تھی۔ جسے دیکھا وہ ان
 لہجہ تھی۔ اور جب بندہ بحق قائم ہو گیا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ نظر تو آپ کی بھی پڑی اس طرح
 یہ کی بیوی پر۔ مگر وہ بیوی زیدہ حرام ہو گئی۔ اس لیے کہ وہ نظر جو داؤد علیہ السلام کی تھی۔ وہ
 محو میں تھی اور یہ نظر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یہ عمل سکر میں تھی۔

پھر جو لوگ محو کو سکر پر فخریت دیتے ہیں وہ حضرت بنیہ رضی اللہ عنہ ادا ان کے تبصیر میں

وہ کہتے ہیں کہ سکر عملِ آفت ہے کیونکہ وہ احوالِ تشویش اور ذبابِ صحبت خود ہے اور اپنے سرشتِ کاکم کر دینا ہے اور طائب کے ہر چلو میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ ظاہر یا برائے بقا رہے۔ جو ہوا برا اثبات قائم ہو۔ جب وہ صحیح الحال ہے۔ نہیں رہا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس لیے کہ دل اہل حق مجبور ہونا چاہیے۔ تمام موجودات سے۔ اور مٹائی کی بنیاد قیدِ اشیاء میں کبھی راحت نہیں پاتی اور آقا سے رستگاری نہیں ملتی اور مخلوق کا ماسوائے اللہ میں پھنسا رہنا اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ وہ اشیاء کو جیسی کہ وہ نہیں دیکھ سکتے۔ اسی اشیاء کا ملاحظہ جیسی کہ وہ ہیں۔ وہ طرح پر ہوتا ہے۔ یکسہ کہ دیکھنے والا ہر شے کو چشم بقا دیکھے۔ دوسرے یہ کہ اس شے کو چشمِ دل دیکھے مگر وہ چشم بقا دیکھے گا تو کل اشیاء اپنی بقا میں۔ حق نظر آئیں گی۔ کیونکہ اشیاء باقی رہنے کے حال میں اپنے سے باقی نہیں پاتا۔ اور اگر چشم بقا دیکھے گا تو کل اشیاء پہلے سے بقا واجب تھا تو باقی میں نانی نظر آئیں گی۔ تو یہ دونوں نظریں موجودات کے دیکھنے والے کو احاطہ میں پروردگار دیتا ہیں۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ رما فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اَمِرْنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ۔ اے اللہ ہمیں اشیاء کو اس حال میں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔ اس لیے کہ جس نے حقیقتِ اشیاء کا ہی کو دیکھ لیا۔ وہ آسودہ ہو گیا اور ہی معنی فرمانِ الہی بل مجبہ کے ہیں جو فرمایا۔ کَاغِبِيْ ذٰلِكَ بِمَا اَوْذٰى الْاَنْفُسَ اَمْرًا تَرْجِعُتْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكَ۔ اس لیے کہ جب تک حقیقتِ شے نہیں دیکھی جاتے۔ جبرت نہیں مل جاتی۔

تو یہ تمام کیفیت صوم میں آگے بغیرِ دست نہیں ہوتی۔ اور اہل سکر کو اس معنی میں کچھ آگاہ نہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام بحالتِ سکر تھے تو ایک شعلے کے ظہور کی تاب نہ لاسکے۔ اور ہوش سے بیہوش ہو گئے۔ وَخَذَ مُوسٰى صَعِيْقًا۔ اس امر کا مظہر ہے۔

اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بحال صحت تھے۔ تو مکہ سے تاب تو سین تک میں چلے گئے۔ اور ہر لمحہ ہوشیار و بیدار تر رہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۔ موسیٰ زہرِ ش رفت یک بلو صفا
۲۔ ترمین ذات می مگری در تبستی
۳۔ شریفِ الزّاح کاسا بعد کاس
۴۔ فَمَا نَعْدُ الشَّرَابَ وَمَا نُرِيْثُ

ترجمہ۔ میں نے پے پے شراب کے جام پیئے۔ تو شراب نے مجھ میں نفوذ کیا اور نہ میں یہ سہل

marfat.com

Marfat.com

اور میرے شیخ فرماتے ہیں جو مذہب جیفی کے متبع تھے کہ سکرانہ لگنا، کو دکان ہے اور
 صوفی گاہ موالی۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی حضرت علی بن عثمان بلالی رضی اللہ عنہ) کہ اپنے شیخ
 کی موافقت پر کمال صاحب سکر ہوئے اور کتروں و درجہ صوفیہ ہے کہ صاحب صوفیات بشوہ
 کے دیکھنے سے قند ہوا ہے۔ تو وہ صوفی جو آت و کھانا ہے اس سکر سے بہتر ہے جو عین آفات ہے۔

اور حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے کہ آپ نے ابتداء حال میں
 جس سال عورت نشینی فرمائی اور ایسے جنگلوں میں رہے۔ جہاں انسان کا جس بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ بوجہ
 مشقت و مجاہدہ آپ کا ہم کھل گیا۔ اور چٹھہ سائے مبارک سولی کے ناکہ کی رنگین اور شہید انسانی
 بدل گئی۔ جس سال کے بعد حکم آیا کہ اب انسانوں میں صحبت کرو۔

آپ نے اپنے دل میں کہا کہ ابتداء صحبت اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اس کے محبتوں سے کرنی
 چاہیے تاکہ رکت حاصل ہو۔ آپ نے کلمہ مغل کا قصد کر لیا۔ شام کو اپنے کشف سے آپ کی تشریف
 آوری کا حال معلوم ہو گیا۔ استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے۔ آپ کو بالکل مہل پایا۔

یہ سوائے اس کے کہ رزق جان نظر آتی تھی اور کچھ نہیں۔ سب نے کہا۔ ابو عثمان آپ جس سال اس
 حالت میں جئے ہیں کہ آدم اور اس کی ذریت اس زندگی سے عاجز ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ تم کیوں گئے
 ۔ بعد ازاں کیا دیکھا اور اس موت میں کیا حاصل کیا اور اب کس لیے واپس آئے۔

آپ نے جواب دیا کہ میں سکر میں گیا تھا اور آفات سکر دیکھ کر نا اُمید بھلا اور عاجز آکر واپس
 آیا۔ شام کرام کے کہا کہ ابو عثمان آپ کے بعد اب سب معبروں پر حرام ہے کہ وہ صوفی سکر کی عبارت
 لے آئیں۔ اس لیے کہ آپ نے اس کا انصاف پورا کر دیا اور آفات سکر کو واضح طور پر دکھایا۔ تو خلاصہ یہ
 ہے کہ سکر تمام کا تمام مقصدی فنا ہے۔ عین بقا و ضعف ہیں اور یہ حجاب ہے۔ اور صوفی تمام کا تمام فنا و ضعف
 ہے۔ دیدار بقا ہے اور عین کشف ہے۔ اور اگر کسی کو خیال ہو کہ سکر بہ نسبت صوفی نزدیک تر ہے۔ تو
 یہ محال ہے۔

اس لیے کہ سکر ایک ایسی صفت ہے جو صوفی پر زیادہ ہے۔ اور جب تک بندہ کی صفیں زیادتی
 طرف رجوع ہوتی ہیں۔ اس وقت تک وہ بے خبر رہتا ہے اور جب نقص کی طرف ہوجاتی ہے تو اس
 وقت اس کی حالت اُمید افزا ہوتی ہے۔ اور صوفی سکر میں یہ حال کی انتہا و غایت ہے۔

حضرت ابو زید رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے۔ جب کہ مغلوب الحال ہو کر کھڑی بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کو خط لکھا اس شخص کے ماہرین کیا حکم ہے جس نے ایک قطرہ بھر محبت سے نہ لیا اللہ سے ہو گیا۔ حضرت ابو زید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا کہ اس شخص کے معاملہ میں آپ کیا فرماتے ہیں جس کیلئے تمام دریاؤں علم شرابِ محبت بن گیا اور اس نے تمام کام اپنی یا اللہ تعالیٰ کی شگلی میں تڑپ رہا ہے۔ اس پر لوگوں کا خیال ہے کہ کھڑی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے سکر سے عبارت کی اور حضرت ابو زید رحمۃ اللہ علیہ نے صحت سے۔ اور اس میں خلاف یہ ہے کہ صاحبِ مودہ ہوتا ہے کہ اسے ایک قطرہ کی تاب نہیں ہوتی۔ اور صاحبِ سکروہ ہوتا ہے کہ سستی میں وہ سب کچھ کر لے سکتا ہے۔ اور پھر پیاسا رہتا ہے۔ اس لیے کہ شرابِ آلودہ سکر ہے اور جس لڑکی ہم جنس کے لیے بستر ہوتی ہے۔ اور صومال کی ضد ہے کہ وہ پینے سے آرام ہی نہیں پاتا۔

لیکن سکر و قسم کا ہے۔ ایک سکر شرابِ مودت، دوسرا سکر کا اس محبت، سکر محبت بلا علت ہوتا ہے اور محض ریتِ منعم سے پیدا ہوتا ہے جس نے محبت دیکھی تو گویا اپنے کو بخور دیکھا، اگرچہ وہ سکر میں ہو۔ تو اس اصول سے صومالی دو قسم پر ہے۔ ایک صومالی غفلت، دوسرا صومالی برہمت و اقامت تو وہ صومالی میں غفلت ہو وہ جنابِ عظیم ہے۔ اور صومالی میں محبت کی طرف راہ ملے۔ وہ کشفِ مبہین ہے۔

تو وہ شخص جو مقول غفلت ہے اگرچہ صومالی ہو سکر ہے۔ اور وہ جو محبت کسب نہجائے اگرچہ سکر ہو صومالی ہے۔ نیز کہ جب اصل مستحکم ہو تو صومالی سکر ہو جاتا ہے، اور سکر شل صومالی۔ اور جب اصل مستحکم نہ ہو۔ صومالی سکر و دلوں سے فائدہ ہیں۔

فی الجملہ صومالی و سکر و دلوں کے قدم کھنکے کی جگہ میں اختلافِ ملت معلوم ہوتے ہیں اور جب سلطانِ حقیقت پنا جمال بے حجاب فرما رہا ہے تو صومالی و سکر و دلوں طفیل رہ جاتے ہیں اس لیے کہ صومالی و سکر و دلوں رخ معنی میں ایک دوسرے کے موصول ہیں۔ اور ہر ایک کی نہایت دوسرے کے ہدایت ہے۔ اور ہدایت و نہایت بھی سولے اختلافِ نظر کے اور کچھ نہیں ہے۔

اور جس کی نسبت تفرق کے ساتھ ہو۔ وہ مکمل تساوی کا رکھتا ہے۔ اور ان کا جمع کرنا تفریقوں کا جمع کرنا ہے۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے خوب ادا کیا ہے۔

لَا إِذَا طَلَعَتِ الْغُصْبَانُ بِتَجْوِيزٍ رَاحَ تَسْلُوْنِي فَيَسِيْهِ مَسْكُوْنٌ وَهِيَ رَاحَ
 یعنی جب صبح دل کے خوش کرنے والے ستاروں سے طلوع ہو تو اس میں بیہوش اور ہوش
 والے برابر ہوتے ہیں۔ مقام شرس میں رہا کرتے تھے۔ ایک قمان دوسرے ابو الفضل حسن رضی اللہ عنہما
 ایک دن حضرت قمان حضرت ابو الفضل کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ میں کافڑوں کا
 ایک جھریلے ہوئے ہیں۔ قمان نے پوچھا۔ حضرت ان جڑوں میں کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضرت
 ابو الفضل نے جواب دیا۔ وہی جو تم ترک اوراق میں ڈھونڈ رہے ہو۔ عرض کی پھر یہ اختلاف کیوں؟
 (یعنی میں ترک اوراق میں جو ڈھونڈ رہا ہوں۔ آپ اسے اوراق میں ڈھونڈ رہے ہیں۔) فرمایا قمان
 تم غلط دیکھتے ہو۔ جب ہی مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ قمان مستی سے ہوشیار ہوا ڈھونڈ اوروں
 سے بیدار ہو۔ تاکہ غلط کا جھگڑا ہی اُٹھ جائے۔ خبر بھی ہے میں اور تم کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔
 قرطبی نے ان بنیویں میں صرف یہ اختلاف ہے جو ہم بیان کر چکے۔ ادا اعمال میں ان کا مذہب
 بالکل ترک صحبت اور گزشتہ نشینی اختیار کرتا ہے اور سب سہریہ میں یہی حکم جاری کیا ہے اور
 یہ طریق محمودیت اور ستودہ صفت ہے۔ اگر خدا تو فریق دے۔

فرقہ بنیویہ

اس فرقہ کا تعلق حضرت ابو القاسم بنیوی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ وہ مجتہد ہیں کہ
 انہیں ان کے ہم پٹ اور محدثوں سے ملنا دیکھتے ہیں۔ انی جماعت کے سرور اور امام الائمہ تھے۔ آپ کا
 مسلک صحیح تھا۔ اور یہ طیفوری مسلک کے خلاف ہے۔ اور اس اختلاف کے دلائل ہم بیان کر چکے ہیں۔
 اگرچہ اس کے علاوہ بہت سے اختلافات ہیں۔ مگر ہم نے خوب لطائف اختصار کیا ہے۔ یونہی کرام
 میں معروف ترین مسلک بنیوی ہے۔ اور ہمارے تمام شاخ کرام بنیوی مسلک ہی گزرے ہیں۔
 اگر کوئی اس سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہے تو دوسری کتابوں میں دیکھے تاکہ اس سے بہتر
 معلومات حاصل ہو سکیں۔ مگر میرا طریقہ اس کتاب میں اختصار ہے۔ اسی وجہ سے طوالت کو ترک کیا گیا
 حکایتوں میں ملتا ہے کہ جب حضرت حسین بن منصور حلاج اپنے غلبہ حال میں عمرو بن عثمان
 سے بیزار ہو کر حضرت بنیوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا۔ کس لیے آئے ہو

عمر بن کی فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے آپؐ نے فرمایا۔ ہمارے یہاں بھائیوں کے لیے صحبت نہیں ہے۔ صحبت کے لیے صحبت پائیں۔ اگر تم آفتوں میں رہ کر ہماری صحبت میں رہو گے تو سہل بن عبد اللہ تشریف کی سی صحبت ہوگی جو انہوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھ کر حاصل کی تھی۔ حسین بن منصور بڑے ایما الشیخ الصّحْوُ وَالشُّكْرُ مِصْنَتَانِ لِلْعَبْدِ وَمَا ذَاكَ الْعَبْدُ مَحْجُوبًا لَعَنَ رَبِّهٖ حَتّٰی قَتَلَ اَوْ صَافِهٖ۔ حضورؐ محمود مکر بندہ کی دو صفیں ہیں۔ جب تک بندہ میں یہ صفیں باقی ہیں۔ وہ اپنے آپ سے محروم ہے اور جب اوصافِ عبد فنا ہو گئے (تو شاہد و جمال حاصل ہو گیا)۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یَا بْنَ مَنْصُورٍ اَخْطَاَتَ فِی الصَّحْوِ وَالشُّكْرِ۔ اسے ابن منصور تم غلطی پر ہو۔ محو اور شکر میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ محو سے مراد صحبتِ حال ہے اپنے رب کے ساتھ اور شکر سے مراد فرط شوق اور غایتِ محبت ہے اپنے رب کے ساتھ۔ اور یہ دونوں کیفیتیں صفت کے ماتحت اور کتابِ خلق کے ساتھ صحیح نہیں ہوتیں۔ اور ابن منصور ہمیں تمہارے کلام میں فضول زیادہ نظر آتا ہے۔ اور تمہاری عبارات بے معنی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فرقہ نوریہ

فرقہ نوریہ کا تعلق حضرت ابراہیم احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ زبردست عالم اور صدر علماء متصوف تھے۔ اور برجہ مناقب روشن اور دلائل واضح کے آپؐ کو دیکھ کر ہم سے شہرہ ہو گئے تھے۔ آپؐ کا مسلک تصوف میں پند یدہ ہے۔ اور آپؐ کے مسلک میں فقر و تعفف و خفیت دینا ہے۔ اور باقی تمام معاملات موافق مذہب جنیدیکہ ہیں۔ اور آپؐ کے طریقوں میں سے ناورد عجیب طریقہ یہ ہے کہ صحبت میں صاحبِ صحبت کے حق پر ایثار کیا جاتے اور اپنے حق کو قربان کر دیتے اور اس کے بغیر صحبت اختیار کر کے قویہ حرام ہے اور فرماتے ہیں کہ صحبت درویشوں کے لیے فرض ہے اور عزت نشینی بُری چیز ہے۔ اور ایثار حق صاحبِ صحبت پر کرنا ہی فرض ہے چنانچہ مولیٰ ہے کہ فرمایا۔ اَیُّاکُمْ وَالْعِزُّ لَہٗ فَاِنَّ الْعِزَّ لَہٗ مَقَابِرَۃُ الشَّیْطَانِ وَ عَلَیْکُمْ بِالصُّحْبَةِ فَاِنَّ فِی الصُّحْبَةِ رَمَادُ الرَّجْلِ۔ عزت نشینی سے پرہیز کرنا اس میں شیطان کے ساتھ مقارنت ہوتی ہے اور صحبت صاحبِ صحبت سے لازم رکھ کر صاحبِ

اب ہم حقیقت ایثار بیان کرتے ہیں۔ اور جب باب محبت و عزت میں پہنچیں گے تو وہاں اس کے دوزخ و شرع بیان کریں گے تاکہ عام طور پر فائدہ ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حقیقت ایثار

قال اللہ تعالیٰ ذِکْرُ شُرَکَآءِ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ تَذٰکِرٌ لِّمَنْ خَصَّصَتْ اُوْاْثًا مِّنْهُ لَیْسَ بِاِیْثَارٍ کَرِیْمٍ اِلَّا مَنۡ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ بَعْدِ اِیْثَارِہٖ مِّنۡ دُوْنِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ اُولُوْا اِیْثَارًا حَقًّا اِنَّ اِیْثَارَ الْاٰثِمِ مَرْغُوْبٌ وَّ اِلَّا اِیْثَارُ الْاٰثِمِ مَرْغُوْبٌ وَّ اِلَّا اِیْثَارُ الْاٰثِمِ مَرْغُوْبٌ
 میں اگرچہ اس چیز کے وہ حاجت مند ہوں۔ اس آیت کریمہ کی شان نزول فقراء و مساکین ہیں۔ اور حقیقت ایثار یہ ہے کہ محبت حق میں اپنے پیشوا اور مالک کا حق ملحوظ رکھے اور اپنے حصہ میں اس کا حصہ ضرور نکالے خود تکلیف برداشت کرے مگر اپنے پیشوا اور صاحب کی راحت کا خیال رکھے۔
 لِذٰلِکَ الْاٰیٰتِ اَلْاٰثِمِ مَرْغُوْبٌ وَّ اِلَّا اِیْثَارُ الْاٰثِمِ مَرْغُوْبٌ وَّ اِلَّا اِیْثَارُ الْاٰثِمِ مَرْغُوْبٌ
 المختار یہاں اللہ تعالیٰ خذ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ۔ اس سے کیا اشار نام ہے اولاً و امانت اختیار پر قائم رہنے کا معنی حکم کے پیروی کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو دیا اور ارشاد فرمایا۔ و لکن فرما نا اختیار کرد اور بھلائی کا حکم فرماؤ۔ اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

اور یہ مسئلہ باب آداب محبت میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔

یہاں مقصود بیان محض ایثار ہے۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک محبت میں اس طرح جیسے کہ ہرگز کیا گیا۔ دوسرے محبت میں اور ایثار حق صاحب میں ایک گورنر و فائدہ بھی ہے۔ لیکن دوست کے حق میں ایثار کرنے سے تمام راحت ہی راحت ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ جب غلام الخلیل نے حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عداوت ظاہر کی اور ہر قسم کی خصومت اس سے ظاہر ہو گئی تو حضرت نوری اور تمام اہل ابو حمزہ رحمہم اللہ علیہم کو حکومت لے کر نثار کر دیا اور دار الخلافہ میں لے گئے غلام الخلیل کہنے لگا۔ یہ قوم زنا و قہ سے ہیں۔ اگر امیر المؤمنین ان کے قتل کا حکم صادر فرمائیں۔ تو زندہ قیوں کی خبر پور کا پتہ چل جائے۔ اس سے کہ یہ سگورہ زنا و قہ ہیں۔ اور جس کے ہاتھ سے یہ امر خیر ہو جائے۔ اس کی حکومت و عزت کا میں خفا من ہوں۔

خلیفہ نے اسی وقت ان مشائخ کے قتل کا حکم دے دیا۔ بھلا و آگیا اور ان مردان خدا کے ہاتھ

باندھے گئے۔ بلا دنے بوجب حکم حضرت وقام کے قتل کا ارادہ کیا کہ حضرت نوری اٹھے۔ اور ڈرے سرور سے تمام کی جگہ بیٹھ گئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ بلا دوں سنہ کیا۔ اسے ہوا فردا کیا تھواری ایسی چیز ہے کہ اس سے اس قدر رغبت ہو جس رغبت سے تم آتے ہو حالانکہ ابھی تمہاری باری نہیں آئی۔

آپ نے جواب دیا۔ ہاں ہمارے لیے تھواری ایسی ہی چیز ہے کہ میرے طریقہ اشار کے ماتحت مجھے مرغوب ہو۔ اس لیے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز زندگی ہے میں چاہتا ہوں کہ چند سالوں میں ان بھائیوں کی خدمت میں اشار کروں اس لیے کہ دنیا کا ایک سال آخرت کے ہزار سال سے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ دنیا سارے خدمت ہے اور آخرت مقابہت تر مقابہت میں یہ خدمت نہیں کی جاسکتی۔ بلا دنے یہ سب باتیں خلیفہ کو پہنچا دیں۔ خلیفہ نے اتنے بلند حوصلہ اور بوقت سختی پر سخت تعجب کا اظہار کیا۔ اور کسی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ان کے قتل کو سرپرست موقوف رکھو۔ اور ابوالعباس بن علی قاضی القضاۃ کو بلا کہہ منوں کو ان کے سپرد کر دیا۔

قاضی القضاۃ نے غمناکوں کی شکایں کسی ہول نہ رکھیں اور اپنے یہاں بلایا۔ پھر ان سے احکام شریعت کے متعلق سوال کئے۔ جواب سن کر ان میں عرفانی شان کی حقیقت پائی اور وہ غیبی اتباع میں مکمل ہو گئے۔ قاضی بہت متاثر ہوا اور ان کے حالات سے بے خبر رہنے پر شرمسار۔ حضرت نوری نے فرمایا: قاضی تو نے جو کچھ دریافت کیا ہے۔ یہ کچھ نہیں ہے۔ جو پر تحقیق بات تھی۔ وہ تو نے نہیں پرچی۔ قَاتِلُ اللَّهِ عِبَادَ اللَّهِ اَيُّهَا كَلْبُ اللَّهِ وَنَشْرِيُونَ بِاللَّهِ وَيَجْلِسُونَ بِاللَّهِ وَيَكُونُونَ بِاللَّهِ۔ اللہ کے بندوں کی ایسی جماعت بھی ہے کہ ان کا کھانا اللہ کے لیے اور مینا اللہ کے واسطے اور ہر لٹا اللہ کے لیے ہے۔ وہ ایسے مردانِ خدا ہیں کہ ان کا قیام اللہ کے ساتھ اور قعود و نطق و حرکت و سکون سب اسی کے ساتھ ہے۔ اور ان کی زندگی اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ قائم بشارہ ہیں مگر ایک لحظہ شاہد حق ان سے حجاب میں آجائے تو ان کی دنیا نے جسم میں جوش و غروش پھیل جائے۔

یہ سن کر قاضی متعجب ہوا۔ اور ان کے کلام کی باریکی اور صحت حال کر پانچ خلیفہ کو لکھا۔ کہ اگر یہ جماعت ملاحدہ ہے تو فیمین الموحیدین فی العالَم۔ پھر کون دنیا میں موجد ہو سکتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں اور اپنے حکم سے فیصلہ کرتا ہوں کہ (ان کے مقابلہ کا) روئے زمیں پر کوئی موجد نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ نے قاضی القضاۃ کا یہ حکم پڑھ کر ان بزرگوں کو بلایا اور عرض کی کہ مجھے غلطی ہو گئی اور

میں دھوکہ میں لایا، اب آپ اپنی حاجت ظاہر کریں۔ حضرت زوری دھیرہ مشائخ جو گرفتار تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ خلیفہ ہمارے حاجت تجھ سے نہیں آتی ہے کہ تو ہمیں بھلا دے۔ اور ہم تیرے مقبول کرنے کو اپنی مردودیت سمجھتے ہیں اور اگر تو ہمیں اپنی بارگاہ سے مطرود کر دینگا۔ تو ہم اُسے عین مقبولیت جانیں گے خلیفہ حضرت زوری رحمت اللہ علیہ کے اس وعدہ تک جواب کو سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ وہ بڑھا اور نہایت احترام کے ساتھ انہیں واپس کر دیا۔

ایک روایت تافع سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک لفظ پھل کی خواہش ہوئی۔ تمام شہر میں تلاش کی مگر نہ ملی۔ چند لفظ ہمدہ بجھنے والی (یعنی حضرت تافع کو) لڑاتے ہیں۔ میں نے وہ پھل بنوائی اور حضرت ابن عمر کی خدمت میں حاضر کی۔ میں نے دیکھا کہ اس پھل کے پیش کرنے سے آپ سرور ہوئے۔ اسے میں ایک سال نے اب ہالی پر کھڑا ہو کر صدادی۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ پھل اس سال کو دے دو۔ غلام نے عرض کی بخود اتنی دیر میں تو یہ پھل میرا کی ہے۔ اب آپ سال کو عطا فرما رہے ہیں۔ اس کی بجائے کچھ بخشش کر دینا چاہئے۔ فرمایا۔ اسے غلام یہ پھل کھا تا مجھ پر حرام ہے۔ اس لیے کہ میں نے ایک حدیث کے مطابق اس پھل کو اپنے دل کی خواہش سے باہر کر دیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔ جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ اَیُّنَا اَمْرٌ یُّشْتَمُّ شَمُوْۃً فَرَدَّ شَمُوْۃً وَاَکْثَرُ الْخِزْرِ عَلٰی کَفْرِیْہِ غَفِرَ لَہٗ۔ جو انسان کسی چیز کی خواہش کرے۔ پھر اس چیز کی طرف سے دست بردار ہو کر آخرت کو نفس کی خواہش پر ترجیح دے تو لا محالہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے۔

ایک حکایت میں ہے کہ شکل بیا بان میں ماہ بھول کر دس دس ٹھہرے اور پیاس نے نہیں ستایا اور اسی کے پاس ایک قدح پانی سے زائد نہ تھا۔ اور دس کے دس پیاسے تھے۔ جب ایک کو وہ قدح آب ہانا دوسرے کی طرف تیار کر دیا دوسرے کا خیال اپنے خنق کی پیاس پر جاتا وہ اُسے دیدیا غرض کہ اسی طرح پانی پانی کسی نے نہ پایا اور شدت تشنگی سے سب مر گئے۔ صرف ایک بچہ تھا۔ جب انہوں نے اپنے زور فتنے ہوئے دیکھے تو وہ قدح آب پانی لیا اور راستے طے کرنا شروع کر دیا۔ کسی کے پاس یہ قدح انہوں نے کہا تو اس نے کہا اگر وہ پانی تو بھی نہ پیا تو بہتر تھا۔

انہوں نے کہا جملہ دنیا کا حکم شرعی اتنا ہی ہوتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ تو آدمیوں کے مرجانے

کے بعد بھی اگر میں وہ پیالہ نہ پیتا تو خودکشی کا مجرم بننا اور عقاب الہی میں ماخوذ ہوتا۔ تو کہنے لگا۔ آپ کے خیال میں وہ تو آدمی بھی خودکشی کے مجرم ہوتے۔ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایثار کر رہے تھے۔ اپنی حاجت کے مقابل میں دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ کل پر ایثار کرتے کرتے ہلاک ہو گئے۔ پھر حجب کہ میں تنہا نہ گیا۔ تو اب موقع ایثار نہیں تھا۔ اس لیے اسے موقع پر بچھوہ پانی پینا واجب تھا۔

دیکھو جب امیر المؤمنین مولانا علی کرم اللہ وجہہ حضور علیہ السلام کے بستر پر سوئے اور ہجرت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کی معیت میں گئے اور مکہ سے باہر آکر غار میں ٹھہرے۔ اس شب کفار کا قصد حضور کے شہید کرنے کا تھا۔ تو جناب باری تعالیٰ عز و جل نے جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کو فرمایا کہ میں نے تمہارے مابین بھائی چارہ رکھا ہے۔ اور تمہاری زندگی بھی ایک دوسرے سے جدا نہ کی ہے۔ تاؤ تم میں سے کون ہے جو اپنے بھائی پر اپنی زندگی کا ایثار کرے۔ اور منکر تیار ہو دو تو اپنی اپنی زندگی بارگاہ الہی سے طلب کرنے لگ گئے جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے جبرائیل و میکائیل دیکھو علی کی بزرگی و شرافت کہ وہ تم سے بلند ہے۔ ہم نے علی کے اور اپنے حبیب کے مابین مراعات کی تھی۔ تو علی اپنے قتل و مرگ کو قبول کر کے ہمارے حبیب کی خواہش پر سو گیا۔ اور اپنی جان ہمارے حبیب پر فدا کر دی ہے۔

اب تم دونوں جاؤ اور اس کی محافظت دشمنوں سے کرو۔ چنانچہ جبرائیل و میکائیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آئے ایک سہلے میٹر لگا اور ایکسپانسیٹی کی طرف بیٹھ گیا۔ اور حضرت علی کی خدمت میں زبانِ مال سے کہنے لگے۔ بَعَثَ بِخَازِنٍ مِّنْ مِّثْلِكَ يَا اِبْنِ اَبِي طَالِبٍ اِنَّ اللّٰهَ يَبْاِهُنَّ بِكَ عَلٰی مَسَلَا يَكْتُمُ۔ زعمہ باد اے علی تمہارے مثل اس ایثار میں کون ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کے اس ایثار کو مٹانے میں پیش فرما کر انہار و خوشنودی فرما رہا ہے اور آپ اپنی خواب میں بے فکر سو رہے ہیں۔

اسی وقت آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں شانِ مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ ظاہر ہے۔ ارشاد ہوا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْعَاءَ مَوْصَاوِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

اور بعض اشد کے بندے وہ ہیں جو اس کی رضا جوئی میں اپنی جان نہ چھوڑتے اور قربان کر دیتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔ اور جب جنگ اُمد کے موقعہ عرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں پر ابتلا فرمایا۔ ایک صحابی انصار میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کھوڑا پانی لے کر اس نیت سے چلی کہ مجھ کو عین اُمد میں سے کسی کی بھی خدمت کروں۔ جب میں میدانِ رزم میں پہنچی۔ ایک صحابی کو دیکھا کہ مجروح پڑے ہوئے اپنے لمباتِ زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ مجھے اُنہوں نے اشارہ کیا کہ پانی پلاؤں۔ میں اُن کی طرف پانی لے کر گئی تو ایک دوسرے زخمی صحابی نے آواز دی کہ مجھے پانی پلاؤ۔ یہ آواز سننے ہی وہ پہلے مجروح فرما سنے لگے۔ جاؤ انہیں پلاؤ اور خود پانی نوش نہ فرمایا۔ جب میں وہ پانی اُن کی طرف لے گئی۔ تو ایک اُمد مجروح پکارے کہ مجھے پانی دو تو انہوں نے پانی نہ پیا اور مجھے فرمایا۔ جاؤ انہیں پانی دو۔ غرض کہ اسی طرح سات صحابی تک میں وہ پانی لے کر چلی اور سب نے دوسرے کی آواز پر خود نہ پیا اور دوسرے کی طرف مجھے بھیج دیا۔

جب کہ ساتویں صحابی کی خدمت میں پانی لے کر میں پہنچی۔ وہ شہید ہو گئے۔ وہیں لوٹی اور پھٹے کے پاس آئی۔ تو وہ بھی جان بحق تسلیم فرما چکے تھے۔ غرض کہ جب وہیں آئی۔ تو چھ کے چھ شہید تھے۔ کہ آئے کہ یہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان شہداءِ اُمد کی شان میں نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد تھا۔ وَيُؤْخِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَهُمْ لَآئِنَ يَمْشُوا لَآ يَافَهُمْ إِلَّا بَرَكَاتٌ بَآرِكَةً وَأَنزَلْنَا مِنْهُمْ دُرَاهِمَ وَهَبَ لَكُمُ اللَّهُ رَحْمَةً وَكَانَ يُؤْمِرُ بِكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔ اگر چہ انہیں سخت تنگی ہو رہی ہو۔

نبی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ جس نے چار سو برس عبادت کی تھی۔ ایک دن بارگاہِ رب العزت میں عرض کرنے لگا۔ الہی اگر تو ان پھاڑوں کو میدانِ فرما تو تیرے بندوں کو چلنے اور سفر کرنے میں آسانی دے گی۔ تو یہی وقت صلوات اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمان آیا کہ اس عابد کو فرماؤ کہ جناب باری کا ارشاد سنو کہ تو نے بندہ ہو کر ہماری ملک میں تصرف کیا۔ لہذا ہم نے تیرا نام دیوانِ سعد اسے نکال دیا اور نہایت اشیاء میں تجھے داخل کر دیا ہے۔

اس عابد نے یہ سننے ہی اظہارِ مسرت کیا اور سجدہ شکر کے لیے بحضورِ الہی ٹھیک گیا۔ یہی خبر وقت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عظیم الشانِ شہادت کے درجہ میں پہنچنے پر سجدہ شکر کر رہا ہے۔ بکونسا قانون ہے۔ عابد نے عرض کی کہ حضور میں اپنی شہادت پر سجدہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس امر پر سجدہ

شکر ادا کروں کہ خواہ کسی فرست میں میرا نام ہو مگر ہمتا ہی کے دفتر میں۔

اب میں ایک آرزو رکھتا ہوں۔ وہ حضور پستے دہ کے دربار میں عرض کر دوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیا آرزو ہے۔ عابد نے عرض کی وہ یہ عرض ہے کہ جب مجھے جہنم میں ڈالا جائے تو مجھے اتنا حظیم الجثہ اور عریض و طویل کر کے ڈالا جائے کہ تمام موحدین کی جگہ مجھ سے بھر جائے تاکہ مجھ ایک کے جہنم جانے سے اتنا فائدہ تو ہو کہ باقی تمام موحدین بہشت میں جائیں۔

(اس اشار اور غلوں پر بدیاست دمت جوش و نہا) شاہ جہاں کو اسے سبزی و تر قسط چاہیے کہ
بندہ کو بشارت دو کہ یہ بلاؤ استخوان تیرے ذیل کرنے کیلئے نہ تھا۔ بلکہ تیرے اشار و اغلاص کے
ظاہر فرمائے کیلئے تھا۔ اب تیرا یہ مرتبہ ہے کہ قیامت کے دن تو اور جس کی کوشناعت کرے گا۔ وہ
سب تیرے ساتھ بہشت میں ہوں گے۔

میں نے ایک بار حضرت احمد غلامی سے روچھا کہ آپ کی ابتدا تو یہ کیونکر ہوئی تھی۔ فرمایا۔ میں سرسے ایک بار ملا اور ایک جنگل میں پہنچا۔ وہاں ایک مدت تک بااورد اپنے اونٹ چراگارتا۔ میرے دل میں آیا کہ میرے دوستوں نے کہا تھا کہ اُن کی حالت بہت خراب ہے۔ ان کے ہاتھ اس چیز کی بہت تڑپ تھی کہ اپنی ضرورت کے مقابلہ میں دوسرے کی حاجت پر دی کر دیں۔

اور میرا عقیدہ بھی صوفیائے کرام میں سے ہی جماعت کے گورہ تھا جو ایثار کو اولیٰ تر مانتی ہیں۔
ایک روز ایک بھوکا شیر نظر آیا اور اُس نے میرا ایک ٹونٹا نکال کر کیا اور بلندی کی طرف چڑھ گیا اور
ایک آواز باری جس پر تمام درندے جنگلی کے آگئے۔

شیر نے اونٹ کو چیرھاڑ کر ڈال دیا اور خود کچھ نکھایا اور بالائے کوہ چلا گیا۔ اس شکار پر جس قدر روزے لومڑی بچیر پیٹے، بچیرے تھے۔ سب نے ہار بول دیا اور خوب کاپی کر چل گئے۔ اسی وقت شیر اُترا اور ارادہ کیا کہ ایک ٹکڑا اُس میں سے خود بھی کھائے کہ اسنے میں ایک لومڑی لٹکڑی ملی ہے۔
 سے آئی نظر آئی۔ شیر پھر وہاں سے ہٹ گیا۔ اور بالائے کوہ چلا گیا تاکہ وہ لومڑی بھی شکم سے
 ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ بھی کھا کر چلی گئی تو شیر نے اگر ایک ٹکڑا اس میں سے لے کر کھایا۔
 میں دُور سے بیٹھ کر یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ شیر نے واپس جاتے ہوئے بزبان فصیح مجھے کہا۔

یہ آئندہ بشارت برحقہ کا رنگاں بود و مردان خدا جان و زندگانی بشارت کنند: اسے احمد عمارت کا اشارہ
 کا کٹوں کا کام ہے اور مردان خدا جان اور زندگی کا بشارت کیا کرتے ہیں۔ میں یہ سننے ہی بکھر گیا تھا
 جو اس وقت میں نے تمام افسانہ دنیا وغیرہ سے دستبرد دی کی ہے ہے میری قرہ کی استعداد۔

حضرت ابو جعفر علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابو الحسن زوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی
 غلویت خاص میں مشغول مناجات تھے۔ میں پرشیدہ طور پر گیا تاکہ ان کی فصیح و بلیغ مناجات سنوں
 وہ فرما رہے تھے: "اے خدا یا اہل دوزخ را عذاب کنی و جملہ آفریدگان تو اند بلم و قدرت و ارادت
 محمد و اگر تپا رہا دوزخ را از مردم پر خواہی کرد تاوری بدانکہ میں اہل دوزخ و عذابت آن پر گئی و
 سراپاں ما بہشت فرستی۔ اسے اللہ اقرار اہل دوزخ کو عذاب دیگا۔ حالانکہ سب تیرے علم اور
 قدرت و ارادہ سے تیرے پیدا کردہ ہیں۔ اگر تو لازمی طور پر دوزخ کو آدمیوں سے بھرا پاتا ہے
 تو اس پر بھی قادر ہے کہ دوزخ اور اس کے تمام عذابت صرف مجھ سے بھر دے اور باقی سب کو جنت
 میں داخل فرما دے۔"

حضرت جعفر فرماتے ہیں کہ میں ان کی اس دعا سے حیران ہو گیا۔ شب کو خواب میں دیکھتا ہوں
 کہ کوئی کسے دلا کر آ رہا ہے کہ جعفر جہا اور ابو الحسن کو کہہ دے کہ ہم نے تجھے اس شفقت و رحمت
 کی وجہ سے جو تجھے ہمارے بندوں سے اور ہم سے ہے بخش دیا۔ اور حضرت ابو الحسن کو زوری
 اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اگر کوئی تارک گھر میں کچھ بات کرتا تو آپ نور باطن کی روشنی میں اس سے خبردار
 ہوتے تھے اور نور حق کی ضیاء باری سے آپ اپنے مریدوں کے تمام ماز جانتے تھے چنانچہ حضرت جنید
 بغدادی رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا: اَبُو الْحَسَنِ جَالِسُیْ بِیْ تَلْکَ دِیْسَتِ اَبُو الْحَسَنِ جاسوس
 قلوب ہے۔ یہ ہے تخصیص ان کے مسلک کی۔ اور اہل بعیت کی نظر میں یہ بہت قوی اصل ہے اور
 بڑا معظّم معاملہ ہے۔ اور انسان پر بذلی روح سے زیادہ سخت تر کوئی چیز نہیں۔

چنانچہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نیکیوں کی کنجی اتفاق و ایثار بتایا گیا۔ اور صاف
 بتایا گیا کہ تمام نیکیوں کی کنجی محض بذلی و اتفاق ہے۔ چنانچہ فرمایا: اَلَنْ تَسْأَلُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا
 مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ یعنی جہانیاں تم ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک محبوب ترین شے اللہ کی راہ میں خرچ
 نہ کرو۔ اور جب کوئی اپنی روح اور جان کو اس کی راہ میں مبذول کرنا گوارا کر لے تو اسے مال و

حال و فرقہ و فرقہ کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اور اس طریقہ کا اصلی اصول یہی ہے۔

چنانچہ ایک شخص حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ **يَا اَيُّهَا النَّاسُ غَيِّرُوا بَدَلِ الدُّرُوحِ اِنَّ قَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ ذَالِكُ**
وَالَا فَلا تَشْتَعِلُ بِتَوَهَّاتِ الصُّوفِيَّةِ۔ صاحب زادے یہ طریقہ تصوف بغیر بدل روح
وہاں کے نہیں ہے۔ اگر اس پر قدرت ہے تو اس راستہ میں آؤ (صوفیوں کی ان سخت باتوں میں
نہ پڑ۔ اس لیے کہ صوفیاء کے یہاں اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب خود ہی وہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے
فرمایا۔ **وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا بَلْ أَمْوَالٌ تُرْجَىٰ لَهُمْ أَجْرٌ كَثِيرٌ**
ان لوگوں کی طرف سے لڑنے کا دل میں بھی گمان نہ کرنا جو راہِ حق میں شہید ہو سکے بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے
رب کے پاس بڑی چیزیں دیے جاسکتے ہیں اور فرمایا۔ **وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالٌ**
مَلَأَ أَمْوَالُهُمْ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مرا ہوا مال کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ تو سمجھو یہ کھلا کہ
حیاتِ قربِ سرمدی بذالروح کے بعد ملتی ہے۔ اور اپنے حق کا ترک کر دینا امتثالِ امر الہی اور اتباعِ
مجرمانِ بارگاہی ہے۔

لیکن ایشیاء و اختیار و رویت و معرفت میں اختلاف ہے۔ اور صوفیاء کے یہاں حقیقتِ ایشیاء اپنے
نصیب کا ترک کر دینا ہی اصل نصیب ہے۔ اس لیے کہ جب تک طالب کی روش متعلق ہر کسب رہتی
ہے تمام کی تمام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے اور جب جذبِ حق اپنے تصرف و ولایت کو ظاہر کر دیتا
ہے تو اس کے احوال و افعال تمام کے تمام اتنے منتشر ہو جاتے ہیں کہ اس کے لیے وہ عبارت ہی نہیں
رہتی جس سے کچھ ظاہر کیا جاسکے اور نہ اس کے وقت و زمانہ کے لیے کوئی لفظ ملتا ہے جس سے اس کی
کیفیت ظاہر کی جاسکے۔ یا کسی چیز سے اس کی مثال دی جاسکے۔ اس حقیقت کو حضرت شبلی رحمۃ اللہ
علیہ نے خوب واضح کیا ہے۔

وَمَا كُنْتُ بِمِصْبَاقِي الْمَوْصُوفُ

يَحْتَقِ عَيْقُ فَمَا أَحْسَنُ بِمَفْصِي

لَيْسَ إِلَّا الْبَيَانُ الْمَلْمُوفُ

فَأَنَا الْيَوْمَ غَائِبٌ عَنْ جَمِيعِ

ترجمہ۔ تو مجھ سے غائب ہوا تو میں ایسا بیہوش ہوا کہ اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ اور میری صفات

موصوفہ نے اُس کی جستجو کی تو آج کے دن سب سے ایسا غائب ہوں کہ عبارتِ موصوفہ کے سوا کچھ نہیں ہوں۔

فرقہ سہیلیہ

فرقہ سہیلیہ کا تعلق حضرت سہل بن عبد اللہ قرسی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ مکتبہ اہل تصوف کے ہیں اور کبرائے قوم میں ماننے والے ہیں، ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ غرض کہ اپنے وقت کے سلطان اور ابابہ کی دستورِ حقیقت تھے۔ اور آپ کی ہر بات اس قدر یاد ہے کہ ہر اور اک ان کے بیان سے عاجز ہے اور آپ کا طریقہ اجتہاد و مجاہدہ نفس و ریاضت ہے۔ اور آپ مریدوں کو مجاہدہ میں کمال درجہ پہنچا چکے ہیں۔

آپ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک مرید کو حکم ملا کہ تمام دن اللہ اللہ کہے۔ اس کے بعد دس روز تک وہی ورد رکھے کہ تو ذکر کر رہا ہے۔ پھر فرمایا اب جس طرح دن اللہ اللہ میں گزارا ہے، رات میں بھی اسی طرح گزار۔ مرید حسب الحکم کرتا رہا۔ غرض کہ مرید کا یہ حال ہو گیا کہ اگر اپنے کو خواب میں دیکھتا تو قریبی ذکر کرتا پاتا۔ یہاں تک کہ وہ ذکر مرید کی عادت سے بدل کر طبع ثانی بن گیا۔

اب حکم ہوا کہ ذکر سان سے ٹوٹ کر ذکر قلبی میں جا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ حتیٰ کہ وہ ذکر اتنا غالب آیا کہ ایک روز وہ اپنے گھر میں تھا کہ ہوا سے کڑی گری اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ توجہ قطراتِ دل بکبک ہوئے۔ قرآن سے بھی اللہ اللہ ہی منقش نظر آیا۔

غرض کہ تربیت مرید ان مجاہدات و ریاضات سے کرنا خاص طریقہ سہیلیہ ہے۔ اور خدمتِ ورشانِ اللہ تعظیمِ حدِ ربان اور مراقبہ طریقہ جنیدی کا ہے۔ یہی ان کے یہاں لازمی ہے (اور ریاضت و مجاہدہ میں تمام کی تمام مخالفت نفس کو طغی و کھنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نفس کو نہ پہچانے تو اس کے لیے مجاہدہ و ریاضت بے سود ہے۔

اب ہم نفس کی حقیقت اور اس کی تعریف بیان کریں تاکہ معلوم ہو کہ (یہ کیا بلا ہے)۔ پھر مجاہدات و مذہب و مسلک صوفیہ ظاہر کریں گے تاکہ طالب علم پر ان کی تعریف روشن ہو جائے۔ انشاء اللہ باللہ التوفیق۔

حقیقتِ نفس و معنی ہوا

یاد رکھو نفس کے لغوی معنی۔ وجود شے کے ہوتے ہیں۔ یا حقیقت و ذات کے معنی میں برفج ہے۔ عادت عوام و عباراتِ مردمان میں اس کے بہت سے معنی لیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا سنوئی سوال

بر خلاف یک دیگر ہی نہیں ہوتا بلکہ مستند معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

پھر باعتبار ہر ایک گروہ یعنی روح کشا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک موت کے معنی میں نفس آتا ہے۔ ایک گروہ جس جسم کے معنی میں ہے۔ ایک گروہ خون کے معنی میں ہے۔ لیکن محققین سرزید کے نزدیک مذکورہ معنی سے کوئی معنی نفس کے صحیح نہیں بلکہ ان کی تحقیق نفس کے تعلق (مذکورہ ذیل ہے) اس امر پر تو سب متفق ہیں کہ نفس نام ہے متبع شر اور قابض سود کا۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک ایسی عین شے ہے جو دل میں رکھی گئی ہے اور وہ انسان میں مثل روح کے لازم ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک ایسی صفت کا نام ہے جو قالب انسان میں مثل حلاوت کے موجود ہے۔

لیکن تمام محققین سرزید اس امر پر متفق ہیں کہ نفس وہ ہے جس کے ذریعے مخلوق رزق و افعال غیشہ کے ادا سے پیدا ہوں اور ان افعال رزق غیشہ کا سبب ہے اور افعال رزق غیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مادی دوسرے اخلاق رزق غیشہ کبیر، حسد، بغل، خشم، حسد اور مثل اس کے تمام ایسے نامزدہ افعال جو شرع و عقل بڑے بتاتے۔

تو ریاضت و مہابہ سے صوفی ان اوصاف کو اپنے سے دفع کرتا ہے۔ جیسے تو کرنے سے مصیبت سے اجتناب۔ تو فعل مصیبت اوصاف ظاہر سے ہے۔ اور اس مصیبت شادی کے اوصاف باطن سے ہے۔ اور ریاضت افعال ظاہر سے ہے اور تو یہ اوصاف باطن سے۔ تو جو بڑے وصف باطن سے ظاہر ہوں ظاہری روش و صفوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور جو ظاہر میں جلوہ گر ہوں باطنی اوصاف پسندیدہ سے دور ہو جاتے ہیں۔

اور نفس و روح دونوں لطیف ہیں۔ جو قالب انسان میں موجود ہیں۔ جیسے کہ دنیا میں شیطانی و فانی اور بہشت و دوزخ۔ ان میں ایک عمل خیر ہے اور ایک عمل شر۔ جس طرح آگ کو عمل نظر ہے اور کان عمل سمع ہے اور زبان عمل ذائقہ اور مثل اس کے تمام احیاء ان کے لیے بھی ایک مقام اور عمل ہے۔ اور بہت سے وصف ایسے ہیں جو قالب انسان میں وصیت کئے گئے ہیں۔

چنانچہ نفس کی مخالفت میں تمام جہاد کا نام ہے اور کمال مہابہ بھی اس مخالفت نفس کے لیے ہے اور بندہ بجز مخالفت نفس واصل حق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ نفس کی موافقت بلا کتب انسان

ہے اور غفلت نفس میں بندہ کی نجات۔ چنانچہ حضرت رب العزت جل مجدہ نے اس کی مخالفت کا حکم فرمایا اللہ کی تعریف کی جو اس کی مخالفت کرنے والے ہیں اور اس کی مذمت کی جو موافقت نفس میں مل رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَلَکِنَّ النَّفْسَ حَتَّىٰ الْهَمَوٰی قَائًا الْجَنَّةَ یٰہُوَ النَّادِیَ رِیْیَ مَنُورِیْنَ لَکِنَّ النَّفْسَ کَوْنُهَا لَوْنِ کِیَّ اَرَامَ کَآءَ جَنَّتِ ہِیَ۔ اور فرمایا۔ اَفْکَلْمَا جَاؤَ کَآءَ رَسُوْلٍ اِیْمَا لَا تَقُوْیَ اَنْفُسُکُمْ اَسْتَكْبِرُوْکُمْ فِیْہِیْ جِب تہا رِیْیَ رَسُوْلِ تہا رِیْیَ خواہشات نفسانی کے خلاف حکم لائے تو تم نے سرکشی اور تکبر کیا۔

اور حضرت یوسف مدینی علیہ السلام کی زبان سے ہیں قرآن کریم میں خبر دی۔ وَمَا اُبْرِئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَآ مَآءَآءٌ بِآلِ شَوْرٍ اَلَا مَآءَ رَیْیَ مَآءَیْ۔ اور میں اپنی جان کو پاک نہیں کرتا یہ شک نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جو اللہ کے رحم سے بچ سکے۔

اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا رَاَ مَا اَدَّ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَعَثْنَا بِمُؤَيِّدٍ لِّنَفْسِہٖ۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو چشم بصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ ماسی سے اپنے نفس کے حیرت و کھٹکے۔

اور احادیث میں وارد ہے کہ اللہ جل علاہ شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی اور حکم دیا۔ یَا دَاؤُدَ حَاذِ کُتُبَکَ قَائًا مَدِیْیَ فِیْ عَدَاۃِہُمَا۔ اے داؤد اپنے نفس سے دشمنی کر۔ اس لیے کہ میری دوستی اس کی عدوت میں ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا۔ یہ تمام اوصاف ہیں۔ اور لامحالہ حقیقت کے لیے موصوف لازمی ہے۔ تاکہ وہ صفت اس کے ساتھ قائم ہو۔ اس لیے کہ صفت قائم بالذات نہیں ہو سکتی اور معرفت صفت بغیر علم و شناخت قائل ماحصل نہیں ہو سکتی۔ اور طریق شناخت ابدان و اجسام یہی ہے کہ اوصاف انانیت کو یکے کے یہ انانیت کا جز ہے۔ اور یہی سبب انسان ہے۔

اور حقیقت انسان کی تشریح میں بہت سے اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں بھی بہت سے قول ہیں کہ جسم انسان کیا چیز ہے اور انسان کہلانے کا کون سا جزو ہے۔ اور اس کا علم ہر طالب حقیقت پر فرض ہے۔ اس لیے کہ جو اپنے سے ہی جاہل ہے وہ غیر سے جاہل تر ہو گا۔ اور جب کہ بندہ معرفت حق اور معرفت خود کے لیے مکلف ہے۔ تاکہ اپنے حدوث اور ذات واجب تناسلے

شاذ کے قدم کو جاننے اور اپنی ذات حق کی بقا کو سمجھنے۔

اور قرآن کریم کی نص بھی اس امر پر مطلق ہے کہ رب جل مجدہ نے کفار کو اپنی طرف سے جہنم فرمایا اور ارشاد ہوا وَمَنْ يَزِدْ غَيْبًا عَنْ بَلَدٍ اِذَا هِيَ مِنَ الْاَمْنِ سَفَهَ نَفْسَهُ لَكَوْنِ ہے جو ایمان (علیہ السلام) کے دین سے منہ پھیرے سو اس کے جس نے اپنے آپ کو نکال دیا اور جہالت کے حوالے کر دیا۔

اور ایک مشائخ کرام میں سے فرماتے ہیں۔ مَنْ جَهَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ بِالْغَيْرِ اَجْهَلُ۔ جو اپنے نفس کے ساتھ جاہل ہے وہ غیر سے جاہل تر ہے۔ اور حضور سید عالم انشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ اُمِّي مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ بِالْبَقَاءِ وَفَقَالَ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالذِّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ بِالْعِزِّ۔ وَفَقَالَ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالْقُبُورِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ بِالْوُجُودِ۔

تو سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو اپنے کو نہ جانے و کل کی معرفت سے محروم ہے۔

ترجمہ حدیث و شروح ۱۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ یقیناً اس نے اپنے رب کو بھی جان لیا۔ شرح فرماتے ہیں یعنی جس نے اپنے نفس کی فنا کو سمجھ لیا۔ اس نے یقیناً ذاتِ باقی کی بقا کو جان لیا۔ بعض نے کہا۔ جس نے اپنے نفس کو ذات کے ساتھ جان لیا۔ اس نے اپنے رب کی عزت مان لی۔ ان تمام تشریحات سے مراد معرفتِ انسانی ہے اور اس حقیقت میں محققین کے اختلافات پر بہت سے اقوال ہیں ۱۔

۱۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان کی حقیقت سوائے روح کچھ نہیں ہے۔ یہ جسم تو نفس امارت کے راجع مکان میں۔ یا اس کی آہام گاہ کا اس جسم میں رہ کر خلیل طبائع سے محفوظ رہے۔ اور جس و عقل یہ صفات روح میں مگر یہ تعریف بالکل باطل ہے۔

اس لیے کہ اگر روح کا نام انسان ہے تو جب جسم سے روح بکھل جائے تو اسے انسان نہ کہنا چاہیے حالانکہ انسان کہتے ہیں۔ مردہ جسم سے نام انسان نہیں آٹھتا۔ مذکورہ اصول کے ماتحت جبکہ اس مکان میں روح ہے انسان کہنا چاہیے۔ مگر جب وہ روح پرواز کر جائے تو انسان نہ کہنا چاہیے

حالانکہ زندہ انسان جب تک ہلا ہوا ہے۔ بیچک اس میں روح ہے اور جب روح نہ رہے تو مردہ انسان کہلاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ روح قالب ہو تو زمین گھوڑے میں بھی ہوتی ہے۔ حالانکہ اسے انسان نہیں کہا جاتا۔ اگر اسم انسان کی علت روح ہوتی تو یہ ضرور تھا کہ جہاں روح کا وجود ہوتا وہاں ہی الحلاق اسم انسان صریح ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ مذکورہ قول بالکل باطل ہے۔

۲۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان روح و بدن پر یکجا واقع ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو پھر نام ساقط ہو جاتا ہے جس طرح ایک گھوڑے پر دو رنگ ملتے ہوں۔ ایک سیاہ ایک پیلا تو اسے ابلق کہتے ہیں اور اگر فقط سپید رنگ ہو تو سپید کہتے ہیں۔ یہ بھی قرآن کریم کے حکم کے ماتحت بالکل باطل ہے۔

یہاں اشارہ ہے۔ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی الْاِنْسَانِ حَیْثُ مِنْ الشَّعْرِ لَکُمْ یَکُوْنُ حَیْثُ اَمَدٌ کُوْمَرًا۔ کیا انسان پر وہ وقت گزرا ہے کہ جب وہ کوئی شے مذکور نہ تھا۔ حالانکہ آدمی سبے جان مٹی کو بھی انسان کہا گیا۔ یا آگ کہ ابھی تک اس کے قالب میں جان پیرستہ نہیں ہوئی۔

۳۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان ایک جُز لا یتجزی ہے اور اس کا تمام دل ہے اور یہی قاعدہ اوصاف انسانی ہے۔ حالانکہ بھی محال ہے۔ اس لیے کہ اگر انسان کو مار ڈالیں اور اس کے اندر سے دل نکال لیں تو اسم انسان اس سے نہیں جاتا اور روح سے قبل باتفاق محققین قالب انسان میں دل نہیں ہوتا۔

۴۔ ایک جماعت جو متصرفہ سے ہے اسے بھی حقیقت حق کی تحقیق میں غلطی واقع ہوئی ہے وہ کہتی ہے کہ انسان اکل و شارب اور ملبغیز نہیں ہے وہ درحقیقت اسرار الہی میں سے ایک ستر ہے اور یہ جسم لباس انسانی ہے۔ اس میں امتزاج طبع اور اتحاد جسد و روح ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ باتفاق جملہ عقلاء۔ اسم انسان کا الحلاق بانی و کفار و فساد سب پر ہے اور ان کے اندر اسرار الہیہ کے کئی درجے سے کچھ بھی نہیں۔ سب کے سب متغیر اکل و شارب ہیں اور اس کے قالب اور وجود میں ایسی شخصیت مخصوص کہیں نہیں جسے ان کی تعریف کے مطابق انسان کہا جائے

۵۔ زخم ستوران بدن پس دشت زخم شش شدہ داسا گشت ہشت

ستور کا ترجمہ بعض تفسیریں ملے ہیں کیا ہے ملاکہ ستور فارسی گھوڑے کو کہتے ہیں یہاں کہنے دار کے شعر سے مراد واضح ہے اور اگر تو یہ کہیں کہیں کئے تو بھی غلط۔ اس لیے کہ یہیں سے ہے اور عربی میں ۵ ہے۔

بلکہ حضرت رب العزت جل جلالہ نے انسان اس مجبور کا نام رکھا جس سے کہ انسان مرکب ہے
چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي
رَحْمَتِنَا ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا
فَكَسَوْنَا الْعِظَ لَحْمًا ثُمَّ آتَيْنَاهُ خُلْفًا أَخْرَقْنَا ذَاكَ فَتَبَايَعْنَا لَهُ يَحْسِبُ
الْحَيَّ الْقَيُّومَ۔ اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو گندہی ہوئی عاف مٹی سے۔ پھر کیا ہم نے اس
میں قطرہ مٹی کو ایک خاص جگہ ٹھہرنے والا۔ پھر کیا ہم نے نطفہ کو جا ہوا خون۔ پھر بنایا ہم نے
جسے خون کو مضغہ گوشت۔ پھر بنائے ہم نے مضغہ سے ہڈیاں۔ پھر چمکایا ہم نے ہڈیوں پر گوشت
پھر نشوونما فرمائی ہم نے دوسری پیدائش میں تو بڑی برکت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بہترین خالق ہے۔
تو حضرت رب العزت جل جلالہ نے جو امدق امقاد قیسی ہے۔ خاک سے اس صورت کو
پیدا فرمایا اور جبکہ تغیرات اس پر ہوتے۔ مگر ہر زمانہ میں اس کا نام انسان ہی رکھا۔

چنانچہ ایک جماعت اہل سنت و جماعت کی کہتی ہے کہ انسان حی ہے اور اس کی صفات
محدودہ ایسی ہیں کہ موت اس ہم کو اس سے نہیں اٹھا سکتی۔ جیسا کہ صورت محدودہ اس ہم کو کلاکت
موسم ظاہر و باطن سے محدودہ نہیں کر سکتی۔ اور مراد صورت سے تدریجی دوا دی ہے احوالات سے
مراد موسوم انسان سے انسان کا مجزون و عاقل ہوتا ہے۔

غرض کہ باتفاق عقلہ انسان جس قدر صحت کی طرف ہر گز۔ کامل تر ہوتا چلا جائے گا۔ اور مخلوق
میں یہ سب سے کامل ہے۔ اب یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ترکیب انسانی عاقل تر ہوتی ہے۔ وہ تحقیق
کے نزدیک تین معنی سے ہوتی ہے۔ ایک روح دوسرے نفس تیسرے جسم اور اس کے ہر معنی
میں ایک صفت ہوتی ہے۔ جو اس میں کے ساتھ قائم ہے۔

چنانچہ روح کے لیے عقل اور نفس کے لیے ہوا اور بدن کے لیے حش۔ اور انسان نمونہ
عالم ہے۔ اور عالم دو جہان کا نام ہے۔ اور دونوں جہان کے نشانات کا مجموعہ انسان ہے۔ اس
جہان کے نشان تو انسان میں پانی۔ خاک۔ ہوا۔ آگ ہے اور ان کی ترکیب بغم خون، صفر اسودا
سے ہے۔ اور اس جہان کے نشان بہشت نمود زخ اور عرصات محشر ہیں۔

تربان بہشت کی بجائے اپنی لطافت سے بنتی ہے۔ اور رند زخ کی بجائے نفس اور آفات

دشت ہو جاتے ہیں اور ہم بچاتے عرصاتِ عشرت کے ہے۔ اور عرصۂ عشرت میں جو اعمال یا رہو گا وہ بھی وہ معنی میں ہے۔ قر کے ساتھ یا برائست کے ساتھ۔ تربشت تمہو رضاء و دست ہے۔ اور دوزخ تمہو عطا و غضب یا رہے۔

اسی طرح دوزخ مومن کو معرفتِ روح سے راحت ہے اور نفس کی وجہ میں حجاب و غلاطحت حتیٰ کہ مومن دوزخ سے اس وقت تک غلامی نہ پاتے گا۔ اور بہشت نہ پہنچ سکیگا۔ جب تک حقیقتِ ربوبیت نہ پاتے اور محبت کی صفائی کو حاصل نہ کرے۔ اسی طرح جب تک بندہ دنیا میں نفس سے نجات نہ پائے۔ تحقیق ارادہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے اس کی قائدِ روح ہے۔ اور جب تک تحقیقِ ارادہ حاصل نہ ہو۔ قربت و معرفتِ ذات کو نہیں پہنچ سکتا۔

تو غلامی یہ ہوا کہ جو دنیا میں اس ذات کو پہچان لے گا۔ غیروں سے اعراض کرے گا اور صراطِ شریعت پر قائم ہو گا۔ ترقی است کے دن دوزخ و دل صراط کو دیکھے گا۔

مختصر یہ کہ دوزخ مومن وہ ہے جس کو بہشت پکارتا اور بلاتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں وہ نمونہ بہشت تھا۔ اور نفس وہ ہے کہ اس کو بلانے اور پکارنے والا دوزخ ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں وہ نمونہ دوزخ تھا۔ تو مومن وہ ہے جو کامل مدبر عقل ہے اور دوسرا وہ ہے جس کی قائدِ عرس و ہوا ناقص ہے۔ تو ایک کی تدبیر صواب ہے۔ دوسرے کی تدبیر ناقص اور مضیض ہے۔ تو طالبِ درگاہِ احدیت پر فاجب ہے کہ ہمیشہ مخالفتِ نفس کرے تاکہ اُس کی مخالفت سے روح اور عقل کو مدد ملتی رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل جو کچھ شاخِ کرام نے نفس کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں اَشَدُّ الْجَبَابِ مُؤَدِّيَةُ النَّفْسِ وَ تَذْيِيرُهَا۔ سخت ترین بندہ کا عجبِ نفس کا دیکھنا ہے۔ اور ان کی تدبیر کا اتباع۔ اس لیے کہ مطابقتِ نفس مخالفتِ حق عزوجل ہے اور مخالفتِ حق تمام مجاہدوں کا سرچشمہ ہے۔

اور حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلنَّفْسُ صِفَةٌ لَا تُسْكَنُ إِلَّا بِالتَّائِبِ۔ نفس ایسی صفت ہے جسے کون بغیرِ تائب پرستی کے نہیں۔ اور حق سے اس کی سیری برگز نہیں ہوتی۔

حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ثَرِيدٌ اَنْ تَعْرِفَ الْحَقَّ مَعَ بَقَاءِ
نَفْسِكَ قِيْلَ وَنَفْسُكَ لَا تَعْرِفُ نَفْسَهَا كَيْفَ تَعْرِفُ غَيْرَهَا۔ اگر تو جانتا ہے
کہ اپنے رب کو پہچانے اور نفس کو سلامت رکھے تو تجھ میں تیرا نفس اپنے کو باقی رکھنے کی صورت
میں تجھ کو نہیں پہچاننے دیتا۔ تو پھر تو غیر ذات باقی کو کیسے پہچان سکتا ہے۔ مگر جب تک تیرا
نفس باقی ہے تجھے خود بخود مجرب رکھیگا اور جب تو مجرب ہوگا۔ تو کس طرح کشف جمال حاصل
کر سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَسَاسُ الْكُفْرِ قِيَامُكَ عَلَى مَرَادِ
نَفْسِكَ۔ کفر کی جڑ تیرا قیام ہے مراد و مقصود نفس پر۔ اس لیے کہ نفس کو طیفہ اسلام سے
مقاومت نہیں تو لامحالہ نفس ہمیشہ احراض اسلام پر کوشاں رہے گا۔ اور مکر میں ٹکرتا ہے اور
جو ٹکرتا ہے وہ بے گناہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دلرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلنَّفْسُ خَائِنَةٌ بِالْاَنَفِ
مَتَابَعَةٍ مِنَ الْبِرِّضَاءِ وَاقْصَلُ الدُّخْمَالِ خِلَافُهَا۔ نفس غائن ہے۔
امانت ایمانی میں اور مانع ہے اعمال صالحہ سے اور طلب رفا کا مخالف ہے۔ لہذا بہترین اعمال سے
مخالفت نفس ہے۔

اس لیے کہ خیانت امانت میں مقتضی بیگناہی ہے اور ترک ممانعت کرنا اور تباہ ہونا ہے
علاوہ اس کے مشائخ کرام کے بہت سے اشادات ہیں جن کا احصاء و حصر اس مختصر میں مشکل ہے
اب ہم اپنی مقصود کی طرف آتے ہیں اور مذہب سہل میں جو صحت مجاہدہ نفس و ریاضت پر ثبوت
ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ و بائذ التوفیق۔

مجاہدہ نفس

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ الَّذِينَ جَاهَدُوا فَاُنْهَدُوا لَنَكْفِيَنَّهُمْ مِّمَّنَّا
وہ لو کہ جنہوں نے ہمارے معاملہ میں مجاہدہ کیا البتہ ہم انہیں اپنی راہ دکھا دیں گے۔ اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي اللَّهِ۔ مجاہدہ کرنے والا وہ ہے جس
نے اللہ کی راہ میں اپنے نفس کا مقابلہ اور اس کی مخالفت کی۔

اور فرمایا: **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعَلْنَا مِنْ الْجِهَادِ الْأَضْعَفِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ**
قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ قَالَ مُجَاهِدَةُ النَّفْسِ۔ روئے ہم
 چھوٹے جہاد یعنی عزوات سے بڑے جہاد کی طرف۔ صماہنے عرض کی۔ حضور بڑا جہاد کیا ہے۔ فرمایا
 نفس کا مقابلہ۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزوات پر جہاد نفس کی فضیلت ظاہر فرمائی
 اس لیے کہ نفس کے جہاد میں رنج زیادہ ہے اور وہ خواہش نفسانہ کو دفع کرتا ہے اور جہاد نفس
 یہ ہے کہ نفس کی خواہشات پر قہر کرنا۔

تواب ابھی طرح یاد رکھو۔ خدا تمہیں عزت دین و دنیا عطا فرماتے۔ طریق مجاہدہ نفس ظاہر
 اور واضح ہے اور تمام ادیان و مل میں اسے پسند کیا ہے اور صوفیوں کے طریق میں مجاہدہ نفس کا
 طہار رکھنا مختصر ہے۔ اور صوفیاء عوام و خواص مجاہدہ نفس کو خاص طور پر لازم جانتے ہیں اور اس
 میں مشائخ کرام کے رموز اور ارشادات بہت زیادہ ہیں۔

حضرت سہل بن عبد اللہ قسری رحمۃ اللہ علیہ اس مجاہدہ نفس کو اصل اصول تصوف قرار
 دیتے اور اس میں خاص باب اللہ فرماتے ہیں۔ اور دلائل مجاہدہ ان کے بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے
 ہیں کہ حضرت سہل نے اپنی یہ عادت کر رکھی تھی کہ چند روز بعد ایک بار آپ کھانا تناول فرماتے۔
 اور اس قدر تعلیل غذا کرنے کے باوجود آپ کی عمر مبارک بہت طویل تھی۔

چنانچہ حضرت سہل نے بھی شاہدہ کے لیے مجاہدہ کو ملت فرمایا۔ اور عرفان حق کی طلب کے
 لیے مجاہدہ کو خاص طور پر رتھ قرار دیا ہے۔ حضرت سہل ایسی حیات دنیا کو جو طلب شاہدہ میں
 ہو اس حیات انفرادی پر جو جزاء مل کے لیے ہے بہتر و بزرگ فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ جزاء اس
 حیات کے اعمال کا ثمرہ ہے۔ ترجیح حیات دنیا میں عمل کرے گا۔ تو عاقبت میں شرف پائیگا
 بغیر خدمت و مجاہدہ قربت حاصل نہیں ہو سکتی تو انسان کو چاہیے کہ حاصل بحق ہونے کی جو علت
 ہے یعنی مجاہدہ اس میں اتنی سعی کرے جتنی اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے۔ **أَلَمْ تَشَاهَدْ أَنَّ**
قَوَائِمَ الْمُجَاهِدَاتِ مِثَابَاتِ مُجَاهِدِينَ کی میلث ہیں۔

ایک کہتے ہیں کہ مجاہدہ وصول الی اللہ کی علت ہے۔ اس سے ایک تہ تقریب عطا الہی سے

جیسی صفات انسانیت سے بدل جاتی ہیں۔

چنانچہ بعد ریاضت گھوڑا پاک اٹھا کر اپنے سوار کو دیتا ہے۔ ہرگز میں گیند اٹھا کر سوار کو دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر ایک بے عقل بھی رٹ کے کہ ریاضت کر کے عربی زبان میں فصیح الفصحاء بنالیتے ہیں اور اس کی گوار زبان جو طبی تھی۔ ایسی طبع ہو جاتی ہے کہ یاد شاید۔

ایک وحشی جانور بعد ریاضت اتنا سہما یا ہوتا ہے کہ جب اسے چھوڑ دیا جاتے اور جب چھوڑ فوراً آجاتے۔ حتیٰ کہ اسے وہ آزادی جو پہلے تھی۔ اب ریاضت کے بعد اس سے زیادہ قید پسند ہو جاتی ہے۔

گندے کتے کو دیکھو کہ ریاضت و مجاہدہ کے بعد اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کا مارا ہوا حلال ہو جاتا ہے۔ اور بلا ریاضت و مجاہدہ کے اگر انسان بھی مارے۔ تو وہ شرفاً حرام ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو ثابت ہوا کہ شرع اور حکم کا عار بھی مجاہدہ و ریاضت پر ہے۔

پھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود حصول قرب اور وصل مطلوب کے اور عاقبت کی طرف سے بے فکر کئے جانے کے اور عصمت و پاک دامنی محقق ہوتے ہوئے دن بھر کی عبادتیں اور باتوں کی شب بیلادیاں اس قدر زیادہ کیں جو مجاہدہ سے بھی آگے بڑھ گئیں حتیٰ کہ قرآن کریم میں حکم باری تعالیٰ نازل ہوا۔ **حَلَفَ مَا أُنَزِّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ يَتَشَقُّ** اے محبوب! ہم نے تم پر قرآن کریم اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ کو استغناء و شقت میں ڈال دیں۔ **وَكُنْتُمْ بِهِ بَشِيرًا** طہ میں طہ اورہ جڑ ہے اس کے عدد باعتبار اعداد انجمن چودہ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ طہ کے عدد ۹ ہوتے ہیں اورہ کے عدد پانچ۔ دونوں کو جمع کرنے سے ۱۴ کا عدد حاصل ہوتا ہے اور چودھویں رات کا چاند چڑھ کر کامل ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کرم خاص سے فرمایا۔ اے ہمارے ماہ کامل ہم نے یہ قرآن تجھ پر شقت بڑھانے کے لیے نازل نہیں فرمایا۔ **لَا تَزِجُ بِلِقَائِكَ خَلِيبٍ** سجدہ مذیر غاں خفرا

۱۰ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ **قُلْ أَجَلٌ لَّكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمُ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ** ۱۱۔ فرما دیجئے کہ حلال کی نہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے بے حالیہ ہیں۔ انہیں شکار پر دوڑاتے ہو تو تمہیں علم خدا نے دیا ہوا ہے۔ ۱۲۔ **وَلَا تَزِجُ بِلِقَائِكَ خَلِيبٍ**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے مسجد کے وقت پتھر اٹھا رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ اس میں حضور کو تکلیف ہو رہی ہے میں نے عرض کی حضور یہ خدمت میرے سپرد فرمادیجئے تاکہ حضور کی جگہ یہ کام میں کر دوں۔ حضور نے فرمایا: خُذْ غَيْرَهَا فَإِنَّهُ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ۔ تم اور پتھر اٹھاؤ اس لیے کہ آرام دنیا کا کچھ نہیں۔ آرام تو آخرت کا ہے۔ اور یہ مقام مشقت و ریاضت ہے۔

اور جان بن خالد جو راوی ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضور عز و ہ میں جہاد کے بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا: أَبَدًا بِنَفْسِكَ فَجَاهِدْنَا وَأَبَدًا بِنَفْسِكَ فَأَعِزِّهَا فَإِنَّكَ إِنْ قَتَلْتَ فَاسْتَأْتَيْتَ اللَّهَ مَوَاتِيًّا وَإِنْ قَتَلْتَ مَوَاتِيًّا فَاسْتَأْتَيْتَ اللَّهَ مَوَاتِيًّا وَتَحْتَسِبُ۔ اپنے نفس کے ساتھ جہاد شروع کر اور پھر اپنے نفس سے ہی نزا کر۔ اس لیے کہ اگر تو نے اُسے قتل کر لیا۔ بھلگے ہوئے تو اللہ تجھے برزخ قیامت اس کے بھگانے والوں میں اٹھائیگا اور اگر تو نے اسے قتل کیا دیکھ کر قیامت کے دن اللہ تجھے نفس کی نگرانی کرنے والوں میں اٹھائیگا اور اگر تو نے اُسے قتل کیا صبر کر کے آخرت کے اجر کی امید پر تو اللہ تجھے قیامت کے روز صابر و متعجب اٹھائیگا۔

غرض کہ جس قدر الفاظ و عبارات میں مجاہدہ کی تعریف کی گواہی ہے۔ اسی قدر مجاہدات کا اثر اصول تصوف میں ہے جس طرح کہ یہاں جہاد اور تالیف بغیر تصریح کے مفید نہیں۔ ویسے ہی اصول تصوف میں مجاہدہ بغیر کسی قسم کا مل و دست نہیں۔ اور جو اس کے سوا دعویٰ کرے وہ غلطی ہے۔ اس لیے کہ جہان اور اس کے حادث کا ثبوت اس کے خالق کی معرفت پر دلیل ہے۔ اور معرفت نفس اور اس سے مجاہدہ معرفت خدا کے لیے اصل الاصول ہے۔

اور وہ دوسری جامعیت جو مجاہدہ کو سبب تقرب و عرفان نہیں مانتی اس کی یہ دلیل ہے کہ یہ آیت کریمہ باعتبار تفسیر مقدم مؤخر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اِنَّهُمْ فِي شَرِّ الْاَوَّلِينَ۔ وَالَّذِينَ هَدَيْنَا سُبُلَنَا جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِينَ هَدَيْنَا سُبُلَنَا جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِينَ هَدَيْنَا سُبُلَنَا جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

ہم نے راہ دکھائی۔ انہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا۔ اللہ عزوجل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 لَنْ يَنْجِيَّ أَحَدٌ كَثْرَ بِعَمَلِهِ۔ کوئی تم میں سے اپنے عملوں کے بدلتجات نہیں پاسکتا۔ قِیلَ
 وَلَا اَمْتًا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گئی اور حضور آپ بھی قَالُوا لَا اَنَّا لَمْ اَنْ يَتَعَمَّقَ فِي
 اللہ صِدْقَتِهِ فرمایا۔ ہاں اور میں بھی نہات نہیں پاسکتا۔ مگر کہ اللہ اپنی رحمت سے مجھے نکالے گا۔
 تو معلوم ہوا کہ مجاہدہ و ریاضت بندہ کا فعل ہے اور یہ محال ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی
 نہات کا سبب ہو۔ تو بندہ کی خلاصی اور نہات اور بت اللہ سے متعلق ہے۔ نہ کہ مجاہدہ سے
 اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ يَسِّرُ اللّٰهُ اَنْ يَهْدِيَ شِرْطًا مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ
 وَمَنْ يَسِّرْهُ اَنْ يُضِلَّهُ يَتَّخِذْ صَدْرًا كَصَيْفٍ خَارِجًا۔ جس کے ساتھ اللہ ارادہ فرمائے
 ہدایت کا تو اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ اسلام کے سفر کی طرف اور جس کے ساتھ اللہ ارادہ فرمائے گمراہ
 رکھنے کا اس کا سینہ تنگ فرلا دیتا ہے اور حکم کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ تَوْفِيقَ
 الْمَلِكِ مَن تَقَادَرَتْ اَنْزِلَ فِي مَن تَشَاءُ۔ جس کو اللہ چاہے ملک ایمان عطا فرمائے
 اور جس سے چاہے ملک ایمانی سلب فرمائے۔ ان آیات میں اپنے ارادہ کے مقابلے میں مخلوق کے
 ارادہ اور مجاہدہ کی نفی فرمائی ہے۔ تراگر مجاہدہ ہی حصول اور قرب ذات کی علت ہوتا تو شیطان
 بڑا مردود نہ ہوتا۔ اور اگر مجاہدہ قرب الہی سے روز ہر سنک علت ہوتا تو آدم علیہ السلام ہرگز مقبول و
 مصطفیٰ نہ ہوتے۔

تو ہر معاملہ سابقہ الہیہ پر موقوف ہے نہ کہ کثرت مجاہدہ پر۔ جو زیادہ نہاد و ریاضت کرنے
 والا ہے۔ وہ مومن غضب جبار نہیں بلکہ جو مستحق معنایات الہی ہے۔ وہی نزدیک تر ہے ذات
 حق سے۔

ایک مروجہ میں مقررہ اطاعت ہے مگر قرب حق سے بعید و مردود ہے اور ایک زہد و خراباتی
 ترکیب معاشی ہے مگر ذات حق سے نزدیک ہے۔ تو اب سب سے بہترین پہلو یہ ہے کہ جس کا ایمان

لے (یعنی کوئی نبی و جہات نبوت بنیر معصوم نہیں اور منصب نبوت اللہ تعالیٰ کا سایہ رحمت
 ہے اور یہ سایہ ہر نبی پر چھایا ہوا ہے۔ بالخصوص حضور کی ذات اقدس پر ہر لمحہ اپنا سایہ رحمت
 ہے کہ ذات اقدس مجتہد رحمۃ العالمین ہے) اور مستقیم

فری ہے وہی مقرب ہے اور میں۔ جو لوگ تکلیف باحکام نہیں اس پر حکم ایمان کا ہے۔ اور ایک شخص مجنون ہے لیکن مجنون ہونا اس کے ایمان کے خلاف نہیں اس پر بھی حکم ایمان کا ہوگا تو سب سے بڑی چیز عطا الہی ہے اور مجاہدہ و ریاضت ہرگز علت نجات و تقرب نہیں۔ اور میں کہتا ہوں حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان البلاوی رحمۃ اللہ علیہ کے سب چیزیں جو مذکور ہوئیں عبارت میں تو محسوس ہیں لیکن حقیقت معنی اس کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ایک کہتا ہے مَنْ طَلَبَ وَجَدَ۔ جو طلب کرتا ہے پایا ہے۔ دوسرا کہتا ہے مَنْ وَجَدَ طَلَبَ۔ جو پایا ہے وہ طالب ہو جاتا ہے تو کہیں پانا سبب طلب کا ہے۔ کہیں طلب کرنا، سبب پانے کا کہا جاتا ہے۔ تو گراؤ کے نزدیک مجاہدہ کر لے سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایک کے نزدیک مشاہدہ کے بعد مجاہدہ کیا جاتا ہے۔

اور ان سب باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ مجاہدہ مشاہدہ میں بھانسنے تو فوق الطاعت سے ہے۔ اور وہ محض عطا الہی ہے۔ تو جب حصول طاعت کے لیے تو فوق الہی مال ہے تو فوق بھی فیض طاعت حاصل ہوگی۔ اور جب مشاہدہ و مجاہدہ موجود نہیں تو بے مجاہدہ مشاہدہ بھی محال ہوگا۔

تو ہر معاملہ میں سعادت جہاں تھیل کی ضرورت ہے تاکہ بندہ کو مجاہدہ کی طاقت ملے ہو۔ تو جب علت وجود مجاہدہ اس لمحہ کی تابانی کو ظاہر کر دے تو ہدایت حق مسابقت کرے گی مجاہدہ پر۔ لیکن جو جماعت سہل یہ عجت پیش کر رہی ہے کہ جو مجاہدہ کو سبب مشاہدہ نہیں مانتا وہ جملہ انبیاء کرام و کتب و احکام شراعیہ کا منکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تکلیف کا علاج مجاہدہ پر رکھتی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ وہ تکلیف کا دار و مدار ہدایت حق تعالیٰ پر رکھتی۔ اس لیے کہ ثبوت حجت کے لیے نہ حقیقت وصل کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُنَّا نُرِيَنَّكَ الْيَوْمَ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا يَشْعُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ اگر ہم فرشتوں کو ان کی طرف نازل فرمائیں اور مردے ان سے کلام کر لیں اور قبروں سے نکل آئیں تو سب چیزیں ان پر ظاہر ہو جائیں تو جب تکہ ہم نہ چاہیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ کیونکہ علت ایمان ہماری مشیت ہے نہ کہ قدرت و دلائل اور ان کی کوشش۔ اور پھر فرمایا۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرَتْهُمْ أَمْ لَمْ يُنذَرُوا

اس کا بیان منقطع تھا۔ یعنی وہ خالص مجاہد تھے نہ نشان عینی زبانی فرج کرنے والے۔

وہ اس گروہ کی طرح نہ تھے جس سے بغیر عمل میں جہاد کو مذہب بتایا۔ اور امر بھی محال ہے کہ عمل و اعتقاد صرف بیان پر موقوف ہو جائیں۔

مختصر یہ ہے کہ اہل طریقت کے لیے بالاتفاق مجاہدہ اور ریاضت لازمی ہے۔ لیکن مجاہدہ میں درست مجاہدہ آفت ہے تو جو مجاہدہ کی نفی کر رہا ہے اس میں مجاہدہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ درست مجاہدہ مراد ہے تاکہ عجب و سخت شہید اہو۔ اپنے عمل سے عمل قدس میں۔ کیونکہ مجاہدہ فعل جہد ہے۔ اور مشاہدہ کا وصول فعل مجہود۔ تو جب تک خدا عز و جل کا وصل نہ ہو۔ فعل جہد کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ خدا کی قسم ایک دن تو خود انصاف سے کہے گا کہ باایں آماجنگ و مشاغل کے تو نے فضیل حق نہ پایا اور اس پر تو فضول اس قدر اپنے عمل کی تسلی مار رہا ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ اعمال و افعال مجربان افعال الہی ہوتے ہیں اور خود اس میں محض بے اختیار ہیں۔ صرف گزارش اور تہریر نفس ان کا ہے اور گزارش تمام کی تمام فرازش ہے۔ اور غافلوں کا مجاہدہ غافلوں کا ہر فعل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال میں بوجہ ان کے اختیار کے تشویش و پریشانی اور پراگندہ دلی ہوتی ہے اور پراگندہ دلی کی آفت ان پر استیلا کرتی ہے۔ تو جہاں تک ہوسکے اپنے عمل کو اپنا فعل نہ بنا اور کسی حالت میں اتباع نفس و ہوا نہ کر۔ اس لیے کہ تیرا وجود تیرے لیے ایسا جانتا ہے کہ اگر ایک فعل سے مجرب ہوگا تو دوسری طرف کھلے گا اور ایسا تو پھر جب تیرا تمام وجود ہی جواب ہے۔ تو جب تک کلیۃً قلوبہا ہر شے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لَا تَلْبَسُ الْكُفْرَ بِأَيِّ وَجْهٍ وَلَا يَكْفُرُ إِلَّا بِالْذَّبَالِغِ۔ اس لیے کہ نفس ایک سرکش کتا ہے اور کتے کی بلدیہ بغیر و بافت اور رنگائی کے پاک نہیں ہوتی۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت حسین بن منصور علاج رحمۃ اللہ علیہ کو لوہ میں محمد بن حسین علوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر جا کر آئے۔ اور حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ بھی کوئٹہ میں تشریف لائے۔ جب انھیں حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کی خبر پہنچی خدمت میں تشریف لائے۔

۱۔ (جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔) (از ترجمہ غفر)

جواب چہرہ جاں می شود خیار تنم خوشامدے کذاں چہرہ پردہ برنگم

marfat.com

Marfat.com

حضرت منصور نے فرمایا۔ ابراہیم آپ کو اس کو چہ طریقت میں رہتے ہوئے چالیس سال گزر گئے
اس میں آپ نے کیا چیز ایسی پائی جسے بالخصوص تسلیم کیا جائے۔ عرض کی حضرت مجھے تو سب سے
بڑی چیز توکل نظر آتی ہے۔

حضرت منصور نے فرمایا۔ اَلْكَفِّتُ عَمْرًا فِي عَمْرٍ ابْنِ بَابِلَيْنِ قَائِلُ الْفَتَا
فِي الْكُوفَةِ۔ ابراہیم آپ نے اپنی عمر باطن کی طرف سے ضائع کی۔ پھر تو میدان فنا ہونا کب
ہو گا۔ عین توکل ایک عمل ہے جو اپنی طرف سے اپنے رب کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جس کا
مقصد یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں اللہ کے ساتھ پردہ غیب سے نمود میں آئے۔ اس پر ہر دوسرے
الکھنا۔ قریب تمام عمر معاہدہ باطن میں گزار دی تو اب ایک دوسری عمر کی ضرورت ہے۔
اس میں علاج ظاہر کیا جائے۔ اس لیے کہ اس طریقہ عمل میں تو قریب حق کے بعد بھی حاصل
ہوتی ہیں ہر گز۔

حضرت شیخ ابو علی سیاح مرندی فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو دیکھا، اپنی صورت کے مثل کہ
میں نے اس کے مال پکڑ رکھے ہیں جب میں نے اُسے دیکھا تو اس شخص نے وہ بال میرے ہاتھ میں
برہم دیتے۔ میں نے اسے سخت سے باز کر مارنے کا حکم کیا۔ تو نفس مجھ سے بولا۔ اے ابو علی محنت
اند کرو۔ میں شکر الہی سے ہوں تم مجھے مٹا نہیں سکتے۔

حضرت محمد بن علی بن نسوای سے مروی ہے۔ یہ حضرت جنید کے بڑے صحابوں میں سے
ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ابتداء میں ہی آفات نفس پر آگاہی ہر گز تھی افد میں نے اپنے کچھ قلب
میں اس کی کہیں گاہ معلوم کر لی تھی۔ مجھے اس سے سخت دشمنی تھی۔ ایک دن بلی کی صورت میں
وہی چیز میرے حلق سے نکل۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی شناخت کرائی میں نے جانا کہ یہ نفس
ہے۔ میں نے اُسے زمین پر ڈال کر راتوں سے بعد تا شروع کر دیا۔ مگر جوں جوں میں اُسے لایق
ماتا تھا۔ ترن توں وہ بڑھتا جاتا تھا۔ میں نے کہا۔ ادھیٹ ہر چیز مار پیٹ سے گھٹتی ہے۔ تو
میں نے یہ بڑھ رہا ہے۔ نفس بولا۔ حضرت میری آفرینش مخلوق کے برعکس ہے۔ جو چیزیں آپ کے
لیے رنجہ ہیں۔ میرے لیے وہ موجب راحت ہیں۔ اور جو چیزیں آپ کے لیے سبب راحت
ہیں میرے لیے موجب رنج ہیں۔

حضرت ابراہیم شہنائی رحمۃ اللہ علیہ نام وقت گزر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ میں ایک ر۔

اپنے گھر آیا۔ ایک چھوٹا سا گناہ زرد نظر پڑا کہ ایک جگہ سو رہا ہے۔ میں سمجھا کہ عدا میں سے کسی طرح یہاں آکر سرگیا ہے۔ میں نے اُسے نکالتا چاہا تو وہ میرے دامن کے نیچے آیا اور غائب ہو گیا۔

حضرت ابو القاسم گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو آج کے دن کتب خانہ میں ابنا اشد تھا لی۔ وہ اپنے ابتدائی حالات سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو سانپ کی شکل میں دیکھا۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو چوہے کی صورت میں دیکھا۔ میں نے کہا۔ تو کون ہے؟ کہنے لگا میں غافلوں کی طاقت ہوں۔ اس لیے کہ بڑائی کی طرف بولنے والا اور شروع شروع کا داعی میں ہوں۔ اور مجبورانِ خدا کے حق میں نجات ہوں۔ اس لیے کہ میل و جود آفت ہے اگر میں مجبورانِ خاص کے ساتھ نہ ہوتا تو اپنی پاک بازی پر مغرور ہوجاتے اور اپنے اعمال پر تکیہ کرتے کیونکہ حب وہ دلوں کی پاکی اور اسرار کی صفائی اور ولایت کے انوار اور اطاعت پر استقامت دیکھتے ہیں تو ہمدردی میں ان میں پیدا ہو جاتی ہے اور جب مجھے دونوں پہلوؤں پر دیکھتے ہیں تو ان کے تمام محبوب فنا ہو جاتے ہیں اور وہ ہر محبوب سے پاک ہو جاتے ہیں۔ تمام باتیں اس امر پر دلیل ہیں کہ نفس ایک عین ہے نہ کہ صفت۔ اور اس نفس کے لیے صفت علیحدہ ہے اور ہم صرف نفس کی صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخذ اعد ذلک نفسک الیٰ بنیٰ جنہک
تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے۔ جو تیرے پہلو میں ہے۔

تو جب معرفت نفس حاصل ہو گئی تو مجھ کے کہ اب اسے ریاضت و مہاہ سے اپنے قبضہ میں لائے گا۔ لیکن نفس کا مایہ اور اس کی اصل ناپرد نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب نفس کی شناخت صحیح ہو جاتی ہے۔ تو طالبِ حق کو اس کے باقی رہنے سے خوف نہیں ہوتا لائق النفس کذب
مباح و ایتساک الکذب بعد التریاضۃ مباح اس لیے کہ نفس یکسو ہوئے والا کتاب ہے اور ریاضت و اصلاح کے بعد کتب کا باطن رکھنا مباح ہے۔ تو مجاہدات نفس و اوصاف نفس کے لیے ہیں نہ کہ اس کے صیب کو فنا کرنے کے لیے۔

اگرچہ مشائخ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بحث میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ لیکن خوفِ طواغیت کتاب اس پر اکتفا کرتا ہوں۔ اب ہم حقیقت ہوا اور ترکِ شہوات میں بیان شروع کرتے ہیں۔

حقیقت ہوا

کارنوں اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر ایک ایک جماعت کے نزدیک اوصاف نفس میں ایک صفت کا نام ہے۔ اور ایک گروہ کے نزدیک ہوا اس ارادہ کا نام ہے۔ جو نفس میں مدبر اور متصرف ہے جیسے عقل روح سے۔ اور ہر وہ روح جس میں عقل سے کوئی قہ نہ ہو وہ ناقص ہے اور ہر وہ نفس کہ اس میں ہر ایک قہ نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔

وہ نفس روح نفس قربت ہے اور نفس نفس عین قربت۔ اور ہمیشہ ہر بندہ کے لیے عقل اللہ ہر ایک کی طرف سے دعوت رہتی ہے۔ لیکن جو عقل کی دعوت کا پیر نہ ہو اور ایمان حامل نہ ہو وہ اس کی دعوت قبول کرے وہ گمراہی اور گمراہ ہوگا۔ تو ہر ایک واسطی کے لیے حجاب ہے اور غشائوں، نامردوں کے حق میں ان کا عباد مادی ہے۔

طالب اس جگہ سے ہمیشہ اعراض کر کے ہیں اور بندہ مخالفت نفس پر مامور ہے۔ اور خواہشات نفس کا مرکب ہو رہے۔ **لَا تَقْنُ مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ** اس لیے کہ جو نفس کی پیروی پر لگ گیا ہلاک ہوگا اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ نکل صفات کو پہنچ گیا۔ جیسا کہ حضرت رب العزت جل جلالہ نے فرمایا **وَأَمَّا مَنِ اخْلَفَ مَقَامَ رَبِّهِ وَتَهَوَّىٰ الْنَفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ** جو اپنے رب سے خائف رہا اور نفس کو اس کی خواہش و ہوس سے منع کرتا رہا۔ **فَيَا أَيُّهَا الْجَنَّةُ هِيَ الْعَادَىٰ** اس کے لیے جنت کا نام گاہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **أَخَوْفُ مَا أَخَافُ عَلَىٰ أُمَّتِي رِثَابُ الْهَوَىٰ وَطُولُ الْأَمَلِ** میری امت پر سب سے زیادہ خوفناک امر اتباع ہر ایک و حرص اور امید طویل ہے۔

اور حضرت سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما **أَقْوَمَتْ مَنِ اتَّخَذَ الْهَوَىٰ هَوَاهُ** کی تفسیر میں فرماتے ہیں **تَابَى الْهَوَىٰ إِلَهُهَا مَقْبُودٌ** یعنی کیا تو نے دیکھا اس کو جس نے اپنی خواہش نفسانی اور ہر ایک و حرص کو معبود کر لیا۔ یعنی وہ شخص جس کا خدا اور معبود ہر ایک ہے اور شب و روز اس کی ہمتیں اپنی ہوا کے پورا کرنے میں صرف ہو رہی ہیں ان پر انوس ہے۔ اور ہر ایک دو قسم ہیں۔ ایک ہوائے لذت و شہوت، دوسری ہوائے جاہ و خلق و ریاست۔

وہ شخص جو قبیح ہوائے لذات و شہوات ہے وہ شغلِ خرابات کے لیے شراب خوری اور قمار خانہ میں ہے۔ اس سے مخلوق ہر قسم کے فتنہ کی طرف سے مامون ہے اور وہ جو قبیح جاہ و ریاست ہے وہ صوامع اور دیر میں مجلّتِ نشیمن کرتا ہے اس کا فتنہ خلق میں لازمی ہے کہ اپنے کو دوا و ہلاکت سے گرا کر مخلوق کو گمراہ راستہ پر بلا دے۔ *فنعوذ باللہ من متاعوا النعمیٰ تو جس کی*

تمام حرکات میں عرض و ہوا اور اتباع ہوئی اس کی عین رضا۔ وہ خواہ آسمان پر ہی کیوں نہ پرواز کرے تقربِ حق سے بید و محروم ہی رہے گا۔

اور وہ جس کو ہوئی و عرض سے برات ہو اور اس کی اتباع سے اعراض۔ وہ اگرچہ بہت خانہ میں کیوں نہ ہو مغربِ بحق قتل ہوگا۔

حضرت ابراہیم خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ دم میں ایک راہب ستر سال سے رہبانیت میں گریبا کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔

میں نے کہا تعجب ہے کہ رہبانیت کی انتہائی مدت چالیس سال ہے۔ یہ کس لیے ستر سال سے اس گریبا میں بیٹھا ہوا ہے میں نے اس سے طے کا لیا۔ جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے در پہ کھول کر مجھ سے کہا۔ ابراہیم مجھے معلوم ہے جس کام کے لیے تم میرے پاس آتے ہو۔ میں ستر سال سے اس جگہ رہبانیت کے لیے نہیں بیٹھا ہوں۔ بلکہ میرے پاس ایک کتاب ہے جو عرض و ہوا سے شوریدہ ہے۔ میں اس جگہ اس لیے بیٹھا ہوں کہ اس گتے کی نگہانی کروں اور اس کے شر سے لوگوں کو دلد رکھوں۔ وہ میں وہ نہیں جو تھا تا آتا بڑا عرصہ میں اپنا اور اپنے دینا۔ جب میں نے اس سے یہ بات عرض کر میں نے باگیاہ اللہ میں عرض کی کہ بولا تو قادر علی الاطلاق ہے کہ اس راہب کو اس کی عین خلالت میں طریقِ صواب و دوا راستہ عطا فرماتے۔

راہب مجھ سے کہنے لگا۔ ابراہیم کب تک لوگوں کو ڈھونڈے گا۔ جا اپنے آپ کو تلاش کرو جب اپنے کو پا لے گا تو اس کی نگہانی کرو۔ کیونکہ ہر روز یہ ہوئی کا گتہ تین سو ساٹھ بار باس لکھتے

بہت بھول جاتے ہیں کہ وہ ہیں منہم کہ کچھ سے کہہ دیں گے
کہ رہبانیت مذہبِ صوفیوں کی ہے کہ وہ کہتے ہیں اسے ترک دینا بقدرِ طاقت کہ اس کی رافضیہ صوفیوں نے ہر سال کو فرات اور حکم دیا تو انہی نے بتایا کہ یہ الیوسفور۔ اسلام میں مسلمانوں کو ترک دینا نہیں۔

ہیں کریندہ گوگلاہی کی طرف بلاتا ہے۔

اور یہ حقیقت واقعہ ہے کہ جب تک بندہ سکھ باطن قلب میں معصیت کی جزا نہ ہو۔ ہر آنے معصیت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور جب ہوائے معصیاں ظاہر ہو جاتی ہے تو شیطان اسے اپنے جاں میں لے کر انواع و اقسام کی دلائل معصیت کی طرف لاتا ہے اور اس کے دل میں اپنی ظلمت کی بجلی کتا ہے اور اسی کو دوسراں کہتے ہیں۔

تو ابتداء معصیت ہوئی سے ہوتی ہے کَالْبَلَاۤءِیَ اَظْلَمُ۔ اور ابتداء کرنے والا بڑا ظالم ہے اور اسی حقیقت کو فرماؤں اَللّٰہِیْیْنَ مِیْنِ ظَاہِرِکُمَا۔ جب کہ ابلیس نے جناب باری میں عرض کی کہ اب میں تیرے بندوں کو اظہار کروں گا تو ارشاد ہوا اِنَّ جِبِلَّیْیَ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ۔ تجھے میرے خاص بندوں پر کچھ قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو ثابت ہوا کہ شیطان درحقیقت نفس اور بندہ کی ہوا ہے اس لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ عَلَیْہِ الشَّیْطٰنُ اَوْ عَشْرٌ وَاَنْتَ عِیْبٌ شَیْطٰنٌ۔ تم میں سے کوئی نہیں مگر یقیناً شیطان اس پر غالب ہے مگر غار رواق رضی اللہ عنہ کو وہ شیطان پر مینا اپنی ہوا پر غالب ہیں۔

تو یہ امر واضح ہے کہ ہر آدمی اور شہوات ابن آدم کی طینت و سرشت میں داخل ہیں اور اس کی راحت جان ہر جگہ ہیں۔ چنانچہ حضور سید یم الفتن صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ اَلْهَوٰی وَالشَّہْوَةُ مَخْجُوْنَتَانِ بِطِیْنَتِ ابْنِ اٰدَمَ۔ حرص و ہوائے اور شہوت ابن آدم کی طینت میں گوندمی گئی ہے۔

تو ہمیشہ یاد رکھو ترک ہونے بندہ کو امیر کرتی ہے اور اس کا اتباع اسیر بناتا ہے۔ جیسا کہ حضرت زینجانے اول ہونے کے اتباع کا رکاب کیا امیر مقلی اسیر ہو گئی۔ یوسف علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے ترک ہونے فرمایا۔ اسیر تھے مگر امیر ہو گئے جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پرچھا گیا۔ مَا اَتَوَصَّلُ قَالَ تَرَکْ اَرْتکاب الہوٰی واصل کیا ہے۔ کہا ہونے کے اختیار کرنے کی ترک۔ جو یہ چاہتا ہے کہ واصل میل کے ساتھ اپنے کو معظّم و اکرام بنائے وہ کیا کرے۔ فرمایا اس سے کہ دو کر ہونے تن کی مخالفت کرے۔ اس لیے کہ پہاڑ کا ناخون سے کھود ڈالنا اس سے آسان ہے کہ مخالفت ہونے کرے۔

ایک حکایت میں ہے جو حضرت فدا التون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک شخص دیکھا کہ ہوا پر اڑ رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ یہ وہ جس عمل کے بدلے میں پایا۔ بولا۔ میں نے عرض دہا کے راستے پر قدم نہ رکھا تو ہوا میں اڑ رہا ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ قبیح ہوئی ہو کر جمال جمیل حاصل کر رہا ہو۔ (اگر وہ طالب جمال جمیل حقیقی ہے تو ہوا پر اپنا قدم کیوں نہیں رکھتا کہ مقصود تک پہنچے اور دیدارِ یاد حاصل کرے اور نفس کی زیادہ ظاہر جو صفت ہے وہ شہوت ہے اور شہوت ان کی ایسی قوت کا نام ہے جو اجزائے جسم میں پراگندہ ہے اور تمام محاسن اس کے ساتھ ہیں اور بندہ ان کی نگہبانی پر مکلف ہے اور انسان ہر حس کے فعل کے ساتھ مشغول ہے آنکھ کی شہوت دیکھنا ہے اور کان کی شہوت سننا اور جسم کی شہوت چھونا اور دل کی شہوت سوچنا تو طالب کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی شہوات پر نگہبان اور حاکم ہو اور اس دنیا کی نگہبانی میں گمراہی نہ کرے تاکہ وہ اعلیٰ ہوئی جو حواس میں پیدا ہوتے ہیں از خود منقطع ہو جائیں اور اپنے رب حقیقی سے دست بردار نہ رہے کہ وہ تجھے ایسی صفت پر قائم کر دے کہ ایسے ملال سے اس کا دل تیرے باطن قلب سے مرفوع ہو جائیں۔

اس لیے کہ جو شخص اس شہوت دہوئے کی دلدل میں پھنس گیا۔ وہ تمام اعمال و اعمال سے محروم ہو گیا۔ تو اگر بندہ اس کو شکست اپنے سے دفع کرتا ہے تو اس کا رنج و محنت و رازہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اجناس ہوائے شہوت کا زور و دھوم تو اترا ہے۔ لیکن اس ارادہ اور اس طرح دفع کرنے کا جو طریقہ ہے وہ مسلم و مقبول ہے اور بعد کا میابی ضرور حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابوعلی سیاح مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حمام میں گیا ہوا تھا اور سنت کے مطابق استرو لے رہا تھا کہ دل میں خیال آیا کہ یہ عضو منبع شہوت ہے اور یہی تجھے آفتوں میں مبتلا رکھتا ہے۔ اسے اپنے سے جدا کر دے تاکہ شہوات سے آزاد ہو جائے کہ غیبی نداء آئی کہ اے ابوعلی ہماری حکمت میں تصرف تو کرتے ہو۔ یہی ہماری عزتوں کی ہوئی دنیا و جسم میں کسی عضو سے دوسرا عضو اولیٰ تر نہیں ہے۔ ہماری عزت و جلال کا قسم اگر تم نے یہ عضو اپنے سے جدا کر دیا تو تمہارے ہر جہنم میں اس موجود شہوت

سوجھ بوجھ اور ہوائے نفسانی رکھ دیں گے۔ اسی معنوں کی تائید میں کسی نے فرمایا ہے۔
 الْأَخْسَانُ دَخَلَ الْأَخْسَانُ
 اِثْرًا بَحْشُوا لَهٗ بَاذًا تَجَانُّكَ
 ترجمہ: اے احسان چھوڑ اپنا احسان اور ترک کر اللہ تعالیٰ کی قوتِ باطن کے ساتھ اپنے
 باطنِ خیم کے تصرف کر۔

غرضیکہ بندہ کو جسم کے خراب کرنے کی روایت حاصل نہیں اور کسی قسم کے تصرف کا اسے
 حق نہیں پہنچتا لیکن تبدیلِ صفت میں توفیقِ الہی اُسے اختیار ہے۔ اور احکام کی تسلیم اور
 اپنی قوت و ارادہ سے بہتری حاصل کر سکتا ہے کہ یہ حقیقت کیسی ہیں۔
 اور درحقیقت جب تسلیمِ امر کی توفیق ہو گئی عصمت حاصل ہو گئی۔ اور عصمتِ الہی
 بندہ کو حفظ اور فنا کے نزدیک ترک کر دیتی ہے کہ یہ ماہرہ ہے بِإِذْنِ الْغَيْبِ الْغَيْبِ بِإِذْنِ الْغَيْبِ
 اِثْرًا مِمَّا كُنْتُ بِإِذْنِ الْغَيْبِ یعنی کہیں کو بجاڑوں سے گزر کر دینا آسان ہے بہ نسبت اس کے
 کہ اسے اشارے سے گزر کر یہ جو کچھ بیٹھنے کے وقت اشارہ کرتا ہے۔ تو محافظتِ حق تمام آفات
 کو رائل کرنے والی اور ہم ملتیں کو دفع کر دینے والی ہے اور بندہ کو اس کے ساتھ کسی صفت میں
 مشارکت نہیں۔ سوائے اس کے کہ بندہ کو بقا اختیار و تصرف عطا فرمایا ہے وہ ظاہر ہے مگر
 اس کی ملکیت میں تصرف نہیں۔ جب تک اس کی تقدیر میں عصمتِ حق نہ ہو بندہ اپنی کوشش سے
 ہرگز کسی مقدر سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے کہ کوشش بعبادۃ قرۃ الہی کوشش ہے یعنی جب
 ہمک منجانب اللہ بندہ کو قرۃ عطا نہ ہو کوئی کوشش اسے سودمند نہیں اور قوتِ طاعت کوشش
 سے حاصل ہونے کی بجائے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور ہر قسم کی کوشش و قوت دو جگہ کوئی حیثیت
 رکھتی ہیں۔ یا قرأتی کوشش و جہد کرے کہ تقدیر الہی اس کے لیے بدل جائے یا خود تقدیر الہی
 کے خلاف کسی قوت کو حاصل کرے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ناممکن ہیں۔ یعنی کوشش سے تقدیر
 تقدیر ہرگز نہیں ہو سکتا اور کوئی کام بغیر تقدیر کے وجود میں نہیں آ سکتا۔

اس کی تائید میں ایک واقعہ ہے کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ آپ کی خدمت میں
 حبیب حاضر ہوا۔ عرض کرنے لگا۔ حضور پرہیز کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کس چیز سے پرہیز کروں
 اس سے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رزق میں تقدیر فرمادیا ہے۔ یا اس سے جو میرے لیے مقوم

ہی نہیں ہے۔ قرآن اس سے پرہیز کرنا چاہتا ہے جو میری قسمت میں مقرر ہے قرآن کی قوت مجھ میں نہیں۔ اور اگر اس سے پرہیز کرنا چاہتا ہے جو میرے لیے روزی میں مقسوم نہیں تو وہ مجھے پہلے ہی نہیں مل سکتی **لَا تَنْتَظِرُ الْمُنَافِقِينَ**۔ جس کو خدا نے شاہدہ علیٰ فرمایا ہے وہ مجاہدہ نہیں کرتا۔ اب اس مسئلہ کو باقیات و تمام انشاء اللہ دوسری جگہ بیان کیا جائے گا۔

فرقہ حکیمیہ

فرقہ حکیمیہ کا تعلق حضرت ابو عبد اللہ بن علی الحکیم ترمذی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اپنے وقت کے یکتا امام گزرے ہیں اور تمام علوم ظاہری و باطنی میں فرد تھے۔ آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ آپ کا کلام اور طریق عمل ولایت و تصوف کے رنگ میں تھا۔ اولیاء کلامیہ کے مراتب کی خاص رعایت رکھتے تھے۔ اور آپ کے مضامین میں بڑے بڑے مجرہ معنوی مذکور ہیں۔ آپ کے اصول میں کشف ابتدائی درجہ میں ہے۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے دوست ہی دنیا میں ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے برگزیدہ فرمایا ہے اور ان کی ارادت و خواہشات سب ان سے قطع کر کے اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں اور ان کے دعاوی نفس اور ہوائے دل سب اپنے قبضہ میں لیے ہوئے ہے۔ اور ان میں ہر ایک کو ایک درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ اور ان پر دروازہ معافی کھول دیا ہے۔ غرضیکہ یہ بحث بہت طویل ہے۔ اس کی تشریح کے لیے بہت اصول و آراء بیان کرنے ضروری ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ کون ہستیاں ہیں۔

اب ہم برہیل اختیار اس امر کی تحقیق بیان کرتے ہیں اور اس میں ان کے اوصاف اور مردان خدا کے ریاضات بھی نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اثبات ولایت

اچھی طرح جان لو کہ طریقہ تصوف اور اصول معرفت کی بنیاد تمام ولایت اور اس کے ثبوت پر موقوف ہے اور تمام مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس امر پر متفق ہیں۔ لیکن ہر ایک کا طریق بیان علیحدہ علیحدہ ہے۔

محمد بن علی رضی اللہ عنہ اس کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔

(چنانچہ ان کا ارشاد ہے) کہ ولایت وہ ہے کہ غیب سے گفت میں تصرف و ملکیت حق کے معنی دیتا ہے اور ولایت وہ ہے کہ غیب سے گفت میں تصرف و ملکیت حق کے معنی دیتا ہے۔

اس صورت میں یہ دونوں نعمت ایسے ہیں جیسے ولالت اور فلالت۔ اور ولایت یعنی رہنمائی بھی مستعمل ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے **هَذَا يَكُنِ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ** (یعنی اس وقت تمام قبضہ و تصرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہی ہے) یعنی بروقتیامت کفار بھی اللہ کی ذات کے ساتھ ہی کر لی کر کے اپنے دنیاوی مبرودوں سے ستر کی ظاہر کریں گے۔ اور ولایت یعنی محبت بھی مستعمل ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ ولایت پر ردی فعل ہو کر کہیں منقول ہو۔ جیسے قرآن کریم میں فرمایا۔ **وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ** (یعنی وہی ذات اپنے نیک بندوں کی حمایت کرنے والی ہے) گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اس کے افعال و اوصاف پر نہیں چھوڑا اور اپنے سایہ حمایت میں رکھنے کی خوشخبری دی۔ اور ہو سکتا ہے کہ قبیل کے وزن پر یعنی مبالغہ استعمال ہو اور نفس اعلیٰ کے معنی دے کہ بندہ کوئی بلا عیب حق کرے اور اس کے حقوق مدعی رکھ کر اس کے اتباع میں مدارست رکھے۔ اور اس کے غیر سے اعراض کرتا رہے تو پہلو جو یعنی منقول ہے وہ مرید ہو گا۔ اور دوسرا جو یعنی فاعل بطریق مبالغہ ہے وہ مولود ہو گا۔ اور یہ تمام پہلو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی طرف یا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف بٹھا ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ناصر و مددگار مہربان خاص ہوتا ہے۔ اور اس کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ **بِطَانَةِ مَحَابِّهِمُ كَرَامًا** (ارشاد ہوا **إِلَّا أَن تَصْرَ اللَّهُ قَرِيبًا** خبر وادارہ اللہ کی نصرت قریب ہے۔ اور کافروں کو فرمایا کہ **أَنَّ الْكَافِرِينَ لَا يَمُرُّونَ فِي كَهْفٍ أَيَّ لَوْلَا نَصْرُ اللَّهِ** اور جنگ کافروں کا کوئی مول نہیں یعنی ان کا مددگار نہیں۔ تو جب کفار کا وہ ناصر نہیں تو لایزالہ مومنین کا ناصر ہوا۔ تو کہیں مانتوں کی مدد فرماتا ہے کہ وہ بنصرۃ الہی استدلالی آیات و بیان معانی اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں اور ان پر کشف برآین و اسرار ہوتا ہے۔ اور کہیں نصرت فرماتا ہے، **فَالْعَبْتُ لِنَفْسٍ أَوْ لِلشَّيْطَانِ** پر اور نصرت فرماتا ہے **فَالْعَبْتُ أَوْ لِلشَّيْطَانِ** اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے بندگان خاص کو اپنی محبت اور مددستی کے لیے مخصوص فرما کر

عمل و عبادت سے محفوظ رکھے جیسا کہ فرمایا **يُحِبُّهُمْ وَيُخَيِّرُهُمْ** انہیں اللہ محبوب رکھتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے اللہ کو محبوب رکھتے ہیں اور مخلوقات کے کُلف کی طرف ان کی نظر نہیں پڑتی۔ سبب یہی فعل حق ہوتے ہیں۔ اور یہی اولیائے الہی کہلاتے ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقامت برپا رکھنے کا حاصل کرانے کے لیے ایک کو منصب ولایت عطا ہو اور وہ اس منصب پر پہنچ کر اقامت حاصل کرے اور ہر قسم کی مخالفت حق سے پرہیز کرے اور شیطان اس کے حق سے بھاگے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کو ولایت عطا ہوتا کہ اس کا عمل رکنائش (ملکیت انھی میں ہو اور اس کا عقد (بندش) عقد ہو دگر یا ہر قسم کے سیاہ و سپید کا وہی قرار کر دیا جائے) اور اس کی دعا سب اب ہو اور اس کے انفاس و اقرارال مقبول بارگاہ۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اشعث اغبر ذی ظموظ لایعینا و یہ ابراقہ علی اھل لا بصرہ اکثر ایسے لوگ ہیں کہ شہیدہ اور غبار آلودہ بال دھتے پھٹے ہوئے کپڑوں میں کہ لوگ اس کو تم میں کہیں نہ تیرہ میں۔ مگر وہ اس کا یہ مرتبہ ہے کہ اگر وہ خدا کی قسم کسی معاملہ میں کھائے تو اللہ اسے پوری فرما دیتا ہے۔

روایت ہے کہ حمید فاروقی میں دیا نے نیل اپنی چرائی رقم کے مطابق خشک ہو گیا۔ اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ ہر سال ایک آراسہ فرمودت لڑائی اس میں جھنڈا چٹھایا کرتے تھے تو دیا جاری ہوتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ دیا کہ اے پانی اگر تو خود مرگتا ہے اور خشک ہوتا ہے تو ہرگز جاری نہ ہو اور اگر خدا کے حکم سے ٹھہرے تو عمر کتنا ہے کہ نہ وہاں ہو جا۔ چنانچہ وہب رقمہ دریا میں لگا لگا گیا۔ فرما پانی جاری ہو گیا اور حقیقت حکومت حقیقی بر حکومت ہے۔

تقریری مراد ولایت اور اس کے ثبوت سے یہی ہے کہ انسان کچھ برچھلے کہ ولایت کس کا حق ہے اور دلی کس کو کہا جاتا ہے اور کس کے لیے یہ نام ملدوں ہے۔ مذکورہ صفات جب تک انسان میں موجود نہ ہوں وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا جو اسی کی تحریر سے ظہور میں آیا کہ قال۔

اس سے قبل مشائخ کلام نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں (اور وہ میرے پاس تھیں) مگر میرے ایک عزیز کے ہاتھ وہ گم ہو گئیں۔ اب میں مذہب حکمیر کے پیروا حضرت ابو عبد اللہ حکیم ترمذی کے مذہب کو روشنی میں لاتا ہوں۔ کیونکہ میرا عقیدہ اس بزرگ کے ساتھ بہت ہے رضی اللہ عنہ تاکہ پڑھنے والے کو اندازے جو اس کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل کر لے کا طالب ہے اس

طریقہ میں نادر پہنچے اللہ اعلم بقا۔

فصل یہی طرہ سب سے اچھے طریق عطا فرماتے کہ باقاعدہ دینی دل (خلوات) میں سدا اول ہے اور

کتاب و سنت میں اس بات کے ساتھ اتفاق ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی تعالیٰ عز و جل ہے۔ **الْاٰیٰتُ**
اٰذِیْنَآءُ اللّٰہِ لَا تَخُوْفُ عَلَیْہُمْ دَلاٰہُمْ یَحْذَرُوْنَ۔ خبردار ہر ملک اللہ کے دروں دروں
 پرکلی خوف اور غم نہیں اور فرمایا۔ **مَنْ اٰذِیْنَا لَکُمْ فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ**۔
 ہم تمہارے مددگار ہیں حیات دنیا و آخرت میں اور فرمایا۔ **اللّٰہُ ذِی الْاٰلَیْنِ اٰمَنُوْا**۔ اللہ ان کا
 مددگار ہے جو ایمان لائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَعِبَادٌ یُّکَلِّمُ**
الْاٰلِہِیْنَآءُ وَ الشَّہِدَ اَقِلَّ مِنْہُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَسْمَعُوْا لَنَا نَحْبِبُہُمْ
قَالَ قَوْمٌ نَّحْبُوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ مِنْ غَیْرِ اَسْوَالٍ لَا لِنَسْکِبَ وَ جَزَہُمْ نُوْرًا عَلٰی
مَتَابِہِمْ مِنْ قَوْمٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا اَخَافَ النَّاسُ وَ لَا یَحْذَرُوْنَ اِذَا حَذَرَ النَّاسُ
فَرَّغُوْا اِذَا اِیْنَ اٰلِہِ لَا تَخُوْفُ عَلَیْہُمْ دَلاٰہُمْ یَحْذَرُوْنَ۔ اللہ کے بندوں
 میں ایسے بندے بھی ہیں جن پر انبیاء و شہداء غیب کر رہے ہیں۔ معاہدے عرض کی۔ یا رسول اللہ و مکی ہیں۔
 ان کی صفات بیان فرمائیں۔ شاید ہم اس سے محبت کریں۔ فرمایا وہ ایک قوم ہے جو خوش رہتی ہے
 اپنے رب کی خوشنودگی میں بنیر مال و منال کے حاصل کئے۔ ان کے چہرے منور ہیں اور نوری خیز ہیں
 پر بے فکر میٹھے ہیں۔ وہ خائف نہیں ہوتے۔ جب کہ انہیں لوگ ڈرائیں اور نہیں گھبراتے اور غمگین
 نہیں ہوتے جب کہ لوگ انہیں غمگین کرتے ہوں اور غلام گھبرا رہے ہوں۔ پھر آیا یہ کریمہ تلاوت فرمائی
اِیْنَ اٰذِیْنَآءُ اللّٰہِ لَا تَخُوْفُ عَلَیْہُمْ دَلاٰہُمْ یَحْذَرُوْنَ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا کہ سب سے اچھا ہے۔ **مَّا ذَہَبَ عَلَیْہِمْ نَقْدٌ اَسْتَحْلَ عَمَّارِہِیْ جِسْمِہِمْ** کسی دل کو ایذا

دی اس نے اپنے لیے میری جگہ جاڑ کر لی۔ اس سے مراد واضح ہے کہ ادویاء اللہ کا اللہ تعالیٰ
 قاصر و مددگار ہے۔ اور اس نے اپنی ان پاک ہستیوں کو اپنی دوستی اور ولایت کے لیے مخصوص
 کر لیا ہے۔ اور وہ اللہ کی ملک کے والی بنائے گئے ہیں اور ان کو اپنے افعال و قوت کا منظر بنایا
 ہے۔ اور انواع و اقسام کی کرامتیں ان کی ذات کے ساتھ مخصوص کر دی ہیں اور آفات و مبع و
 ہر ٹی سے ان کو پاک کر دیا ہے اور نفس کی پیروی سے انہیں آزاد کر دیا ہے۔ ان کی ہمت و ارادہ

سوائے معیت قرب الہی کے ظہور میں نہیں آتے اور ان کے نفس و محبت کا رابطہ سوائے اس ذہان مطلق کے کسی کے ساتھ نہیں۔ یہ لوگ ہم سے قبل موجود تھے۔ زمانہ گزشتہ میں تھے اور وہ فراموش مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسے مجرور ہیں کہ تابعت نفس کی راہ ان پر سد رہے۔ حتیٰ کہ بارانِ رحمت جو آسمان سے نازل ہوا ہی ہے۔ وہ ان کے قدم کے صدقہ سے ہے۔ اور زمین سے جو بے نواگ بیا ہے وہ ان کی منافع و مال کی برکت سے آگ بیا ہے اور کافر پر مومن کو غلبہ انہیں کی ہمت سے حاصل ہے۔

اور اس قسم کے اولیاء کرام چار ہزار کی تعداد میں لوگوں سے مکتوم و مخفی ہیں اور ایسے مخفی ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور وہ خود اپنے عمالی حال سے بے خبر ہیں۔ اور اپنے تمام احوال میں اپنے سے اور مخلوق سے مستور ہیں۔ اور اس دعوے کے ثبوت میں امارت و مدد بھی موجود ہیں اور اب سے قیامت تک یہ ہیں گے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر جو کہ شرف عطا فرمایا ہے اور اس امت کی شرف کو انہیں پر فائز کر کے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں شریعت ظہور محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نگرانی رکھوں گا۔ اور جب براہینِ حدیث و حججِ علی آج تک موجود ہیں اور علماء میں وہ عام طور پر شائع ہیں تو یہ بھی ضروری ہے کہ براہین میں بھی موجود ہوں جو اولیاء کرام میں اور خاصانِ بارگاہ میں مخصوص ہوتے ہیں۔

اس بحث میں ہمارے مخالف دو گروہ ہیں ایک معتزلہ اور دوسرے عام خشویہ معتزلہ اولیاء میں اولیاء پر ایک دوسرے کی تخصیص کے منکر ہیں اور دوسرے عام خشویاں کہتے ہیں کہ ایسے لوگ تھے، اور اولیاء میں باہم تخصیص (فضیلت) کی نفی گویا باہم فضیلت انبیاء کی نفی ہے جو کفر ہے اور عام خشویاں (خشویہ) تخصیص (فضیلت) باہم) جائز رکھتے ہیں البتہ یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ ہوسکتے ہیں لیکن آج کل نہیں ہیں اور ان کا انکار ماضی و مستقبل دراصل ایک جیسا ہے اور اس لئے کہ مستقبل کی نفی بھی کی نفی سے زیادہ بری ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ نے برہان نبوی کو آج تک باقی رکھا ہوا ہے اور اولیاء اللہ کے ضلع اس برہان کا اظہار ہوتا رہتا ہے تاکہ حجت و صداقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق و پیہم نسب کا روشن اظہار ہوتا رہے اور ان اولیاء کو عالم (جہاں) والی کا حکم فرمایا ہے۔ تاکہ وہ اتباع سنت میں مشغول رہیں اور اسی راہ پر چل کر نفس کی پیروی کے راستے

ملا دجسا کہ اشارہ ہے مَن تَزَنَّا إِلَيْكَ وَنَاكَ لَمَن يَفْعَلُونَ۔ یعنی ہم خاص ذکر شریعت کرنا ملا دجسا کہ اشارہ ہے

شاخ کرام کا اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی علت میں نے پیدا کی ہے۔ یعنی جو چار ہزار ادیان مکتوم ہیں۔ وہ اپنی ولایت کی معرفت بھی اپنے لیے دانا نہیں رکھتے۔ اور جو اسی چار ہزار کے علاوہ ہیں وہ اپنے لیے معرفت ولایت دانا رکھتے ہیں۔

فقہاء کرام میں سے بہت وہ ہیں جو پہلے گروہ کے موافق ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو دوسرے گروہ کے موافق ہیں اور حکمیں کا بھی یہی حال ہے۔

چنانچہ ابراہن اسفرانی اور ایک جماعت متقدمین اسی پر ہے کہ دل اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ وہ دلی ہے۔ تو ہم نے اُن سے پوچھا کہ اس معرفت میں دل کے لیے کیا نقصان آتا ہے تو ان کا یہ جواب ہے کہ دل اگر اپنے کو دل جاننے لگتا ہے تو مجب و سبکتر ہو جاتا ہے اور کچھ گناہ ہے کہ میں دلی ہوں۔ اس کا جواب میں دیتا ہوں کہ شرط ولایت میں یہ چیز بھی ہے کہ اس کی نگہداشت اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو تو پھر آفات مجب و سبکتر سے محفوظ ہونا لازمی ہے اور اسی صورت میں اس کا سبکتر ہونا جائز نہیں ہو سکتا۔

لہذا یہ کہنا محض مایہ ناز اور مبنی برہیل ہے کہ ایک شخص دلی ہو اور اس سے خواہی عادات کرامتیں سرزد ہوں اور نہ یہ نہ جان سکے کہ میں دلی ہوں یا اُسے اس امر کا علم نہ کہ یہ فرق عادت جو امر ظہور میں آیا نہ کرامت ہے۔

ان تخیلات پر عوام میں سے ایک گروہ چلے جماعت کا مقلد ہے اور ایک گروہ دوسری جماعت کا پیرو ہے لیکن ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب رہے مستزاد کیلئے تخصیص ولایت و کرامت دونوں کے منکر ہیں۔ اور درحقیقت ولایت میں تخصیص و کرامت ہی مخصوص ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ تمام مسلمان اللہ کے دوست ہیں جو مطیع الہی ہے وہی دلی الہی ہے اور جو احکام اور ایمان پر قائم ہے اور صفات و درجہ الہی کا منکر ہو اور عوسن کے غلوہ جہنم کو رواد کے اور اس امر کا مقرر ہو کہ انبیاء و رسل اور مذہب کتب نہ بھی ہوں تو عقلاء و مکلف باطاعت ہے پس وہ دلی ہے۔ اور مسلمان اُسے دل مانتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ایسے عقیدہ والا شیطان ہے دلی نہیں اور اگر کہتے ہیں کہ اگر ولایت و کرامت دل کے لیے واجب ہے تو سب مسلمانوں میں کرامت ضروری تھی۔ اس لیے کہ سب مسلمان ایمان میں مشترک ہیں۔ اور چونکہ سب اصل اصول میں مشترک

ہیں تو لازم آتا ہے کہ فرح میں بھی مشترک ہوں۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مومن و کافر دونوں میں کرامت ہونا جائز ہے۔ اور وہ اس میں کفر طرح ہے جو سفر میں ہے اور میزبان کا استلاشی ہے۔ یا اس مسافر کی طرح ہے جو ٹھک کر چاہتا ہے کہ مجھے کوئی سودی پر بٹھالے دینو دینو اور بہت سی ایسی ہی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی جو کہتے ہیں کہ اگر بڑی دماغ سافٹ کو کوئی ایک رات میں طے کر لیتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ دعا ہوتا۔ مگر جب انہوں نے کہ مسئلہ کا قصد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ تَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ دَالِي بَلَدٍ كَمَا تَحْمِلُونَ أَثْقَالَ بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكَافِرِينَ۔ اور اٹھالے ہاتھ میں تمہارے بوجھ اس شریک جہاں تم نہیں پہنچ سکتے تھے مگر عسانی تکلیف سے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا یہ قول بالکل دھماکا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ۚ كَيْدًا مِّنَ الْمُتَكِبِينَ الْحَزَّاءِ مِرَاحِ الْمَكِيدِ الْفَاضِلِ۔ الّا یہ پاک ہے وہ جو نے گیا اپنے بندے کو قہر لڑی سی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ زمینی حمل اُتقال اور سفر مکہ میں اجماع صحابہ ہے کہ مکہ سے مسجد اقصیٰ جانا یہ کرامت خاص تھی ذکہ عام اور مکہ سے ہجرت میں جائد اگر یہاں بھی وہی کرامت ہوتی تو کراہتیں عام ہوجاتیں اور ایمان باغیب کے تمام احکام اٹھ جاتے۔ اس لیے کہ ایمان اپنے مقام پر عزم کے درجہ پر ہے طبع و عاقل کے لیے اور ولایت مختص ہے طبع کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جس میں مل اُتقال فرمایا۔ وہ محفل عزم میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمومی درحیدر کے ساتھ مخاطب کیا۔ اور جہاں تخصیص نوازت مصطفیٰ کے ساتھ حکم فرمایا۔ دہاں بتا دیا کہ قہر لڑی سی شب میں اپنے محبوب کو مکہ سے بیت المقدس پہنچا دیا اور دہاں سے قباب قرین اور دریا دیکھا عالم کا مشاہدہ کرا دیا اور اس قدر سرعت سے یہ سب کچھ ہوا کہ جب واپس تشریف لائے تو شب کا بہت سا حصہ باقی تھا۔

غرض کہ خلاصہ یہ ہے کہ حکم ایمان حرام کے لیے عام ہے۔ اور حکم کرامت خاص ہے خواص کے لیے۔ اور فی تخصیص کرنا مکابر و حیان ہے۔ جیسے کہ نوکر کا حکم بادشاہ کے دربار میں۔ دربان، حاجب اور ان کے افسر اور وزراء سلطنت سب کے لیے یکساں ہے۔ لیکن اگرچہ نوکر سب ہیں۔

نہ یہ کہ مول ہنگو روایت خاص ہوتا ہے مگر حکم عام ہوتا ہے۔ مترجم

مگر ہر ایک کا منصب و مرتبہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ اسی طرح اگرچہ بارگاہ الہی میں ایمان لانے کی حیثیت میں سب یکساں ہیں۔ لیکن ایک مومن دھبی ہے ایک مومن مطیع، ایک مومن عالم ہے۔ ایک مومن عابد ایک مومن جاہل ہے ایک مومن متورج۔ تو ثابت ہوا کہ انکار تخصیص ناممکن و مرتب کرنا انکار کل معافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل بفظ ولایت کی تحقیق میں مشائخ کرام نے بہت سے رمز بیان فرمائے ہیں۔ ہم اس مقام پر حقیقی الاسکان الہ کے مختار اقوال نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تاکہ مطالعہ کرنے والوں کو فائدہ مند ثابت ہوں۔

حضرت ابراہیم جبرحانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَنَوَّلِيْ مُوَالِفَانِيْ فِيْ حَالِهِ كَلَمَاتِيْ فِيْ مُشَاهِدَةِ الْحَقِّ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَعْنَى لَفِيْهِ اَخْبَارًا وَلَا مَعْنَى غَيْرِ اللَّهِ قَسْرًا۔
 دلدہ ہے کہ اپنے مال سے نانی اور مشاہدہ حق کے ساتھ باتیں ہو۔ اس کے لیے نالگیں ہے کہ وہ اپنے حال کسی کو خبر دے سکے۔ اور سوائے ذات حق کے غیر سے آرام پائے۔ اس لیے کہ خبر بندہ کے اپنے حال سے ہوتی ہے اور جب مال نانی ہو گیا تو پھر اسے اپنے حال کی خبر دینا درست نہیں اور غیر حق سے آرام نہ پانا بھی صحیح ہے۔ اس لیے کہ اپنے مال کی خبر کو خبر دینا راہ محبوب کو غیر کے سامنے شکست کرنا ہے اور کشف راز حبیب غیر حبیب پر عیب کے لیے محال ہے اور یہ بھی ہے کہ جب دریت غیوہی مشاہدہ جمال یا میں محال ہے تو دریت غیر ہونے کی شکل میں خلق کے ساتھ قرار کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلْوَلِيُّ اَنْ لَا يَكُوْنَ لَهُ خَوْفٌ لِاَنَّ الْخَوْفَ تَرْتِبٌ مَّكْرُوْرٌ يَّحِلُّ فِي الْمُسْتَقْبَلِ وَاسْتَقْبَالُ تَحْبُوْبٍ يَفُوْكَ فِي الْمَتَانِفِ وَالْوَلِيُّ اِنْ اَبْنَى الْوَقْتُ لَيْسَ لَهُ وَدَقْتُ مُسْتَقْبَلٍ يَكْتَفِي شَيْئًا ذِكْمًا لَا خَوْفَ لَهُ لَا يَرَجَاءُ لَهُ لِاَنَّ اِلْرَجَاءَ اِسْتَعْلَامُ تَحْبُوْبٍ يَحْصُلُ اَوْ مَكْرُوْرٌ يَكْشِفُ رَدَّ اِلَيْكَ فِي الشَّيْءِ مِنْ اَوَقْتُ وَكَذَلِكَ لَا تُحْزَنُ لَوْ اَنَّ الْحُزْنَ مِنْ خَوْفٍ ذَنْبٌ اَلْوَقْتُ وَمَنْ كَانَ فِي ضِيَاءِ الرِّضَاءِ كَرَامَةِ فَانِ الْمَوَاقِفَةِ يَكُوْنُ لَهُ حُزْنٌ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى اَلَا اَنْتَ اَوَّلِيَّاءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ مراد اس

قول ہے یہ ہے جو فرمایا کہ دل وہ ہے جس کو خوف نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خوف اس چیز سے ہوتا ہے جس کے آنے سے دل کراہت کرتا ہے کہ یہ آئندہ نہانہ پھل دھرا ملا لبت ہے کہ نہانہ آئندہ میں وہ محبوب جو اس وقت سے مراد ہے چلا جائے گا۔ دل اس وقت میں صاحب الوقت ہوتا ہے۔ اس کو آئندہ و صادق نہیں جس سے وہ ڈرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خبردار ہو بے شک اللہ کے دیہی کو نہ خوف ہے نہ غم اور جس طرح دل کو خوف نہیں ہوتا۔ امید بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ رجاء وہ امید ہے جس میں آئندہ محبوب کے ملنے کی امید ہو یا اس امر کی امید کہ جو سختی آرہی ہے وہ اس سے ٹل جائے اور دل کا وہ وقت ہوتا ہے کہ اس میں اسے غم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ غم کدورت سے ہوتا ہے تو عورتوں کی مدد میں آگیا اور ملافت کے باغ میں ممکن ہو گیا۔ اُسے کب غم ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا اِنَّكَ اَدْرِیْكَ اَنَّكَ لَتَوْفِّیْ عَلَیْكَ مَوْلًیًّا لَّاهُوتٌ یَّخْذُ فُؤَادَہٗ لَیْسَ لَہٗ دَیْنٌ مِّنْ عِندِ اللّٰہِ وَہُوَ یَعْلَمُ مَا تَعْمَلُ۔

ان حوام کو اس بحث میں وہم پیدا ہوتا ہے کہ جب دل کو خوف و رجاء نہیں رہتا اور نہ اندر وہ غم تو لا محالہ نہیں اس ہو گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے بھی بُرا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس غیب کے نہ دیکھنے اور وقت سے اعراض کرنے میں ہوتا ہے۔ اور یہ صفت اس میں ہوتی ہے جسے نہ ریت نہ شہوت ہر نہ صفت پر تمام نہ خوف و رجاء۔

اور اس دھڑن نفس کے نقیب ہیں جب نفس قانی ہو گیا۔ توبہ کی صفت رہنا ہوتی ہے اور جب رہنا حاصل ہو گئی تو وہ اپنے مال میں مستقیم ہو گیا۔ اور ریت محبوب میں محول اور بالی تمام احوال سے اعراض پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت ولایت کا دل پر کشف ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی کے تمام اسرار اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ مفریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْوَلِیُّ قَدْ یَكُوْنُ مَشْهُوْرًا وَّلَا یَكُوْنُ مَفْشُوْرًا وَّلِیُّ مَخْلُوْقٍ مِّنْ شَیْءٍ ہُوَ ہَاہُنَا ہُوَ یَكُوْنُ مَسْخُوْرًا وَّلَا یَكُوْنُ مَشْهُوْرًا وَّلِیُّ مَسْخُوْرٍ ہُوَ تَمَنِّیٌّ ہُوَ یَكُوْنُ مَسْخُوْرًا وَّلَا یَكُوْنُ مَشْهُوْرًا۔

اور فرماتے ہیں۔ اَلْوَلِیُّ قَدْ یَكُوْنُ مَسْخُوْرًا وَّلَا یَكُوْنُ مَشْهُوْرًا وَّلِیُّ مَسْخُوْرٍ ہُوَ تَمَنِّیٌّ ہُوَ یَكُوْنُ مَسْخُوْرًا وَّلَا یَكُوْنُ مَشْهُوْرًا۔

ہر تمہیہ اور مشہور نہیں ہوتا۔ اور یہ اعتبار شہرت اس وجہ سے ہے کہ اس کی شہرت میں فتنہ ہوتا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے جو فرمایا کہ ولی کا شہرہ ممکن ہے مگر اس شہرت میں فتنہ اور ابتلا نہیں اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فتنہ کذب میں ہوتا ہے اور جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہے اور ایسا

دل کا زب پر واقع نہیں ہو سکتا اور اگھا و کراہت بھی کا زب کے ہاتھ سے عمل ہے تو لازم آتا ہے کہ ہر قسم کا فتنہ اس کے دل و شمار سے ساقط ہو جائے۔ اور یہ ورنہ تو اس اتقانی معنوں کی طرف جاتے ہیں کہ وہ اپنے کو نہیں پہچانتا کہ وہ اس کے ہاتھ سے اور اگر پہچانتا ہے تو وہی طور پر شہ ہو گا اور اگر نہ پہچانتا ہے تو معنوں ہو گا۔ اور اس کی شرح طوالت کی منتفی ہے اور یہاں طوالت مقصود نہیں۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو فرمایا کہ کیا تربیت ہے کہ اللہ کے دیوں میں سے دل ہو عرض کیا ہاں میں چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا لا تَرْجُو فِي عَمَلِي مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَافْرُغْ نَفْسَكَ بِلِلّٰهِ وَاقْبَلْ بِوَجْهِكَ عَلَيْهِ۔ دنیا اور عقیقی کی کسی شے سے رغبت نہ کر اس لیے کہ دنیا سے رغبت کرنا اپنے رب سے اعراض کر کے فانی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اور عقیقی کی طرف رغبت کرنا اپنے رب سے اعراض کر کے شے باقی کی طرف جانا ہے۔

تو جب اعراض شے فانی سے ہو گا تو فانی فنا ہو جائے گا اور اعراض نیست ہو جائے گا اور جب اعراض شے باقی سے ہو گا۔ کرنا پر فناء نہیں ہوتی تو اس سے اعراض ہی نڈست رہے گا۔ تو بلا محاسن معنوں کا یہ سہرا کہ اللہ تعالیٰ کی طلب دنیا و عقیقی اس کے ساتھ نہ کہ از فرما کہ اپنے دل کو اللہ کی محبت کے لیے دنیا و عقیقی سے خالی کر کے دل کو اپنے رب کی طرف رجوع کر تو حاصل ہے کہ جب یہ اوصاف تیرے اندر موجود ہو جائیں گے دل ہو جائے گا۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ وہی کون ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اَلْوَبِيُّ هُوَ الصَّابِرُ تَحْتِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ دل وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی پر صبر کرے۔ اس لیے کہ جس کے دل میں اللہ کی دوستی جتنی ہوگی۔ اس کے حکم کی محنت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اور اس کی غیبت سے اس کا جہم اتنا ہی بید ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامی سے ایک حکایت ہے۔ فرماتے ہیں مجھ بتایا گیا کہ ان شہر میں اللہ کے دیوں میں سے ایک دل ہے۔ میں اٹھا اور ان کی زیارت کا قصد کر کے چلا۔ جب وہاں کی سہمیٹھا وہ گھر سے باہر تشریف لائے اور سہمیٹھا میں امر قیل کی طرف رخ کر کے سہمیٹھا کی گردی میں سے

بغیر سلام کئے ہاں سے بٹ آیا۔ انہوں نے کہا کہ دل کر پائیے کہ احکام شریعت پر پابند ہوتا کہ اس پر حق تعالیٰ تکریمت فرمائے۔ اگر یہ شخص دل ہوتا مسجد میں قبلہ گدہ ہو کر کھڑی کل نہکتا۔ یا اللہ تعالیٰ اس کی حریت و ملت پر نگاہ رکھتا۔ (فرماتے ہیں اس شبہ میں نے حضور سید یرم الفکر صلی اللہ علیہ وسلم کے مجال جہاں اُرداء سے شرف حاصل کیا مگر کجا کہ حضور فرما رہے ہیں۔ اور یہ یہ تم نے وہ کیا کام کیا جس کی برکت سے تم اس دھبہ پر پہنچے۔ دوسرے دھبہ میں اس دھبہ پر پہنچ گیا۔ جو تم دیکھ رہے ہو ایک روایت سنی ہے کہ ایک شخص شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسجد میں یا ان قدم رکھ کر داخل ہوا۔ آپ نے فرمایا وہاں ہو اور دایاں قدم رکھ کر مسجد میں آ۔ اس لیے کہ جو دوست کے گھر میں آنے کے قاعدہ کو نہیں جانتا۔ وہ ہمارے کام کا آدمی نہیں۔ ایک جماعت طہرین مستم اللہ کی ہے جو صوفیاء کے طریقہ پر قلعن رکھ کر کہتی ہے کہ اتنی خدمت پہنچ کرے کہ ولی ہو جائے اور جب دل ہو جائے گا تو پھر اس پر سے تکلیف خدمت کا بار اٹھ جائے گا۔ حالانکہ صوفی گمراہی ہے اور صوفیاء کے یہاں ایسا کوئی مقام نہیں کہ جس پر صوفی کے آجانے کے بعد کوئی دکن احکام خدمت کا اٹھ جائے۔ اس کی مغفل شرح مکمل انشاء اللہ اپنے مقام پر کی جائے گی۔

اثبات کرامت

اچھی طرح یاد رکھو کہ ظہور کرامت ذلی کی طرف سے اس کی صحبت عالی اور مجاہدہ میں قلعن ممکن و دعا ہے۔ اور صوفیائے کرام اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے اور عقل بھی اسے ممکن آتی ہے۔ اس لیے کہ ایک قسم ہے جو قوت اہل کی منکر ہے اور اس کا اظہار کراصل شرح دلیل سے سنائی نہیں اور عقل و ادبام بھی اس کے خلاف نہیں۔

کرامت و حقیقت عصائت و علامت پر دلیل ہے اور کاذب سے اس کا صدور ناممکن ہے کاذب سے علامت کذب و عمل ظہور پذیر ہوں گے۔ اور کرامت نام ہے ایک ایسے فعل کا جو قل و دلوام کا ناقص ہوتا ہے اور صوفی پر تمام تکلفات شرح باقی ہوتی ہیں۔ اور اگر تعریف حق پر جبر استدلال کذب کے مقابلہ میں صدق جان لے تو وہ بھی ولی ہے۔

اور ایک جماعت اہلسنت و جماعت کنتی ہے کہ کرامت صحیح ہے مگر معجزہ تک نہیں بلکہ وہ ایسے ہی جیسے قبول دعایا تصرف دل سے کسی کی مراد حاصل ہوتا اور وہ جو نقصان عادات کی حد تک نہ ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ تعین ظہور فعل ناقص عادات سے جو دل صادق کے ہاتھ سے نواز تکلیف میں ہو کیا صورت فساد نظر آئی۔ اگر وہ جواب میں کہیں کہ (معاذ اللہ) اتنی قوت عطا فرمائے گی خدا میں قدرت و قوت نہیں تو یہ خود ایک منکرات و گمراہی ہے اور اگر کہیں کہ یہ ایک قسم کی قوت الہی ہے اور اللہ قادر تو ہے تو وہی کہ ایسی قوت عطا فرما دے مگر دل کے ہاتھ سے اس کا عہد اہل انبوت کو مستلزم ہے۔ تو فی تخصیص انبیاء یہ بھی محال ہے۔

اس لیے کہ دل نفس کرامت ہے اور نفس مجرد و المعجزۃ کونکشی معجزۃ بعینہا انما کانت معجزۃ لیخصولہا وین شریطہا اقترانہ و غلوۃ البتۃ بہا و المعجزات تخص بالانبیاء و الکرامات ٹکونی بالاولیاء معجزہ ہرگز معجزہ بیسہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ معجزہ اسی وہم میں معجزہ ہوتا ہے کہ اس کی شرط دعوی نبوت لازمی ہے اور معجزہ انبیاء کرام کے لیے مخصوص ہے اور کرامات انبیاء کرام کے لیے ترمیم و دل ہے اور نبی نبی۔ ان دلائل میں کسی قسم کی ایسی شائبہ نہیں کہ ان کے اندر احترام کیا جائے۔ نبی کے شرف و مرتبت وغیرہ علیہ السلام علوی مرتبت و مخالف عصمت سے ہے نہ کہ فقط معجزہ یا کرامت سے یا نازق عادات اور کے ظاہر کرنے پر۔ اور اتفاقاً تمام انبیاء کرام کو وہ معجزے عطا ہوئے ہیں جو غارق عادات ہیں۔ اور اصل میں تمام معجزات سادگی میں یکساں درجات کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر بزرگی عطا ہوئی ہے۔

تو جب فضیلت درجات میں ایک ایک پر شرف و فضیلت دکھاتا ہے تو یہ کیوں نہ ممکن ہو کہ غارق عادات امور و افعال میں بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت ہو اور پھر کیوں زور نہ دے کہ انبیاء کے ہاتھ انبیاء کرام کو بھی ایک درجہ غارق عادات امور کا عطا ہوا اس کا نام کرامت رکھا جائے۔ اس پر لازمی طور پر یہ امر عام ہو گا کہ انبیاء کرام ان سے فاضل تر کہ بلکہ اشرف ترین مخلوق ہیں۔ تو جب افعال ناقص عادات علت تفصیل و تخصیص انبیاء نہیں تو فیثا غارق عادات امور و افعال

تقصیریں دل بھی نہیں ہو سکتے۔ اور بنی دل کی کساں بھی نہیں ہو سکتے اور ہر قائل جو اس دلیل کو سمجھ لے گا وہ بنی و دلی کے مابین اس شبہ کو اپنے سے اٹھا دے گا۔

اور اگر کسی کو یہ حکم پھر رہے کہ دل کو بدیدہ کرامت غارق عادات ائمہ مطہرین ہوتے تو وہ نبوت کا دعویٰ کرے کہ نہیں کرتا۔ یہ حال ہے۔ اس لیے کہ شرط ولایت میں تصدیق قول ہے اور معنی کے خلاف دعویٰ کرنا کذب و سریح ہے اور کذاب دل نہیں ہو سکتا۔ تو اگر دلی نبوت کا دعویٰ کرے تو یہ معجزہ کا توڑنا ہے اور وہ کفر سریح ہے۔ اور کرامت رومن مطیع کے سوا کسی کو نہیں ملتی اور کذب معصیت شکاری ہے کہ اطلاع سے قوی۔ امر واضح ہو گیا کہ دلی کی کرامت مجتہد بنی کے ثبوت کے لیے ہے تو پھر کرامت اور معجزہ میں اشتباہ و تساوی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ پیغمبر علیہ السلام معجزہ سے اپنی نبوت کا ثبوت دیتے ہیں اور دلی کرامت کے لیے یہ بھی انبیاء کرام کی نبوت کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنی ولایت کے ذریعہ بھی ثبوت نبوت دیتے ہیں۔ اور دلی کی کرامت معجزہ انبیاء کا میں ہوتا ہے اور دوسرے کے لیے دلی کی کرامت کا شاہد انبیاء کرام کی تصدیق میں زیادہ رشتہ درجہ پیدا کرنے میں پیدا کرتا ہے۔

اس میں کسی قسم کا کمال شبہ و تشابہ نہیں۔ اس لیے کہ ان کا دعویٰ آپس میں مخالفت نہیں ہوتا جو ایک دوسرے کی نفی کرے بلکہ دلی کا دعویٰ بنی کے دعویٰ کا عین ہوتا ہے جیسا کہ شریعت مطہرہ میں جب ایک گروہ و فرقہ کا دعویٰ ہو تو جب ایک واقعہ کی دلیل ثابت ہو گئی تو یہی دلیل تمام و شمار کے لیے ثبوت دعویٰ کی دلیل ہو جائے گی۔ اور جب دعویٰ ایک دوسرے کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں ایک دلیل دوسرے کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی۔ تو جب بنی معجزہ کے دلائل سے دلی نبوت ہوتا ہے۔ اور دلی نبی کے دعویٰ پر تصدیق کے لیے کرامت سے ختم کو تسلیم کراتا ہے تو پھر اس میں شبہ و غیب کا شبہ ناممکن ہے۔

معجزہ اور کرامت

یہ بات تو واضح دلائل ہر جگہ ہے کہ معجزہ اور کرامت جھوٹے کے ہاتھ سے ناممکن ہے مگر اس سے زیادہ واضح فرق ظاہر و باہر و قریبی ہے۔ تاکہ جو ماہر و قاطع و قائل دلیل میں جاتی ہے۔ وہ بھی رفع

انہوں نے برسرِ وار اپنے دلِ نعمت مجبورِ محبت جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آراہ
دیکھا اور نہایت مسترت و انبساط سے آدابِ درباری بجالاتے ہوئے مؤدبانہ سلام عرض
کیا۔ حضور نے ان کا سلام مننا۔ حضور نے جواب سلام دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ نے گرشِ خبیث تک
پنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ردِ قبلہ ہو کر ان کے لیے دعا فرمائی۔

قریہ مسائل کہ حضور خبیث کو دینے سے لافظ کریں اور خبیث مکہ سے مدینہ میں حضور کو دیکھیں۔
ایک یہاں ہے جو فراقِ عادت ہے اور مجزہ ہے حضور کے لیے اور وہ جو حضرت خبیث مکہ سے
مدینہ میں حضور کے جمالِ جہاں آراہ کا شاہد کر رہے تھے۔ وہ کرامت تھی اور فراقِ عادت تھی۔

اس نے بالاتفاق غائب کی حدیثِ عادت کے خلاف ہے اور پھر زمانہ و مکان کی غیرت
میں کچھ فرق نہیں۔ چنانچہ خبیث رضی اللہ عنہ کی کرامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مکان کی غیرت
میں حقد میں کی کرامت کی طرح ایک کرامت تھی۔

یہ ایک فرق ہیں ہے اور برائے مانع جو ثابت کر رہا ہے کہ کرامت مجزہ و دونوں علیحدہ نہیں
اس لیے کہ کرامت بغیر تصرفی صاحبِ مجزہ نہیں اہل آد ایسے مومن کے سوا جو صدق و طبع
موجود میں نہیں آئی۔ اور وہ امتی سے ظہور پذیر ہوتی ہے اور جو کرامت امتی سے سرزد ہوتی ہے
وہ درحقیقت مجزہ انبیاء کرام ہے۔ اس لیے کہ ان کی شریعت باقی ہے۔ اور ان کی محبت و
برہان بھی باقی ہیں۔ تو اویاد کرام صدق رسالت رسل پر گواہ ہیں۔ اور سوا ان کے کسی غیر امتی سے
ظہور کرامت روا نہیں۔ اس کی تائید میں ایک حکایت مروی ہے۔ جو حضرت ابراہیم خالص رحمہ اللہ
علیہ سے مشہور ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار اپنی عادت کے مطابق جنگل میں اپنی تجریدِ توہید کے
ساتھ تھا کہ بعد چندے ایک گوشہ سے ایک شخص اٹھا اور میرے ساتھ ہم نشین ہونے کی خواہش ظاہر
کرنے لگا۔ میں نے اس کے باطن پر نگاہ ڈالی تو مجھے اس سے نفرت پیدا ہوئی۔ میں نے سوچا کہ
یہ کون ہے جو اس سے نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ تو وہ کہنے لگا۔ ابراہیم نکرہ کریں۔ میں نصاریٰ میں سے
صالحی ہوں اور اقصائے بلادِ روم سے صرف آپ کی ہم نشینی کی نیت سے آیا ہوں۔ جناب اس
کو مجھے اطمینان ہوا کہ نفرت یوں ہوئی تھی کہ یہ بیگانہ ہے۔ میں نے اسے اپنی ہم نشینی کی اجازت
دیدنی اور کہا کہ اے لایمب دراہب نصاریٰ میں جو زاهد اعدا تارک الدنیا ہوتے تھے انہیں کہتے ہیں

ہمارے پاس اکل و شرب کا انتظام نہیں ہے۔ ہمیں اس امر کا خطرہ ہے کہ کہیں ہمیں اس جنگل میں ہماری معیت سے تکلیف نہ ہو۔

راہب کہنے لگا: حضرت آپ کی اتنی زبردست شہرت عالم میں ہے مگر ابھی تک آپ طعام و شراب کے غم میں ہیں۔ مجھے اس کا یہ جواب پسند آیا۔ میں نے امتحاناً اُسے پہلو لیا تو دیکھیں اپنے دھوے میں کہاں تک پہنچا ہے۔ سات شبانہ روز بارہ پہاڑی کھڑے رہے۔ ساتویں روز اُسے بھوک پیاس نے اتنا تنگ کیا کہ کہنے لگا: ابراہیم آپ کی کرامات و عرفان کا حصول دینا میں لوگ بھگتے ہیں لیکن اب میں مجبور ہوں کہ آپ کی ولایت کا انکار کر دوں۔ اس لیے کہ اب پیاس بھوک نے میری تمام طاقت سلب کر لی ہے۔ میں نے سرخیز بارگاہ بے نیاز میں عجکایا۔ اور عرض کی الہی مجھے اس کافر کے سامنے رسوا نہ کر۔ اب تک اس کا خیال باوجود بیگانہ ہونے کے میرے ساتھ اچھا ہے۔ تیرے کرم سے بعید نہیں کہ ایک کافر کے حق میں میرے ساتھ حق اعتقاد تک پہنچا دے۔ فرماتے ہیں جب میں نے سر اٹھایا تو ایک طبق دیکھا جس میں دودھ و پانی اور دھیرا لے پانی کے رکھے تھے، ہم دونوں نے وہ کھاپی کر تازگی حاصل کی اور چل دیئے۔

جب سات روز گزر گئے تو میں نے اپنے دل سے کہا کہ آج میں اس راہب کا بھی تجربہ کر دوں۔ قبل اس کے کہ یہ میرا امتحان کرے اور کچھ مجھ سے مانگے جس نے کہا اے راہب کچھ لا کہ آج تیری باری ہے۔ اپنے ہمارے کا پھل دکھلا۔ اس نے بھی سر زمین پر رکھا اور کچھ کہا کہ ایک طبق ظاہر ہوا۔ جس میں چار روٹی اور چار پیالے پانی کے موجود تھے۔ مجھے اس پر سخت تعجب ہوا اور اپنے گزشتہ ایام کی یاد میں رنجیدہ ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے یہ کھانا نہیں ہے۔ اس لیے کہ کافر کے لیے آیا ہے۔ اگر میں اس سے کھاؤں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں کافر سے مدد لوں۔

راہب کہنے لگا۔ ابراہیم کھاؤ۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا کیوں۔ میں نے کہا اس لیے کہ تو اس امر کا اہل نہیں اور اسے میں کرامت نہیں مانتا۔ اس لیے کہ کرامت تیرے مال سے بعید ہے مگر مجھے تعجب ضرور ہے اور میں فکر میں ہوں کہ اس کو میں کیا کروں۔ مگر کرامت کہتا ہوں تو کافر سے کرامت محال ہے اور اگر دعوت کوں جو کافر کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ تو بھی مدعی کو مشبہ ضرور ہوتا ہے۔

راہب کہنے لگا۔ ابراہیم آپ لڑش فرمائیں میں آپ کو در بشارتیں دیتا ہوں۔ پہلے یہ کہیں سلاں ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ۔ دوسرے یہ کہ آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی اگلاہ میں بہت بلند ہے۔ میں نے کہا۔ دیکھئے کہنے لگا۔ حضرت میرے پاس اس قسم کی کوئی قوت نہ تھی۔ جو آپ سے دیکھی۔ مگر میں نے آپ کے وسیلے سے اس میں پرکھا اور عرض کی۔ اَللّٰہی اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو مجھے بھی در قرص اور در پیرا لہائی کے عطا فرما۔ اور اگر ابراہیم غرور و تیرا دل ہے تو اس کی ولایت کے صدقے میں در وئی اور در پیرا پانی عطا فرما۔ جب سر اٹھایا تو یہ طبق میرے سامنے دکھائی دیا۔

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے سب قسم سے اس طبق سے تناول فرمایا اور وہ راہب اس کے بعد اسلامی شائع کرام میں شمار ہوا۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عین معجزہ ہے۔ جو کرامت دل سکے پر وہ میں چھپا ہوا ہے۔ اور ان خصوصیات بہت نادر امر ہے کہ نبی کی فیبت میں خیر و برکت نکلتے اور وہ بھی ایک دل کی موجودگی میں خیر کے ذریعے کرامت ظاہر ہوتی۔

اور یہ بھی حقیقت واقعہ ہے کہ شمس ولایت کر جتنی ولایت کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اور یہ راہب کے لیے ولایت ابراہیم خواص نہایت پر شیعہ چیز تھی اور علم اللہ میں اسے دل ہونا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مرتبہ ابراہیم خواص اور دین حق کی حقانیت اس صورت میں ظاہر فرمادی جیسے جادوگران فرعون پر کہ انہوں نے اسلام لانے سے قبل موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ جان لیا تھا۔ تو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی سچائی کا ثبوت دیا۔ اور اس نے صداقت ولایت و حقانیت اسلام کا۔ اور معجزہ اور کرامت کے مابین فرق بھی ہے۔

اس بحث میں بہت زیادہ مضامین ہیں۔ لیکن یہ کتاب ان سب کے بیان کی تحمل نہیں۔ اتنا یاد رکھو کہ کرامت اور یاد کرام میں یہ اور کرامت ہے کہ وہ اسے مخفی رکھیں کہ رفتار کرامت میں شرط ولایت ہے۔

چنانچہ کوئی دل اپنی کرامت بلا ارادہ بھینٹ ظاہر نہیں فرماتا۔ اور نہ انہیں ایسا کرنا زیبا ہے۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر دل اپنی ولایت ظاہر کر دے اور اس سے

اپنی صحبتِ حال کا دعویٰ قائم رکھے تو فتنا ہی نہیں لیکن اگر مظاہرہ ولایت کے لیے بالارادہ بھگت اگر ظاہر کرے تو اس سے دعوت پیدا ہوتی ہے اندیشہ مضرب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مدعی الوہیت سے ظہورِ معجزہ

مشائخ صوفیہ اور تمام اہلسنت و جماعت اس امر پر متفق ہیں کہ کافر کے ہاتھ سے بھی کوئی ایسا فعل ظاہر ہو سکتا ہے۔ جو خارقِ عادت ہو۔ اور شیل معجزہ یا کرامت کے ظاہر ہو۔ اور تمام اسباب و شبہ اس کے ظہور سے منقطع ہو جائیں اور کسی کو اس کے کذاب ہونے میں شک نہ ہو۔ اور اس فعل کا ظہور اس کے کاذب ہونے کے متاثر ہو۔

یہ ایسے ہی جیسے کفار عربین و کاس کا نام دہیون تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں تھا۔ اس نے چار سو برس کی عمر پائی۔ اور اس مدتِ عمر میں اسے کوئی بیماری اور مرض نہ ہوا۔ اور پانی اس کے پیچھے پیچھے پلتا جب یہ کھڑا ہوتا۔ پانی بھی کھڑا ہوتا۔ لیکن بارہ سو اس کے عقائد کی نظر میں یہ بھوٹا تھا۔ اور اس کی خدائی دعویٰ کی تصدیق کچھ واروں نے نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انجسم و مرکب نہیں۔ علاوہ ازیں اگر وہ بھی ایسے خارقِ عادت افعال اس سے ظہور میں آتے تو عقدا ماس کے کذب دعویٰ میں کبھی شک نہ کرتے۔

اور ایسے ہی شداد صاحبِ ارم (یعنی جس نے دنیا میں ارم کس نام سے بہشت بنایا تھا) اس کا حال ہے اور ایسے ہی غزوہ کے بہت سے واقعات ہیں۔ اور اس پر قیاس کر لو۔ اور اس قسم کے واقعات سے ہمارے مخیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور بتایا کہ آخر زمانہ میں رجال غارج ہوگا۔ اور خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کی چپ و راست میں دو پہاڑ ہوں گے۔ داہنی طرف والا پہاڑ غزوہ بہشت ہوگا۔ اور بائیں طرف والا غزوہ جہنم۔ مخلوق کو اپنی الوہیت تسلیم کرانے پر دعوت دے گا۔ جو اس پر ایمان نہ لائے گا۔ اس پر عذاب کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے لوگوں کو موت و حیات کا شاہدہ کرائے گا۔ وہ اپنی گمراہی و منکالت میں جسے چاہے گا۔ مار دے گا۔ جسے چاہے گا زندہ کر دے گا۔ دنیا میں رجال کا حکم مطلق ہوگا۔ لیکن اس کے علاوہ

اگر اس سے سگنے افعال اور بھی وعد کھائے تو حقد اس کے کاذب ہونے میں شک نہ کریں گے۔
 فاعل یقینی طور پر کہہ لے گا کہ اے خدا تعالیٰ اگر سے سوار نہیں ہے اور ذات ہے کہ کبھی متغیر و
 متکون نہیں ہو سکتی۔ ومانعہ نہیں۔ مگر حکم ایسے امور جو اس قسم کے آدمی سے صادر ہوں۔ اسے
 استسماج کہتے ہیں۔ (اس کا نام کراست یا مجزہ لکھا ہی غلط ہے)۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہی
 جز سے کاذب سے بھی ایسے افعال ظاہر ہو جائیں۔ مگر یہ اس کے کذب کی دلیل ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ
 ہی امور غارق حادث ایکسپتے بن کے واقعہ سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر وہ اس کے صدق کی
 دلیل ہوتے ہیں۔

یہی ہرگز غلط نہیں کہ جھوٹے سے کوئی ایسا فعل بھی ظاہر ہو سکے جس میں دیکھنے والوں کو
 جوت صادقہ کا شبہ ہو جائے اور اگر ایسا بھی ہونا ممکن ہوتا تو پھر پتے کو جھوٹے سے پہچانا مشکل
 تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسی صورت میں ظاہر ہونے کے پکا کھتا اور کھٹا۔ ایسی
 حالت میں حکم جوت صادقہ ہی باطل تھا بلکہ

ثانی یہ رہا ہے کہ مدعی ولایت سے کراست کی شکل کوئی ایسی بات ظاہر ہو جائے جو دین میں
 درست ہو اگرچہ اس کا عمل اچھا نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ رسول کی رسالت کی صداقت کا ثبوت ہے۔
 اور اپنے رب کا فضل ظاہر کرتا ہے نہ یہ کہ وہ اس فعل کو اپنی قوت کی طرف نسبت کرے اور اصلیت
 ایمان میں بلا دلیل راست گم ہو۔ وہ تمام حالات میں اعتقاد کے ساتھ ولایت میں راست گم ہوتا
 ہے کیونکہ جب اس کا اعتقاد تمام حالات میں دل کے اعتقاد کی صفت سے ہوتا ہے تو اگرچہ اس کے
 عمل اس کے اعتقاد کے موافق نہ ہوں۔ مگر ترک عمل کی وجہ میں دعویٰ ولایت اس سے مضبوط نہیں

ہوتا۔ جیسے دعویٰ ایمان کہ وہ بلا عمل بھی درست ہے)
 اور حقیقت منصب ولایت و کراست کیسی نہیں

تو خدایہ یہ ہے کہ کسب و عمل انسان ہدایت کے لیے علت نہیں ہے۔ جیسا
 کہ اس سے قبل ہی ہم بتا چکے ہیں کہ اور یاد رکھیں معصوم نہیں ہوتے اس لیے کہ عصمت شرط نبوت ہے۔
 لے ملا دینی کا نزل ملا کہ کا مدد دیر و خیر (المتزلم)

انسان اپنے ہمارے دیباختہ سے حاصل کر کے بقول سوری علیہ الرحمۃ و
 اہل سلطنت بزرگ از دینیت ساز خشت خدا نے بخشہ

یعنی جب بعد یقین سے امانت ولایت و کراست ہر جگہ واجب حتیٰ سے اس کا تعلق ہے تو دل دل ہو سکتا ہے۔

نہ کہ شرط ولایت مگر اولیاء الہی ہر قسم کا آفات مصیبت سے محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ وجود مصیبت نفی ولایت کی مقتضی ہے اور نفی ولایت نفی ایمان کی مقتضی نہیں۔

اس لیے کہ نفی ایمان ردّ ہے نہ کہ مصیبت۔ یہ حضرت حکیم قرظیؒ کی رائے تھی کہ اللہ عزّ و جل کا مسلک ہے۔

اور اسی پر حضرت بنید ہندویؒ اور حضرت ابوالحسن ندویؒ اور حضرت حاجت علیؒ ایسی اور دیگر

اہل حقائق و خدوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔ لیکن جو ارباب عمل ہیں جیسے حضرت سہل

بن عبد اللہ تتریؒ اور حضرت ابوسلیمان دارانیؒ اور حضرت ابو محمد بن قسار و غیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین

ان کا یہ مسلک ہے کہ شرط ولایت مداومت اطاعت ہے۔ حتیٰ کہ اگر ولی کے دل پر کمی کبیرہ کا

خطر بھی گزرتا ہے تو وہ ولایت کے منصب سے معزول ہو جاتا ہے۔

مگر ہم اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اس امر پر اجماع اتنا ہے کہ بنہ کبیرہ کے

انکباب سے بھی خارج از ایمان نہیں ہوتا اور کوئی ولایت ولایت سے اخل نہیں ہے تو

جب درجہ معرفت جو اصل جمیع کرامات ہے مصیبت سے ذائل نہیں ہوتا تو بعض ولایت کر کے

ذائل ہو سکتی ہے، بلکہ محال ہے کہ جو چیز معرفت سے درجہ میں کمتر ہے وہ مصیبت سے ذائل ہو

اور یہ اختلاف مشائخ کرام میں بہت لمبا ہے۔ اس مقام پر میرا مقصد اس بحث میں کسی کے

دعویٰ کا ثبوت دینا نہیں ہے۔ بلکہ میرا مقصد اس مقام پر اس اہم حقیقت کا بھانا ہے کہ ولی

پر کرامت کس معاملہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ مومن یا سکر میں غلبہ میں یا تنگی میں۔

محمود سکر کی شرح تو ہم حضرت بایزید بطنانیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے پیرو ہیں مفصل

کر چکے ہیں۔ مگر حضرت بایزیدؒ اور فداغریؒ مصریؒ اور محمد بن حنیفؒ اور حسین بن منصورؒ اور یحییٰ

بن معاذ رحمہم اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ ولی پر اظہار کرامت کا بہت سکر ہوتا ہے۔ اس

کے سوا نہیں اور جو بکالت صمدیہ ظاہر ہو وہ کرامت نہیں بلکہ ولی کے پرہ میں نبی کا مجوزہ ہے۔

ان کے مذہب کے مطابق مجوزہ اور کرامت میں بھی فرق ہیں ہے کہ کرامتوں کا اظہار ولی کی

حالت سکر میں ہوتا ہے۔ جب کہ وہ مطلوب الحال ہو۔ اور اس کے لیے دعوت نہیں ہوتی اور

نبی پر اظہار مجوزہ بکالت صمدیہ ہوتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں پر اپنی تصدیق نبوت میں ظاہر کرے اور

قوم کو طلبہ معاوضہ کے لیے بلائے۔ اور صاحب مجوزہ حکم کی دوزں طرف پرتا رہتا ہے۔

نہ کہ شرط ولایت مگر اولیاء الہی ہر قسم کا آفات مصیبت سے محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ وجود مصیبت نفی ولایت کی متقنی ہے اور نفی ولایت نفی ایمان کی متقنی نہیں۔

اس لیے کہ نفی ایمان ردّ ہے نہ کہ مصیبت۔ یہ حضرت حکیم قرظی مگر بن علی رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔

اور اسی پر حضرت بنید ہندوی اور حضرت ابوالحسن ندوی اور حضرت عارف عابدی اور دیگر

اہل حقائق و خدوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔ لیکن جو ارباب عمل ہیں جیسے حضرت سہل

بن عبد اللہ تتری اور حضرت ابوسلیمان دارانی اور حضرت ابو محمد بن قسار و غیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین

ان کا یہ مسلک ہے کہ شرط ولایت مداومت اطاعت ہے۔ حتیٰ کہ اگر دل کے دل پر کسی کیسیرہ کا

خطرہ بھی گزرتا ہے تو وہ ولایت کے منصب سے معزول ہو جاتا ہے۔

مگر ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اس امر پر اجماع اُمت ہے کہ بندہ کیسیرہ کے

ازکاب سے بھی خارج از ایمان نہیں ہوتا اور کوئی ولایت ولایت سے اخل نہیں ہے تو

جب درجہ معرفت جو اصل جمیع کرامات ہے مصیبت سے ذائل نہیں ہوتا تو بعض ولایت کو مگر

ذائل ہو سکتی ہے، بلکہ محال ہے کہ جو چیز معرفت سے درجہ میں کمتر ہے وہ مصیبت سے ذائل ہو

اور یہ اختلاف مشائخ کرام میں بہت لمبا ہے۔ اس مقام پر میرا مقصد اس بحث میں کسی کے

دعویٰ کا ثبوت دینا نہیں ہے۔ بلکہ میرا مقصد اس مقام پر اس اہم حقیقت کا بھانا ہے کہ ولی

پر کرامت کس معاملہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ مومن یا سکر میں قلب میں یا تنکین میں۔

محمود سکر کی شرح تو ہم حضرت بایزید بطنانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے پیروں میں مفصل

کر چکے ہیں۔ مگر حضرت بایزید اور ذوالنون مصری اور محمد بن خلیفہ اور حسین بن منصور اور یحییٰ

بن معاذ رحمہم اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ ولی پر اظہار کرامت کا بہت سکر ہوتا ہے۔ اس

کے سوا نہیں اور جو بکالت صغیر ہر وہ کرامت نہیں بلکہ ولی کے پرہ میں نبی کا مجوزہ ہے۔

ان کے مذہب کے مطابق مجوزہ اور کرامت میں بھی فرق ہیں ہے کہ کرامتوں کا اظہار ولی کی

حالت سکر میں ہوتا ہے۔ جب کہ وہ مطلوب الحال ہو۔ اور اس کے لیے دعوت نہیں ہوتی اور

نبی پر اظہار مجوزہ بکالت صغیر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں پر اپنی تصدیق نبوت میں ظاہر کرے اور

قوم کو طلبہ معاوضہ کے لیے بلائے۔ اور صاحب مجوزہ حکم کی درازوں میں پرتا رہتا ہے۔

چنانچہ ایک اس کے ظاہر کرنے پر معاوضہ چاہتا ہے۔ دوسرا اس کے پرشیدہ کرنے پر۔
پھر دوسروں کے لیے یہ بات نہیں بلکہ وہ بھی کرامت دکھانا چاہیں بھی تو ممکن ہے نہ دکھاسکیں یا وہ بھی
وہ نہ دکھانا چاہیں اور ظاہر ہو جائے اس لیے کہ ولی دعوت کرنے والا نہیں ہوتا کہ اس کا
حال بقادر اوصاف سے مشروب ہو بلکہ وہ پرشیدہ ہوتا ہے اور اس کا حال صفت کی فنا سے
موصوف ہوتا ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ ایک صاحب شرع ہے دوسرا صاحب سِر تو پہلے کہ کرامت کا اظہار
حال فیست و دخت کے سوا کسی حال میں ظاہر نہ ہو اور اس کے تمام تعزلات تعریف حق کے
ساتھ ہوں اور اس کے اس قسم کے حال میں تمام برل حال تالیف حق سے ہو۔ اس لیے کہ صفت
بشریت کا حقیقی بالائیں کو ہوتا ہے یا سائیں کو یا عام جنگا یا الہی کو اور انبیاء کرام لاہی و ساہی
نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انبیاء کرام کے سوا مطلق جبر الہی نہیں ہوتے اور یہ بھی
حقیقت ہے کہ انبیاء کرام کے سوا جرم محام کی طرف خاص صورت کے سوا لائق بھی نہیں ہوتا (تو
اس جگہ انبیاء ہی رہے کہ جب تک ان پر اتنا صفت حال بشریت ہو وہ باخود ہوتے ہیں اور جب
ان پر دخیلات الہی کا اکشاف ہوتا ہے) تو وہ مکاشف ہو کر بحالت بخودی تھیں ہو جاتے ہیں
اور اطلاق حق کے حقیقت و حقیقی کو نہ پاتے ہوئے دیانے تیز میں مستغرق رہتے ہیں۔ یہی وہ
مقام ہے جس کے اندر اظہار کرامت ہوتا ہے اس کے سوا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہی درجہ تعزلات
ہے۔ اور یہی وہ مقام اور وقت ہے کہ عارف کی نظر میں مجرد ذہب سب یکساں ہو۔

علاوہ اس کے کسی حال میں انبیاء کرام کے سوا کسی انسان کو یہ حقیقت نہیں ملتی۔ بلکہ اسے
جس میں عارضیہ یہ کیفیت آجائے۔ اور یہ کیفیت عارضیہ سوائے سکر کے نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت
عادت بن زید رضی اللہ عنہ ایک روز دنیا سے علیحدہ ہو گئے۔ اور دنیا و عاقبت کے مکاشف
ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ عَرَضْتُ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوَى عِنْدِي مَجْرَهَا
وَدَهَبَهَا وَبُخْشَهَا وَ مَدَّ رَحْمَةً مِنْ نَفْسِي كَوْنِيَا سَعِيٍّ مَعْرِضٍ كَرِيٍّ تَوَسُّعٍ
نَزِيكٍ دُنْيَا كَاثِرٍ اَوْ سَوَا پانڈی اور لکھنؤ سب یکساں ہو گئے۔ دوسرے دن آپ کو دیکھا کہ فرما

لے وہی ہو دھب جود ہنہ والا۔ لے ساکنا یا دھرا میں غفلت کرتے والا۔

کلام کر رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا۔ عارضہ کیا کر رہے ہو۔ فرمایا لہذا تلاش کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ وہ ساعت وہ تھی یہ ساعت یہ ہے۔

تو مقام صحیح میں اور یاد کرام کو درجہ عوام ملتا ہے۔ اور مقام سکریٹ میں ان کو درجہ انبیاء سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ جب اس مقام پر آکر ان خود ہوتے ہیں تو اپنے کو عوام کی حیثیت میں جانتے ہیں اور جب بخود ہو کر اپنے سے نفی ہو جاتے ہیں۔ تو حق راہ میں ہوتے ہیں۔

اور ان کا یہ سکرانا جذب ہوتا ہے کہ اپنے کو سوائے ذات حق کے کسی سے وابستہ نہیں رکھتے اور تمام عالم کو اپنے حق میں مثل سونے کے بگتے میں شبیل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔
 ذُحِبَ آيُنَا ذُحِبْنَا دُرٌّ حَيْثُ دُرٌّ وَ نَحْنُ فِي الْفُتُوءِ

جہاں ہم گئے سنا ہی تھا اور جہاں ہم نے دودھ کیا موتی ہی ملے اور میدانوں میں چاندی ہی پائی تھی۔ میں نے حضرت استاد ابراہیم قشیری سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار طائراٹنی سے پرچھا کہ آپ اپنا ابتدائی حال سنائیں۔ فرمایا ایک وقت مجھ پر وہ تھا کہ مجھے ایک پتھر کی صورت پڑی۔ دروغانہ شخص میں جو پتھر میں نے اٹھایا وہی جوہر ہو گیا۔ میں نے اسے جھٹک دیا۔ یہ اس لیے نہیں کہ ان کی نظر میں جوہر اس پتھر کیساں تھے۔ بلکہ اس لیے کہ انہیں پتھر کی صورت تھی۔ جوہر دکھانے تھا۔

حضرت خواجہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں سرخس میں لڑکوں کی عمر کا تھا اور قرمز کیلئے شہوت کے درخت کے پتے جھاڑنے کو ایک محلہ میں گیا اور پتے جھاڑ رہا تھا کہ شیخ ابراہیم الفضل بن حسین رحمۃ اللہ علیہ اس کو چے سے گنڈے میں درخت پر تھا۔ آپ نے مجھے نہ دیکھا۔ میں نے ان کی طرف سے کوئی ٹھک نہ کیا۔ بلکہ میں نے اس امر پر یقین کیا کہ وہ از خود غائب اور بدل بارگاہ حق میں حاضر ہیں اور اس حال میں عرش ہیں۔ کہ یکایک آپ نے مبارک اٹھایا اور فرمایا۔ اٹھ ایک سال سے زائد ہو گیا کہ تو نے مجھے ایک دانگ بھی نہ دیا کہ سر کے بال تو درست کرالیا کیا اپنے دوستوں کے ساتھ یا ساجی کیا کرتے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اسی وقت شہوت کے تمام پتے اور لہایاں، تنہ اور جڑ سب نڈیں ہو گئے۔

آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ تعجب ہے آپ کی بلکاد میں کیا یہ کتاب بھی موجب اعراض ہے
مقصود تو میرا یہ تھا کہ کائنات قلب کے لیے کئی نعمت سے غلبہ ظاہر یہ فرمایا۔ بے شک
آپ کے حضور زبان ہلا کر بھی مجرم ہے۔

حضرت بشیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے چار ہزار دینار و جلد میں پھینک
دیئے۔ لوگوں نے کہا بشیر کیا کر رہے ہو۔ فرمایا پتھروں کو بال میں رہنا ہی بہتر ہے۔
لوگوں نے کہا حضرت بھائے اس کے کہ دنیا میں پھینکے لوگوں کو کیوں نہ دیتے۔ فرمایا
تم رنگ بھی خوب ہو۔ میں اپنے رب سے یہ چاہوں کہ میرے دل سے حجاب اٹھ جائے اور
اس حجاب کو اپنے بھائی مسلمانوں پر ڈال دوں۔ یہ شرط دیا نہ تھیں کہ اپنے بھائی کے لیے وہ
چیز پسند کروں جو اپنے لیے بدتر جان رہا ہوں۔ اور یہ تمام کیفیت بحالت سکر ہوتی
ہے۔ اس کی شرح ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہاں تو اس کے بیان سے مقصود صرف اثبات
کرامت ہے۔

پھر حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابوالعباس سیاری اور حضرت ابوبکر واسطی اور
حضرت محمد بن علی قرطبی رضی اللہ عنہم یقیناً اس امر پر متفق ہیں کہ کرامت بحالت صحت و تکلیف
ظاہر ہوتی ہے۔ نہ کہ حالت سکر میں۔ اور یہ تمام اصحاب مذہب ہیں۔

اس لیے کہ اولیاء الہی مدیران ملک اور احوال عالم کے خبردار اور تمام عالم کے والی ہوتے
ہیں اور نظام عالم ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ برسم کے حل و عقدان سے وابستہ ہوتے ہیں
اور احکام عالم میں ان کا تصرف ہوتا ہے۔ بنا بریں یہ ضروری ہے کہ ان کی رائے تمام اہل الارض
پر نافذ ہو۔ اور تمام قلوب کے مقابلے میں مخلوق کے ساتھ ان کا دل شفیق تر ہو۔ کیونکہ یہ لوگ
خدا رسیدہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی ابتداء حال میں تلویح و سکر ہوتا ہے۔

اور جب ان کے حال کا بلوغ ہوتا ہے تو وہی تلویح و تکلیف کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہے اور
پھر وہ دل حقیقتہً دل ہوتا ہے۔ اور اس کی کرامتیں صحیح ہوتی ہیں۔

اہل طریقت میں شہور ہے کہ اوقات ہر شب میں تمام جہان کی سیر کرتے ہیں اور اس سیر
میں جو جگہ ان کی سیر سے رہ جاتی ہے وہاں لازمی طور پر خلل واقع ہوتا ہے۔ تو وہ اسی وقت

بقول ہرچہ بخود پسندنی ہرچہ ان پسند

بٹھایا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہر طرف سے لوگ آسنے لگے حتیٰ کہ چالیس آدمی اس جگہ جمع ہو گئے۔ پھر انہوں نے جو تختہ تدریس پر جلوہ افروز تھے آسمان کی طرف اٹھا دیا۔ کیا ایک کچھ کھانے کی چیز آگئی۔ ہم سب نے اسے کھایا۔ پھر حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کوئی سوال کیا۔ انہوں نے بہت تفصیل سے اس کا جواب دیا مگر میں ان کی گفتگو کو بالکل نہ سمجھ سکا۔ اس کے بعد سب نے اہانت لی اور رخصت ہوئے۔ مجھے بھی حکم ہوا کہ تر بھی جا اب توبیک اور سعید ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب ہم ترمذ سے وہیں واپس آئے تو میں نے حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور وہ کونسا مقام تھا اور وہ تخت پر جو تشریف فرما تھے کون تھے۔ فرمایا وہ مقام تیرہ بنی اسرائیل تھا اور وہ بزرگ قطب مدار تھے۔

میں نے عرض کی حضور اتنی سی قدرت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں ہم کیونکر پہنچ گئے۔ فرمایا ابو بکر تمھے پہنچنے سے کام تھا پوچھنے سے عرض نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ علامت صحتِ حال کی ہے کہ نہ کر کی۔

اب ہم اس بحث کو مختصر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہم اس کی تفصیل کی طرف مشغول ہو گئے تو کتاب طویل ہو جائے گی۔ اور مختصر وہ جائے گا۔

اب ہم بعض دلائل اور کرامات و حکایات بیان کریں گے تاکہ پڑھنے والا متنبہ ہو جائے اور علماء کے لیے ان کے بیان میں قوت دے اور محقق لوگوں کے لیے بہترین تذکرہ بنے اور عام کو یقینی حاصل کرنے میں مدد ملے اور ان کے شہادت رفع ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کراماتِ اولیاء

یاد رکھو جب کرامتوں کا ثبوت دلیل عقل سے ثابت ہو گیا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دلیل عقل سے بھی اس کا ثبوت واضح ہو جائے۔ اور جو صحیح احادیث میں آیا ہے اور کتاب و سنت سے اس کی صحت ثابت ہے تو اس کا انکار کرنا نص کا انکار کرنا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّانَ وَالسَّلَوىٰ مِیْنٰی تم پر ہم نے بادلوں کا سایہ کیا اور تمہارے لیے تم پر رحمتیں نازل فرمایا۔ حکموں سے اگر کوئی کھے کہ وہ رسولِ علیہ السلام کا مجوزہ تھا اور ہم مجوزہ کے قائل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ

کرامتِ اولیاء و حقیقتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجزہ ہے۔ اگر منکرین کہیں کرے کہ فیہ غیبت
میں ہیں۔ ہم پر واجب نہیں کہ ہم اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجزہ تسلیم کریں۔ ان کا مجزہ وہی تھا
جو ان کے وقت میں تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے غائب ہوئے اور کہ وہود پر تشریف
لے گئے تو ان کی غیبت میں جو کچھ ظاہر ہوا۔ وہ سب ان کی ہی طرف منسوب ہے۔ تو زمانہ اور
مکان کی غیبت مساوی ہے۔ تر جب غیبت مکان میں مبنی موسیٰ علیہ السلام کے غائب ہونے
کے بعد ان کا مجزہ دعا ہے تو اس مقام پر صرف غیبتِ زمانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے
اور اولیائے کرام کا موجود ہونا ان کے زمانہ کی دلیل ہے۔ تو ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے معجزات کا غور پورہ اولیاء میں کیوں نہ رہا۔

دوسرے حضرت آصف بن برخیا کی جو کرامت ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی
موجودگی میں ہے چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ تختِ عقیس اس کے آنے سے پہلے
آئے اور فرمایا تم میں کون ہے۔ جو اس تخت کو عقیس کے آنے سے پہلے ہمارے سامنے پیش کرے۔
تو قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ قَالَ عِفْرِيتُ مِن آلِ اٰدَمَ اَنَا اَتِيَنَّكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ
تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ۔ ایک شخص نے عرض کی۔ میں اس تخت کو آپ کے مبارک ہاتھ
سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے بھی پہلے وہ پیش کیا ہلے تو حضرت
آصف بن برخیا نے عرض کی اَنَا اَتِيَنَّكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَزِيْزًا اِيَّاكَ مَكُوْنَكَ لَكِنَّا رَاٰ
مُسْتَقْبِرًا اَحْنَدًا۔ میں آپ کے ہاتھ پہنچنے سے پہلے وہ تخت حاضر کئے دیتا ہوں۔ تر جب
سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس دیکھا تو فرمایا۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ یہ میرے
رب کا فضل ہے اور اس دعوے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے انکار نہ فرمایا بلکہ وہ کلامِ رب
دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ اور حقیقتِ واقعہ ہے کہ تخت کا
ملک سب سے طرفہ امین میں حاضر کر دینا کسی صورت سے مجزہ نہ تھا بلکہ کرامت تھی۔ اس کے
کہ آصف بن برخیا ہرگز پیغمبر نہ تھے۔ اور مجزہ پیغمبر کے سوا جائز نہیں۔ لا محالہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ
مجزہ نہ تھا بلکہ کرامت تھی۔ اگر مجزہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دسویں حق پرستوں

کی عرض سے کسی غار کی تلاش کی۔ اور رات وہاں سو گئے۔ کچھ رات گزری تھی کہ اچانک ایک بھاری پتھر اس غار کے منہ پر گر چکا آیا اور اس نے غار کا منہ بند ہو گیا۔ یہ تیلوں سخت پریشان ہوئے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے اب یہاں سے ہمیں کوئی چیز ایسی نہیں جو نجات دلا سکے۔ سو اس کے اپنی عمر کے کسی نیک کام کو اللہ تعالیٰ کو پیش کر کے اسے نجات کا ذریعہ بنایا جائے۔

ایک ان میں سے بڑا۔ میرے ماں باپ تھے اور میں مال و مال دنیاوی سے کچھ نہیں رکھتا تھا۔ بجز ایک بکری کے۔ تو میں ہمیشہ اس بکری کا دودھ انہیں پلاتا تھا اور بکریوں کا گھٹھ جو جنگل سے لاتا اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے سب کی پرورش کرتا۔ ایک روز مجھے درہم ہو گئی۔ جب میں آیا تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں۔ میں نے بکری کا دودھ نکال کر اس میں روٹی بھگوئی اور ان کے سونے کی جگہ اگر ان کے پیروں کی طرف وہ پیالہ لے کھڑا رہا۔ اور خود بھی کچھ نہ کھایا کہ جب بھک انہیں دکھلاؤں میں کیسے کھالوں۔ ان کے پیالہ ہنسیکا انتظار کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ جب وہ بیدار ہوئے اور کھانا کھایا تو میں بیٹھا۔ تو میں عرض کرتا ہوں الہی اگر میں اس خدمت میں سچا ہوں تو مجھ پر کثادگی اور میری فریاد دہی کر۔ حضور نے فرمایا کہ وہ پتھر اس قوسل کی برکت سے پلا اور کچھ کثادگی ہو گئی۔

دوسرا کہنے لگا۔ میرے چچا کی روٹی حینہ حیلہ تھی جس پر میں فریختہ تھا۔ میں اسے اپنی طرف پلاتا تو وہ رجوع نہ ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ میں نے اسے ایک سو بیس دینار بھیجے کہ وہ ایک شب میرے ساتھ غلوت کرے۔ جب وہ میرے پاس آگئی تو میرے دل میں خوف خدا پیدا ہوا۔ اور میں نے اس سے پرہیز رکھا اور وہ سنہری دینار بھی اُسے دے دیتے۔ یہ کہہ کر اس نے بارگاہِ متعال میں عرض کی۔ الہی اگر میں اس بات میں سچا ہوں تو مجھ پر اس پتھر سے فراخی عطا کر جس سے فرماتے ہیں کہ وہ پتھر ایک لخت ہلا اور غار پہلے سے کچھ زیادہ فراخ ہو گیا۔ مگر ابھی اتنا فراخ نہیں ہوا تھا کہ آسانی سے باہر نکل سکیں۔

تیسرا بولا کہ میرے پاس مزدور کام کرتے تھے۔ دن گزرنے پر سب اپنی اپنی مزدوریاں لے جاتے تھے۔ ایک دن ایک مزدور غائب ہو گیا۔ اور اس کی مزدور کی میرے پاس رہ گئی۔ میں نے اس سے کہہ دیا۔ دوسرے سال وہ دو گنا سپند ہو گئے۔ پھر وہ میرے سال چاہا۔

ہم گئے تاسی طرح ہر سال بڑھتے رہے۔

جب چند سال گزر گئے تو یہ ایک سال عظیم ہی گیا کہ وہ مزد بھی آگیا اور اس نے مجھ سے کہا میں نے آپ کی مزدی کی تھی۔ شاید آپ کو ملے یا دہر۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مجھے دیدر۔ میں نے کہا۔ جاؤ وہ تمام گوسفند اور مال ایک تیرا ہی ہے۔ تُو نے تو مزدور رکھنے لگا۔ کیا آپ کو گزرا۔ میں نے کہا۔ نہیں وہ حقیقت وہ سب مال تیرا ہے میں پرچ کہہ رہا ہوں چنانچہ وہ سب مال میں نے اسے دیدیا۔ الہی اگر یہ میرا بیان صحیح ہے تو مجھے اس بلا سے نجات دے۔ حضور نے فرمایا وہ پتھر و قار سے ہلا اور بچے گر گیا اور تینوں آدمی وہاں سے باہر آ گئے۔

یہ حال بھی ناقص عادت تھا۔ (اور اسے بھی کراہت ہی کہا جاتے تھے۔)

۲۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث جریح راہب کی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ مفلحیت کے آیام مفاہت میں اپنے گوارہ میں کسی نہیات نہیں کی مگر تین آدمیوں نے۔

ایک عیسیٰ علیہ السلام نے جس کا تھیں علم ہے۔ (کما قال تعالیٰ قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِی الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا)

دوسری سلسلہ کا ایک ماہب جس کا نام جریح غبتہ تھا۔ اس کی والدہ ایک گوارہ رکھتی تھی۔ ایک دن اپنے بیٹے کو دیکھنے آئی۔ جریح اپنے صومعہ میں مصروف نماز تھے۔ دروازہ نہ کھولا۔

دوسرے روز پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسرے روز آئیں۔ اس دن بھی صومعہ نہ کھولا۔ چوتھے روز بھی اسی طرح آئیں اور در صومعہ نہ کھولا۔ تو ان کی والدہ نے تنگ آکر کہا۔ الہی اسے دسا کر میرا بیٹا ہو کر میرے

حق مادیت کی پروا نہیں کرتا یعنی میرے حق کے معاملے میں اس کی گرفت کر۔ اس زمانہ میں ایک جرحلی عورت تھی۔ اس نے کسی گروہ سے وعدہ کیا کہ میں جریح کو گوارہ کروں گی۔ چنانچہ وہ صومعہ یعنی عبادت خانہ جریح میں داخل ہو گئی۔ مگر جریح نے اس کی طرف صلا التفات نہ کیا۔

اس نے کسی چرواہے کے ساتھ جہرام کرایا اور عاقل ہو گئی۔ جب بیٹا ہوا تو اس نے کہا دیا کہ یہ جریح کا ہے۔ لوگوں نے جریح کی طرف انہر و کشیک کے ساتھ دبا دبا بول دیا۔ حتیٰ کہ انہیں گزرتا رہے کہ عداوت سلطان میں پیش کر دیا۔ جب پیش ہوئی تو جریح نے اس کے گروہ کے بچے سے فرمایا اے بچے

تیرا باپ کون ہے۔ وہ شیر خوار امید مادر میں گریا ہوا۔ اسے جرح میری والدہ تجھ پر عبثاً اتھام لگا رہی ہے۔ میرا باپ ایک چرواہا ہے۔

تیسرا امید مادر میں برسنے والا ایک عورت کا شیر خوار بچہ ہے جس کا یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت اپنی گود میں بچہ لیے اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی کہ ایک سردار حسین ذلیل جوان اور خوش پوشاک ادھر سے گزرا۔ عورت کہنے لگی۔ الٹی میرے اس بچے کو اس سردار رحمانیسا کر دے تو بچہ ماں کی گود سے کہنے لگا۔ الٹی مجھے اس سوار جیسا نہ کر۔ جب ایک مدت گزر گئی تو ایک عورت بدنام ادھر سے گزری۔ عورت کہنے لگی۔ الٹی میرے بچے کو اس عورت جیسا بدنام نہ کرنا تو بچہ کہنے لگا۔ الٹی مجھے مثل اس عورت کے کر دے۔

بچہ کی ماں مستحجب ہوئی اور کہنے لگی اس بچے نے ایسی دعا کیوں کی۔ بچہ کہنے لگا۔ یہ عا میں نے اس لیے کی کہ وہ سردار ظالم و جابر لوگوں میں سے تھا اور یہ عورت نہایت نیک خلعت ہے مگر اسے لوگ برا کہتے ہیں۔ اور اسے ظالم جانتے نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ظالم و جابر بنوں۔

۳۔ ایک حدیث زائدہ کنیز کا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے کہ ایک دن حضرت حفصہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے زائدہ میرے پاس درویش کیوں آئی ہے۔ میں تجھے محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ زائدہ نے عرض کیا۔ حضور آج میں ایک عجیب و غریب بات نے کر حاضر ہوئی ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ وہ کیا ہے عرض کیا۔ حضور میں نے ایک مکڑیوں کا گٹھ باندھ کر ایک پتھر پر رکھا کہ اسے اٹھاؤں کہ ایک سوار دیکھا جو آسمان سے زمین پر آیا اور مجھے سلام کہہ کر کہنے لگا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ رضوانِ خازنِ بہشت نے عرض کیا ہے کہ حضور کو بشارت ہو کہ بہشت برس آپ کی امت کے لیے تین طرح تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک تو اُس گروہ کے جو بلا حساب و کتاب داخل جنت ہوگا۔ دوسرا حصہ اُس گروہ کا ہے جو آسان حساب و کتاب

پوچھا کہ جس کا وہ اقدار کثرت الخیر میں نقل نہیں فرمایا۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یونس کے مقدر میں جتنے ہیں۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَبِيلُهُمْ (ذکریم)

جنت میں داخل ہوگا۔ تیسرا اگر وہ رہے جو حضور کی شفاعت سے داخل جنت ہوگا۔ یہ کہا اور آسمان کی طرف چلا گیا۔

پہلے سے یہ گنگو اس نے میان زمین و آسمان معلق رہ کر کی۔ پھر گھج اس نے اسس حال میں پایا کہ میں وہ گنگو پتھر سے نہ اٹھا سکی تو اس کا رنے آواز دی۔ زائد گنگو کو پتھر پر چھوڑ دے اور پتھر کو کہا۔ اسے پتھر یہ گنگو حضرت عمر تک لے جا۔ پتھر نے وہ گنگو لیا اور میرے ساتھ آکر خانہ عمر تک پہنچا گیا۔

یہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صحابہ کے ہمراہ خانہ عمر رضی اللہ عنہ پر تشریف لائے اور اس پتھر کے آنے کا اثر راہ میں ملاحظہ فرمایا اور اس پتھر کو بھی دیکھا اور فرمایا الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا سے باہر نہ فرمایا (اگر ایسا ہوتا اور دنیا سے الگ ہوتے تو رضوان مسیدی اُمت کو بشارت نہ دیتا اور اللہ تعالیٰ میری اُمت سے کسی کو درجہ مریم تک نہ پہنچاتا) مگر چونکہ ہم ہیں تمہاری دنیا میں ہیں بعد اُمت میں اس لئے یہ عجائب و غرائب مشاہدہ میں آ رہے ہیں (گویا حضرت زائدہ کثیر کہ فاروق کو مثل مریم علیہا السلام یہ مشاہدہ ہو گیا۔

۴۔ مشورہ ہے کہ حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاہ بن الحضرمی کو کسی غزوہ میں بھیجا۔ راستہ میں دریا کا کچھ حصہ پڑنا تھا۔ آپ جب وہاں پہنچے تو ریلج آب پر قدم رکھ کر پار ہو گئے اور آپ کا پائے مبارک بھی تر نہ ہوا۔

۵۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ تشریف لے جا رہے تھے کہ جنگل میں آپ نے دیکھا کہ ایک گروہ رکاکھڑا ہے اور شیر نے اُن کا راستہ روک رکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر فرمایا۔ اوتھے اگر تو بیکم اتنی راستہ روکے کھڑا ہے تو کھڑا رہ دے نہ ہٹ جا اور میں راستہ دے تاکہ ہم گزریں۔ وہ شیروں بلائے لگا اور راہ سے ہٹ گیا۔

۶۔ حضرت قطب الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ایک روایت مشورہ ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو ہوا پر بیٹھا دیکھا۔ فرمایا۔ اسے خدا کے بندے یہ درجہ تو نے کیسے پایا۔ اس نے عرض کیا۔ تعویذ بات ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کیا بات تھی۔ عرض کیا۔ حضور دنیا سے متفر اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع۔ پھر مجھ سے کہا۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں بھی ہوا میں ٹھہرنے لگوں تاکہ

میرادل جہان سے آزاد ہو جائے۔

۷۔ حبیب ایک جوان مرد مدینہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے گا اللہ
کیا۔ تو بتایا گیا کہ آپ اس خراب خانہ سے اپنی جان کو بے خبر کئے ہوئے ہیں۔ وہ چلا اور حضرت
امیر المومنین سے ملا۔ دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں زمین پر اور اپنا وردہ سر کے نیچے رکھے ہوئے ہیں تو
اس نے اپنے دل سے بات کی اور کہا کہ اے نبی یہ تمام فتناس جہان میں اس شخص سے ہی ہے۔
اب اس کا قتل میرے نزدیک آسان ہے۔ یہ سوچ کر اس نے تلوار سونپی کہ اچانک وہ شیر ظاہر
ہوئے جو اس جوان کی طرف بھپٹ رہے تھے۔ جوان یہ دیکھ کر پکارا اور فریاد کرنے لگا کہ حضرت
امیر المومنین رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ آپ نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے سب
مرگزشت سنانی اور شرف اسلام سے مشرف ہو گیا۔

۸۔ روایت ہے کہ عبداللہ بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سوار خانہ
میں تھے تو بادشاہ کی طرف سے ایک ہیلوان جو تختے لے کر آیا اس میں ایک شیشہ بھی تھا جس
میں سخت زہر تھا۔ اور کہا کہ اس سے زیادہ قیمتی چیز اس بادشاہ کے خزانے میں نہیں۔ حضرت
خالد نے وہ شیشہ کھولا اور کعبہ دست پر اس میں سے ڈالا اور بم اللہ پڑا کہ منہ میں ڈال لیا۔
آپ کو اس سے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا۔ لوگ متحیر ہو گئے اور اکثر راہ راست پر آ گئے۔

۹۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عباط بن عامر میں سے ایک سیاہ قام
جنگل میں رہتے تھے۔ ایک دن آپ نے ان کے لئے کچھ بازار سے خریدا اور ان کے پاس لے
گئے۔ انہوں نے فرمایا یہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت کچھ کھانا ہے آپ کے لئے
لایا ہوں کہ شاید آپ کو ضرورت ہو۔ تو وہ میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ جنگل کے
پتھر و درخت سب سونے کے تھے۔ میں شرمندہ ہوا اور جو کچھ لے گیا تھا سب وہیں چھوڑ کر ان
کی بیعت سے بھاگا۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم ادم فرماتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا۔ میں نے اس
سے پانی مانگا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ یہاں تو دودھ ہے اور پانی کہاں سے چاہتا ہے۔ میں نے
کہا۔ مجھے پانی چاہئے تو وہ چرواہا اٹھا اور اپنی ٹکڑی ایک پتھر پر ماری تو پانی کا چشمہ بہ نکلا۔ میں

یہ دیکھ کر مستحیر ہو گیا تو مجھ سے وہ کہنے لگا۔ قحب ذکر حب بندہ اپنے رب کا مطیع فرمان ہو جاتا ہے تو عالم اس کا مطیع ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ حضرت ابو دوداء اور سلیمان پارسى رضی اللہ عنہما آپس میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ پیالہ سے جیسج کی آواز آنے لگی۔

۱۲۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ تین روز میں ایک وقت میں کھانا کھانا تھا۔ ایک دن میں جنگل میں جا رہا تھا مجھے ضعف محسوس ہوا۔ اور کھانا نہ ملا۔ طبیعت نے صپ مادب کھانا مانگا۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ غیب سے آواز آئی کہ اے ابوسعید نفس کو آرام دینے کو کھانا چاہتا ہے یا کھانے سے اپنی جسمانی سستی دور کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ الٹی میں چلنے پھرنے کی قوت چاہتا ہوں۔ فوراً مجھ میں ایسی قوت آئی کہ بلند منزل تک میں چلا گیا۔ حالانکہ میں نے کھانا کچھ بھی نہ کھا۔ اور نہ کچھ پیا تھا۔

۱۳۔ مشہور ہے کہ حضرت سہل بن عبد اللہ تسری کے گھر کو ستر میں بیت التباہ کہتے تھے۔ اس لئے کہ اہل بیان ستر متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ سہل بن عبد اللہ کے پاس درندے شیر وغیرہ آتے تھے اور آپ انہیں کھلاتے اور رکھوالی فرماتے تھے۔ بآنکہ ستر میں کافی آبادی تھی۔

۱۴۔ حضرت ابوالقاسم مروزی فرماتے ہیں کہ میں ابوسعید خدری کے ساتھ جا رہا تھا۔ کنارہ دریا پر ایک جوان دیکھا کہ گٹھری اپنے بوسے ایک مجروح سپاہی میں بنا کر رہتا تھا۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا۔ اس جوان کی پیشانی عیاش معلوم ہوتی ہے اور اس کا عجیب حال ہے کہ جب اسے دیکھتا ہوں تو کہیں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ رسیدگان کمال سے ہے اور کہیں دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ یہ طالب حق ہے۔ آؤ اس سے باتیں کریں۔

چنانچہ خدری رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا۔ خدا تک پہنچنے کا کون سا راستہ ہے۔ اس جوان نے جواب دیا۔ در راستے میں ایک راہِ غلام ہے ایک راہِ خواص۔ اور تم کو راہِ خواص کی کچھ لے تو ہم گردن از حکم دیور پیچ۔ نہ پیچہ ز حکم تو از خلق پیچ۔ مَنْ كَانَ لَهُ الْمَوْلَىٰ فَلَهُ الْكُلُّ۔ مَنْ كَانَ يَشْكَاكَ اللَّهُ كَذِبًا۔ جو اللہ کا ہو جائے تو اس کا سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے تو اللہ اس کے لئے ہوتا ہے۔ (مترجم)

خبر نہیں۔ البتہ راوی عوام یہ ہے کہ جس پر تو جیل رہا ہے اور اسے داخل جنت ہونے کی علت جانتا ہے اور حجرہ کو آلہ حجاب سمجھتا ہے۔

۱۵۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر مصر سے حبشہ روانہ ہوا۔ ہمارے ساتھ ایک جوان خرقہ پوش بھی سوار ہوا۔ میرے دل میں اس کے پاس بیٹھنے کی خواہش ہوئی مگر اس کی ہیبت سے ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس وجہ سے میں اس سے کلام بھی نہ کر سکا۔ اس لئے کہ وہ بڑا بزرگ تھا۔ اس کی ایک ساعت بھی یاد الہی سے غفلت میں نہ تھی۔ ایک روز کشتی میں لوگوں میں سے کسی کی تحییلی سے ایک جوہر گم ہو گیا۔ تحیلی واسلے نے اس جوہر کا الزام اس جوان خرقہ پوش کے سر لگایا اور اس کے ساتھ سلک کرنے پر آمادہ ہوئے۔ میں نے لوگوں کو روکا اور اس بہانے سے میں ان کے قریب ہو گیا۔ گفتگو شروع کی۔ جب میں نے لوگوں کی بیگانی ان پر عاہر کی اور بتایا کہ ان کا گمان یہ ہے کہ وہ جوہر تحیل سے اپنے لیا ہے۔ اب فرمائیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ سن کر اس جوان با خدا نے آسمان کی طرف منکر کے کچھ فرمایا کہ میں نے دیکھا۔ سمندر کی تمام پھلیاں سلج سمندر پر آگئیں اور ایک ایک جوہر منہ میں لئے ہوئے تھیں۔ آپ نے ایک جوہر لے کر اس کو دیا جس کی تحیل کا جوہر گم ہوا تھا۔ کشتی کے سب لوگوں نے یہ کہاں دیکھ کر آپ کی طرف عقیدت مندی کا مظاہرہ شروع کرنا چاہا۔ انہوں نے اس کشتی سے پاؤں در پاؤں ڈال دیا اور سلج آب پر چلنے لگا۔ یہ جوہر خراسان والے تھیں ان میں سے ایک تھا۔ اس نے گھبرا کر وہ جوہر دے دیا اور اہل یان کشتی شرمندہ ہوئے۔

۱۶۔ حضرت ابراہیم دق سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائی عمر میں حضرت مسلم مغربی کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب میں ان کی مسجد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ امامت کر رہے ہیں اور اکھ غلط پڑھ رہے ہیں۔ مجھے اس سفر پر ظلل ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ کھٹے غلط ہو گئی۔ رات تو میں رہا۔ صبح بغرض غسل میں خزاں کے کنارے پر گیا۔ وہاں دیکھا کہ ادھ میں ایک شیر سو رہا ہے۔ میں اسے دیکھ کر واپس ہوا تو شیر نے میرا تعاقب کیا۔ میں گھبرا کر پکارتے لگا کہ میں عاجز ہو گیا تھا۔ کہ مسلم مغربی اپنے حجرے سے نکلے تو شیر انھیں دیکھ کر دم ہانے لگا۔ آپ نے اس کا کان پکڑا اور فرمایا۔ اے خدا کے کتے۔ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم

میرے ہمانوں کو نہ چھڑا کرو۔ پھر مخاطبہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے ابراہیم! (یہ ابراہیم دق کی کنیت ہے) تم لوگوں کا ظاہر درست کرنے میں مشغول ہو۔ اس لئے مخلوقات الہی سے خوف زدہ ہو اور ہم باطنِ حالِ مخلوق کی اصلاح کرتے ہیں۔ اس لئے خلقت الہی ہم سے ڈرتی ہے۔

۱۷۔ ایک روز میرے شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت داتا گنج رحمتہ اللہ علیہ کے پیر و مرشد) بیچ ابھرنے و مہاشق کا قصد فرما رہے تھے کہ بارش کی وجہ سے اتنی کچھڑ بھٹی کہ مشکل سے چلا جاتا تھا۔ اور میں چلنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ میں اپنے شیخ قدس سرہ کو دیکھا کہ ان کے کپڑے اور نعلین مبارک بالکل خشک اور صاف تھے۔ فرمایا ہاں جیسے ہم نے اپنی ہمت توکل کی راہ سے اٹھائی ہے اور دل کو وحشت و حرص سے صاف کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کے غل و خش اور کچھڑ سے محفوظ کر لیا ہے۔

۱۸۔ میں دینی حضرت علی بن عثمان حلابی رحمۃ اللہ علیہ ایک وقت جب کہ مجھے مشکل پڑی اس کا حل مجھ سے مجھ پر دھوا تھا تو میں نے زیارت شیخ ابوالقاسم گرگانی کا ارادہ کر کے طوس جانے کا قصد کیا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنے گھر کی مسجد میں تنہا تشریف فرما ہیں اور میرے اس حال کا تذکرہ مسجد کے ستون سے فرما رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے میں حاضر ہوا تھا اور میں اپنے سبابے کا اسی گفتگو میں جواب پارہا تھا۔ میں نے عرض کیا حضور یہ گفتگو کس سے فرماتے جا رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا۔ اس ستون کو اللہ تعالیٰ نے اس گھڑی ماطن کر دیا ہے تاکہ یہ مجھ سے سوال کرے اور فرغانہ سے سلاٹک پہنچا کرے۔ فرغانہ سے سلاٹک وہ سرزمین ہے جس پر ایک ضعیف العمر منصب اولاد الارض پر فائز رہتے ہیں۔ انہیں بابِ عمر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس ملک میں بابِ درویش اور باخدا کو کہا جاتا ہے۔

۱۹۔ اور ان کی ایک عجز نہ بڑھیا ہیں جن کا نام ظالم ہے۔ میں نے آذرکند سے اس کی زیارت کا قصد کیا۔ جب میں ان کے پاس گیا تو مجھ سے پوچھا۔ کیوں آیا ہے۔ میں نے عرض کی شیخ کی زیارت کو تاکہ ان کی شفقت سے میں بھی فیض یاب ہو سکوں۔ تو انہوں نے فرمایا۔ بیٹے میں خود فلاں مہذ سے تجھے دیکھ رہا ہوں۔ تاکہ مجھ سے فائب نہ ہو جائے۔ اور میں تجھے چاہتا ہوں کہ

دیکھتا رہوں۔ جب میں نے اس دن سے حساب لگایا تو وہ ابتدائی دن میری توبہ کا تھا۔ فرمایا
 بیٹا۔ سفر کرنا اور طے مراحل میں پڑنا بچوں کا کام ہے۔ اس زیارت کے بعد ارادہ کر کہ جسم کے
 وہ برد ہونے میں کچھ تعلق نہیں بڑھتا۔ پھر فرمایا۔ غلطہ چھو جو وہ ہے لاؤ تاکہ یہ درد شش کھلے۔
 ایک طبق تازہ انگور کا لایا گیا۔ حالانکہ وہ موسم انگوروں کا نہ تھا اور کچھ چھو اسے بھی
 لائے گئے حالانکہ فرغانہ میں تازہ چھو ہمارے ملنا ممکن نہ تھا۔

۱۸۔ ایک بار میں تربت شیخ ابو سعید رضی اللہ عنہ پر تنہا حاضر تھا کہ ایک کبوتر سفید دیکھا کہ
 آیا زیرِ غلاف جا کر نائب ہو گیا۔ میں نے غلاف ہٹا کر دیکھا مگر وہ کبوتر نائب تھا۔ دوسرے
 روز بھی ایسا ہی دیکھا۔ میں تعجب تھا کہ یہ راز کیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شب خواب میں بھی دیکھا
 تو میں نے حضرت سے استفسار کیا۔ فرمایا وہ کبوتر ہمارے صفاء و معاطت ہے۔ ہر روز پلٹا
 قبر میں آتا ہے۔

اگر اس کے علاوہ اور حکایتیں کو پیش کروں تو ابھی سیری نہ ہو اور کتاب پڑھو جائے لا
 اثبات اصول طریقت فروع میں اور معاملات و مقالات میں ناقلان طریقت سے خود کئی
 کتابیں تصنیف کیں اور جمع کی ہیں اور مسلفین منبروں پر جو نشر کرتے ہیں سب میں ہی میری کتاب
 کتاب میں لاتا ہوں تاکہ طالب معنی کو اور خجگہ تلاش کی ضرورت نہ رہے۔

علاوہ اس کے مترجم کشف المحجوب میں ایک روایت مذکور ہے جسے شمس المذہب نے
 کشف المحجوب نے نقل کیا ہے۔ وہ بھی ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ روایت سمرقند کا
 کشف المحجوب میں بھی ہے۔

حضرت ابوبکر وراق روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز محمد بن علی حکیم زہدی نے اپنی کتاب
 سے چند جُز مجھے دیئے اور فرمایا یہ دریائے جیوں میں ڈال دے۔ جب میں باہر آیا تو میں نے
 دیکھا وہ جُز نہایت عجیب علی جوہر پائے تھے۔ میرا دل نہ چاہا کہ میں یہ تعمیل حکم دیا بُرد کروں
 میں نے بجائے دریائے بُرد کرنے کے وہ جُز اپنے پاس محفوظ کر لئے اور واپس آکر عرض کر دیا کہ جب
 حکم وہ اجزاء دریائے بُرد کر آیا ہوں۔ مجھ سے سوال ہوا کہ جب تم نے وہ جُز دریا میں ڈالے تو کیا
 دیکھا۔ میں نے جواب دیا۔ کچھ نہیں۔ فرمایا۔ پھر تو نے وہ جُز دریا بُرد نہیں کئے۔ میں حیران تھا کہ

دریا میں ڈالنے کے بعد کیا نظر آتا تھا جس کی وجہ سے مجھ پر حکم لگا دیا کہ تو نے وہ اجزاء دریا برد نہیں
کئے۔ آخر ش بادل ناخواستہ میں وہ اجزاء لے کر مجھوں پہنچا اور وہ جزیرے دریا میں ڈال دیں۔ اُن
اجزاء کا دریا میں ڈالنا تھا کہ دریا پھٹا اور اس سے ایک صندوق برآمد ہوا اور اس کا ڈھکنا کھلا
اس میں جزو داخل ہو گئے پھر صندوق کا سنبند ہوا اور وہ دریا میں گیا اور پانی کی سطح ہموار ہو گئی۔
میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ وہ اجزاء اب ڈال کر آیا ہوں۔ اس کے بعد میں نے جو دیکھا
تھا وہ سب سنوایا۔ فرمایا ہاں اب تو نے یقیناً وہ اجزاء دریا برد کر دیئے۔

میں نے عرض کی جنور اس راز سے مجھے بھی مطلع فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ہم نے علم طریقت
میں ایک کتاب لکھی تھی جو عقول انسانی کے فہم سے بالا تھی۔ تو میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام
نے مجھے فرمایا۔ وہ کتاب ہمیں دے دو۔ چنانچہ انہیں کے حکم سے وہ صندوق آیا تھا اور حکیم الہی
وہی واسطے سے حضرت خضر تک پہنچ گیا۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام وادعوا۔

انبیاء کی اولیا پر فضیلت

ابھی طرح یاد رکھو کہ ہر وقت ہر حال میں باتفاق جمیع مشائخ طریقت اولیا متابعت انبیاء
میں ہیں۔ امدان کی دعوت کے مصداق۔ اور یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انبیاء کا رتبہ اولیا
سے فاضل و افضل ہے۔ اس لئے کہ نہایت ولایت ابتداء منصب نبوت ہے۔ اسی بنا پر ہر نبی
کا دل جو لازمی ہے لیکن کوئی دلی نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کرام علیہم السلام تقی صفات بشری کے اندر متکین ہوتے ہیں اور اولیا کرام کا ہر حال
عارضی ہوتا ہے۔ اولیا کا جو مقام اعلیٰ ہے وہ انبیاء کرام کا ایک مقام حجاب ہے۔ اس تفصیل سے
تمام محققین طریقت متفق ہیں۔ کسی نے اس کے خلاف نہیں کہا۔ سوائے گروہ حشویہ کے جو خراسانی
ہے ان کا کلام مشکوک ہے۔ کلام سے منافی ہے۔ اصول توحید میں کہ انہوں نے اہل اصول توحید کو
نہیں سمجھا اور بر جو غلط رو اپنے کو دلی کہلاتے ہیں۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ دلی ہیں مگر
دلی شیطان۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اولیا معاذ اللہ انبیاء سے فاضل تر ہیں۔ اور یہ دلی ان کے لئے

لے گئے بر تارہم اعلیٰ نشیندہ گئے بر پشت پائے خود نہ بیتند۔ مترجم

خالص گمراہ کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ ایک جاہل کو فاضل تر جناب مصطفیٰ علیہ التہیہ والتسلیم سے ماننا منطوق ہے۔
 دوسرا ایک گروہ شبہ سے ہے۔ وہ بھی ایسے ہی گمراہ راستہ پر ہے۔ وہ حلول و نزول حق
 بمعنی افعال ردا رکھتا ہے اور ذات واحد تعالیٰ شانہ کی تجزی ردا ماننا ہے۔ اور یہ دونوں گروہ
 مذہب میں مذکور ہیں۔

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کتاب میں ان کا مفصل حال بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔ یہ
 دونوں گروہ مدعی اسلام بھی ہیں اور فنی تخصیص انبیاء کرام بھی کرتے ہیں۔ اور جو فنی تخصیص انبیاء کرام
 کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ وسلم علیہم داعی الی اللہ ہیں قرآن
 اولیاء عظام تمام کے تمام ان کے متبع ہیں۔ اور یہ محال ہے کہ مابوم امام سے فاضل تر ہو۔ تمام
 صفات میں سے کسی صفت میں۔

ابھی طرح بھڑک کر احوال و انقاس جملہ اولیاء کو انبیاء کے ایک قدیم صدق کے پہلو میں
 لایا جائے تو وہ تمام احوال و انقاس اس مقام کے متلاشی نظر آئیں گے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے
 کہ تمام اولیائے کرام گروہ انبیاء کے آستانہ کے طالب ہیں اللہ یہ راہ متعین پر چل رہے ہیں اللہ
 وہ پتہ چکے ہیں اور اپنا مقصود پا چکے ہیں۔

اب ان کا ہم میں اور اولیاء میں تشریف لانا مکمل دعوت ہے کہ قوم کو بانگیں اور رسول کی
 طرف چلائیں۔ اور اگر کوئی محمد ملاحظہ لکھم اللہ سے کہے کہ یہ دعوت قدیم ہے کہ جو رسول کسی طرف
 آتا ہے وہ ملک ہی ہوتا ہے تاکہ مبعوث اللہ اس سے فاضل تر ہو۔ جیسے کہ پیغمبران اولوالعزم
 صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین جبرئیل علیہ السلام سے افضل ہیں۔ یہ تمام صورتیں منی برخطا ہیں۔
 میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی کو پیا سر کر کے جیسے کسی کی طرف تو اس اصول کے تحت
 لازم ہوگا کہ رسول اللہ اس قاصد سے افضل ہو جیسے کہ جبرئیل علیہ السلام کسی رسول کی طرف آئیں تو
 رسول کا جبرئیل سے افضل ہونا لازمی ہے۔ لیکن جب خود رسول من جانب اللہ کسی قوم یا جماعت
 کی طرف مبعوث ہو تو لا محالہ اس قوم سے وہ رسول افضل ترین ہوگا جس طرح کہ پیغمبران اولوالعزم صلوٰۃ
 اللہ علیہم اجمعین سے افضل جیتے ہیں۔ اور اس حقیقت میں کسی ممکنہ کو بموجب احادیث صحیحہ کوئی اشکال و تردید
 نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نفس نفیس انبیاء کرام کا تمام عالم سے افضل ہونا مسلم ہے۔

اولیا مارچرٹ و عادت میں نہایت عزت کو پہنچے ہوئے ہیں اور اپنے مشاہدات سے خبر دیتے ہیں اور حجاب بشریت سے خلاصی پا چکے ہیں۔ لیکن ابو جردان تمام مسائل کے وہ میں بشر ہوئے ہیں۔ اور پھر رسول کو جواب دل قدم صدق پر مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ وہ بہ ہدایت رسول ولی کا درجہ نہایت برتا ہے۔ اسے پہلے فکریات پر قیاس کرنا ہی نہیں۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ طالبان حق از اولیا اس امر پر متفق ہیں کہ مقام جمع تعالین کمال ولایت سے ہے اور اس کی صورت اس طرح ہے کہ جب بندہ کسی ایک درجہ کو پہنچتا ہے تو غلبہ دوستی کی وجہ میں اس کی عقل تنگ کرنے سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور شوق قابل حقیقی سے حیرت میں آکر کھدو دیتا ہے کہ تمام عالم وہی ہے اور وہ اپنی نظر باطن سے دیکھتا بھی ایسا ہی ہے۔ جیسے کہ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تَوَدَّ اَلَّتْ حَتَّادُ وَبِنَةِ مَا حَبَدْنَا۔ اگر چاہیے کہ دیکھنے سے نازل ہو جائے اور ہم عبودیت مجہ سے ساقط ہو جائے اور شرف عبادت بغیر دیار یار مستر نہیں اور یہی معنی انبیاء کرام کے ہدایت حال کے ہیں کہ ان کے دل و نہاد تفرقہ صورت نہیں پکڑتے اس لئے کہ ان کی نفسی اثبات اور مسلک و متعلق و اقبال و اعراض و ہدایت و نہایت تمام میں جمع میں ہیں جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آفتاب کو دیکھا۔ فرمایا۔ هَذَا بَشَرٌ اَوْ جَانِدٌ سَارٍ كَوْ دِيْكَهَا تَوَدَّ مَا يَهْدَانَا بِقِي اس کی وجہ صرف غلبہ تھا۔ جو ان کے دل پر اور ان کی جملہ کے اندر میں جمع تھا۔ تو وہ اپنی نظر میں کسی کو غیر نہیں دیکھتے تھے۔

جب سب کا ملاحظہ فرمایا تو اپنے مین و دیار میں سب سے تیری فرما کر کہہ دیا۔ لَا اُحِبُّ الْاَخِلِيْنَ۔ تو ان کی ابتداء جمع کے ساتھ تھی اور اس میں بھی جمع کے ساتھ۔ اس لئے کہ ولایت کے لئے ہدایت و نہایت ہے اور نہایت کے لئے نہیں۔ جب علم اللہ میں گئے تھے جب ظاہر جو نبی ہوئے حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حال کس طرح ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ معلو اللہ ہمیں ان کے حال میں کوئی تصرف حاصل نہیں۔ جس کی تصویر ہم نہیں دیکھا سکیں جو ہم ہیں وہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نفسی اثبات ایک ایسے درجے میں رکھی ہے کہ حیرت مخلوق وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ تو جس طرح مراتب اولیاء اور اکابر غلو سے پہناں میں ہر انبیاء تصرف و ادراک اولیاء سے نہاں ہیں۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ با آنکہ محبت و بیگانہ ہیں۔ فرماتے ہیں۔ اَقْلُ مَا سِرْتُ
 اِلَى الْوَحْدَانِيَّةِ فَصَبْرُ طَيْرٍ اِجْمَعٍ مِنْ الْاَحْدَادِيَّةِ وَجَنَاحُهُ مِنْ
 السَّامُوْمِيَّةِ فَلَمَّ اَزَلُ اَطْيَرُ فِي هَوَا السَّنَوِيَّةِ مَشْمُ اَشْرَفَتْ عَلَى مَيْدَانِ
 الْاَزَلِيَّةِ وَرَأَيْتُ شَجَرَةَ الْاَحْدِيَّةِ فَتَنَظَّرْتُ فَقُلِمْتُ اَنَّ هَذَا كُلُّهُ لَيْسَ فَيَرَا
 میں نے دیکھا کہ میرا سر آسمان پر ملے گا۔ اور کسی چیز پر نگاہ نہ کی اور بہشت و دوزخ اُسے دکھائے
 تو اُس نے اس کی بھی کسی چیز پر التفات نہ کیا تو کتومات و حجابات سے اُسے عبور کر کر دیکھا تو
 میں ایک پرند مرغ ہو گیا۔ جس کا جسم احدیت تھا اور پردہ بل و عورتیت سے مٹی۔ وہ اڑتا رہا۔
 حتیٰ کہ ہوا، عورتیت سے گزر کر تا ہوا میدان ازلیت میں پہنچ کر مشرف ہوا۔ وہاں میں نے درخت
 احدیت کو دیکھا۔ توحیب میں نے اس پر نظر کی تو سب کچھ میں ہی نظر آیا۔

تو میں نے عرس کی النی تو میرے ساتھ ہے مگر مجھے تھک چنے میں کوئی راہ نہیں ملتی۔ اور
 مجھے اپنی خودی سے گزرنا ممکن نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ زبان النی آیا کہ اسے بائزید تیری خلاصی
 تجھی سے ہے۔ تو میرے دوست کی متابعت میں رہ اور اس کی خاک قدم کا سرمہ آنکھوں میں
 ڈال اور اس کی اطاعت پر مداومت کر۔

یہ حکایت بہت طویل ہے۔ اسے اہل طریقت معراج بائزید کہتے ہیں۔ اور معراج سے قرب
 خاص مراد لیتے ہیں۔ تو معراج نبی الا نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بطور طور و شخصیت و جسم مٹی۔ اور
 معراج اولیاء کرام اذروئے عرف جہت اور اسرار حق۔ انبیاء صفا و پاکیزگی سے مغرب بہ بارگاہ
 حقے مثل دل ادلیا اور یہ ان کا سر خاص تھا اور فضل ظاہر۔

اسے یوں سمجھو کہ ان کے دل کو حالی میں مغلوب کر دیا گیا تاکہ مست ہو جائیں اور درجات
 ستر میں اتنے غائب ہوں کہ قرب حق میں پہنچ کر آدم کریں اور حب حالت صوم میں ہوں تو وہ تمام
 براہین ان کے دل پر صورت بن کر سامنے ہوں اور وہ علم انہیں حاصل ہو۔ تو ثابت ہوا کہ فرق
 بہت ہے اس شخص میں جسے وہاں لے جایا جائے کہ اس میں وہ سب کا فکر ساتھ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
 انبیاء و اولیاء کی فرشتوں پر فضیلت

ابنیت و جماعت اور محبوب مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام اللہ

ما مضبوط ہیں۔ وہ طاہر سے افضل ہیں۔ بھلاں معزکہ کہ یہ طاہر کو انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
 طاہر بھلا دار تہرہ نفع تر ہیں اور من حیث الخلق لطیف تر ہیں اور اعلیٰ مرتبہ الٰہی میں ایسے مطیع کہ
 لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَلْعَلُونَ خَائِفُونَ مَرُوفُونَ۔ ان کی تعریف قرآن کریم میں ہے ۱

میں کتابوں (یعنی مضمون) صاحب مکتبہ (یعنی مکتبہ) کے حقیقہ تہذیب و دعویٰ خلاف حقیقت
 ہے اس لئے کہ قرآن مطیع اور مرتبہ نفع اور تخلق لطیف یہ سب فضیلت میں حق تعالیٰ شانہ کی ملت نہیں
 ہو سکتے۔ وہ حقیقت فضیلت اس سے ہے کہ حق تعالیٰ اس میں دیکھے اور اگر انہی ملل و اسباب کو طوا رکھ کر فضیلت
 تسلیم کی جائے تو شیطان لعین کی بھی افضل مانتا پڑے گا۔ علائکہ باتفاق طعون و مخزول ہو چکا ہے۔

تو فضیلت اس کے لئے مختص ملنی جائے گی جسے حق تعالیٰ شانہ افضل فرمائے اور مخلوق میں سے
 برگزیدہ کرے اور طاہر پر فضیلت انبیاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طاہر کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ
 کریں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حال سجدہ وہ مالی ہونا چاہئے حال ساجد سے۔ اور اگر کہیں کہ غاۃ کعبہ
 پتھر اور بے جان مصالح کا ہے اور موسیٰ اس سے افضل تر ہوتا ہے۔ تو اسے سجدہ نہیں کرنا چاہئے مگر
 انسان سے سجدہ کرتا ہے۔ تو اسی طرح سدا ہو سکتا ہے کہ طاہر افضل بھی ہوں اور سجدہ بھی کر لیں۔

میں کتابوں کہ دنیا میں کوئی یہ نہیں کہے گا کہ میں خانہ کعبہ کو یا محراب یا دیوار کو سجدہ کرتا ہوں
 مگر یہ منہ بکس گئے کہ سجدہ ہلدا اللہ تعالیٰ کو ہے (اور کثرت کعبہ شانہ ہے)۔ تو اسی طرح سب یہی کہتے ہیں کہ
 طاہر نے سجدہ آدم کو جو کیا وہ بہ استیجاب ہر الٰہی کیا۔ حب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اسجدوا لآدم
 یعنی ہم نے طاہر کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو مگر ذکر مومنین کیا تو فرمایا۔ وَاسْجُدْ فَاسْجُدْ وَارْتَدَّ
 وَافْعَلُوا لِحُيُوٓبَ یعنی سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کو اور اس کی بندگی کرو تو خانہ کعبہ مثل آدم تھا تو اکثر ایسا ہوتا ہے
 کہ مسافر گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی پرستش کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا منہ کعبہ اللہ کی طرف نہ ہو۔
 تو وہ سجدہ ہو گا۔ اور اگر دلائل سمت قبلہ جنگل یا باریں میں گم ہو جائیں تو جدھر منہ کر کے عبادت کرے
 کر سکتا ہے اور طاہر کو سجدہ کرنے میں آدم علیہ السلام کی طرف کوئی عذر نہ تھا۔ اور وہ ابلیس جب
 اپنی طرف سے منہ کر کے سجدہ سے منہ پھرتا ہوا تھا تو طعون و رد و ایل ہو گیا۔ یہ دلائل واضح ہیں کہ انھیں

۱۔ تو ان کو سب سے افضل ہونا ضروری ہے۔ (مترجم)

۲۔ حَيْثُ قَالَ وَادْعُنَا لِلْإِسْلَامِ نَكْتُمِبُ اسْجُدْ وَارْتَدَّ ابْلَيسَ (مترجم)

جن کو بصیرت تھی اور انھیں جو ملک مقرب تھے۔ دونوں کس طرح حق معرفت میں برابر دیکھ سکتے ہیں۔

اس لئے کہ انھیں عام مخلوق کی سی شہوت نہیں تھی اور اپنے دل میں حرص و مافیت نہیں رکھتے تھے۔ ان کی قضا طاعت حق تعالیٰ ان کا مشرب امثال امیر الہی اور ہر آدم کے غیر میں من حیث انسان شہوت کا مرکب ہوتا ضروری اور اس سے اس کتاب گناہ ممکن اور خواہش دنیا و حرص اس کی طبیعت کا جو پہر شیطان کو اس کے وجود میں اس قدر تعرت حاصل ہے کہ اس کے تمام دنیا کے جسم میں خون کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ اس کے ساتھ وہ نفس نامہ جو تمام شرارتوں کا داعی ہے اس کے وجود میں ضرور

تو لگتا کہ وہ جس کے وجود میں یہ صفاتیں موجود ہوں۔ اور وہ باوجود احکام غلبہ شہوت ہر فسق و فجور سے اجتناب کرے اور باوجود حرص و ہوا کے دنیا سے انحراف کرے اور باوجود کس کے دل میں و سادہ شیطان ہر آن پیدا ہو گناہ سے بچے اور آفت فحاشی سے اعراض رکھے اور ہر مقام پر قائم اور طاعت پر دائم رہ کر مجاہد نفس کرے اور شیطان سے مجاہد میں مشغول ہو۔ وہ ہر حال میں برکات اس سے جس کے وجود میں نہ شہوات ہوں جس کی طبیعت میں نہ لذت و شہوات قضا ہوں جو معرفت اور اولاد سے بے تعلق ہو۔ آکر اور سبب کا محتاج نہ ہو۔ نہ حرص و آفت نفس میں مبتلا ہو جیسے دنیا جان کی قسم کہ مجھے تعجب ہے اُن پر جو فضیلت افعال میں دیکھتا ہے یا جلال و علو میں عزت و بزرگی جانتا ہے۔ اسے چاہئے کہ مالک ایمان کے فضل و انضال کو دیکھے۔ پھر اسے ظاہر و باہر مجاہد اور وہ سمجھ لے گا کہ رضائے حق میں عزت ہے اور معرفت ایمان میں بندگی ہے۔ پھر اس پر یہ نصیحت الہی و دام رہے گی اور دونوں جہان میں اس کا دل خوش رہے گا اور مجھ لے گا کہ وہ حیرت علیہ السلام جو کئی ہزار سال سے استغفار خلعت میں عبادت کر رہا تھا۔ وہ صرف غاشیہ برہی جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتا تھا تاکہ لیلۃ المعراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے براق کی باگ تھلے سے کس طرح انضال ہو سکتا ہے اس سے جو دنیا میں نفس کو ریاضت سے مغلوب کر چکا ہو۔ شب و روزہ مجاہد کر کے فضل الہی کے ساتھ دیدار حق سے مشرف ہوا ہو۔ اور تمام خطرات سے سلامت رہا ہو۔ اگرچہ اس کے لئے عبادت

ذات میں معارف نور و یکھا تو انھوں نے اپنی فضیلت کی دلیل دی کہ بتایا اور مخلوق انسان پر مذکور ہے کہ
لے کہا قال علیہ السلام الشیطان یجری فی الانسان مجرا الدم و حریم لہ اور حق کیا انجیل تھا انجیل
فہاذا یسفک الماء و یمن فیجری یخربک و یفقدک و یفقدک و یفقدک و یفقدک و یفقدک و یفقدک
ما لا تعلمون (متیجی)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا محل ظاہر فرماتے کہ انہیں حکم دیا۔ تم میں سے تین فرشتے جو سب سے زیادہ
انسانی نظر میں بزرگ ہوں انہیں پیش کر دو تاکہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے ظلیق بنیں۔ یہاں مخلوق
لی اصل کریں۔ ادا میں اپنے محل و انصاف کا سکہ بٹھائیں۔ غرض کہ تین منتخب ہوئے۔ ایک تو
جس پر اترنے سے پہلے ہی نساؤتیں کا شمار ہو گیا۔ اسے تو واپس کیا گیا۔ وہ جو رہے وہ زمین پر
آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت مکمل کر انہیں جنت انسانی دی۔ جس سے وہ خور و نوش کی
جنت مائل ہوئے۔ رجب شہوانی نے بھی انہیں خراب کیا۔

مختصر یہ کہ جو ہوادہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شہوانیات کے بدلے سزا دی۔ اس سے ملا کہ
انسانی نفسیت کا مظاہرہ فرمایا۔ غرض کہ خاص مومن خاص فرشتوں پر فضیلت رکھتا ہے اور عام بھی
ملا کہ اسے افضل ہے۔ تو جو انسان مصیبت شادی سے اجتناب کرے اور از کتاب منہات سے بچا
ہے وہ جبریل و میکائیل سے افضل ہے۔ اور جو مسموم تو نہیں مگر گناہ سے بچنے میں کوشاں رہے وہ
یانا کا تبیین اور حفظ سے افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ غرض کہ اس بحث میں بہت سے کلام ہیں۔
ہر ایک شیخ محقق نے طبع و طبع بیان کیے ہیں۔ ہر حال جسے اللہ تعالیٰ چاہے فضیلت دے
اللہ المتوفیق۔

یہ ایک مذہب حکماء نے تصوف سے متعلق جو کہا ہے اور صوفیوں نے اس سے جو اختلاف کیا
اور مختصراً بیان کر دیا گیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ولایت اسرار الہی سے ایک بہرہ ہے اس پر چلنے کے
ذریعہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اولیٰ لدلی میں شناسداسی لئے کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ اسرار ادا کیا کا اظہار
بقول انسانی پر نہ ہوتا تو دوست اور دشمن اور اصل و غافل میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتی۔ بنا بریں شہادت الہی
مختار ہی یہ ہے کہ اس کو چھ میں آنے والا دوستی کے جو ہر جان کر بلا کے دریا میں غوطہ زنی کہے اور
بہ حق میں اپنی عزیز جان بھی دینے سے خائف نہ ہوئے۔

اس جاں ستار بھریست میں غوطہ لگا کر اس کی تہ میں پتھر کر دھویں و نزول کے نشیب و فراز
مسابب واپس ہو تو باہر واپس ہو یا جان سپرد جاں کر کے جان سے گزر جائے۔

ہو ہی دو فرشتے ہیں جنہیں ہر وقت لحدت کہا جاتا ہے جن کا ذکر پہلی حادثت و مکتوت آیہ کریم میں ہے درم
بقول اقبل سے بے غم کہ پڑ آتش فرود میں مشق و حقل ہے جو تاشائے لب بام ابی۔ کے مطابق اس
ستار بھریست سے گزر جانے تک۔

میں چاہتا ہوں کہ اس بحث کو طول نہ دوں۔ اس لئے کہ مجھے اس کتاب کے پڑھنے والے کی ملاستِ طبع اور سیری کے بعد عدمِ قبحی کا خطرہ ہے۔ یوں میرا قلم رک گیا ہے۔ اور یہ بھی بات ہے کہ مریدِ صادق کے لئے طریقت میں اسکا ہی کافی ہے۔

اور غزالیوں کے طبقہ کو حضرت ابو سعید خدری کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ ان کی اس طریقت میں تعاضل ہے۔ وہ مجرد ہونے اور خلقت سے طبعاً دور رہنے میں بہت دسترس رکھتے ہیں۔ انھوں نے قنادیقا کے تمام طریقہ کو صرف دو عبارتوں میں مخفی کیا ہے۔ لہذا اب ہم ان عبارتوں کے صحیح معنی لیں۔ اس گروہ کی غلطیاں اب اس باب میں لاتے ہیں تاکہ سائل کو سمجھ سکے کہ ان کا مذہب کیا ہے اور ان کا عقائد متبادل سے اس گروہ کا کیا مقصود ہے۔

قنادیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا جَعَلَ كَرِهْتُمْ لَكُمْ وَمَا جَعَلَ لَكُمْ بَاقِيًا۔ یعنی جو کچھ تمہارے پاس وہ کم ہوتا جائے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور دوسری جگہ فرمایا اَكُلْ مِنْ ثَمَرِهَا مَا شِئْتَ وَابْتِغِ رِجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ جو کچھ زمین پر ہے سب قنا ہونے والا ہے اور تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ جلال واکرام ہے۔ اب یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ از روئے علم قنادیقا کسے کہتے ہیں اور اس بابِ حال کی ذرا بات میں اس کے کیا معنی ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس باب ظواہر اس لغت کی کسی عبارت سے ملاتے ہوئے نہیں جتنے اس گروہ کے لوگ تحریر میں ہیں۔ بقا از روئے لغت تین قسم پر ہے۔ ایک وہ کہ ایک شخص بقا ہو تو اس کے دوسری طرف قنا ہو اور اس کی پہلی طرف بھی وہ حقیقت قنا ہو۔ جیسے یہ جان کہ اس کی ابتدا کتبِ عدم میں تھی اور اتنا بھی منصفہ شود پر آنے کے بعد عدم ہی ہے۔ اس کے لئے اس وقت باقی ہے۔

دوسری قسم یہ کہ بقا اور حقیقت اول نہ ہو اور جو ہو وہ قنا ہو جیسے جنت و دنیا اور جہانِ اندر جہان۔ تیسری قسم وہ بقا ہے جو حق ہے۔ جیسے بقا کے حق تعالیٰ اور اس کی صفات نام نہاد اور کلامی اس کی ذات کے ساتھ قدیم ہیں۔ اور اس بقا سے مراد دوام اور ابدیت و جود ہے۔

میں کسی کو اس کے ساتھ مشارکت نہیں تو وہ علم قنا ہے جیسے تو دنیا میں دیکھ رہا ہے کہ وہ فانی ہے اور علم بقا وہ ہے جو عین میں ہے کدہ باقی ہے جیسے ذات حق تعالیٰ شانہ اور وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ الْأُولَىٰ۔ اس جگہ ابقی بصیغہ مبالغہ فرمایا اس لئے کہ اس جہان کی وہ جتا ہے جیسے قنا نہیں ہے۔

لیکن قنا و بقا کا یہ حال ہے کہ جب جبل فانی ہو جائے تو علم لامحالہ باقی ہوتا ہے اور جب صحت فانی ہو جائے اطاعت باقی رہتی ہے اور جب بندہ علم طاعت اپنے میں حاصل کر لیتا ہے غفلت قنا ہو جاتی ہے تو بقا کا ذکر یہ ہے کہ جب بندہ حق عالم ہوتا ہے تو اس کا علم باقی ہو جاتا ہے اور جب اس سے فانی ہو جاتا ہے۔ اور جب غفلت فانی ہو جاتی ہے تو وہ ذکر کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور یہ استقامت اوصاف مذموم ہے قیام اوصاف محمود کے ساتھ۔

لیکن اس قصہ میں خاص لوگوں کو اس عبارت سے وہ مراد نہیں جو ہم نے بیان کی اور اس اہل میں ان کا اشارہ علم اور عمل سے نہیں ہے۔ یہ طائفہ جو اہل ولایت سے ہے بقا و فنا کو ولایت کا وہ جب تکمیل جان کر اسے اس مقام کے سوا مستعمل نہیں کرتا۔ اور جو لوگ مشقت و مجاہدہ سے نکل چکے ہیں اور مقامات کی تغیر حال کے قید سے رہائی پا چکے ہیں اور طلب کے بعد فنا کو پہنچ چکے ہیں وہ ہر دیکھنے کی چیز کو اور کانوں سے سنے والی آواز کو بھی دل سے سُنے کے بعد سب سے منہ موڑ کر قصد مراد میں فنا ہو کر انجام اور دعویٰ سے بیزار اور معنی سے علیحدہ ہو کر کراستوں کو بھی محاب جہلتے ہیں اور دیکھے ہوئے تمام مقامات کو لباس آفت میں ملبوس پا کر چھوڑ دیتے ہیں اور عین مراد پر پہنچ کر مراد سے بھی بے مراد ہو کر تمام مشرب ساقط کر کے لعنت و آتش سے بھی آگے نکل جاتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے لِيُثْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيْتِنَا وَيُخَيِّضَ مَنْ حَيَّ عَن بَيْتِنَا یعنی تاکہ ہلاک ہوا لائل میں اور زندہ ہوا جو زندہ ہوا مکاشفہ سے اور اس معنی کی تفسیر ہم اس ربامی میں ظاہر کرتے ہیں ۵

فَنَيْتُ هَتَائِي يَنْفَعِدُ هَوَايَ فَصَادَ هَوَايَ فِي الْأُمُورِ هَوَاكَ
فَإِذَا اخْتَلَى الْعَبْدُ عَنِ أَوْصَافِهِ أَدْنَكَ الْبَقَاءَ بِتَمَامِهِ

یعنی میں نے فنا کو اپنی خواہش کے کم کرنے سے فنا کیا تو اب ہو گئی میری خواہش تمام امور میں میری خواہش تو جب بندہ فنا کرے اپنے اوصاف اور فنا کرنے سے بھی فنا ہو جائے تو پالیتا ہے

بقاہ تام کو۔

یعنی جب بندہ اپنے اوصاف کی کیفیت سے اوصاف کی آفت سے قنا ہو جاتا ہے تو قناہ مراد
میں بقاہ مراد کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے تاکہ اُسے قرب و بُعد اور انس و معدت اور محو و سکون و فراق و
وصل، طمس و اصطلاح اور ظلم و انعام کچھ نہ ہو اور سب سے بے خبر ہو۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے
مشائخ رحمہم اللہ کی یہ رباعی خوب ہے۔

وَمَطَاخٌ مَّعَارِجٍ وَالْوَسْوَءُ مَرَّ كَلَامًا
فَلَسْتُ أَدْعِي فِي الْوَقْتِ ثَرَاوَةً وَلَا بَقَا
أَفْنَيْتُ بَرَعِي قَبِيضًا فِي الْهَدَىٰ
فَهَذَا الظُّهُورُ الْبَقِي عِندَ الْفَنَاءِ وَفَنَاءُ

دعین میرا مقام اور رسوم و دونوں فنا ہو گئے تو میں کسی وقت قرب و بُعد نہیں دیکھتا۔ میں اپنے
آپسے اس میں فنا ہوا تو مجھے ہدایت ملی تو یہ ظہور حق ہی ہے، جب فنا کا تصور کر لیا اور تمام فنکی چیز
سے رویت کی آفت اور اس کی نفی ارادت ہو درست نہیں ہوتی جو کوئی بہتہ صورت ہے اور اس کا
یہ خیال ہے کسی چیز سے فنا ہونا بدون اس کے کہ اب چیز سے حجاب ہوتا ہے وہ غلطی پر ہے ایسا نہیں
کہ جب آدمی کسی چیز کو درست رکھے اور کہے کہ میں اسے باقی ہوں اور کسی چیز کو دل میں رکھے اور کہے کہ
میں اس سے فانی ہوں کیونکہ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں اور قنائیں محبت اور عدالت نہیں اور بہت
میں جمع اور تفریق کو دیکھا نہیں جاتا۔

ایک گروہ ان معنی میں غلطی پر ہے جو خیال کرتا ہے کہ فنا ذات کا کم ہونا اور شخص کا نیست ہونا
سے اور بقا وہ ہے کہ بقا، حق سے بندہ کو ملے کیونکہ دو امر محال ہیں۔

میں نے ہندوستان میں ایک مرد کو دیکھا کہ وہ تفسیر اور غلط اور ظلم کا دعویٰ کرتا تھا۔ اُس نے
اس بارہ میں مجھ سے بحث کی۔ جب میں نے دیکھا اور اس پر نظر کی تو وہ قناہ بقا کو جانتا ہی نہ تھا۔
ایسے بہت سے جاہل ہیں کہ قناہ کلی کو رد کرتے ہیں اور یہ خالص مکابرہ عیاں ہے کیونکہ فنا کے واسطے
اجزاء طینت اور مان کا جدا ہونا کبھی جائز نہیں ہوتا۔

میں ان غلط کار جاہلوں کو کتابوں اس فنا سے متاری کیا غرض ہے۔ اگر وہ کہیں کہ فنا میں مراد
ہے تو یہ محال ہے اور اگر کہیں کہ فنا میں وصفت تو ہم ہم رد کرتے ہیں اس لئے کہ فنا ایک ایسی صفت ہے
جس سے دوسری صفت بقا پائے اور یہ دونوں صفتیں بندہ کے حوالے ہوتی ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اندرونی اور نصاریٰ منظور یوں کا یہ مذہب ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام بہ برکت مجاہدہ تمام اوصاف ماسویٰ اللہ سے فانی ہو چکی ہیں اور بقا بلا ہوتی سے مل گئی ہیں اور اوصاف ماسویٰ فنا کر چکی ہیں۔ اسی وجہ میں مائتوں نے وہ بقا پائی جو بقا الہی ہے اور اسی کے ساتھ وہ باقی ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کا ان سے ظاہر ہوتا اس کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو مائتہ انسانی نہیں بلکہ ان کی بقا بقا الہی سے ہے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اور خدائے تعالیٰ یہ تینوں ایک صفت بقا پر ہیں۔ معاذ اللہ۔ گویا اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم تینوں قدیم ہیں اور ان کی صفات صفات الہی کے مماثل ہیں اور یہی عقیدہ جماعت حشریہ کا ہے۔ بلکہ وہ مجتہد و مشبہ بھی بذات واجب تعالیٰ شانہ مان کر حاد بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ صاحب صفات قدیمہ کو صفت محدث نہیں تسلیم کرنا قدیم کو حادث کہنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمام محدث کیا محل قدیم میں ہوں اور قدیم کیا محل محدث میں اور کیا قدیم کا و محدث ہوا کہ کیا محدث کا وصف قدیم۔ اس مذہب و ہر یہ کا جو اندلیل حدیث عالم کو باطل کرتا ہے اور اس سے صفت مصنوع صالح کو لازم آتا ہے کہ قدیم کہا جائے اور مخلوق کو نامخلوق سے ملانا اور نامخلوق کا مخلوق میں حلول ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ ان کی جہالت کا خسارہ ہے۔

اس لئے کہ جب قدیم کو حادث کہیں یا حادث کو قدیم تو صفت اور صانع کو قدیم کہنا چاہئے پھر اس اصول کے مطابق صنع محدث ہوگی اور حسب صنع محدث ہونی تو صانع بھی محدث ہونا چاہئے اس لئے کہ ایک چیز کا محل میں چیز کے مثل ہوتا ہے۔ جب محل محدث ہو تو چاہئے کہ حال بھی محدث ہو۔ تو اس سبب سے لازم آتا ہے کہ محدث کو قدیم کہیں یا قدیم کو محدث اور یہ دونوں باتیں خالص گمراہی ہیں۔ مختصر یہ کہ جو چیز کسی کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو وہ دونوں چیزیں ایک ہی ہوں گی۔ تو ہماری بقا حسب ہماری صفت ہے تو ہماری فنا بھی ہماری صفت ہے اور ہمارے اوصاف کی تخصیص میں ہماری فنا ہماری بقا کے مثل ہے اور ہماری بقا ہماری فنا کی مثل ہے۔ تو فنا ایک صفت ہے دوسری صفت کی بقا ہے۔ پھر اگر کوئی فنا سے وہ مراد لے کہ بقا کو اس سے تعلق نہ ہو تو جائز ہے اور وہ بقا سے یہ مراد لے کہ فنا کو اس سے تعلق نہ ہو۔ تو بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ سے ذکر غیر کی فنا مراد ہوتی ہے۔ اور بقا سے بقا ذکر حق من حق من المیزاد بقی بالمیزاد جو اپنی مراد سے فانی ہو جائے۔ وہ مراد بحق کے ساتھ باقی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مراد فانی ہے۔

اور مراد بخت باقی تو حراپنی مراد پر قائم ہو جائے تو اس کی مراد فانی ہو جاتی ہے اور اس فنا کے ساتھ وہ قائم ہو جاتا ہے۔

اس کی مثل ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کی آتش غضب و قہر نمود میں آئے تو یہ اس کی صفت ہو جاتی ہے۔ تو جب وہ بادشاہ اپنے وقت غضب و آتش قہر کو بدلنا چاہے تو بدل لیتا ہے۔ ایسے ہی حق تعالیٰ اس سلطان آتش و قہر سے ادلیا تر ہے۔ لیکن یہ نصرت آتش قہر اپنے وقت میں لوہا ہے مگر وہ سلطان وہی ہے جو تھا۔ لوہا اور آگ ہرگز نہیں ہو جاتا۔ واللہ اعلم بالصواب

فصل حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب مذہب ہیں۔ فرماتے ہیں اَلْعَبَادُ فَنَاءُ الْعَبْدِ عَنْ دِيْنِهِ الْعَبْدِيَّةِ وَالْبَقَاءُ الْعَبْدِيَّةِ بِشَاهِدَاتِ الْوَحْيَةِ يَعْنِي فَنَاءُ عَبْدٍ كَانَتْ هِيَ اُخْرَى اُخْرَى عِبَادَتِهِ اَوْ بَقَاءُ عَبْدٍ كَانَتْ هِيَ اُخْرَى اُخْرَى عِبَادَتِهِ۔ یعنی اپنے کام میں بندگی کا دیکھنا ہے۔ بندے کے لئے آفت ہے اور بندہ بندگی کی حقیقت تک حیب ہی پہنچتا ہے جب اپنے فعل کی طرف نگاہ نہ کرے اور اپنے عمل و عبادت کے دیکھنے سے فناء ہو جائے۔ اور فعل ذات سبحانہ کے مشاہدہ میں باقی رہے تاکہ اس کے تمام افعال و عبادات منسوب بقا اعلیٰ ہوں نہ کہ وہ اس کے ارادہ و طاقت کی طرف۔ اس لئے کہ بندہ کا فعل ناقص ہوتا ہے اور جو فعل فاعل حقیقی کی طرف سے بندہ کو بہ توفیق و فضل الہی پہنچے وہ کامل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب بندہ تعلقات سے فانی ہو جائے تو جمال الوہیت کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو یعقوب منہرجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حَقِّقَةُ الْعَبْدِيَّةِ فِي الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ۔ عبودیت و بندگی کی صحت فناء و بقا میں ہے۔ اس لئے کہ جب تک بندہ اپنے ہر حقہ نصیب سے تہری و بیزاری نہ کر لے اس وقت تک مروجہ خدمت و عبادت با اخلاص نہ ہو سمیت فناء و بقا آپ کے سامنے پیش ہوا یہ اتنا مطلق اور ادا ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے اہل بصیرت ہی اہل ہیں۔ مائتہ الناس اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لہذا احوام کے لئے تو کشف الحجب شریف کا وہی حقہ مفید اور دلچسپ ہے جس میں حالات اولیا کرام و مشائخ عظام ہیں۔ یا کرامات خاصہ حق کا بجا تذکرہ ہے یہ مضمون ان خاص انوار اس کے لئے ہے اور یہ بحث ابھی آئندہ فصل میں بھی آرہی ہے۔ اور مشائخ کرام حق

عظم نے اس معنی میں لطیف رموز ظاہر فرمائے اور اب یہاں بیان کئے گئے ہیں، مترجم

کی اہمیت ہی نہیں ہوتی۔ تو پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ہر قسم کے نصیب و حق سے بیزاری کرے۔ تاکہ وہ خدمت و عبادت باخلاص کے قابل ہو سکے۔ تو انسان کا اپنے ہر قسم کے نصیب و حق سے بیزار ہونا فنا ہے۔ اور حب اس طرح فنا ہو جائے تو بندگی میں باخلاص ہو سکتا ہے جو حقیقت بقا ہے۔ حضرت ابراہیم بن شیبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **عِلْمُ الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ يُدَوِّرُ مَحَلَّةَ الْإِحْلَاصِ قَالُوا هَذَا بَيْنِيَّةٍ وَبَيْنَتِ الْعِبَادَةِ وَمَا كَانَ عَثَرَةً هَذَا أَهْوَا الْمُغَالِطَةِ وَالْبَزْفَةِ** یعنی علم فنا و بقا کا قاعدہ اخلاص اور وحدانیت ہے اور یہی صحیح عبودیت ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ غلو ط اور زندقہ ہے۔

یعنی جب بندہ وحدانیت حق کا مقر ہوتا ہے اور اپنے کو مقہور حکم حق سمجھ لیتا ہے اور ہر سچے اپنے کو مغلوب و عاجز جان لیتا ہے۔ تو یہی فنا ہے اور حب اس کا فنا ہونا اس پر صادق آجاتا ہے تو اس کا اقرار مجرد انکسار کے سوا چارہ ہی نہیں ہوتا۔ پھر وہ حلقہ باہر کا و متعال پر پہنچتا ہے کہ حقیقی بندہ ہو جاتا ہے۔ اور جو فنا و بقا سے اور مراد لیتا ہے یعنی فنا کو فنا میں سمجھتا ہے اور بقا کو بقا میں قرار دیتا ہے وہ مندریق اور مذہب نصاریٰ کا پیرو ہوتا ہے۔ ایسے غلطی اور زندقہ ان کے اندر ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اند میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی) سمجھتا ہوں کہ یہ سب قول باعتبار معنی یا یک دوسرے کے نزدیک ہیں۔ اگرچہ بقا کو عبادت میں مخالفت کے گراسل اس کی بھی ہے کہ بندہ جلالت حق دیکھنے سے فنا ہوتا ہے۔ مگر حب اس کے دل پر کثیف غلبت حق ہوتا ہے اور اسی ہوتا ہے کہ غلبہ جلالت میں وہ دنیا و مافیہا کو اپنے دل سے محو کر دیتا ہے اور حالات و مقامات اس کی نظر ہمت حقیر اور بیچ ہو جاتے ہیں اور کرامات کی اہمیت اس کے حال میں پراگندہ ہو جاتی ہے تو عقل و نفس سے فارغ ہو کر فنا سے بھی فنا ہو جاتا ہے۔

پھر اس فنا کی فنا میں اس کی زبان حق کے ساتھ ناطق ہوتی ہے اور دل و تن محض عاجز و فرد تن ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں دریت آدم و میت آدم سے نکلنے کے وقت عبد عبودیت کی آفات سے مرکب نہ تھی۔ عربی کے کسی بزرگ نے خوب فرمایا ہے ۵

لَكُنْتُ إِذَا كُنْتُ أَذْرَعُ كَيْفَ التَّيْلُ إِلَيْكَ
أَفْسَيْتَنِي عَنْ جَمْعِي فَصِرْتُ أَبْكَا عَلَيْكَ

اگر میں جانتا کہ تیرا راستہ کونسا ہے تو میں اپنی تمام ہستی سے فنا ہو جاتا اور تیری یاد میں ہفتاد مرتبہ
ایک اویسیخ فرماتے ہیں،

فَقِيْ فَنَائِيْ فَنَاءُ فَنَائِيْ وَفِيْ فَنَائِيْ وَجَدْتُكَ اِنَّا
مَحْوُوْتٌ اِسْمِيْ وَاسْمُ جِسْمِيْ سَأَلْتُ عَنِّيْ فَفَعَلْتُ اِنَّا

میرے فنا ہونے میں میری فنا کا قنا ہوتا ہے۔ اور میں نے اپنی فنا میں تجھے پایا۔ میں نے اپنا
نام اور اپنے جسم کا نام شاید تو نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا میں ہی میں۔

فقر اور تصوف کے باب میں فنا و بقا کے یہ حکم ہیں۔ جو ہم نے کچھ بیان کئے اور اس کتاب
میں جہاں بھی فنا و بقا کا ذکر ہوگا۔ وہاں یہی مراد ہوگی۔ یہ خزاروں کا اصل مذہب ہے اس تمام لوگ
اس نیک اصل کے پیرو ہیں۔ جو تفریق اصل کی دلیل ہو رہے ہیں۔ اس گروہ میں یہ عبارت
گروہ و صوفیہ میں زبان زد ہے۔ وَاِنَّ اِلْمَ بِالْقَوَابِ۔

سرقہ خفیفہ

خفیفیوں کا واسطہ حضرت ابو عبد اللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ ابو عبد اللہ
اس طائفہ کے کبریٰ سادات اور اپنے وقت کے عالم علوم ظاہر و باطن گذرے ہیں۔ آپ کی تصانیف
علم طریقت میں بہت مشہور ہیں۔ مرزا ابن خدا میں محبوب اور خفیفہ تخلص تھے اور شہوات نقضانیہ سے
معروض و محترمتھے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ ایک زمانہ آپ کا ایسا بھی گذرا کہ آپ نے چار نکاح کئے۔ چونکہ
آپ شہزادگان ملک سے تھے۔ جب آپ تائب ہوئے تو اہل شیراز جیسے آپ سے متفرقت تھے تو بہ تصریح
کے بعد اتنی تنظیم اور محبت کرنے لگے۔ شیرازی شہزادیاں اور رئیسوں کی لڑکیاں یہ آرزو کرنے لگیں کہ
ابو عبد اللہ ہمیں اپنے عقد میں لے لیں تاکہ ہم مشرف باقتساب زوجیت ہو جائیں۔

چنانچہ آپ نے ان کی آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ عقد تو کیا اور ایجاب و قبول کے بعد
قبل از خلعت مجموعہ انھیں طلاق دے دی۔ مگر چالیس خواتین مختلف وقت کے ساتھ آپ کی عمر میں
دو دو تین تین۔ ایک وقت آپ کے حوالہ عقد میں رہ کر خاوم فراش رہیں۔

ایک وزیر زادی پورے چالیس سال آپ کی محبت میں رہی۔ شیخ ابو الحسن علی بن بکر ابن شیرازی
اپنے عمید حکومت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار ان خواتین کو جمع کر کے پوچھا گیا کہ ابو عبد اللہ

محمد بن حنیف کا کچھ حال سناؤ۔ سب نے متفقہ بیان کیا کہ حضرت ابو عبد اللہ میں ہم نے شہوانی شان
 قلعی نہیں دیکھی اور سب متعجب تھیں۔ اور یہ بھی بیان کرتی تھیں کہ برتاؤ شیخ ابو عبد اللہ کا ہر ایک
 کے ساتھ ایسا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک یہ سمجھتی تھی کہ شیخ ہمارے ساتھ زیادہ طمعت ہیں۔ ان میں وہ
 خاتون جو دختر وزیر تھیں۔ انھوں نے چالیس سال آپ کی خدمت کی تھی۔ ان سے پوچھا کہ تمہارے
 ساتھ تو کافی شیخ عبد اللہ کی صحبت رہی ہے۔ تم ان کے اندرونی راز سے بھی مطلع کرو۔ تو وزیر زادی
 کا یہ بیان تھا کہ میں جب شیخ کی صحبت میں آئی۔ ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ آج شیخ میرے یہاں رونق افروز
 ہوں گے۔ میں نے کھانے اعلیٰ اعلیٰ تیار کئے۔ خود زیب و زینت کی۔ شیخ جب تشریف لائے تو میں نے
 کھانا سامنے رکھا۔ شیخ نے کھانوں کی طرف نگاہ ڈالی اور تھوڑی دیر میری طرف نگاہ ڈالی۔ پھر سر اٹھا
 تھا اور اپنے گریبان میں ڈالا۔

میں نے دیکھا کہ سینے سے ناف تک شکر مبارک میں پندرہ گانٹھیں پڑی تھیں فرمایا اے وزیر زادی
 تو نے گرہ تو کید لیں اور پندرہ پوچھا کہ یہ کیسی گرہ ہیں۔ میں نے عرض کی فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ تمام
 گرہ سوزش صبر اور مجاہدہ نفس سے ہیں۔ ان کے ذریعے میں طعام و شہوات سے محفوظ ہوں۔ یہ
 فرمایا اور کھڑے ہو گئے۔ اس سے زائد سیرا ان کا معاملہ جو بواوہ یہ کہ میں نے انہیں مشاہدہ میں
 پایا اور حضوری حضور کی جو شان تھی اس کے بیان کے لئے میرے پاس لفظ نہیں۔ لہذا میں (یعنی
 حضور و اما صاحب) بحمدہ مقدر اسے بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

غیبت و حضور

غیبت و حضرت ایسی عبادت ہے کہ جب اس کا عکس کیا جائے تو میں معنی میں باعتبار مقصود
 مفہوم متضاد نظر آتی ہیں۔ اور اہل زبان و اہل معنی میں یہ مستقل و متداول ہے تو فن تصوف میں حضور
 سے مراد حضور دل ہے۔ و دالالت یقین۔ یعنی جب تک حکم عین کو غائب نہ کر دے حضور ممکن نہیں ہو
 غیب سے مراد غیبت دل ہے جو ما سوا اللہ سے اس حد تک غائب ہو کہ صفت غیبت سے
 بھی اپنے کو غائب کر لے تاکہ اپنی غیبت میں خود تقارہ اپنا کرے اور اس کی علامت یہ ہے کہ حکم رسوم
 سے روگردان ہو جائے جیسے جملہ انبیاء کرام و جملہ معاصی سے معصوم ہوتے ہیں۔ تو طالب اسی

طرح اپنے سے غائب ہو کر حضور حق میں حاضر ہو گیا اور ظاہر ہے کہ حضور حق میں حاضر ہو گا وہ خود سے لازمی غائب ہو گا۔ اس کے دل کا مالک بمعنی حقیقی حق تعالیٰ شانہ ہے۔ توحیب جذب حق جل ملا کی کشش طالب کو معذور کر لے تو اس کے نزدیک غیبت بدل حضور کی طرح ہوتی ہے اور پھر شرکت و تقسیم اٹھ جاتی ہے۔ پھر کسی حرکت و فعل کا اپنی طرف منسوب کرنا قطع ہو جاتا ہے اور یہی فرمان حق تعالیٰ کا مفہوم واضح ہے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا مُنْزَاذِيْ كُنَّا خَلْقًا كَوَّارًا یعنی تم ہمارے حضور فرود ہی آؤ گے جیسے ہم نے تمہیں فرود تنہا پہلے بار پیدا فرمایا تھا۔

چنانچہ حضرت حارث محاسبی، جنید، سل بن عبد اللہ، ابو جعفر عداد، ابو عمرو، قتادہ ابو محمد حریری، مصری اور صاحب مذہب محمد بن خنیف رضی اللہ عنہم اور دوسری جماعتوں نے متفقہ طور پر فرمایا۔ حضور کو مقدم از غیب کہتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام جہاں جمیل حضور ہی میں ہے اور غیبت خود بخود خود سے جاتی رہتی ہے اور حبیب حضور حق تعالیٰ کی پیش گاہ تک پہنچ جاتا جو آفت کی راہ ہوتی ہے۔ تو جواز خود غائب ہو گا وہ لا محالہ دربار حق میں حاضر ہو گا اور غیبت کے فنا کا فائدہ حضور ہے اور غیبت بے حضور میں کیا نوز ہو سکتا ہے تو ہر طالب کو چاہئے کہ تارک غفلت ہو تاکہ مقصد غیبت حضور حاصل ہو جائے اور حبیب مقصد ہو جو ہوا و علت ماطہ ہو جائے گی۔

لَيْسَ الْغَائِبُ مَنْ غَابَ مِنَ الْبَلَاءِ اِنَّ الْغَائِبَ مَنْ غَابَ مِنَ الْمُرَادِ
وَلَيْسَ الْحَاضِرُ مَنْ لَيْسَ لَهُ مُرَادٌ اِنَّ الْحَاضِرَ مَنْ لَيْسَ لَهُ فُؤَادٌ
حَقٌّ اَسْتَقَرَّ فِيْهِ الْمُرَادُ

وہ غائب نہیں ہے جو شر و ولایت سے غائب ہو۔ غائب وہی ہے جو کہ مراد سے غائب ہو جائے۔ وہ حاضر نہیں جس کی کوئی مراد نہ ہو۔ حاضر وہی ہے جس کے دل ہی نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ تیری فکر میں دنیا و عقبیٰ سے بے تعلق ہو جائے اور اس کا مستقر وہ ہے جہاں اس کی مراد ہو۔ ایک خادم مریدان ذوالنون مصری حضرت یازید کی زیارت کروانہ ہوئے۔ جب وہ بیگوناگون کے در پر دستک دینے لگے تو حضرت یازید نے فرمایا۔ کون ہے اور کسے چاہتا ہے۔ مرید نے عرض عرض کیا۔ یازید کو۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کون ہے اور کہاں ہے اور وہ کیا ہے۔ مجھے مدت ہو گئی

کہ بایزید کو ڈھونڈ رہا ہوں میں نے اسے اب تک نہیں پایا۔

جب وہ واپس ہو کر خدمتِ فدائیت میں آیا اور بایزید کا حال سنایا۔ آپ نے فرمایا: اَنْحُو
ذَهَبَ فِي الدَّاهِيَيْنِ فِي الشَّيْءِ۔ بھائی بایزید جانے والوں کے ساتھ چلا گیا حق تعالیٰ کی ضروری کیا
ایک شخص حضرت جنید کی خدمت میں حاضر آیا۔ فرمایا کچھ مدت میرے ساتھ رہ تاکہ چند
باتیں تجھ سے کروں۔ پھر فرمایا: اے جوان مرد تو مجھ سے کچھ مانگ رہا ہے۔ مجھے دیر ہو گئی کہ وہی
چیز میں طلب کر رہا ہوں۔ بلکہ مجھے سالہا سال گزر گئے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک شخص بخود حاضر
ہو سکوں مگر نہ ہو سکا۔ اب اس گھڑی تیرے ساتھ حاضر ہو سکا ہوں۔ توحیدِ نبوت میں وحشت و
حجاب ہے (تو محبوب کسی کو کیا دے گا)۔ اس معنی میں شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے ۵

تَقْشَعُ غَيْمَ الْجَبْرِ عَنْ قَسْرِ الْحَبِثِ وَاسْتَفْرُوزُ الصَّبْحِ عَنْ ظِلَّةِ الْغَيْبِ

محبت کے چاند سے جدائی کا بادل پھٹ گیا۔ اور غیب کے اندھیرے سے صبح کا نور روشن
ہو گیا اور ان معنی میں مشائخ کرام کے بت سے لطائف حامی ہیں اور اندرون سے ظہور سب غالی ہیں اور
یہ عبارتیں آپس میں نزدیک معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی حاضر بحق ہونا اور از خود غائب رہنا کیونکہ خود
کے غائب ہونے سے حضور حاصل ہوتا ہے اور جو آپ سے غائب نہیں۔ وہ حاضر بحق نہیں
ہو سکتا اور جو حق میں حاضر ہے وہ غائب اور یقیناً غائب ہے۔

جیسا کہ حضرت ایوب علی نبیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بلا میں بے قرار ہوئے۔ اس حال میں
میں آپ یقیناً از خود غائب تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بزرگ کو صبر سے جدا نہ فرمایا۔
اور جب آپ نے بارگاہِ حق میں اِنِّیْ مُسْتَبْنِی الصُّرُوْدَ اَنْتَ اَوْحَسُّ الرَّاْهِمِیْنَ۔ عرض کیا تو فرمایا
اِنَّہٗ کَانَ حَاضِرًا فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا یَاۤہُ مِنْ ضَبٍّ۔ بے شک وہ حاضر تھا تو ہم نے
اسے قبول کیا اور جو اسے رنج و تکلیف ممتی دے کر دی۔ اور یہ حکم بعینہ اس قصہ میں عیاں ہے۔
اسے بغور دیکھو۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں ایک وقت ہم پر ایسا ہوتا ہے
کہ زمین و آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں ان کی آرزو سے
عنایت پر روتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں ان سے باخبر ہوتا ہوں نہ ایسے ت اور یہ درجہ

کمال کی طرف اشارہ ہے اور یہی حضور ہی خاص ہے۔ بیان تک معنی غیبت و حضور کو مختصر بیان کیا گیا۔ بہر حال اس بیان سے مسلک خفیانہ تیری کجیوں میں آگیا جو گا کہ اس جماعت کی مراد غیبت حضور سے کیا ہے اور اس کی شوج و بسط چونکہ کتاب کو طویل کر دے گی۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور جو میرا مذہب ہے وہ اس کتاب میں مختصر ہے۔ وبالله التوفیق۔

فرقہ سیارہ

اب سیارہ کا مذہب بھی سمجھنا چاہئے۔ جماعت سیاریان حضرت ابو العباس سیاری سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ مروی کے امام تھے اور تمام علوم میں عالم کامل۔ اور ابو بکر واسطی کے ہم عصر ہیں۔ متناہسا اور مروی میں ان کے اصحاب اور مرید کافی ہیں۔ اگرچہ مذہب تصوف میں کوئی بھی بحال نہیں رہا۔ مگر ان کا مذہب قائم ہے۔ اس لئے مروی اور متناہسا کے لوگ ان کی پیروی سے نفرت نہیں ہیں اور جو لوگ ان کے مذہب پر قائم ہیں وہ مروی اور متناہسا میں ہی ہیں بلکہ ابالیان مروی کے بعض اصحاب نے تو نہایت بحث پر رسالے لکھے ہیں۔ اور بذریعہ خط و کتابت مسائل طے کرتے رہے ہیں اور غلطیوں میں نے خود بھی مروی دیکھے ہیں۔ جو نہایت تفسیر مضمون سے ملو تھے۔ ان میں جمع و تفریق پر بھی بحث تھی اور یہ لفظ اہل علم میں مشترک ہے اور ہر گروہ اس لفظ کو اپنے کام میں لگاتا ہے مگر ان کی عبارتیں بھی جانیں۔ مگر اس سے ہر گروہ کی مراد علیحدہ ہوتی ہے۔

اہل حساب جمع و تفریق کا لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس سے ان کی مراد کسی چیز کے اعداد کا جمع کرنا یا فرق کرنا ہوتی ہے۔ اور باب نحو اتفاق اسامی لغوی اور اتفاق معانی مراد لیتے ہیں۔ اور باب فقرہ جمع قیاس اور فقرہ صفات یا جمع معنی اور فقرہ قیاس اس سے مراد لیتے ہیں اور باب اصول جمع صفات ذات اور فقرہ صفات فعل مراد لیتے ہیں۔ لیکن اس طائفہ صوفیاء میں اس سے جو مراد ہے اس میں اختلاف مشائخ کی تفصیل بیان کرتا ہوں تاکہ ان کی مراد کی جو حقیقت ہے وہ تم پر منکشف ہو اور جمع اور فقرہ سے مشائخ جو مراد لیتے ہیں وہ معلوم ہو۔ انشاء اللہ۔

جمع فقرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی موت میں خلعت کو جمع فرما کر ارشاد کیا۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ الْاٰلٰہِ

marfat.com

Marfat.com

یعنی اللہ تعالیٰ جتنا ہے سلامتی کے گھر کی طرف (یعنی جنت کی طرف) پھر ہدایت کے ساتھ تفریق کی اور فرمایا وَفَسَدَىٰ مَنْ يَأْتِ صِرَاطًا مُّسْتَعِيمًا اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف لے جاتا ہے۔

گویا تمام مخلوق کو از روئے دولت دار السلام کی طرف بلا کر اپنی مشیت ظاہر کرنے کے لئے ایک گروہ کو دور کر دیا ایک گروہ کو دار السلام کی طرف جمع فرمایا۔ یعنی ایک گروہ کو محض عطا کی ادما ایک گروہ کو آفت کی طرف مائل کر دیا۔ تو اس معنی میں جمع کا لازم مراد حق تعالیٰ معلوم ہوئی اور تفریق میں اظہارِ امر و نہی واضح فرمایا جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ سب را سلاسل کاٹ اور چاہا کہ سر نہ کٹے اور آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ گندم نہ کھانا اور مشیت یہ ہوئی کہ وہ کھائیں اور مثل اس کی بہت سی مثالیں ہیں الْجَمْعُ مَجْمَعٌ بِالْوَصَائِفِ وَالتَّفْرِيقَةُ مَا تَفَرَّقَ بِأَنْعَالِهِ اور یہ سب کچھ انقطاع اور وہ خودی اور ترکِ بصرِ خلق ہے۔ اثباتِ ارادہ حق میں اور اس حد تک جمع و تفریق میں اجماع ہے اہل سنت کا۔ سوا معتزلہ کے کہ وہ مشائخ طریقت سے ملکت ہیں۔

اس کے علاوہ اس عبارت جمع و تفریق کے استعمال میں مختلف جماعتیں ہیں ایک گروہ اسے توحید کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک گروہ ادصاف حق کی طرف۔ ایک گروہ ادصاف عباد کی طرف ایسے کہ جو ادصاف بندہ میں ہوں وہ ادصاف حق ہوں اور یہ سب توحید ہے کہ کسب بندہ بندہ سے منقطع ہو جائے اور جو ادصاف بندہ میں ہوں وہ توحید سے ہوں۔ اس کے صدقِ عقیدہ اور صحتِ عزیمت سے اور یہ قول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔

ادما ایک گروہ اور ہے جو کہتا ہے کہ ادصاف بندہ میں ہوں وہ تمام صفات حق تعالیٰ سے ہوں اور اس میں فرق یہ ہو کہ کسب بندہ کا اس سے منقطع ہو اور جو مشیت الہی میں ہو اس سے وہ ممتاز نہ نہ ہو تو جمیع ذات و صفات اس کے اندر ہو۔ اس طرح کہ الْجَمْعُ كُيُوبَةٌ فِي الْأَصْلِ اور اس کی ذات و صفات کے کوئی اس کا مساوی نہ ہو اور اس کے فرق کرنے میں عبارت اور تفصیل خلقت کے جمع نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور وہی اس سے خاص ہے اور صفات کا قیام اس سے ہے اور اس کے وجود کی خصوصیت اس سے ہے اور وہ اور اس کی صفات دور ہیں۔ اس لئے کہ صراحت میں فرق و عدد و راضی نہیں اور اس صورت میں اس معنی کے کچھ جمع روا نہیں لیکن تفرق و اولیٰ الحکم،

یہ افعال حق تعالیٰ ہیں کہ تمام حکم میں متفرق ہیں۔ ایک کو حکم وجود کا ہے دوسرے کو حکم عدم کا لیکن عدم ممکن الوجود ہوتا ہے۔ تو ایک کو حکم فنا کا اور ایک کو حکم بقا کا۔ پھر ایک گروہ اور ہے کہ اسے علم پر لے جا کر کتاب ہے۔ اَلْجَمْعُ عِلْمُ التَّوْحِيدِ وَالْتَفَرُّقَةُ عِلْمُ الْاِحْکَامِ جمع علم توحید کا نام ہے اور تفریق علم احکام کو کہتے ہیں تو علم اصول جمع ہے اور علم فروع تفرقہ اور اس کے معنی میں وہی ہوتے کہ حق تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور وہ بھی قدیم جو اس ذات کے ساتھ مخصوص۔ چنانچہ مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرماتے ہیں اَلْجَمْعُ مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ اَهْلُ الْاَيْلِ وَالْفُرُقُ مَا اخْتَلَفَ فِيهِ مَعْنٰی جمع وہ ہے جس پر اہل علم اجماع کر لیں اور تفریق وہ ہے جس پر اہل علم نے اختلاف کیا۔ پھر سب محققین تصوف فَضَرَاللّٰهُ وَجُوْهُهُمْ کی عبارتیں اسی طرف ہیں کہ مکاسب تفریق ہے اور مواہب جمع ہے یعنی مجاہدہ و مشاہدہ۔ توحید تک بندہ مجاہدہ سے راہ بنارہا ہے تفریق میں ہے۔ اور حب بندہ پر عنایت و ہدایت حق ہونے لگے۔ وہ مقام جمع ہے اور بندہ کی وہ غربت ہے کہ اس میں بندہ اپنے افعال اور احکام میں مجاہدہ بہ جمال حق میں ہر آنف سے اپنے فعل سے بچا ہوتا ہے اور اپنے کو حق تعالیٰ شانہ کے فضل میں مستغرق جانتا ہے اور مشاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منہی سمجھتا ہے تو اس کا مقام حق سے ہوتا ہے۔ پھر وہ اس ذات حق کے ساتھ ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کی ذات حق یعنی وہی حقیقی ہوتی ہے اور اس کا ہر فعل ذات حق کی طرف منسوب ہو جاتا ہے اور بندہ اپنے کسب کی نسبت سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جبریل نے آکر کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالتَّوَّابِلِ حَتَّى اُحِبَّهُ فَاِذَا اُحِبَبْتُهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا وَيَدًا وَفُؤَادًا وَيَسْرًا فَتَنِي يَتَّبِعُوْنِي يَتَّبِعُوْنِي يَتَّبِعُوْنِي وَفِي يَتَّبِعُوْنِي حَبِيبٌ مِّرَابِدٌ یہ مجاہدہ میرے ساتھ تقرب کرتا ہے تو میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور اس کی ہستی کو اس میں فنا کر دیتا ہوں اور اس کی نسبت افعال سے اٹھالیتا ہوں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ سُنا ہے اور مجھ سے ہی وہ بات کرتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے میری قوت سے کہتا ہے۔ جو دیکھتا ہے میری قوت سے دیکھتا ہے اور جو پکڑتا ہے میری قوت سے پکڑتا ہے۔ یعنی میری یاد میں اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ میری ہی یاد باقی رہتی ہے اور اس کا ہر فعل میرے ذکر میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور میری یاد اس کی سلطان ذکر ہو جاتی ہے اور اس کی نسبت آدمیت میرے ذکر سے منقطع ہو جاتی ہے اور اس کا ذکر میرا ذکر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ غلبہ حال

یہ اس محنت تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسے ابو زید نے کہا۔ مُبْتَغَانِي مَا أَغْظَمَ شَانِي۔ میں پاک ہوں۔ میرا
 شان بڑا اور جہ ہے اور یہ کائنات کی گفتار کا نشانہ ہے اور درحقیقت یہ کہنے والا حق تعالیٰ ہی پروردگار
 حق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْحَقُّ يَخْلُقُ عَلَى لِسَانِ عَسَمَةَ۔ حق زبانِ ہر
 کلام کرتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قرابت حق انسان پر اپنی سلطنت کا ظاہر کرتی ہے اور اس کے اس کی
 جتنی سے اپنی طرف لے لیتا ہے تاکہ اس کا بولنا اس کے رب کا بولنا ہو۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہ اپنی
 شان اس میں مخرم کر رہا ہے۔ اس سے یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دوسرے میں حلول مانا جائے یا صلح اپنی
 حضور میں ایک ہو جائے یا وہ معاذ اللہ کسی میں حلول کرے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنْ ذَاكَ عَمَّا يَصِفُهُ
 بِمَلَا حَلَّةٍ عَلَوَاتٍ۔

تو یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ کی دوستی بندہ کے دل پر غالب ہو جائے اور اس کے غلبہ محبت اور
 فوایدِ حال سے عقل اور طبیعت اس کی برداشت سے عاجز ہو جائے۔ پھر ہر امر اس کے کسب اور فعل
 سے ساقط ہو۔ اس وقت کے اس درجہ کا نام جمع ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستغرق اور مغلوب
 تھے۔ ان سے جو فعل ظہر میں آتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اٹھا کر
 اپنی طرف منسوب فرمایا اور فرمادیا کہ جو تیرا فعل ہے اے محبوب وہ میرا فعل ہے۔ جیسے فرمایا وَمَا رَمَيْتَ
 نَجْمًا رَمَيْتَ وَلَاحِكَنَّ اشْدَا دَعْنًا يَمِينِي اے محبوب وہ مٹی یا کنکریاں تو نے نہیں پھینکیں جو تیرے پھینکیں
 ۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔ جیسا اس قسم کا فعل حضرت داؤد علیہ السلام سے ظاہر ہوا۔ اسے فرمایا۔
 جَحْتَلْ دَاوُدُ جَاوُثٌ۔ یعنی داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ یہ حال بحال تفریق تھا۔ اور ظاہر
 ہے جو فعل نبی کی طرف سے منتسب ہو وہ عملِ آفت اور حوادث کے پہنچنے کا موجب ہے اور فعل
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتسب ہو وہ قدیم اند آفت سے مبرا ہوتا ہے تو اگر ایسا فعل آدمی سے سرزد
 ہو تو جس میں افعال انسانی سے نہ ہو تو ضرور اس کا فاعل حق تعالیٰ شانہ ہوتا ہے اور معجزات و کرامات سب
 کی جنس سے ہیں۔ اور جو فعل مطابق عبادت ہو وہ تفریق ہے اور جو خلاف عادت ہو وہ جنت ہے۔ اسی
 میں بحال جمع ایک بات کے ادنیٰ حصہ میں قاب توہین ہو جاتا۔ اگرچہ عادت نہیں مگر اس کا فاعل
 حق تعالیٰ شانہ ہوتا ہے جس میں فعل انسان کی رسائی نہیں۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیاء کو
 نایت فرماتا ہے اور اپنا فعل ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور ان کے افعال کو اپنی طرف منتسب کرتا ہے۔

اور بات بھی یہ ہے کہ اس کے دوستوں کے افعال اسی کے ہونے چاہئیں۔ یہی وجہ ہے غاصہ حق کی بیعت اس کی بیعت ہوتی ہے اور محبوب خاص کی اطاعت اس کی اطاعت جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ السَّيِّئَاتِ يَبَايِعُ نَدًا اَنَّمَا يَبَايِعُونَ اللّٰهَ بیشک آپ سے بیعت کرتے ہیں: وضرر اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اور اطاعت پر حکم لگایا۔ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ۔ جو ہمارے رسول کا منہج چلا وہ یقیناً اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ کے اولیاء و اسرار سے بیعت اظہار میں تفریق کے ساتھ جدا تاکہ اسرار موت کے جمع ہونے میں مضبوط ہوں اور فرق صحت و اقامت عبودیت کے ظاہر کرنے میں صحیح ہے۔

چنانچہ مشائخ رضی اللہ عنہم سے ایک بڑے شیخ فرماتے ہیں:

قَدْ تَحَقَّقْتُ بِسِرِّي فَمَتَى جَاكَ لِسَانِي

فَاجْتَمَعْنَا لِمَعَانٍ وَافْتَرَقْنَا لِمَعَانِي

فَلَبِغْ مِنْ خَلِيقِكَ الشَّعْطِیْمِ الْمُحْطَہ عَسَا فَا

فَلَقَدْ صَبَرْتُ اَنْوَاجِدَ مِنْ الْاِجْتِهَادِ اَكَا فَا

ترجمہ: تو میرے باطن میں متحقق ہو گیا تو میری زبان نے قہر سے سرگوشیاں کہیں۔ پس کہتے ہی امور میں ہم جمع ہوئے اور کہتے ہی امور میں ہم میں تفریق ہوئی۔ اب اگر تیری غفلت نے تجھے میری آنکھوں سے غائب کر دیا ہے تو میرا شوق اس حد تک سوچ چکا ہے کہ یہ غیبت بھی میرے لئے محضیری کی پناہ گاہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اجتماع اسرار کو جمع کہتے ہیں اور مناجات لسانی کو تفریق اور حب جمع اور تفریق ایک جگہ جمع ہو کر دل میں مرکز ہو جائیں تو پھر اس کیفیت کا اس حال والا خود ہی قاعدہ ہو جاتا ہے۔ نہایت لطیف بات ہے۔ و باللہ التوفیق

اب رہا یہ خلافت گروہ جو کہتا ہے کہ اظہار جمع تفرق ہے۔ اس لئے یہ متفاد ہے

فصل یہ کہ یہ سلطان ہدایت مستقل ہوتا ہے تو ولایت کس و مجاہدہ ساقط ہو جاتا ہے اور محض تعطل ہے۔ اس لئے کہ جب تک امکان عمل اور طاقت کس و مجاہدہ تھا ہرگز وہ بندہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس وجہ میں کہ تفرق سے جدا نہیں ہے جیسے نور آفتاب سے اور عرض جو ہرے اور صفت موصوف سے تو مجاہدہ ہدایت سے اور شریعت حقیقت سے مطلب

حاصل ہونے سے اسنا جدا نہیں لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ مجاہدہ مقدم ہو یا مؤخر لیکن یہ بہتر ہے کہ مجاہدہ مقدم ہو۔ اس پر مشقت زیادہ ہو اور اس پر کہ مجاہدہ مؤخر ہو اس سے زنج و کلفت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ تنوری حضور میں ہونا ہے اور اس سے کہ نفی مشقت اعلیٰ ہو تو نفی میں مل نظر آتی ہے اور وہ عظیم غلطی میں ہے اور جائز نہیں کہ بندہ ایسے درجہ میں پہنچے کہ کل اپنے اوصاف کو معیوب اور معلول جانے۔ جب اوصاف محمود کو اپنی نظر سے عیب دار نہیں کر سکتا تو ناقص بھی دیکھنا چاہئے تاکہ اوصاف مذموم معیوب تر نظر آئیں۔

یہ اس معنی میں میں لارہا ہوں کہ ایک قوم جہاں سے اس معنی میں غلطی پر پڑ گئی ہے اور بیگانگی کے قریب ہو گئی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ پانا کسی مجاہدہ سے وابستہ نہیں اور ہمارے اعلیٰ اطاعت معیوب ہیں اور ناقص مجاہدات نہ کرنے ہی بہتر ہیں ایسے کرنے سے۔

میں نہیں کہتا ہوں کہ ہمارے کردار کو بالاتفاق مقرر کرتے ہو اور غلوں کو مکمل مشقت اور شر اور آفت کا منبع کہتے ہو تو ضرور نہ کرنے کو بھی ایک فعل کتنا پڑ گیا تو جب کرنا اور نہ کرنا دونوں فعل ہوئے اور فعل محقق علت ہے تو کیوں نہ کرنے کو کرنے سے اولیٰ ترجیح دیتے ہو۔ یہ تو خسرانِ ظاہر و باطنی واضح ہے۔

تو یہ کفر اور ایمان میں اچھا فرق۔ اس لئے کہ مومن اور کافر میں اتفاق ہے کہ ان کے فعل علیٰ علت ہیں تو مومن حکم سے کچھ کر کے نہ کرنے سے اچھا ہو اور کافر بیکاری کے حکم سے نہ کرنے کو کرنے سے اچھا جانتا ہے۔ تو جمع اُسے کہتے ہیں کہ آفت دیکھنے میں تفریق کا حکم اس سے ساقط ہو جائے اور رقی یہ ہے کہ جمع میں حجاب ہو تو تفریق کو ہی جمع جانے۔ زمین کبیر کہتے ہیں الْجُمُعُ الْخُصُوصِيَّةُ الْكَفَرُوتَةُ الْعَبُودِيَّةُ الْمُؤْمِنُونَ أَحَدُهُمَا بِالْآخِرَةِ غَيْرُ مَقْصُولٍ عَنْهُ بِمَعْنَى حَقِّ الشَّانِ الْخُصُوصِيَّةِ کے لئے جمع ہوتی ہے اور بندہ کی عبودیت اس کے لئے تفرق ہوتا ہے۔ یہ اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ نشانِ خصوصیت حفظِ عبودیت ہے۔ جب مل معاملہ اپنے مل پر قائم نہ رہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے تو جائز ہے کہ بارِ عبادہ و حج و کلفت میں وقت گزارنا حق مجاہدہ و تکلیف اس کے بندہ سے اٹھ جاتی ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ عین مجاہدہ و تکلیف میں انہیں میں جمع میں سوا کسی مذر کے۔ واضح رہے کہ یہ حکم اس کے لئے

ہے جو احکام شرع میں عالم ہو اور اب میں اس کے معنی بیان کرتا ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے۔
 سمجھ لو کہ جمع دو قسم کی ہے۔ ایک جمع سلامت اور ایک جمع تکسیر۔ جمع سالم وہ ہے کہ حق تعالیٰ
 کی طرف سے غلبہ حال اور قرب عمل اور وعدہ و تلقین میں شوق ظاہر ہو اور حق تعالیٰ ہی اپنے بندوں
 کا محافظ ہو اور اپنے ختم اس کے ظاہر پر جاری فرمائے اور بندہ کی اس تعمیل میں نگرہ رکھنے والا
 وہی ہو اور اسے مجاہدہ میں نہ ڈالے جیسا کہ سہل بن عبداللہ اور ابو حفص عدا اور ابو العباس یحییٰ
 مروزی امام مرد و صاحب مذہب اور ابو یزید بسطامی اور ابو بکر شبلی اور ابو الحسن حسری اور ایک
 جماعت کبار مشائخ قدس اللہ ارواحہم اس سے وابستہ اور مغلوب الحلال تھے۔ جب نماز کا وقت
 آتا تو اپنے حال میں آکر نماز ادا کرتے۔ جب فاسخ ہو جاتے پھر مغلوب ہو جاتے۔
 اس لئے کہ جب تو محل تفرقہ میں ہوگا تو توڑ ہی ہوگا اور تعمیل احکام کرے گا اور جب
 طرف تجھے جذب کیا جائے گا۔ تو حکم سے جوادلی تر ہے وہ تجھ پر نگاہ رکھے گا۔ باعتبار محبت
 معنی کے لئے ایک یہ کہ نشان بندگی تجھ سے نہ اٹھیں۔ دوسرے یہ کہ حکم دہد پر قیام کرے کہ
 میں ہرگز شریعت محمدی علیہ السلام منسوخ کرنا نہیں چاہتا۔

اور جمع تکسیر یہ ہے کہ بندہ حکم اور اس کے تعلقات سے مدہوش ہو۔ اس کا حکم مثل ممانعت
 کے ہوگا۔ تو ایک ان میں معذور ہوتا ہے اور ایک مشکور۔ مشکور کا محل معذور سے قوی تر ہوتا ہے اور
 تمام ان حالوں میں جمع کا کوئی مقام مخصوص نہیں ہوتا۔ حال مفروضہ کہ جمع جمع ہمت اس معنی میں ہوتا
 مطلوب ایک گروہ کا کشف معنی مقامات میں ہوتا ہے اور ایک گروہ کشف اندام احوال چاہتا ہے
 اور یہ دونوں وقت صاحب مراد کے لئے جمع ہمتی کے حاصل ہوتے ہیں لَإِنَّ التَّغْرِقَةَ فَضْلٌ وَالْجَمْعُ
 وَحْشٌ۔ اس لئے کہ تفرقہ مفصل ہے اور جمع وحل اور یہ ہر صورت درست ہے جیسے ہمت۔ یعقوب
 علیہ السلام پرست علیہ السلام کی طرف جمع ہوتی۔ اس لئے کہ اُن کے لئے سوائے ارادہ ہوشیاری کے
 ارادہ باقی نہ رہتا۔ اور محبت کی ہمت لیل میں اتنی جمع ہوتی کہ محبت کو سوائے لیل کے کچھ نظر نہ آتا
 تمام عالم اس کی نظر میں لیل ہی تھا اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جیسا کہ ابو یزید رضی اللہ
 عنہ ایک روز اپنے عبادت خانے میں تھے کہ کوئی شخص آیا اور پکارا اَهْلُ ابُو یَزِيدٍ فِي الْمَسْجِدِ
 فَقَالَ لَمْ يَزِدْ بَعْدَ مَا فِي الْمَسْجِدِ۔ کیا ابو یزید گھر میں ہیں تو حضرت ابو یزید نے جواب دیا

گھر میں سوا خدا کے کوئی نہیں۔

ایک مشائخ رضی اللہ عنہ میں سے کہتے ہیں کہ ایک درویش کو منظر آئے اور اپنی قیام گاہ میں مشاہدہ خانہ میں ایک سال رہے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نہ سوئے نہ غسل کیا۔ اپنی اجماع ہمت کہ جو مٹی رویت خانہ میں اسے اپنی طرف معنات کرتے رہے اور یہی ہمت ان کی غذا تھی اور مشرب جان رہی۔

ان تمام (مخلوق) باتوں کی اہل یہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کو اپنا مایہ محبت بنالیا جائے تو ایک جوہر سے ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس سے تجزئی و مقسوم کر لیتا ہے اور ہر ایک محبان خاص بقدر گرفتاری اس جز سے اجزا رکھ کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے۔ اس وقت جوش انسانیت اور لباس طبیعت اور غاشیہ خراج اور محباب روح اس سے فرو گذاشت ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اجزا اپنی قوت سے اس جز میں مل کر اپنی صفت میں مشغول کر لیتے ہیں۔ تاکہ کل محب محبت ہی ہو اور تمام حرکات و محطات اس کی شرط ہو جائیں اور اس حال کو تمام ارباب معانی اور اہل لسان جمع کہتے ہیں اور اس معنی میں حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ يَا سَيِّدِي وَمَوْلَايَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ يَا مَعْقِدِي وَمَعْنَايَ
يَا عَيْنَ عَيْنِي وَجُودِي يَا سَبْقِي وَهَتِّي يَا صُطْبِي وَإِشَارَاتِي وَإِيْمَانِي
وَيَا كُلَّ كُلِّي وَيَا سَبْقِي وَبَعْبِي وَيَا جَمْلَتِي وَيَا غَضْرِي وَاجْزَائِي

میں حاضر ہوں حاضر ہوں اے میرے سرکار میرے مولا۔ میں حاضر ہوں حاضر ہوں اے میرے مقعد اے میرے معنی۔ اے میری عین عین وجود کے اے مری ہمت کی اتنا۔ اے میرے کلام اے میرے اشارہ اے ایما۔ اے میرے کل کے کل اے مری سماعت و بشارت۔ اے میرے کل اے میرے غصرا اے میرے اشارہ دل۔

تو وہ جو اپنے اوصاف میں مستعار ہوتا ہے وہ اس کی اثبات ہستی مستعار ہوتا ہے اور اس کا انتفاع کو خمن کے ساتھ اسے زنا رہے اور موجودات اس کی ہمت میں خوار ہوتی ہے پھر ایک گروہ ارباب لسان سے اپنے دقیق کلام میں نفس و پسندیدہ عبارت کہتا ہے کہ جمع الجمع یہ کلمہ بطریق عبارت اچھا ہے۔ لیکن معنی بہتر یہ ہے کہ جمع کو جمع نہ کہا جاتا اس لئے کہ

تفریق لازمی ہے تاکہ تبع اس پر درست کرے اور کس طرح جمع جمع ہو سکتی ہے جب کہ خود جمع تفریق ہے اور جمع ایک حال سے نہیں ہوتی اور یہ عبارت محل تہمت ہے۔ اس لئے کہ مجتمع کو فرق و تحت سے باہر دیکھنا نہیں ہو سکتا۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ کوئین اور تمام عالم شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمائے اور کسی چیز کی طرف کچھ التفات نہ فرمایا اس لئے کہ وہ جمع کے ساتھ جمع تھے اور مجتمع کا تفرقہ آپ نے مشاہدہ نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا ظَلَمَ۔

اور میں نے اس موضوع پر بحالت بدایت کتاب لکھی ہے اور اس کا نام کتاب البیان ہے اور بحر القلوب میں جہاں باب جمع ہے کافی فصول بیان ہو چکی ہیں۔ اب ہم بخیال اختصار اسی کو کافی سمجھتے ہیں اور یہ طریقہ مذہب سیار بیان کا ہے جو مستفوز سے ہیں۔ اور طبقہ صوفیاء میں مقبول محقق ہیں۔

اب اس گروہ ملاحظہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو صوفیاء سے متعلق جنتے ہیں اور ان کے مضامین اظہار اتحاد کا آلہ ہیں اور ان کی گمراہی اور ذلت پر پردہ اعزاز ڈالتے ہیں تاکہ ان کی گمراہی ظاہر نہ ہو سکے اور مریدان کی باتوں سے پرہیز کریں اور اپنے کو ایسے لوگوں سے بچائیں انشاء اللہ عز وجل دالامر کہ بیدہ۔

بیان فرقہ حلویہ لعنہم اللہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصَوِّرُونَ تُوکیا ہے حق کے بعد مگر گمراہی تو کیا بھیجکتے پھرتے ہو۔ ان دو مردود گروہ سے جو اس جماعت سے اتباع کرتے ہیں اور گمراہی میں نہیں اپنا یا رہ جاتے ہیں۔ ایک تو گروہ ابی سلمان و شقی سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی روایتیں لاتا ہے۔ جس کے خلاف کتب مشائخ میں اس سے مسطور ہے اور یہ روایت کرنے والے اس قصہ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ ملاحظہ اس ابی سلمان و شقی کو حلویہ و متزاج و نسخ ارواح کے عقیدہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور میں نے بھی ایک کتاب مقدس لکھی دیکھا کہ اس میں طعن کی ہے اور علما ان اصول کو بھی اس کا خیال ہے۔ حقیقت حال کا شہرہ

جانتا ہے۔ ایک جماعت اپنے کو فارس سے منسوب کرتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب حسین بن منصور کا ہے۔ اس جماعت کے سوا اور حسین منصور کی جماعت والے یہ مذہب نہیں دیکھتے۔

میں نے ابو جعفر صیدانی کو دیکھا ہے ان کے مرید چار ہزار کے قریب عراق میں تھے اور وہ سب خلاصی تھے اور سب فارس کے اس کلام پر لعنت کرتے تھے۔ اور ابی حلمان دمشق کی کتابوں میں جو ان کی تصنیف میں تحقیق کے سوا (حشو و زوائد) نہیں۔

اور میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) کتابوں کہ میں نہیں جانتا کہ فارس اور بو حلمان کون ہے اور انہوں نے کیا کہا ہے لیکن جو شخص ایسا کلام کرے جو توحید و تحقیق کے خلاف ہو اسے دین سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس لئے کہ جب دین کی اہل ہی محکم نہ ہو تو تصوف جو فرع اور نتیجہ ہے بد خداوی غلط پذیر ہوگا۔ اس لئے کہ کرامات اور کشف اہل دین کے نشان کے سوا صورت پذیر نہیں اور اس امر کے قائلوں کو حقیقت روح میں غلطی واقع ہوئی ہے۔

اب میں سنت کے طور پر سب کلام اور احکام روح کے بیان کرتا ہوں اور محدود کی گفتگو اور غلطیاں اور شبہات بیان کرتا ہوں تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ قوت فہم بخشے کیونکہ اس بحث میں بہت مفاسد ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

روح کی بحث

اچھی طرح سمجھ لو کہ ہستی روح کا علم ضروری ہے اور اس کی کیفیت سے عقل عاجز ہے اور عالموں حکیموں نے اگرچہ اپنے قیاس کے مطابق اس کے بارے میں سب نے کچھ نہ کچھ کہا ہے اور کافروں کے طبقات نے بھی اس میں کلام کیا ہے۔ جب یہودیوں کی تعلیم سے کفار قریش نے نضر بن حارث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو اس کے عین ثابت کرنے کو فرمایا۔ وَیَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ فَرُدَّ لَهُمْ قَوْلَ اللَّهِ بِمَا بَدَأَ بِهِ إِذَا يَأْمُرُ بِالْخَيْرِ وَالْإِثْقَانِ وَالرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّهِ۔ فرمادینے روح امر رب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الرُّوحُ جُنُودٌ مُخْتَلَفَةٌ فَمَا تَعَارَفْتُمْ مِنْهَا ابْتَلَفَ وَمَا تَاكُرُ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ یعنی

اور اس ایک جمع شدہ لشکر میں جان میں آپس میں آشنا ہیں۔ وہ محبت و مراد سے ملے ہوں لیکن اور جو ناواقف ہیں وہ مختلف ہیں۔

اور اس کی مانند بہت سے دلائل ہیں مگر اس کی کیفیت پر کسی کا تعارف نہیں ہوا۔ ایک گروہ کتا ہے الروح هو الحيوة التي يُحْيِي بِهَا الْجَسَدُ۔ روح وہ ایک زندگی ہے کہ جسم اس سے زندہ ہوتا ہے۔

ایک گروہ سنگین کا بھی یہی کتا ہے اور اس معنی سے روح عرض ہوئی کہ حیوان اس سے بفرمان الہی زندہ ہوتا ہے اور اس سے تالیف و حرکت اور اجتماع ہے اور اس طرح اعراض سے ہے کہ اس سے ہر جاندار ایک حال سے دوسرے حال میں جاتا ہے۔

دوسری جماعت والے کہتے ہیں کہ هو غير الحيوة ولا يُوجد الحيوة إلا معها کما لا يُوجد الروح إلا مع الجسد وان لا يُوجد أحد هما دون الآخر کالآلئ والعلیہ بعلالہما شیئان لا یفترقان۔ یعنی روح ایک جوہر ہے با حیوة جس کے سوا زندگی کا وجود روا نہیں ہوتا جیسے روح بلا جسم معتدل نہیں ہوتا۔ اس ایک دوسرے کے بغیر نہیں۔ وجود نہیں ہوتا اور احساس بھی معدوم ہوتا ہے۔ جیسے درود اور دو کا ظم تو جسم و روح دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ اور اس معنی میں بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ روح با حیوة کے اپنے وجود میں غیر محسوس ہے۔ جیسے بغیر شخصیت معتدل روح بطور محسوس نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ درود اور اس کا احساس۔ تو اس کے معنی بھی عرض ہی ہوئے جیسے حیات۔ پھر مہر و مشائخ اور اکثر اہلسنت و جماعت اس طرف گئے ہیں کہ روح یعنی جوہر ہے نہ کہ وصفی کہ قالب سے موصول ہو۔ اجزائے ملات الشد کے موافق حیوة کو پیدا کرتی ہے اور حیوة انسان صفت ہے اور اس کے ذریعہ اسے زندہ جانا جاتا ہے۔ لیکن روح من جانب اللہ جبکہ انسانی میں دو بعیت ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ روح انسان سے جدا ہو جائے اور وہ حیات کے ساتھ رہے۔ جس طرح سوتے ہوئے انسان سے روح نکل جاتی ہے اور حیات باقی رہتی ہے۔ مگر یہ جائز نہیں کہ روح کے چلے جانے کے بعد علم و عقل باقی رہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح شہداء علیٰ حسنہم رستہ میں رستہ میں رہیں تا کہ پر لا محالہ مائتا پڑے گا کہ

میں جو ہر جہ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْاَرْوَاحُ حَبْوَةٌ مُّحْتَدَّةٌ رُوحِیں جمع کئے ہوئے
 لکڑی ہیں اسیہ عرض پر باقی نہیں رہ سکتے۔ اور عرض خود بخود قائم نہیں ہوتا تو روح ایک جسم لطیف ہے
 کہ فرمان الہی سے آتا ہے اور اسی فرمان سے جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے ایک ہی رات میں معراج والی شب آدم صلی اللہ
 یوسف صدیق اللہ موسیٰ کلیم اللہ، ہارون کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں پر دیکھا تو لا محالہ اُن کی مدد میں تھیں اور اگر روح عرض ہوتی بخود قائم
 ہوتی۔ حتیٰ کہ بحالت اُسے دیکھ نہیں سکتا۔ اگر عرض ہوتا تو اس کے وجود کے لئے کوئی عمل ہوتا۔
 جہاں وہ عارضی ہوتی اور اس کا عمل جو ہر ہوتا اور جو ہر مؤلف اور کشف ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ اگر روح
 لطیف جو ہر اور جسم ہے تو اس کا دیکھنا جائز بھی ہونا چاہئے۔ لیکن دل کی آنکھ سے دیکھ لی جاتی ہے
 اور بستہ پردوں میں وہ حجب میں ہوتی ہے اور اسے اپنی قبر اور قنادیل عرش میں آنے جلنے کی راہ
 ہے جیسا کہ اس کے ثبوت میں اخبار و احادیث ناطق ہیں اور ان کا آنا جانا بحکم الہی ہوتا ہے جیسا
 کہ فرمایا قُلِ السَّوْءُ مِنْ اَمْرِ ذٰلِكَ اَسْءَا مِنْ رُوحِ مِیْرَے رَبِّ کے امر سے ایک امر ہے۔
 یہاں ملاحظہ کا اختلاف ہے۔ اس لئے کہ روح کو قدیم کہتے ہیں اور اسے پوجتے ہیں۔ اسے
 فاعل اشیاء اور مرتب بھی اس حد تک مانتے ہیں کہ اسے بغیر تدبیر امور نہیں ہو سکتی۔ اسے ارواح الاولاد
 لم یزل کہتے ہیں۔ اس عقیدہ پر نصاریٰ بھی ہیں اور تبت اور چین۔ چین کے تمام ہندو بھی عقیدہ
 رکھتے ہیں۔ اور ادھر سے شیعہ اور قرامطہ اور فرقہ باطنیہ بھی اس عقیدہ پر ہیں۔ ہر گروہ کے متعلق ہم
 ذکر کریں گے۔ اس میں سوال طلب جو چیز ہے وہ یہ کہ روح قدیم کس معنی میں مانتے ہیں۔

محدث مقدم مانتے ہیں جو وجود میں ہے۔ یا ایسا قدیم مانتے ہیں کہ ہمیشہ باقی رہے۔ اگر وہ
 کہیں کہ ہماری مراد محدث مقدم ہے وجود سے تو ایسی صورت میں اصل کے اندر غلات پیدا ہوگا
 اس لئے کہ ہم بھی روح کو محض ضرر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ تقدم وجود روح کو وجود شخص پر تسلیم کیا گیا ہے
 اس لئے کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِمَا سَنَى
 اَنْفَے۔ چہ۔ بیشک اللہ نے اجسام سے دو لاکھ سال قبل پیدا فرمایا تو جب اُسے محدث مانا
 جائے تو لا محالہ محدث کو محدث کے ساتھ محدث ماننا چاہئے گا اور یہ ایک قسم ہوگی مخلوق حق سے جسے

دوسری جنس کے ساتھ ملا یا گیا ہو اور اس ملائی سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حیۃ سے حاصل نہیں کیا
اپنی تقدیر سے۔ یعنی ارواح ایک ایسی جنس ہیں کہ خلق کے اندر میں اور اجزاء دوسری ایک جنس ہے
توحید تقدیر حیۃ حیۃ پیدا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا معرفت یہ حکم رہ جاتا ہے کہ وہ حیات روح جسد
انسانی میں پیوستہ ہوتا کہ اس میں زندگی حاصل ہو اور وہ جو کہ ایک شخص سے کسی شخص میں اس اصول کو
روانہ نہیں رکھتے جیسے کہ ایک شخص کو دو حیۃ روانہ نہیں ہوتی اور ایک روح دو شخصوں میں روانہ نہیں ہوتی۔
اگر اخبار میں یہ تصریح نہ ہوتی اور رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صادق خبروں میں اس کی خبر
نہ دیتے تب بھی از روئے عقل ہی روح بدون حیات کے نہ ہوتی اور وہ صفت ہونہ کہ میں۔ اگر
کہیں کہ اس قول سے ہماری مراد ہمیشہ قدیم ہے تو میں کہتا ہوں کہ وہ خود بخود قائم ہے یا غیر ہے ہم
اگر کہیں کہ قدیم اور بنفسہ قائم ہے تو میں کہتا ہوں کہ خداوند عالم وہ ہے یا نہیں۔ اگر کہیں کہ خداوند عالم
وہ نہیں تو دوسرا قدیم ثابت ہوگا۔ اور یہ معقول نہیں کیونکہ قدیم معدوم نہیں ہوتا اور ایک ذات کا
وجود دوسری کی ضد ہوتا ہے اور یہ محال ہے۔

اور اگر کہیں کہ خداوند عالم ہے تو میں کہتا ہوں کہ وہ قدیم ہے اور حادث کو قدیم سے ملانا ایک
کردینا یا ایک ہوجانا یا حلول کرنا حادث کا مکان قدیم میں ہونا یا قدیم کا اسے حاصل ہونا محال
ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز کسی سے ملتی ہے وہ اس کی مثل ہوتی ہے اور وصل یا فصل کے سوا حادث
روا نہیں ہوتا۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔

اور اگر کہیں کہ بنفس خود قدیم اور دوسرے سے قائم ہے تو وہ مال سے خالی نہیں یا صفت
ہوگا یا عرض۔ اگر عرض کہیں تو ضرور اس کے لئے عمل ہوگا یا لا عمل ہوگا۔ اگر عمل میں کہیں تو عمل اس
کس کے مثل ہوگا۔ تو اہم قدیم باطل ہو جائے گا اور اگر لا عمل کہیں تو اس کا وجود عقل نہیں مانتی
اور اگر کہیں کہ صفت قدیم ہے جیسا کہ حلول اور تسانخی کہتے ہیں اور اس صفت کو صفت حق بناتے
ہیں تو یہی عمل ہے کہ حق کی صفت قدیم مخلوق کی صفت ہو جائے گی۔

اور اگر جائز کہیں کہ حیات صفت خلق ہو تو بس روانہ اس لئے کہ پھر قاد کی صفت مخلوق
و مقدر کی صفت ہو جائے گی۔ اور پھر صفت موصوف سے قائم ہوگی تو پھر قدیم کی صفت کے لئے
حادث کی صفت کی طرف جائز ہوگی۔ اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حادث کو قدیم سے کچھ تعلق نہیں۔

اور قبولِ حمد اس صومٹ میں باطل ہیں اور صحت چونکہ لہر حق سے ہے اس کے سوا جو کچھ وہ ملائیہ مکارہ ہے اور حادث و قدیم سے جمل ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ دل اپنی ولایت کی صحت میں اور صاف حق سے جاہل ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم کو خطرہ سے محفوظ رکھا ہے اور عقل دی ہے جس سے ہم دلیل دے سکتے ہیں اور ایمان دیا ہے کہ اس کی روشنی میں ہمارے پہلے تھے ہیں اور وہ حمد جس کا انجام وعدہ نہ ہو کرتے ہیں۔ اس لئے کہ محدود حمد بے حد قوتوں کے مقابل مقبول نہیں۔ جب ظاہر و باطن نے یہ بات اہل ہول کی سنی تو انہوں نے خیال کیا کہ سب صوفیوں کا یہی عقیدہ ہے تو وہ خسران و نقصان میں پڑ کر محبوب ہو گئے اور ولایت حق کا لطیف اور چمکناہ تکی رانی اُن سے پوشیدہ ہو گئی۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ عامۃ خلق کی ترویج ان کے قبول کے برابر ہوتی ہے اور ان کا قبول رد کے برابر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک حضرت مشائخ کرام سے فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ السَّوْجُ فِي الْجَنَّةِ كَالنَّارِ فِي
فصل الخَيْرِ فَالْثَّارِ بِمَخْلُوقَةٍ وَأَلْفَ حَسْرَةٍ مِّنْ مَّخْلُوقَةٍ جَانِ حِمَمٍ فِي شِلِّ اسْ آگ کے ہے جو
گوشتوں میں ہے تو آگ مخلوق ہے اور کوئلہ مصنوع اور عقیدہ قدامت ہوائے ذات و صفات حق تعالیٰ
روانہ ہیں۔

اور حضرت ابو بکر واسلی نے روح میں بہت کچھ فرمایا ہے اور اُن سے جو روایتیں آئی ہیں وہ یہ ہیں کہ
الْأَرْوَاحُ عَلَى عَشْرَةِ مَقَامَاتٍ۔ روح دس مقامات پر قائم ہے۔ اول لازمی طور پر خطا کاروں
کی روح جو عقید میں ظلمت کدہ عذاب میں۔ وہ نہیں جانتیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ دوسرے
روح پارہ ساز و آد جو آسمانوں میں اپنے اپنے عمل کے بدلے میں خوش و خرم رہ رہے ہیں اور
بطاعت الہی سرور ہیں اور اسی قوت سے وہ جادہ ہے ہیں۔ تیسرے ارواح مریدان کہ آسمان چارم
میں لذت صدق اعمال کے ساتھ سایہ اعمال میں ملائکہ کے ساتھ ہیں۔ چوتھے اُن کی روحیں جو اہل
مغن سے ہیں وہ قنادیلِ عرش میں رہتی ہیں ان کی غذا رحمت اور ان کا پینا لطف و قربت ہے۔
پانچویں وہ ارواح اہل فنا ہیں جو حجابِ صفات مقامِ اصطفا میں باعیش و طرب ہیں۔ چھٹے ارواح
شدار ہیں جو مرغانِ بہشت کے اجسام میں ریاضِ خلد میں ہیں وہ جہاں چاہیں سیر کریں اُن کے لئے
دفتِ آبے و دقت کی قید نہیں۔

ساتویں ارواح مشتاقان ہیں کہ وہ پردہ ہائے انوار صفات میں بساطِ ادب پر تعلیم ہیں

آنہوں ارواح عارفان ہیں کہ وہ کو شکب قدس میں ذات حق کلام الہی سننے میں مست ہیں اور وہ اپنے اماکن و مقام بہشت اور دنیا دونوں دیکھتے ہیں۔ نویں ارواح دوستان خاص ہیں کہ وہ مشاہدہ جمال و مقام کشف میں مستغرق ہیں اور وہ سوائے جمال جلیل کے کسی کو نہیں جانتے۔ یہ محبوب کے جلوے کے سوا کسی سے نیاز مندی نہیں دیکھتے۔

دسویں ارواح درویشان ہیں کہ وہ مقام فنا میں مقرب ہیں ان کے اوصاف مقبول اور ان کے حل متغیر ہوتے ہیں۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ انہیں ہم نے دیکھا کہ ہر ایک اپنی علیحدہ صورت میں ہے اور یہ جائز نہیں جو ہم نے کہا کہ ان کا وجود ہے اور جسم لطیف ہے۔ یہ حقیقت بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ البتہ حب اللہ تعالیٰ دکھانا چاہیے تو بندہ دیکھ سکتا ہے۔ اور میں دلی بن عثمان جلائی، کتابوں کے جلیلی زندگی کا خلاصہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور ہماری بقا و فنا اور حیات و ممات ہی کی قوت سے قائم ہے۔ ہمیں زندہ رکھنا اس کا ایک فعل ہے اور ہماری زندگی اس کی تخلیق کے ماتحت ہے نہ کہ اس کی ذات و صفات کی بقا کے ساتھ اور طبقہ درمیان کا وہ قول باطل ہے اور اور محنت گمراہی جو کہتا ہے کہ روح قدیم ہے اگرچہ انہوں نے عبارات بہت کچھ بدلی ہیں۔

ایک گروہ اُسے نفس اور ہولی کہتا ہے۔ ایک گروہ نور اور ظلمت اور اس طرح وہ طریقت کے مشائخ کے اصول باطل کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی فنا و بقا کہتا ہے یا جمع اور تفرق۔ ایسی ہیروہ عبارات انہوں نے بنا رکھی ہیں اور ان کے ذریعے اپنے کفر کو سراہتے ہیں اور صوفی لوگ ان کی ان باتوں سے بیزار ہیں اس لئے کہ مقام ولایت کا ثابت کرنا بغیر محبت الہی اور اس کی معرفت کے ظاہر بھی نہیں سکتا اور جو قدیم و حادث کا فرق نہیں سمجھا وہ جاہل ہے۔ اور اہل بصیرت و عقل ایسے جاہلوں کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ یہاں تک اس گروہ باطل کا مقصد جو کچھ تھا بیان ہو چکا۔ اب اس سے زیادہ وضاحت مطلوب ہو تو ہماری دوسری کتابوں میں دیکھئے۔

دہم بقول شاعر: پکارا دیکھ کر میں جو کی شکل : خود انداز یہ وہ صورت نہیں ہے۔ (مترجم)

۱۱۔ صفت بادۂ عشقش زمین مست میریں : ذوق اس کے شناسی بخدا تاجپوشی (مترجم)
۱۲۔ حضور تاج صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو فرمائی کہ ہماری دوسری کتابوں میں دیکھئے لیکن آج نو سو سال کے اندر حضرت کی دوسری کتب کی زیارت ہمارے لئے عقاب ہو چکی ہے۔ (مترجم)

اب میں کشفِ حجاب اور معاملات کے حالات ابدی تصورات کی حقیقتیں بر دلائل ثابت کرتا ہوں
بلکہ کچھ میں تجھے زیادہ آسانی رہے۔ اور منکروں میں سے جسے بصارت حاصل ہو وہ مگر ابی سے راستے پر
آجائے اور مجھے اس کا اجر ملے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مکشفِ حجابِ اول معرفتِ الہی کے شرائط میں

یعنی معرفتِ الہی کے جو شرائط ہیں اور اس کے جو ستاد ہیں ان پر مفصل بیان

اللہ تعالیٰ جل و علا فرماتا ہے۔ وَمَا تَدْرُوهُ اللَّهُ سَوَّيٌّ قَدِيرٌ تَمَّ لَكُمْ زَجَاؤُ اللَّهِ تَعَالَى كَوْنِ
حق جاننے کا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَتَرَوْهُمُ اللَّهُ سَوَّيٌّ مَعْرِفَةٍ لَمْ تَسْتَمِعُوا بِالْحَقِّ
وَكُنَّا لَمْ يَدْعَاكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرو حق عرفان تک تو یقیناً تم دنیا
پر چلنے لگو اور تمہاری دعا سے پارِ منزل ہو جائیں۔ اب معرفتِ الہی کی دو قسمیں ہیں ایک علی
ایک حالی۔

تمام نیکیوں کی جڑ ہے جو دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے اور بندہ کے لئے عرفان میں
اہم ترین چیز یہ ہے کہ وہ اوقات و احوال میں حق تعالیٰ شانہ کو دنیا و آخرت کے اندر پہچانے
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ أَمْ لِيُفَرِّقُونَ
ہم نے آدمی اور جن پیدا نہیں کئے مگر اس لئے کہ اسے پہچان کر پوجیں۔

تو اکثر مخلوق میں سے بہت سے وہ ہیں کہ عرفانِ حق میں قاصر ہیں سوائے اس کے کہ اتنا
مجھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان و جن مخلوق کو اپنے لئے برگزیدہ کر رکھا ہے اور ظلمتِ دنیا سے
آناور کھڑے اور اس کے دل کو زندہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حلال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
سے ہمیں خبر دی اور فرمایا وَجَعَلْنَاكَ نُورًا يَمْشِي يَهْدِي فِي النَّاسِ یعنی اور کیا ہم نے اس کے

لئے اقول و باشد التوفیق۔ حضرت حمید العصر زید الدہر حضور داتا صاحب کا بیان بحث تفصیل انبیاء و اولیاء سے
لئے کہ یہاں تک جہادِ مضمون ہے وہ عوام کے فہم سے بہت بالا ہے بلکہ میرا خیال تو یہ تھا کہ وہاں سے یہاں تک علم مضمون
اہلِ نادری میں ہی رکھوں لیکن یہ کہ ترجمہ کر رہا تھا اس بنا پر ترجمہ ہی کیا اگرچہ میں سمجھا ہوں کہ آتا ترجمہ ہو جانے کے باوجود
عوام کے لئے یہ مفید نہیں۔ اب کشفِ حجاب شروع ہے خدا کرے کہ اس میں وہادق اور مستحق معنائیں کے پڑے بھی کھل
جائیں اور عوام استفادہ کر سکیں۔ وما توفیق الا باللہ۔ (ابو الحسنات قادری)

لئے نور جس سے والوگوں میں چلتا ہے یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کتنی مشککہ فی الظلمات
 لیکن بیخارج قسماً کیا اس شخص کی مثل ہے جو اندھیروں میں ہے اس سے نہیں نکل سکتا۔ یعنی
 ابو جہل لعین۔ تو معرفت حیاتِ دل کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ شاذ کے ساتھ ہے اور اسوۃ اللہ سے
 اعراض رکھنا اور یہ درجہ معرفتِ حق سے جوتا ہے اور جسے معرفتِ حق نہ ہو وہ ذلیل و بے قدرت ہے۔
 تو آدمیوں میں سے علماء و فقہاء وغیرہ جو علم کی صحبت کو اپنے رب کی معرفت پہنچتے ہیں وہ ملوث
 ہیں اور ایسے ہی مشائخ اس طائفہ کی اپنی صحبتِ حال کو عرفانِ حق پر موقوف رکھتے ہیں اور اسی
 وجہ میں عرفانِ حق کو محض علم پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ صحبتِ حال بغیر صحبت
 علم نہیں اور صحبتِ علم بغیر صحبتِ حال نہیں۔ یعنی وہ عارف عارف نہیں جو اپنے رب کا علم
 نہ ہو۔ اور وہ عالم جو عارف نہیں اگرچہ عالم ہوگا مگر بغیر عرفان ہوگا۔ اور وہ لوگ جو اس حق سے
 جاہل ہیں ان سے وہ اس مقام پر بے فائدہ مناظرہ کرتے پھرتے ہیں اور جانیں ہیں ایک دوسرے
 کو اس مسئلہ سے انکار کرتا پاؤ گے۔

اب میں اس مسئلہ کا ماذنہ ہر کرتا ہوں تاکہ دونوں گروہ پر فائدہ حاصل ہو سکے انشاء اللہ۔
 اللہ تمہیں سعادت و دارین عطا فرمائے۔ لوگوں میں معرفتِ الہی اور صحبتِ علم پر بہت
فصل اختلاف ہے۔ معترض کہتے ہیں کہ معرفتِ حق تعالیٰ عقل سے ہے اور عقل
 کے معرفتِ حق روا نہیں اور یہ قول محض باطل ہے اس لئے کہ وہ دیوانے جو اولیاءِ اسلام
 میں تھے۔ ان پر حکم معرفت کا لگایا جاتا ہے۔ دوسرے وہ بچے جو عاقل نہیں ہوتے ان پر حکم ایمان
 لگایا جاتا ہے تو اگر معرفتِ حق عقل پر ہوتی تو انہیں عقل نہیں ہوتی تو ان پر ایمان و عرفان کا
 حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا اور کافروں پر کہ ان میں عقل ہے حکم کفر کا نہیں چاہئے۔ اور اگر عقل
 معرفتِ حق کی علت ہے تو چاہئے کہ جس میں عقل ہو وہ عارف ہو اور جتنے بے عقل ہوں سب کو
 جاہل کہا جائے اور یہ ملائیمہ کا بروہ ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفتِ حق کی علت استدلال ہے اور بلا استدلال معرفت نہیں
 ہو سکتی۔ یہ بھی دعویٰ باطل ہے اس لئے کہ شیطان وہ ہے جس نے بہت سے دلائل دیکھے مثل
 بہشت و دوزخ، عرش و کرسی وغیرہ۔ تو یہ دیکھنا اس کے لئے دلیل ہے اور دلیل علت معرفت ہے

یہ فی الناس۔ اور ہم نے اس کے لئے نور دکھا کر چلتا ہے اس نور سے لوگوں میں تو آفریگا۔
 نور اللہ تعالیٰ ہے جس میں بندہ چلتا ہے اور فرمایا۔ اَقْمِنُ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ بِالْاِسْلَامِ
 فَحَوَّ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهِ۔ کیا جس کا سینہ اللہ نے کھولا اسلام کے لئے تو وہ ایک نور پر ہے۔
 اس آیت کریمہ میں بھی مشروع صدر کا فعل اپنی طرف منسوب کیا اور اس کا باندہ صابہ اپنی طرف منسوب
 منسوب فرمایا اور فرمایا ختم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم و غشاوا عنہم
 تعالیٰ نے ہر کردی ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ پھر منسوب کیا
 وَلَا يُطِيعُ مَنْ اَغْلَقْنَا قُلُوْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا۔ اس کا اتباع ذکر و جس کے دل کو ہم نے غفلت
 میں ڈال دیا ہے اپنے ذکر سے۔

رحیب قبض و بسط اور شرح و ختم دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تو محال ہے کہ انسان
 بغیر حق تعالیٰ ہو سکے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا امور ہیں وہ سب سبب علت ہو سکتے ہیں اور
 علت و سبب بلا عنایت سبب راہ نہیں پاسکتے۔ بلکہ تمام حجاب و اہر میں گئے خدا میرا اللہ
 تعالیٰ نے اسی وجہ میں فرمایا وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ اَلْيَكْرَامُ اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
 لیکن اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا تمہاری طرف ایمان اور اس میں تمہارے دلوں کو مزین کیا قر
 تزین و تحسین کو اپنی طرف معاف کیا اور لزوم تقویٰ جو عین معرفت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف
 معاف کیا اور لزوم تقویٰ جو عین معرفت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معرفت کو اپنے
 الزام میں دفع و جلب کا اختیار اس حال میں نہیں ہوتا۔

ثابت ہوا کہ بغیر عرفان حق مخلوق میں نصیب معرفت بغیر معجزہ نہیں ہو سکتا۔
 حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لَا دَلِيْلَ عَلٰی اللّٰهِ سِوَا ذٰلِكَ اِنَّمَا اَلْعِلْمُ
 يَطْلُبُ بِالْاَدَبِ اَلْحَنِدْمَةِ كَوْنِ دَلِيْلٍ سِوَا حَقِّ تَعَالٰی اَعْلٰی اس کے عرفان میں دل کے لئے
 نہیں اور علم محض آداب خدمت کو طلب کرتا ہے نہ کہ محض معرفت کو۔ اور مخلوقات میں سے
 کسی کو یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا تک پہنچ سکے۔

والا لای لائے فالوں میں ابو طالب سے زیادہ کوئی عقلمند نہ تھا اور حقانیت کی دلیل حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم سے بزرگ تر کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر جب کہ جریان حکم شقاوت ابو طالب ہے

ایک مقام پر محالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اُسے فائدہ نہ پہنچا سکی تو خصوصیت کے ساتھ اسے گاہ کہ وہ جہ استدلال محض اعراض ہے بل ملا شاذ سے اس لئے کہ استدلال نام ہے جس میں تامل کرنے کا اور معرفت کی حقیقت غیر سے اعراض کرنا ہے اور عاداتاً تمام مطلوبات کا جوڑ سے ہے اور حق تعالیٰ شاذ کی معرفت عادت کے برخلاف ہے۔

توجیب یہ ثابت ہو گیا کہ معرفت عقل کی حیثیت دوامی کے ہوا نہیں اور اس کا ملنا بندہ سے سب سے نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے کہ خلقت کے کسب کا اس میں راستہ نہیں اور بدون حق کی بندہ کا کوئی راہنا نہیں۔ وہ دلوں کی کشائش اور نفس خزانوں سے ہے۔ اس لئے کہ جو اس کے سوا ہے سب حادث ہے اور یہ جائز ہے کہ حادث کو حادث پہنچے اور یہ کسی طرح روا ہے کہ آفریدہ گاہ عالم جو قدیم انلی سرمدی کو بھی پہنچے۔ یا آنکہ حق تعالیٰ اس کا کسب کنندہ ہوا اور جو کسب کنندہ کے کسب کے ماتحت ہو تو سب کا کسب غالب ہوتا ہے اور عامل شدہ مغلوب و مقهور۔

اس وجہ میں کرامت وہ نہیں کہلاتی جو عقل کی دلیل سے فاعل کو ثابت کرے بلکہ کرامت کہہ جاتی ہے کہ دل الہی نور حق تعالیٰ شاذ سے اپنی ہستی کی نفی کر لے تو معرفت قوی ہو جائے اور دوسرے معرفت حال۔ اور جس چیز کو ایک گروہ معرفت کی علت سمجھتا ہے وہ عقل ہے۔ اسے پہلے کہ دل میں عین معرفت سے کیا چیز ثابت ہوتی ہے اور جو کچھ عقل ثابت کرتی ہے اس معرفت نفی کرتی ہے۔ یعنی جو کچھ دل میں بدالبت عقل صورت آتی ہے۔ وہ اسے خداکت ہے اور شاذ اس کے خلاف ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی اور صورت آتی ہے تو وہ برخلاف حقیقت ہے۔ کیا عقل کی مجال نہیں کہ استدلال سے معرفت حاصل ہو۔ اس لئے کہ عقل دوہم دونوں جنس ہیں اور جب کہ جنس ثابت ہو معرفت کی نفی ہو جائے گی۔ تو اثبات استدلال عقل جنس میں آئے گا۔ اور نفی استدلال سے عقل میں قلیل ہوگی اور اس کی گنجائش ان دو مسلسل باہر نہیں اور یہ دونوں معرفت میں زبیں ہیں۔ اس لئے کہ مشیبا اور معطلہ ایک نہیں ہوتے بل جب اپنے مقدر کے موافق چلتی ہے اور اس سے جو طور پذیر ہوتا ہے۔ وہ سب عقل ہوتا ہے۔

اور دل اپنے دوستان کو طلب بغیر چاہ و نہیں ہوتا۔ وہ دگاہ عجز میں بے آلہ آرام کرتے

ہیں اور اس آرام میں جب اپنے کو بے آرام دیکھتے ہیں تو اپنے ہاتھ زاری کے ساتھ اٹھاتے
اور اپنے دل کے لئے مرہم ڈھونڈتے ہیں اور یہ انوار طلب و قدرت سے اس کی
پہنچتے ہیں۔ پھر قدرت حق اس جگہ اُن کی قدرت میں آتی ہے۔ یعنی اس ذات کو وہ اس
کے پاس تے ہیں اور رنج غیبت سے آسودہ ہو کر روضہ انس میں جگہ لیتے ہیں اور وہاں تک
کرتے ہیں اور روح سرور میں قرار پاتے ہیں۔

جب عقل دلوں کو مراو تک پہنچا دیکھتی ہے تو اپنے تعارف سے اس حامل خود سے
سے رد کرتی ہے۔ جب اس کا تعارف نہیں چلتا تو بعالم تحیر معزول ہو جاتی ہے۔ جب مسرور
ہو جاتی ہے تو اس وقت حق تعالیٰ لباسِ خدمت اُسے پہنا دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جب تک
تو اپنی خودی میں متا تو اپنے آلات و تعارف سے محبوب تھا اور جب کائنات ظلم ہو گئے
رہ گیا وہاں جہاں بیچا تو دل کو منصبِ قرب مل جاتا ہے اور عقل کو خدمت اور اس کی معرفت کو
تام۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اپنی تعریف و تعارف سے آشنا کر دیتا ہے تاکہ وہ پہچان لے
بھی جس کا نہ پہچانتا موصول الہ سے تھا بلکہ وہ پہچان جو بندہ میں ملتا تھا حتیٰ تک پھر وہ تمام وہ
عارف کو امانیت و خیانت سے محفوظ کر کے اُسے بے نشان کر دے اور اس کے لیل و نہار سے
ہو جائیں اور اس کی معرفت عالی ہو جائے نہ کہ قالی۔ ایک گروہ نے یہ بھی کہا کہ ایسے درجہ پر
کی معرفت معرفت الہی ہے اور یہ بھی محال ہے اس لئے کہ معرفت کو برہان باطل و حق
ہیں اور اہل الہام خطرے میں رہتے ہیں ان کا وہ الہام برہان نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اگر کوئی
کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مکان میں ہے اور ایک کے کہ میرا الہام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے لئے مکان نہیں۔ لا محالہ دونوں اپنے دعوے میں مستقام ہیں اور ان میں ایک مقررہ حق
اور دونوں دعوے کر رہے ہیں تو لا محالہ اس کے لئے دلیل چاہئے تاکہ اس کے ذریعے فرق کیا
صدق و کذب میں دونوں دعویوں کے اور اس وقت دلیل سے جانا جائے گا اور حکم الہام باطل
ہو جائے گا اور برہمنوں اور الہامیوں کو میں نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک
بہت غلو کرتی ہے اور وہ اپنے زمانہ کا انھیں پارسا سمجھتی ہے اور تمام حقیقت میں گمراہ
ان کا قول تمام عقل والوں کے بھی خلاف ہے۔ عقلائے اہل کفر اور اہل اسلام دونوں ہی

یہی اور اس قسم کے عیروں میں دھیان امام کے دس قول متناقص ہیں جن کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اور یہ سب اپنے اپنے دعوے میں باطل ہے اور کوئی حق پر نہیں۔ اور اگر کہیں کہنے والا اگر خلاف شرع کے تو امام نہیں ہوگا۔

میں کتابوں کے اصل میں وہی خطا پر ہے جو قیام شریعت کے امام پر موقوف کرے۔ اور اگر کوئی کہے کہ امام کا ثبوت صرف شریعت پر ہونا چاہیے اور اس کا ثبوت صحیح ہونے پر اسے امام کہا جاسکتا ہے۔ صحیحہ کو کہ حکم امام مقام معرفت میں یہ ہمہ وجہ باطل ہے۔ ایک گروہ کتاب ہے کہ معرفت حق ضروری ہے اور یہ بھی محال ہے اس لئے کہ جو چیز بندہ کے علم میں ضروری ہے وہ لازمی طور پر عقل کی شرکت ہے ہوگی اور حسیب ہم دیکھتے ہیں کہ مقلوں کی ایک جماعت اس سے انکاری ہے اور تشبیہ و تعطیل روا رکھتی ہے تو بھی کتاب صحیح ہوگا کہ عرفان از جانب خود ضروری نہیں اور اگر ضروری ہوتا تو اس پر تکلف نہ آتا۔ میں نے کسی چیز کے جانتے نہ جانتے میں تکلف محال ہے جیسے کہ اپنا جانتا آسمان و زمین روئے سب کا آلام و لذات اور مثل اس کے جو چیزیں ہیں ان کے جانتے میں عقل وجود انسان کو تنگ میں ایسے نہیں ٹال سکتی کہ اس کے دیکھنے کے لئے مضطرب ہو اور اگر چاہے کہ نہ پہچانے تو ہو سکتا ہے قصداً نہ جانے۔

لیکن ایک جماعت متصوفین کی وہ ہے کہ اپنے عقین کی صحت پر نگاہ کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے ہم اسے بضرورت جانتے پر مجبور نہیں اور ایسے جانتے ہیں کہ دل میں بھی کوئی شک نہیں پاتے۔ اس عقین کا نام ضرورت رکھتے ہیں اور وہ اس معنی میں مصیب ہیں۔ لیکن اس عبارت کے اندر غلطی یہ ہے کہ علم ضروری میں صحت کی تخصیص روا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ تمام عقلا یکساں عقلا ہیں۔ اس میں بھی کہ علم ضروری علم ہوتا ہے کہ دوستوں کے دل میں سبب اور دلیل پیدا کرتا ہے اور مدد داتا اور اس کی معرفت کو حاصل کرنا سبب ہے۔

لیکن استاد مل دقاق اور شیخ ابوہریرہ مصلوکی اور ان کے والد ماجد ابوہریرہ مصلوکی میں امام ہم ہیں اس پر ہیں کہ معرفت کی ابتدا استدلال سے ہے اور اس کا علم ضروری سے ہے جیسے منعزل جانتا ابتدا میں کسب ہوتا ہے اور ابتدا میں ضروری ۱۰ اہمیت و جماعت کے ایک قول سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شاذ کو جانتا ضروری ہے اور مسلم

ضروری رہا تو ضرورت جائز ہو گئی۔

اس دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کلام الہی سنتے تھے اور یہ سنتا ہے واسطہ بھی تھا کہ وہ پہچانے اور بواسطہ بھی جیسے کسی فرشتہ کے ذریعے یا بطریق وحی۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بہشت میں اللہ تعالیٰ کو بغیر ضرورت پہچانیں گے اور اس لئے کہ بہشت دار تکلیف نہیں ہے اور اولوالعزم مامون العاقبت ہوتے ہیں۔ اور انقطاع سے ایمن تو وہ بغیر ضرورت پہچانتے ہیں وجہ میں وہ قطعیت کے خوف سے مامون ہوتے ہیں اور جس نے اُسے بالضرورت پہچانا۔ خوف نہیں۔ اس لئے وہ ذات حق سے متقطع نہیں۔ اسی وجہ میں ایمان اور معرفت اس کی فضیلت ہے کہ غیب سے جب عین ہو گیا تو ایمان اس سے غیر ہو گا اور اس کے عین میں ہو گا اور اصول شرع بے قرار ہوں گی اور حکم دیت باطل ہو گا اور بطیم باعور ادا بلیس برصیعا کو کافر کتا درست نہ ہو گا۔ کیونکہ بالاتفاق یہ عارف گزرے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ مردودا بلیس کیا گیا اور برصیعا سنگسار ہوا۔ اس کی بھی اطلاع نبی اکرم صلی علیہ وسلم سے مل چکی ہے۔ فَبَعِثْنَا بَنَاتٍ لَا يَخَوِّفُهُنَّ أَجْتَمِعِينَ۔ تیری عزت کی قسم ان سب کو گمراہ کر دوں گا اور حقیقت میں کتا اور حجاب سُنا مقصاء معرفت ہے اور علم تک عارف ہے بے علم ہے اور جب جدائی اور انقطاع ہوتا ہے تو معرفت میں زوال اور ضرورت یعنی امر بدیہی کے علم میں زوال نہیں ہو سکتا اور یہ مسئلہ خلقت کے اندر آفہ اس بنا پر عارف کے عرفان کی یہ شرط رکھی گئی کہ اس کا عرفان آفت سے محفوظ ہو جائے کہ جب صحیح عرفان حاصل ہو جائے گا تو وہ ہدایت اذلی کا محور کبھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ ممکن کہ درجہ عرفان کبھی زیادہ ہو کبھی کم اور اس عرفان میں تعلید نہ ہو بلکہ عرفان کا کمال مغنوں کے اس کا عرفان حاصل ہو اور یہ درجہ مستجاب اللہ محض عنایت حق سے حاصل ہوتا ہے اور سب حق تعالیٰ شانہ کے تصرف و اختیار میں ہیں اگر چاہے تو دنیا کے کسی نعل کو مستجاب کرے کہ اس سے راہ دکھاوے اور اگر چاہے تو اس نعل کو اس کے لئے حجاب بناوے تو وہ اس نعل کے سبب محروم رہ جائے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قوم کے حق میں موجب مظلوم ہوئے دوسری قوم کے لئے حجاب۔ ایک گروہ جسے آپ کی ذات سے ہدایت ہوئی تو وہ کئے لگے

اور عبد الہی ہیں اور جس گروہ کے حق میں آپ حجاب چھوڑے اس نے اپنے کو ابن اللہ کہہ ڈالا۔ ایسے ہی بت اور آفتاب و قمر نے ایک گروہ کو راہ حق بنائی بعد میں گروہ رہ گیا۔ تو ثابت ہوا کہ اگر دلیل غلبت معرفت ہوتی تو لازم تھا کہ اتنی دلیل لانے والا بھی عارف ہوتا اور بظاہر مکار ہوتا ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماے اس کے لئے تمام شیاء اس کی راہ پر بنادیتا ہے اور وہ مقام معرفت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جان لیتا ہے تو یہاں دلیل بندہ کے حق میں سبب ہوئی نہ کہ علت اور سبب دوسرے سبب کے اچھا نہیں ہوتا۔ سبب کے لئے سبب کے حق میں دادر ہے **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ** اے محمد تیری حیاتی کی قسم ہے کہ تمہیں تیری قوم کے کافر لوہ کی طرح اپنی گمراہی میں حیران و سرگردان میں۔

تیری قسم یہ ہے کہ عارف کو معرفت میں سبب کا ثابت کرنا ایک زنا ہے اور غیر معرفت کی طرف متوجہ ہونا شرک **مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ** جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ جب لوح محفوظ میں بلکہ علم و ارادہ حق میں شقاوت کسی کے نصیب میں ہو تو دلیل کسی طرح اس کی ہادی نہیں ہو سکتی۔ **مَنْ التَفَتَ إِلَى الْأَغْيَارِ فَعَرِضَ لَهُ** تاریکی جو غیروں کی طرف توجہ کرے تو اس کی معرفت زائل ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کے غیر میں پراگندہ اور غرق ہو تو وہ سوا اللہ تعالیٰ کی امانت کے اس طرح غیر پر قابو کر سکتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام فار سے تشریف لانے تو دن کو کچھ نہ دیکھا حالانکہ دن میں اہل وجود زیادہ تھے۔ جب رات ہوئی تو ذرا ہی کو کھینچا یعنی ستارہ دیکھا اور اس کے مظاہرہ سے توحید الہی اظہار چلے، تو اگر معرفت ذات کی علت دلیل ہوتی تو دن میں دلائل کا ظہور زیادہ تھا اور اس بات اور ہم کے عجائبات روشن تر تھے۔

تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے بندہ کو اپنی طرف رہنمائی فرمادیتا ہے اور اس پر وہ معرفت کشادہ کر دیتا ہے اور اس قدر قریب بخشا ہے کہ عین معرفت بھی اُسے غیر معلوم تھی بے ادراک کے لئے وہ معرفت آفت ہوتی ہے اور معرفت سے جملہ معرفتات محبوب ہو جاتے حتیٰ کہ اس کی معرفت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ معرفت پر اس کا دعویٰ ہو جاتا ہے۔ حضرت ذوالنورین عری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَكُونُوا بِالْمَعْرُوفِ مُتَّبِعِينَ** شرع

یدعی العارفون معرفۃ اقربا لہد ذاک معرفتی

تجھے چاہئے کہ دعویٰ معرفت نہ کرے کہ اس سے ہلک ہو جائے گا۔ تو اپنا تعلق اس کے معنی سے رکھ تاکہ نجات پائے۔

جو کشت جلال ذات کے ساتھ اکرام حاصل کر لیتا ہے اس کی ہستی وبال ہو جاتی ہے اور عجب صفات آفت ہو جاتی ہیں اور جو حق سے وابستہ ہو جائے تو حق اس کی طرف ہو جاتا ہے۔ پھر اُسے دنیا مانہا سے بے خبری ہو جاتی ہے۔ جسے نسبت مل جائے تو حق کا یہ مقام ہے کہ وہ ہوا ذات حق سے خبردار ہو جاتا ہے اور ہر حرکت و سکون کو ملک الہی سمجھتا ہے تو جب بندہ سب ملک خدا سمجھ لے اُسے خلق سے کوئی واسطہ نہیں رہتا اور وہ تمام موجودات کو ملک حق سے کھینچ لیتا ہے تو وہ مخلوق سے محبوب ہو جاتا ہے اور وہ حجاب جو بوجہ جبل تھا وہ فنا ہو جاتا ہے اور اس کی دنیا بھی بمنزلہ عقبی ہو جاتی ہے۔

اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کو اس بحث میں بہت سی رموز ہیں۔ ان میں سے بعض احوال **فصل** میں بیان کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں المعروفان لا تتعجب من شیء معرفت یہ ہے کہ کوئی شے تجھے حیرت میں نہ ڈالے۔ اس لئے کہ تعجب اور حیرت اس فعل سے ہوتی ہے جو اپنے مقصد سے زیادہ ہو۔ اور جب وہ قادر اپنے کمال قدرت میں کامل ہو تو معرفت کو اس میں تحیر و تعجب محال ہوتا ہے اگر تعجب ہی کرتا تو حجب کرتا کہ اس نے ایک مشبہ خاک کو کیا کیا اور جہ طلب فرمایا۔ اور ایک قطرہ خون کس بلند مقام پر پہنچایا کہ اس کی دوستی اور معرفت اور طلب و ریت ذات کرنے لگا اور قصد قربت و وصل کی آرزو کرتا ہے۔

حضرت نواز شون مہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حقیقت المعرفة اطلاع الحق علی لایا و لا بمواصلة لطائف الافوار یعنی معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اسرار حق پر مطلع ہو اور لطائف افوار اس پر کھل جائیں۔ یعنی حجب تک اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے بندہ کے دل کو انوار عقل سے آراستہ نہ کرے اور تمام آفتوں سے اُسے دور نہ رکھے حتیٰ کہ موجودات اس کے سامنے رائی کے دانے کے برابر بھی نہ رہے۔ جب اس مقام پر بندہ آتا ہے تو تمام محال و مشاہدات ہو جاتے ہیں۔

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں المعروفہ دوام المحیرۃ معرفت نام ہے ہمیشہ متغیر ہونے کا اور حیرتہ قسم کی ہوتی ہے ایک ہستی میں دوسری اس میں کہ اس کی ہستی میں جو کچھ ہے۔ حیرتہ اندر ہستی شرک ہے اور کفر۔ اور چگونگی وجود میں حیرت کرنا میں معرفت ہے۔ اس لئے کہ اس کی ہستی میں عارف کو شک نہیں ہو سکتا اور اس کی کیفیت میں عقل کو گنجائش نہیں۔ باقی رہا ہستی باری تعالیٰ کا یقین اور حیرت اس کی کیفیت میں۔ اس پر ایک عارف فرماتے ہیں یا دلیل المتعیرین ذوقی تحیرا اے حیرانوں کی دلیل مجھے میری حیرت زیادہ دے۔

یہاں یہ کچھ لینا چاہئے کہ وہی ذات خصوص و خلق اور قبول کستہ اس کی دعا کا ہے اور متغیرین کو اس کے سرا کوئی حیرت نہیں۔ اور جب کہ متغیر اس کے وجود میں اپنے اندر تغیر چاہتا ہے اور جانتا ہے کہ معاملہ مطلوب میں عقل کو بجز حیرت و سرگرائی اور کسی قسم کا دخل نہیں اور اس کی وہاں کچھ وقعت ہی نہیں اور حقیقت میں یہ مسئلہ بھی نہایت لطیف ہے۔ اور یہ بھی اتمل ہے کہ ہستی حق کی معرفت اپنی ہستی میں حیرت ہی کا تقاضا کرتی ہے اس لئے کہ جب بندہ نے حق تعالیٰ کو پہچانا اور اپنے وجود کو اس کے قدر و تصرف کی قید میں پایا تو سمجھا کہ اس کا وجود بھی اس سے ہے اور وہم بھی اس سے تو جان لیا کہ میں کیا ہوں اور خود کون ہوں۔ اس حقیقت آشنائی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں معرفت نفسہ فقد عرف ربہ جو اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے، یقیناً وہ اپنے رب کو جان لیتا ہے۔ تو پھر عقل فنا ہو کر صفت باطل ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب میں عقل میں نہ آئے تو اس کی معرفت سوائے تجربے کے ممکن نہیں۔

حضرت بایزید فرماتے ہیں۔ المعروفہ ان تعرف ان حركات المخلوق و سکنا تمہم با اللہ معرفت میں ہے کہ بندہ جان لے کہ مخلوقات کی تمام حرکتیں اور جملہ سکون حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہیں اور کس کو اس کے اذن بغیر اس کی بلکہ میں حق تعریف نہیں مین اس سے مین ہے اور اثر اس کے اثر ہے اور صفت اس سے صفت ہے۔ اور متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے اور وہ وجود عہد میں توفیق پیدا نہ فرمائے اور دل میں قوت اور وہ نہ ڈالے، بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا تو بندہ کا ہر فعل مجازی ہے حقیقتہً فعل اللہ تعالیٰ کا ہے۔

حضرت محمد بن واسع فرماتے ہیں کہ عارف میں یہ صفات ہونے چاہئیں من عرف اللہ قل کلامہ دوام تحیرہ۔ جو عارف حق ہو جائے وہ کم سخن اور دائم التحیر ہو گا۔ اس لئے کہ بلا اس

کے معاملہ میں کرتے ہیں جس کا بیان حیلہ بیان میں آئے کے اور اصول عبارت میں عدم مواد وہ حیلہ بیان میں آئے۔ اور جب اس کی تعریف کسی حد میں ہی نہ ہو تو اسے کسی عبارت کے تحت لانا کیونکر ممکن ہے۔
 زندہ کو سوا اس کے چارہ ہی نہیں کہ اس کی قدرت میں تغیر ہے۔ اس حیرت کے سوا اس کے پاس کوئی تدبیر نہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حقیقۃ المَعْرِفَةِ الْعَظِيمَةِ الْحُجُوزُ عَنِ الْمَعْرِفَةِ بِاللَّهِ حَقِيقَةُ مَعْرِفَةِ
 ہے کہ معرفت حق سے بندہ خود کو عاجز سمجھے اور ہمیشہ بندہ اس راہ میں سوا عجز کے کوئی اور پتہ نہ ملے
 بندہ کے لئے یہ درانیں کہ ادراک ذات میں خود دھوی کرے۔ اس لئے اس کا عجز میں طلب
 اور طالب اپنے ارادہ طلب میں جیت تک ہے اُسے اپنے کو عاجز کنا بھیج نہیں۔

ایک گروہ مدعیانِ حال سے کتاب ہے کہ اثباتِ صفتِ آدمیت اور بقا تکلف بصوتِ خطاب و قیام
 محبت معرفت کرنے والا وہ ہے جو کہ معرفت میں عجز ہی ہے اور میں عاجز ہوں اور تمام طریق سے وہ
 چکا ہوں۔ یہ کھلی گراہی ہے اور نقصان و خسار ہے۔

میں کتابوں کہ تم طلب میں کہاں عاجز ہوئے۔ اس عاجزی کے دو نشان ہیں۔ دونوں تم میں
 نہیں۔ ایک نشان تو یہ ہے کہ آلہ طلب فنا ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اظہارِ تحمل اس درجہ تک کہ جہاں
 آلہ طلب فنا ہو۔ جو عبارت ہے متلاشی سے۔ تو اگر غیر سے عاجزی کرتے ہو تو عجزِ مجرب کے کچھ نہیں۔

اھ اس جگہ کا جہاں اظہارِ تحمل ہے کوئی نشان نہیں دے سکتا اور وہاں تمیزِ صورت بھی نہیں۔
 جس سے عاجز اپنے کو عاجز کہہ سکے یا نہ کہ وہ عاجز ہوتا ہے اور جسے عجز کہتے ہیں وہ بھی صورت
 پذیر نہیں اس لئے عجزِ غیر ہے اور معرفت کا ثابت کرنا معرفت کے سوا کچھ نہیں البتہ عجز کو دل
 میں جگہ نہیں کہ وہ غیر ہے اور غیر کا مقام دل نہیں۔ یا عارفِ غیر سے مراد ہو تو معرفتِ صمیم نہیں
 لئے کہ جب تک عارفِ غیر سے کنارہ نہ کرے وہ عارف ہو نہیں سکتا۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قد عرفت اللہ ما دخل فی قلبی حق و بلا
 جب سے میں نے اللہ کو جانا میرے دل میں اندیشہ حق ہے نہ باطل اس لئے کہ خلقت کی مراد اور
 خواہش تو دل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جب تک دل اگلی نفس کی طرف رہنا کرتا ہے وہ دلِ دلی

نہ سمجھ آئی کہ میں کچھ نہ آیا بہ محبت ہی تمہاری پس خطا ہے۔ (مؤلف)

marfat.com

Marfat.com

نہیں مغل ہے۔ اور جب ہمیشہ کی عزت پائے تو ذلت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب اسے
روح کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو منع حق اور حقیقت ہے۔ جب دل میں غیر آیا تو عارف کا رجوع
بڑھتا ہے تو جب خلقت برہان معرفت اور طلب دلیل سے کی اور مقصود و خواہش کی طلب بھی دل
سے کی تو ان سے مراد حاصل نہ ہوئی۔ آخرش وہ دل سے ملحد ہو کر حق کے سوا اسے آرام نہ ملا تو حق
دل سے طلب کیا۔ جب نشان اور دلیل بیاں سے نہ ملا تو حق کی طرف رجوع ہوا اور دل سے التفات
ہٹایا۔ اس سے اس بندہ جس کا دل روح کی طرف ہوا اور جس کا رجوع حق کی طرف ہو فرق ظاہر ہو گیا۔
حضرت ابو بکر واسلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں من عرت اللہ انقطع من السکلی بل خرس
وانقطع جس نے اللہ کو پہچانا سب سے سقطع ہو گیا بلکہ گونگا ہو کر سب سے جدا ہو گیا۔ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا لا احصی شئاً علیک میں تیری شتا کا احصا نہیں کر سکتا تو خلاصہ یہ نکلا کہ جس
نے اللہ کو جان لیا وہ سب چیزوں سے جدا ہو گیا بلکہ تمام عبارتوں کے بیان سے گونگا ہوا اور اپنے
سب اوصاف سے فانی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک عالم فیض میں تھے فصیح العرب
تھے جیسا کہ فرمایا۔ انا فصیح العرب والعجم۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے
تو عرض کی میری زبان میں تیری شتا کی قوت نہیں۔ میں کیا ہوں بے زبان اور تو وہی ہے جو ہے میری
نہان میں قوت احصا شتا کمال نہیں۔ میں کیا کہوں کہنے میں نہ کہنے والا ہوں اور حال سے بے حالی
اور تو وہ بے قوت ہی ہے۔ میری گفتار میری طرف سے ہو یا تیری طرف سے اگر میں خود سے بولوں تو شتا
سے مجبور ہوتا ہوں مگر تیری قال سے بولوں تو قربت ذات کے منصب میں معیوب ہوں لہذا میں قال
کو ہی چھوڑتا ہوں۔ تو فرمان آیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تو نہیں کہتا تو میں کہتا ہوں دعوت اذا سکت
عن شتائی فالصلی منک شتائی۔ تیری جان پاک کی قسم جب تو میری شتا سے سکتا ہے تو جو کچھ
تو دہائے گا وہ میری شتا ہوگی۔ جب تو اپنے کو میری شتا کا دل نہیں کہتا تو میں تمام اجزاء عالم کو تیرا
نائب مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ میری شتا کریں اور تمام شتائیں تیرے حوالے کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کشف حجاب دوم توحید

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعُكْرُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ — اور یہ بھی کہ ہے قُلْ هُوَ اللّٰہُ

اَحَدٌ كَمَا سَمِعْتَنِي وَوَحْدًا كَمَا رَأَيْتَنِي اَوْ زَمَانًا مَّجْمُوعًا لِّاَحَدٍ وَاِلٰهِيْنِ اَشْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ
 اِلٰهٌ وَاحِدٌ اَوْ حُضُورٌ لِّلْاِلٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَا بِمَا بَيْنَ رَجُلٍ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكَ لَوْ يَعْمَلُ
 خَيْرًا قَطُّ اِلَّا التَّوْحِيدَ فَقَالَ لَّا اَهْلًا اِذَا مِتَّ فَاحْرَقْنِي مَثَرًا سَتَحْقُقُنِي ثُمَّ ذَرُونِي
 نَضْفِي فِي السَّبَدِ نَضْفِي فِي الْبَحْرِ فِي يَوْمٍ رَاجِحٍ فَفَعَلُوا فَقَالَ اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلرَّجُلِ اِحْتِلَاقُ
 مَا اخَذَتْ فَاذَا هُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَا حَسَلَتْ مَا صَنَعْتَ فَقَالَ اسْتَجَاءَ مِنْكَ
 فَغُفِرَ لَهُ -

تم سے پہلے ایک مرد تھا اس نے کبھی نیک کام نہیں کیا مگر توحید پر قائم تھا تو مرتے ہوئے
 اس نے اپنے پس ماندوں سے کہا۔ جب میں مر جاؤں تو جلا دینا۔ پھر میری خاک لے کر آدمی کے بعد
 آدمی جنگل میں اڑا دینا اور آدمی دریا میں بہا دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا
 کو حکم دیا کہ وہ تمام خاک پیش کرے اور دریا کو حکم دیا کہ یہ سب خاک محفوظ رکھو تو وہ عظیم بارگاہ حق
 میں پیش کیا گیا تو اسے ارشاد ہوا کہ کس چیز نے تجھے اس کام پر آمادہ کیا تو وہ عرض کرتا ہے اُمّی تجھ
 سے شرم کرتے ہوئے ایسا کرنے پر آمادہ ہوا تھا تو اسے بخش دیا گیا۔

اور حقیقت توحید یہ ہے کہ کسی کے ایک ہونے پر یقین کیا اور اس کے بعد ایک ہونے پر
 یقین اور علم صحیح ہوا اور ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ اپنی ذات اور صفات میں ایک اور لائق ہے
 اور اپنے افعال میں بے مثل ہے تو وہی ایک ہے۔ موجدوں نے اسے اسی صفت پر جانا ہے اور
 عقل نے اسی کا نام توحید رکھا ہے۔

توحید کی تین قسم ہیں۔ ایک توحید حق برائے حق اور یہ وہ توحید ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات
 کے ساتھ مختص ہے۔ اس نے اپنے یگانہ ہونے کی تصدیق کی اور اسے اپنی وحدانیت کا علم ہے۔
 دوسری توحید خلق کے لئے اور وہ حکم باری تعالیٰ ہر بندے کے لئے تو اس پر بندے کے دل میں
 علم توحید اور یقین وحدانیت ہونا لازمی ہے۔ تیسری توحید خلقت کی حق کے لئے اور اس کا وحدانیت
 حق تعالیٰ کو جانتا یقین کرنا۔ تو جب بندہ عارف حق ہو تو وہ اس کی وحدانیت پر حکم کر سکتا ہے۔
 یہاں یہ جانتا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ایسا ایک ہے اس میں وصل و فصل کی
 گنجائش نہیں اس پر دوسرا جائز نہیں اس کا ایک ہونا ایسا عدد نہیں کہ جس کے ساتھ دوسرا عدد

ہو کے۔ وہ محدود نہیں کہ اس کے لئے جہتیں ہوں اور وہ بے نہایت حدود کا خالق ہے اس کے لئے مکان نہیں اور وہ مکان کا محتاج بھی نہیں۔^۱

وہ عرض اور جوہر سے منزہ ہے۔ وہ حال نہیں کہ اپنے محل میں موجود ہے۔ جوہر اس لئے نہیں کہ اس کا مثل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا مثل نہیں۔ طبعی نہیں کہ حرکت و سکون کے لئے میدان کا محتاج ہو۔ روحی نہیں کہ جسم کا محتاج ہو۔ جسم نہیں کہ اجزاء سے مرکب ہو۔ وہ کسی چیز سے مرکب نہیں۔ جمیع صفات سے مبرا و منزہ ہے۔ تمام آفات سے پاک اور تمام عیوب سے بلند ہے۔ کوئی اس کا مثل لاتند نہیں۔ پس کمثل شیء اس کا کوئی فرزند نہیں کہ اس کی نسل اس کے متقاضی ہو۔ اس کی ذات اور صفات میں تغیر و تبدل نہیں لاحند ولا سند ولا مثل لوبی الان کماکان و لعلیق ذوال۔ اس کی تمام صفات کامل ہیں حتیٰ کہ وہ صفات جنہیں مومن اور موجد بشارت کے حکم سے ثابت کرتے ہیں۔ ان سے وہ متعفف ہے۔ ملحدین جو جوہر صفات اس کے سوا بیان کرتے ہیں اور اپنی ناقص دانے سے اختراع کرتے ہیں ان سے مبرا و منزہ ہے۔ زندہ اور جاننے والا ہے۔ مہربان مہین و رحیم ہے۔ ارادہ کرنے والا قادر علی الاطلاق ہے۔ سننے والا دیکھنے والا کلام کرنے والا ہے۔ باقی ازلی و ابدی ہے۔ عالم ہے اس کا علم اس میں حلول نہیں کرتا۔ اس کے کلام میں جزو اور تحدید نہیں۔ وہ اپنی صفات میں قدیم ہے۔ معلومات اس کے علم سے باہر نہیں۔ موجودات کو اس کا ارادہ ضروری ہے۔ وہ کرتا ہے جو اس کے ارادہ میں ہے۔ وہی کرتا ہے جو اسے معلوم ہے۔ اس کے دوستوں کو تسلیم کے سوا اور کوئی سبیل نہیں۔ اس کا امر انجام کے سوا نہیں۔ اس کے بندوں کو اس کا حکم بجالانے کے سوا چارہ نہیں۔ نیکی بدی کا اندازہ اس کے علم میں ہے۔ اس کے سوا اور سے امید خوف نہیں۔ خالق کل ہے اسی کا علم ہے اس کے سوا کسی کا علم حقیقی نہیں۔ اس کا بر فعل اور حکم سب حکمت ہے۔

اس کی قضا حق ہے۔ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی کا دیدار خاص بستیوں کو روا ہے تشبیہ و صورت سے بالاتر۔ سامنے اور رو برو ہونا اس کے وجود واجب الوجود میں نہیں۔ دنیا میں ادبیا، اشد کہ اس کا جلال دیکھنا جائز ہے اور اس بحث میں اصولی و اصولی بہت سی باتیں بخوف و حلاوت

تمام ہفت فرمانے ہیں۔ وہی مکان کے کیسے بر سر تخت نشین ہو۔ یہی ہیں جن کے یہ مکان وہ خدا ہے جس کی ہر شے

اسی پر اختصار کیا گیا۔

میں کہ علی عثمان جلابی کا بتایا ہوں۔ میں نے اس فصل کی ابتداء میں لکھا ہے کہ کسی چیز کی وحدانیت پر حکم کرنا وحدانیت توحید ہوتا ہے۔ اور حکم بدون علم کے نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لئے کہ اہلسنت نے حکم کیا ہے اس کی یگانگت پر۔ اس لئے کہ انھوں نے اس کی صفت لطیف دیکھی اور افعال عجیب کا معائنہ کیا اس کی صنعت عجیبہ، المیعہ پر کافی نظر کی اور ان کا خود بخود ہونا محال جانا اور ہر چیز میں حدوث و تغیر کی علامت پائی قیصر یہ صیح سمجھا کہ اس کے لئے فاعل کی ضرورت ہے تاکہ وہ نسبت سے ہست کرے یعنی جہان میں زمین آسمان سورج چاند خشکی تری پہاڑ جنگل اور ان کی حرکات و سکنات اور علم و کلام موت و حیات یہ سب بلا صانع وجود میں آنے ممکن نہیں اور پھر دو تین صانع کا بھی یہ محتاج نہیں بلکہ ایک صانع کامل حی و قادر مختار اور شریکوں کی شرکت سے بے نیاز لازمی ہے۔ جب فعل کو ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایک فعل کے دو فاعل اگر ہوں تو ایک دوسرے کا محتاج ضرور ہوگا۔

علم و یقین سے بے شک و شبہ یہی ضروری ہے کہ ایک ہی فاعل ہو مگر اس اعتبار میں طبیعت متزایاں نے ہم سے اختلاف کیا۔ انھوں نے فرد خلقت ثابت کیا۔ دوسرے گہر یاں کہ انھوں نے زندان و اہرمن مقرر کر ڈالے۔ تیسرے طبایع ان کہ انھوں نے طبیعت و قوت ثابت کر ڈالی اور چوتھے نجومی کہ انھوں نے سات ستارے تسلیم کر لئے۔ پانچویں معتزلہ نے خالق و صانع بے نہایت مانی لئے۔ میں نے سب کے رد میں مختصر سی بات کہہ دی۔ اس لئے کہ یہ کتاب ان کے ان و ابی خیال کے رد کرنے کو نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اور کتابوں سے دیکھنا چاہئے جہاں میں نے یہاں کیا ہے۔ اس کتاب کا نام الرمایت بحق اللہ رکھا ہے۔ یا مستعدین کی اصل کی کتابیں دیکھنا چاہئے۔

اب وہ رمزیاں کرتا ہوں جو مشائخ کرام نے توحید میں لکھے ہیں۔ اشار اللہ بیدہ الامر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا التوحید افراد القدم علی الحدیث فصل توحید قدیم کو قبا کرنا حادث سے ہے۔ یعنی توحید نام ہے قدیم کو محل حوادث نہ جانے اور حادث کو محل قدیم نہ سمجھے اور یہ جانے کہ حق قدیم ہے اور تو محدث اور محدث کی جنس سے کوئی چیز قدیم نہیں ملتی اور اس کی صفات سے کوئی چیز تجہ سے نہیں مل سکتی اس لئے کہ قدیم اور محدث

کوئی مجانت نہیں۔ اس لئے کہ قدیم حوادث سے پہلے ہے توحید وجود حوادث سے قبل قدیم تھا تو وہ حادث کا محتاج نہیں تھا تو بعد وجود حوادث میں اس کا محتاج نہیں ہو سکتا۔

یہ بات ان لوگوں کے حلاوت ہے جو ادراج کہ قدیم کہتے ہیں۔ ان کا ذکر ہو چکا اور حیب کوئی قدیم کو محدث میں نازل کہے یا محدث کو قدیم سے متعلق جانے تو حق کے قدیم ہونے اور حبان کے حادث ہونے پر دلیل نہیں رہتی اور یہ مذہب دہریہ ہے لغو و باطل من اعتقاد الشوبہ

غرض کہ حادثات کی حرکات توحید کے دلائل اور قدرت الہی کے گواہ ہیں اور اس کی قدامت کو ثابت کرتے ہیں لیکن بندہ اس سے زیادہ عقل مند ہے کہ اس کے سوا اور سے مراد نہیں چاہتا اور اس کے ذکر کے ساتھ آرام نہیں کرتا جب کہ تیری نیست اور بہت کرنے میں اس کو شرکت کی ضرورت نہیں تو محال ہے کہ تیری پرورش میں اس کا شریک ہو۔

حسین بن منصور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اول تقدم فی التوحید فتاء فی التفرید۔ پہلا قدم توحید میں تفرید کا ناکرنا ہے۔ اس لئے کہ تفرید نام ہے کسی آفت سے جدا ہونے پر حکم کرنا و محدث پر حکم کرنا تو جدا کرنے میں غیریت ثابت ہو جاتی ہے اور غیر حق کے لئے نہیں چاہئے کہ اس صفت پر ہو جائے کہ وحدانیت میں غیر کا ثابت زوائد ہے اور غیر حق کو اس صفت میں نہ جانتا چاہئے تو تفرید مشترک عبارت ہے اور توحید نام ہے شرک کو دور کرنا تو توحید کا پہلا قدم شرکت کی نفی کرنا ہے اور راستہ کے مزاج کا دور کرنا۔ کیونکہ مزاج راستہ میں مثل چرلہ ہوتا ہے کہ راستہ اس کے ذریعے دیکھا جائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اصولا فی التوحید خمسة اشياء رفع المحدث واثبات العدم وحرالوطان و مفارقة الاخوان و نسیان علم و جہل۔ ہمارے اصول توحید میں پانچ چیزیں ہیں۔ حدث کا اٹھا دینا۔ قدم کا ثابت کرنا۔ وطن کا ترک کرنا۔ برادری سے علیحدگی اور علم و جہل کو بھول بانا لیکن رفع حدث نفی محدثات ہے۔ مقارنت توحید و استحالة حوادث ذات باری تعالیٰ شانہ میں اور اثبات قدیم یہ ہے کہ عقیدہ رکھے کہ ذات حق ابدی و انلی ہے۔

اس کی شرح اس سے قبل حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہو چکی ہے اور ہجر وطن سے مراد یہ ہے کہ مال و ذات نفس اور آرام کا دھول اور قرار کا طبیعت سے علیحدہ ہو اور رسوم و دنیا سے بریدوں کو خاص طور پر علیحدہ کرے اور مقامات مینی اور احوال کی خوبی اور کرامات رفیع سے مراد کو دور رکھے

اور مغارۃ اخوان سے مراد اعراض کرنا ہے۔ محبت خلق سے اور محبت قبول کرنا۔ اس لئے کہ اگر اُس کے دل میں اندیشہ غیر گزر کر نہ لے تو موجد کے لئے یہ بھی ایک حجاب ہے اور جتنا اس کے دل میں غیر کی محبت کا اثر ہوگا اتنا ہی وہ توحید میں مجرب ہوگا۔ اس لئے کہ امت موحیدین کا عقیدہ ہے کہ ہمیں جمع کرنا توحید ہے اور غیر سے آرام لینا تفرقہ اور علم و جہل سے بے نیاز ہونے کے یہی ہیں کہ علم یا صفت یا کیفیت یا جنس یا طبع سے ہوتا ہے اور جس چیز کو خلقت کا علم توحید حق سے ثابت کرے توحید حقیقی اس کی نفی کرتی ہے۔ جو خلقت کی جمالت ثابت کرے وہ ان کے علم کے خلاف ہے اس لئے کہ جمالت توحید نہیں اور تحقیق توحید کا علم نفی تعریف کے بوائے دست نہیں ہوتا اور علم وہی ہے جس پر جہل کا اثبات ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہل توحید نہیں اور علم و جہل میں ہوائے تعریف کچھ نہیں۔ ایک بعیرت پر تعریف ہے تو وہ سرِ خلعت پر۔

ایک مشائخ میں سے فرماتے ہیں کہ میں مجلس صبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تھا کہ نیند آگئی۔ وہ فرشتے دیکھے کہ آسمان سے زمین پر آئے اور ٹھوڑی دیر ان کا کلام سنا۔ ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ یہ مرد جو کچھ کہ رہا ہے وہ علم توحید ہے نہ کہ عین توحید۔ جب بیدار ہوا تو وہ توحید میں کربا تھا کہ نے میری طرف رخ فرما کر کہا۔ اے شخص توحید سے بجز علم کما نہیں جاتا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے انہوں نے فرمایا۔ التوحید ان یكون العبد شخصا بین یدی اللہ تعالیٰ تجری علیہ تضادین متدبیرین فی مجاری احکام قد ورتہ فی لہج بعار توحیدۃ بالفناء عن نفسه وعن دعوة الخلق له وعن استجابة لہر بحقائق وجود وحدانیۃ فی حقیقۃ قریبہ بذہاب حسہ وحوکتہ لقیام الحق لہ فیما اراد منہ دھوان یرجع آخر عبدائی اذ لہ فیکون کما کان قبل ان یتکون۔ حقیقت توحید یہ ہے کہ بندہ شل ہیکل ہو جو بیان تعریف تقدیر حق میں اور اس کی قدرت اس پر ایسا تصرف کرے کہ وہ اپنے اختیار ارادہ سے خالی ہو۔ اور دریائے توحید اسے فنا بنفس خود اور اختلاط و تلو خلق کر کے ارادہ حق پر اپنی کو بے حس کر دے۔ اس مقام پر آجانے کے بعد بندہ کا آئندہ مثل اول ہوتا ہے جو اپنی ہستی سے پہلے تھا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ موجد کو اپنے اختیار میں کچھ تصرف نہ رہے اور حق تعالیٰ شانہ کے

وہایت میں ایسا گم ہو جائے کہ اپنے آپ کو بھی نہ دیکھے اور محل قربت میں اس کا نفس ستانی ہو جائے اور اس کی حس باقی رہے اور احکام حق اس پر جاری ہوں اور ایسا ہو جائے جیسا ازل میں بحالت توحید تھا کہ کئے والا بھی حق تھا اور جواب دینے والا بھی حق تھا اور جیسا ہو خلقت کو اس سے آرام نہیں ہوتا اور اُسے کسی شے سے اُنس نہیں ہوتا کہ ان کی دعوت قبول کرے اور اس بات میں اشارہ قنار صفت اور محبت سلیم سے ہے

جب کہ کشف جلال بحالت قرب ہو کہ بندہ اپنے اوصاف سے قنا ہو جائے تو آلہ اور جوہر لطیف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر جگر میں خنجر لگے تو بہ حالت بے حس گزند جائے اور پشت پر لگے تو بے اختیار کٹ جائے اور ہر حال میں سب سے قنا ہو اور اس کا وجود نظر اسرار حق ہوتا کہ اس کا کلام حق کے حوالے ہو اور اس کا ہر فعل اس کی طرٹ منسوب ہو اور محبت ثابت کرنے کے لئے حکم شریعت اس پر باقی ہو اور وہ کل کے معائنہ سے قنا ہو۔

یہ صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ جب معراج کی شب آپ کو مقام قرب میں پہنچایا تو مقام کا فاصلہ تھا کہ قرب میں فاصلہ نہ تھا۔ آپ کا حال عوام کے فہم سے بالا ہے اور اہل ہام سے جدا۔ اس حد تک دُنیا نے اُسے گم کیا۔ وہ آپ سے گم ہوا اور صفت بے صفت کی قنار میں حیران۔ طبیعت کی ترتیب اور اعتدال مزاج پریشان ہوا نفس دل کے مقام پر پہنچا اور دل جان کے درجہ تک اور جان سر کے مقام پر اور سر قرب کی صفت میں اور سب میں سب سے جدا ہوا۔ چاہا کہ وجود خراب ہو جائے اور جسم کو چھوڑے اس سے مراد محبت قائم کرنا تھا۔ حکم ہوا کہ بحال ہوتا کہ قوت پائے اور وہ قوت اس کی قوت ہو اور اس کی ہستی سے ہستی ذات ظاہر ہو۔ چنانچہ فرمایا۔
انی لست کا حد کہ انی ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقینی مینی میں تم جیسا نہیں میں اپنے رب کے پاس شب باش ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے جس سے میں زندہ اور قائم ہوں اور یہ بھی فرمایا لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا بنی مرسل۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت خاص ہے جس میں ملک مقرب اور بنی مرسل بھی رحمت نہیں پاتا۔

حضرت سہل بن عبد اللہ قسری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فرمایا ذات اللہ موصوفہ بالعلم غیر مدرکۃ بالاحاطۃ ولا مرئیۃ بالابصار فی دار الدنیا دہی موحودۃ بحدۃ

الايمان من غير حدود ولا حلول وترا لا العيون في العقبى ظاهرا وباطنا في ملكه وقدرته وقد حجب الخلق عن معرفته كنه ذاته وولهم عليه آياته والعلوب تعرفوا والعقول لا تدركه ينظر اليه المؤمنون بالابصار من غير احاطة ولا ادراك نهائية نهائية توحيد یہ ہے کہ بندہ جان لے گا اللہ تعالیٰ کی ذات موصوفہ برہم ہے۔ وہ نہ جس میں آتا ہے نہ دیکھنے میں نہ دنیا میں آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے اور ایمان میں وہ موجود ہے۔ اس کی حدود نہایت نہیں اور بغیر کسی آنے جانے کے اسے دریافت کیا اور وہ ظاہر ہے اپنے ملک میں اپنی صفاتوں سے اور اپنی قدرت سے اور سب کتبہ ذات کی معرفت سے محبوب ہیں۔ اس نے اظہار بجانب آیات سے راہ دکھائی ہے۔ اور وہ لوگوں کو جانتا ہے اور بیگانگی و عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور مومنین بخشم سرعیتی میں اسے دیکھیں گے اور لفظ جامع ہے توحید کو۔

اور حضرت جنید نے فرمایا: اثبت كلمة في التوحيد قول ابو بكر رضي الله عنه ہے سبحانه من لم يجعل لخلق سبيلا الى معرفة الا بالعجز عن معرفته۔ بہترین کلمہ توحید میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کلمہ ہے۔ پاک ہے وہ جو اپنی مخلوق کو اپنی معرفت میں راہ نہیں دیتا۔ بجز اس کے کہ عاجز ہو اس کی معرفت میں اور علماء اس کلمہ میں غلطیاں ہیں مادہ سمجھتے ہیں کہ معرفت سے عاجز بے معرفت ہے اور یہ خیال ہے اس لئے کہ عاجز اپنی حالت میں ایک صورت رکھتا ہے اور بحال معدوم عاجز کی کوئی صورت نہیں جیسے مردہ حیات سے عاجز نہیں اس لئے کہ موت میں میت سے عاجز ہوتا ہے۔ اس لئے عاجز کا نام اس کی قوت کو محال کر دیتا اور اندھا بصارت سے عاجز نہیں ہو سکتا بلکہ بیٹھنے میں کھڑا ہونے سے عاجز ہوتا ہے جیسا کہ عارف معرفت سے عاجز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ معرفت موجود ہوتی ہے اور حجب اسے ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ ہم قول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اور ابو علی دقاق نے کہا کہ معرفت ابتداء میں کسی ہوتی ہے اور انتہا میں ضروری اور علم ضروری وہ ہوتا ہے کہ اس علم کا عالم اس کے ہوتے ہوئے اس کے دور کرنے اور کشش سے بے قرار اور عاجز ہو۔ تو مطابق اس قول کے

توحید بندہ کے دل میں فعل حق ہوتا ہے۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا التوحید بحجاب الوجد

یہاں جمالِ احدیۃ یعنی توحیدِ موصوفہ کے لئے جمالِ احدیت سے حجاب ہوتا ہے اس لئے کہ توحید
موصوفہ کا فعل کہتے ہیں اور بندہ کشفِ حق کی علامتیں ہوتا اور عین کشف میں جو چیز کشف کی علت
نہ ہو وہ حجاب ہے اور بندہ مع اپنے کل اوصاف کے فیر ہوتا ہے اس لئے کہ حجب اپنی صفت
کو حق کی توحید موصوفہ صفت کو بھی حق کہنا پڑے گا۔ اور وہ بندہ ہے۔

پھر موصوفہ اور توحید اور احدیتوں ایک دوسرے کے وجود کی علت ہوتے ہیں اور یہ تہیۃ ثالث
ثالثۃ نصاریٰ کا ہوتا ہے اور جو صفت کہ طالب کو توحید میں اپنی قناسے مانع ہے۔ ابھی اس صفت میں
مجبور ہے اور حجب تک مجبور ہے موصوفہ نہیں لکن عا سوا من الموجدات باطل اس لئے ماسوا موجدات
موجدات بھی ہے و باطل ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ بدین حق جو کچھ بھی ہے سب باطل ہے اور طالب بھی
اس کا فیر ہے اور تفسیر لا الہ الا اللہ ہے کہ صفت طالب کشفِ جمال حق میں باطل ہو جائے۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خواہی حضرت حسین بن النصور رضی اللہ عنہ کی زیارت
کے لئے کوہ حاضر ہوئے تو حسین بن منصورؒ نے فرمایا۔ ابراہیم تو نے اپنی عمر کس بات میں بسکی آپ
نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو توکل میں درست کیا ہے حسین بن منصورؒ نے فرمایا۔ یا ابراہیم صفت
عموک فی عمران باطنک خائنات من التلذذ فی التوحید۔ ابراہیم تو نے اپنی عمر سناٹے
کر دی کہ تو نے اپنی عمر آبادانی باطن میں خرچ کر ڈالی تو اب تیری قناس توحید میں کہاں۔
توحید میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں۔ ایک گروہ نے اس کو بجا کہا ہے۔ اس لئے کہ بقاء
صفت کے سوا توحید درست نہیں ہوتی۔ ایک گروہ نے کہا کہ فنا کے سوا توحید کی صفت حاصل نہیں
ہوتی اور اس کا قیاس جمع مد تفرد کرنا چاہئے تاکہ معلوم ہو جائے۔

اور میں علی ابن عثمان جلابیؒ کہتا ہوں کہ توحید حق سے بندہ کو اسرارِ حاصل ہوتے ہیں اور عبارت میں ظاہر
نہیں ہوتے۔ اب چاہئے کہ کوئی اس کو سیودہ عبارت سے آراستہ نہ کرے اس لئے کہ عبارت اور معنی میں
بہت فرق ہے۔ اور توحید میں غیر کا ثابت کرنا شرکت ہوتا ہے۔ اس وقت وہ ہو رہا ہوتا ہے اور موصوفہ بھی ہوتا ہے
نہ کہ ایک لابی۔ یہ ہے توحید کا حکم درسلک باب معرفت میں برہیل اختصار بیان کئے گئے۔ واللہ اعلم

کشف حجاب سوم، ایمان

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ائمہ الدین امنوا باللہ ورسوله اور دوسرے

چند مقامات پر بھی فرمایا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الاِیمان ان تؤمن بالله وملائکته وکتابه ورسوله اور ایمان لغت میں تصدیق کہتے ہیں۔ اور اس بحث پر مروان الثی کے بہت اقوال ہیں اور شرعی احکام میں کافی ہیں۔ اور اختلاف کرنے والے معتزلہ اور خوارج بھی بہت سے ہیں۔

چنانچہ معتزلہ تو کہتے ہیں کہ علی علی اطاعت پر ایمان ہے اور گناہ کرنے سے بندہ خارج از ایمان ہو جاتا ہے۔ لیکن خارجی ہیں کہ بندہ کو گناہ کے سبب کافر مانتے ہیں۔ ایک گروہ ایمان کو قولِ فرد کہتا ہے ایک گروہ معرفت کو ایمان کہتا ہے۔ اور متکلمین کا ایک گروہ مطلق تصدیق کو ایمان کہتا ہے اور میں نے اس بیان میں علیحدہ کتاب تصنیف کی ہے۔ میں تو مقصود مشائخ کرام کا اعتقاد بیان کرنا مقصود ہے۔ صوفیوں میں دو قسم ہیں جیسے فقہاء میں دو فرق ہیں۔

ایک کہتا ہے اقرار باللسان تصدیق بالجمان اور عمل بالادکان کا نام ایمان ہے۔ جیسے فقہیل بن عیاض بشرحانی خیر الشیخ بمنون المحب، ابو حمزہ بغدادی، محمد حریری اور مثل ان کی کافی لوگ ہیں۔ درمیان امام شمس العجمی۔

ایک گروہ کہتا ہے ایمان نام ہے اقرار باللسان اور تصدیق بالجمان کا جیسے ابراہیم بن ادم ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، ابوسلیمان دارانی، عارف محاسبی، جنید بغدادی، مسلم بن عبد اللہ تسری، شتیق لہجی اور سوا ان کے رحمہم اللہ علیہم اور ایک جماعت فقہاء امت کی ہے جیسے امام مالک، شافعی، احمد، حنبل اور ان کے سوا ایک جماعت اسی پہلے قول پر ہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ حسن بن نفیل لہجی اور امام صاحب کے اصحاب جیسے محمد بن حسن داود طائی، امام ابو یوسف رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔ اس پہلے قول پر ہیں اور حقیقت میں یہ اختلاف عبارت ہے معنی میں نہیں۔

میں اس کا مختصر بیان کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس اختلاف میں کسی کو ایسا نہ ماننا مخالف الاصل نہیں کہنا چاہئے و باللہ التوفیق۔

اہلسنت وجماعت میں اس امر کا اتفاق ہے کہ ایمان کے لئے اصل اور مفہوم ہے ایمان کی اصل تصدیق بالغلب ہے اور اس کی فرع یہ ہے کہ مرادات اہل و اقارب کی جائے اور عرف و عادت میں ہے کہ ایک چیز کی فرع کو بصورت استعارہ اصل کے نام سے

بولتے ہیں جیسے آفتاب کے نور کو عام طور پر آفتاب ہی کہتے ہیں۔ اس معنی میں اطاعت کو ایمان کہا گیا اور اس ذات کے فضل سے بندہ بغیر عمل عذاب سے سببم نہیں ہو سکتا اور صرف تصدیق مقتضی امن نہیں حب تک حکم بجا نہ لائے۔ تو جس کی اطاعت زیادہ ہوگی اسے عذاب سے بھی زیادہ امن ہوگی چونکہ طاعت طلب امن ہے اور اس میں شرط اقوال باللسان اور تصدیق بالقلب ہے۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔

پھر ایک گروہ نے کہا ہے کہ امن کی علت معرفت ہے نہ کہ طاعت۔ اگر چہ طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو طاعت سے فائدہ نہیں لیکن اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو نجات ہو سکتی ہے۔ اگر اس کا حکم ارادہ الہی میں ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے معاف فرمائے گا یا حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخش دے گا یا اس کے گناہ کے اندازہ پر اسے عذاب کرے گا۔ پھر دوزخ سے نکال کر بہشت عطا فرمائے گا۔ تو اباب معرفت اگرچہ گناہ گار ہوں بہ سبب معرفت ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے اور اگر معرفت نہ ہو اور عمل ہی عمل ہو اس کے وہ داخل جنت نہ ہوں گے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ طاعت طلب امن میں نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
لَنْ يَنْجُو أَحَدُكُمْ بِعَمَلِهِ قِيلَ وَلَا نَتَّيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ۔ تم میں سے کوئی عمل کے سبب نجات نہ پائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی۔ فرمایا۔ میں بھی رہائی نہ پاؤں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ لے۔

تو بطریق تحقیق بلا اختلاف امت ایمان معرفت ہے اور اقرار پذیرائی عمل ہے جو شخص حق خالی کو پہچانے گا بہر حال کسی وصف سے پہچانے گا۔ اور ایسا کی تین قسم ہیں۔ بعض تو جمال سے خلق رکھتے ہیں اور بعض جلال سے اور بعض کمال سے۔ اور خلعت کو اس کے کمال کی طرف ماہ نہیں سوا اس کے کہ اسے کمال سے ثابت کریں اور نقص اس سے دور کریں۔ باقی رہا جمال اور جلال یہ اس کے لئے ہے جس کا مشوق جمال حق ہو۔ معرفت جمال میں طالب ہمدوست کا مشتاق رہتا ہے درجہ عاشق جلال حق ہو وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے متنفر رہتا ہے اور اس کا دل مقام حیرت میں ہوتا ہے تو شوق تاثیر محبت کا نام ہے اور ایسا ہے اوصاف بشریت سے متنفر ہوتا ہے اس لئے کہ

کشف حجاب اور صفت بشریت میں محبت کے سوا نہیں تو ایمان اور معرفت محبت ہے انہ محبت کی
ملا مت طاعت ہے۔

اس لئے کہ جب دل دوستی کا مقام ہو ایسا کہیں دیکھنے کا مقام ہیں اور جائے عبرت اصل
جائے مشاہدہ تو قن تارکب امر نہ ہونا چاہئے اور جو اس کے سوا کچھ اس کے دو تارکب امر ہے اور
سے بے خبر اور اس زمانہ میں یہ فساد صوفیوں کے مابین عام ہے۔ لمحدوں کے ایک گروہ نے ایک
دیکھا اور اس کا مرتبہ معلوم کیا تو خود بھی ان کی صحت اختیار کی اور کہا کہ یہ اس وقت تک
ہے کہ تو نے نہیں پہچانا اور جب تو نے جان لیا تو تکلیف طاعت تن سے اٹھ گئی لیکن یہ غلط
میں لکھا ہوں کہ جب تو نے حق تعالیٰ کو پہچانا تو دل جلنے شوق ہوا اور حکم کی غفلت نہ ہو جی
یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مطیع اس درجہ کو پہنچ جائے کہ طاعت کا رنج اس سے اٹھالیں اور طاعت
گنہاری کی اسے زیادہ توفیق ہو تاکہ جو طاعت غفلت تکلیف جان کر کرتی ہے وہ تکلیف اسے
نہ ہو اور یہ بات تب حاصل ہوتی ہے جب شوق طاعت بے چین کرنے والا پیدا ہو جائے۔
پھر ایک گروہ کی طرف سے یہ اختلاف عام ہے خاص کر مالوہ، النہریں وہ کہتے ہیں جو کہ
حق کے متعلق کہتے ہیں وہ محض جبر ہے اس لئے بندہ اس میں مضطرب رہے اور جو اپنے سے کہتے ہیں
سب محض قدر ہے۔ کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ معلوم نہ کرے بندہ اسے جان نہیں سکا اور طاعت
جبر سے کم اور قدر سے زیادہ ہے اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ کا فعل بہ ہدایت حق ہے اس لئے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْهُ شَرْحًا مُصَدِّدًا لِلْأَسْلَامِ وَمَنْ يَشَوْ
أَنْ يَتَّخِذَ مِنْهُ ضَيْقًا حَرَجًا۔ یعنی جس کو اللہ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سوا
اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کا سینہ احساس تکلیف سے تنگ
کر دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے ماتحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ گروہ ہدایت حق ہوا ہو ناہد
ہو تو ہونے کی علامت دل پر اعتقاد توحید کا ہوتا ہے اور آنکھوں پر منیات سے بچ کر
نشان سے عبرت پانا اور کانوں میں اس کا کلام سنا، معذہ پر اس کے حرام سے خالی رہنا اور
پس بولنا اور جسم پر منیات سے پرہیز کرنا تاکہ معنی اور دعویٰ موافق ہو جائے۔

کہ معرفت ایمان میں کمی بیشی جائز نہیں کیونکہ اگر معرفت میں زیادہ اور نقصان ہوتا تو معرفت بھی کم زیادہ ہوتی۔ جب معرفت پر زیادہ اور نقصان روا نہیں تو معرفت پر بھی کمی زیادتی روا نہیں۔ کیونکہ معرفت ناقص نہیں ہوتی تو لازم آیا کہ غرض اور عمل میں زیادہ اور نقصان نہ ہو اور اطاعت پر بالاتفاق زیادتی اور نقصان روا ہے اور حشریوں کو دو فرق جو کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ طاعت کا ایمان کہتا ہے۔ دوسرا گروہ ایمان کو صرف قول کہتا ہے۔

غرض کہ حقیقت میں بندہ کے کل اوصاف حق تعالیٰ کی طلب میں متفرق ہوں اور ہر ایمان والے کو اس پر اتفاق کرنا چاہئے اس لئے کہ سلطان معرفت کا غلبہ منکر اوصاف کو مغلوب کر دیتا ہے اور جہاں ایمان ہو وہاں اسباب انکار نمودر ہو جاتے ہیں جیسا کہ کیا اذا طلع الصباح عطل المصباح جب دن نکل آتا ہے تو چراغ معطل ہو جاتا ہے۔

کسی حالت نے فرمایا ہے کہ روشن دن کے واسطے دلیل کی حاجت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجب ابدانہا کسبتی میں داخل ہوئے کسی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب حقیقت معرفت طاعت کے دل پر گزرتی تو پھر ظن اور شک اور انکار دفع ہو جاتا ہے اور شہادہ معرفت اس ہوا و ہوس کو اپنی تسخیر میں لاتا ہے تاکہ جو کچھ کہے یا دیکھے یا کرے سب دائرہ امر میں ہو۔ میں نے سنا ہے کہ لوگوں نے حضرت بلالیم خواں سے پوچھا کہ حقیقت ایمان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں اس کا جواب نہیں دکتا۔ اس لئے کہ جو کچھ میں کہوں معرفت کہنا ہی ہوگا اور مجھے چاہئے کہ معاملہ سے جواب دوں لیکن میں کہ شریف کو مہمانے والا ہوں تو بھی اس ارادہ سے اس راستہ پر میرے ساتھ چل تاکہ تو اپنے مسئلہ کا جواب پائے۔

اسی کا بیان ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں اس کے ساتھ جنگل پہنچا۔ ہر روز دور دوری اور دو پیالہ پانی غیب سے آتے وہ ایک میرے آگے رکھتے۔ ایک خود اٹھالیتے حتیٰ کہ ایک روز جنگل میں ایک ضیف العرا رہا تھا۔ اس نے جب برابریم خواں کو دیکھا گھوڑے سے اتر آیا اور سلام کے بعد کھڑیر آپس میں اس سے گفتگو ہوئی۔ پھر وہ بڑھا گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ میں نے عرض کی اسے شیخ یہ بڑھا کون تھا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ تیرے سوال کا جواب تھا۔ میں نے عرض کی یہ کس طرح۔ فرمایا۔ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے انھوں نے میری مصاحبت چاہی۔ میں نے منظور نہ کی۔ میں نے عرض

کی حضور کیوں متصور نہیں کی۔ آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈرا کہ اس کی معاصی خیر اللہ پر مجبور ہے۔ اس سے کہیں میرا توکل تباہ نہ ہو جائے اور حقیقت ایمان توکل کی خاطر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و علی اللہ توکلوا ان یمکنکم مومنون اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

اور حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایمان تصدیق القلب بمعظم بالقیوب یعنی ایمان یہ ہے کہ جو کچھ اس پر غیب سے دکاشد ہمارے پر یقین رکھے اس لئے کہ ایمان غیب پر ہے کہ خداوند تعالیٰ سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور جب تک معنی میں قوت نہ ہو بندہ کا یقین ظاہر نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

جب شناخت کرنے والا اور معلوم کرنے والا عارف اور عالم کا اللہ تعالیٰ ہے جس نے ان کے دلوں میں معرفتِ علم پیدا کی تو علم اور معرفت ان کے کسب کے قبضہ میں نہیں رہی تو جو شخص اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی معرفت یقین دیتا ہے وہ مومن وامل باللہ ہوتا ہے جس نے اس بحث پر اور جگہ بہت کچھ بیان کیا ہے۔ یہاں اس پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ اور اہل بصیرت کے لئے اس قدر کافی ہے۔ اب میں اسرارِ معالمت بیان کرتا ہوں اس کے پردے کھولتا ہوں۔ انشاء اللہ العزیز۔

کشف حجاب چہارم، طہارت

ایمان کے بعد بندہ پر خصوصی فرض یہ ہے کہ نماز ادا کرنے کو طہارت حاصل کرے اور وہ بدن کو نجاست اور جنابت سے پاک کرتا ہے۔ بموجب حکم شریعت تین معصروں کا دھونا سر کا مسح کرنا اور پانی نہ ہونے یا ایسی بیماری جو پانی سے بڑھ جائے اس کے بجائے تیمم کرنا اور اس کے احکام سب کو معلوم ہیں۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ طہارت دو قسم کی ہے ایک طہارتِ باطن و دوسری طہارتِ ظاہری بدون طہارتِ ظاہر نماز درست نہیں ایسی جو باطن جس کا تعلق دل پاک کرنے سے ہے۔ معرفت درست نہیں ہوتی۔ بدن کی طہارت کے لئے پانی ظاہر و باطن کے ہونا چاہئے مستقل اور مقید پانی نہ جو۔ دل کی طہارت کے لئے آبِ توحید کی ضرورت ہے جس میں اعتقاد مذہب اور مشکوک ہو۔

چنانچہ صوفیائے کرام ہمیشہ طہارت ظاہری کے پابند رہتے ہیں اور اپنا باطن توحید سے ملو رکھتے ہیں۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو فرمایا: **دع علی الوضوء یحبک حاتقک**۔ ہمیشہ
 با وضوء تیرا محافظ تجھے محبوب رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اللہ یحب التواضع
 و یحب المتطہرین۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
 توجہ ہمیشہ با طہار و عبادت ہے فرشتے اس سے بہت کرتے ہیں اور جو باطن کو توحید پر قائم
 رکھے اللہ اسے محبوب رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعا میں فرماتے تھے اللہم
 طہر قلبی من النفاق النی میرا دل نفاق سے پاک رکھ۔ حالانکہ حضور کے دل میں کسی
 حالت میں بھی نفاق نہیں تھا۔ لیکن اپنی کرامت کا دکھانا اثبات غیر نفاق لا تا ہے اور یہ
 مقام توحید نہیں ایک نفاق ہے۔ ہر چندکہ ذرہ بھر کرامت مشائخ سے سرمہ دیدہ مریدان ہوتا
 ہے آخرش وہ محل کمال میں اس بلند مرتبہ حجاب ہوتا ہے اس لئے کہ جو غیر جو اس کی رویت
 آفت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نفاق العارفین
 افضل من اخلاص المریدین یعنی خدا رسیدہ مارتوں کا نفاق اخلاص مریدان سے بہتر ہے
 یعنی وہ مقام جو مرید کا ہے کامل کے لئے حجاب ہے۔

مرید کی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ وہ کرامت پائے اور عبادت کامل کی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ
 وہ کرامت دینے والے کو پائے۔ غرض کہ کرامت کا ظاہر کرنا اہل حق کے لئے نفاق ہے۔ اس واسطے
 کہ وہ غیر کا دیکھنا ہے۔ ایسے ہی جسے خاصان حق آفت جانتے اس میں عام یہ کار اپنی نجات سمجھتے
 ہیں۔ اس لئے کہ ایسی آفت جو عبادت اپنے لئے جہنم وہ گمراہی سے نجات ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کافر یہ سمجھ لیں کہ ہمارے گناہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں جیسے یہ کار اپنی یہ کار کی
 کو بری سمجھتا ہے تو سب کفر سے نجات پاتے اور اگر گنہگار یہ مانتے کہ ہمارے تمام اعمال محل طہ
 ہیں تو سب گناہ سے نجات پاتے اور تمام آفتوں سے پاک ہو جاتے۔ تو چاہئے کہ ظاہری
 طہارت باطنی طہارت کے موافق ہو۔ یعنی

باترہ صوفیوں تو اس کے ساتھ ہی دل کو دنیا کی محبت سے پاک کر لے۔

جب استیجا کریں تو جس طرح نجاست ظاہر سے پاکی حاصل کی ویسے ہی باطن کو خیر کی

دوستی سے پاک کر لے۔

جب ناک میں پانی ڈالے تو خواہشات کو بھی اپنے اوپر حرام کرے۔

جب منہ دھوئے تو ساتھ ہی تمام خواہشات نفسانی کی چیزیں سے منہ پھیر لے اور حق کی طرف متوجہ ہو۔

جب کہنیوں تک ہاتھ صاف کرے تو اپنے تمام نصیبوں سے طیبہ ہو جائے۔

جب سر کا سکہ کرے تو اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔

جب پاؤں دھوئے تو تمام مٹا ہی مادہ چلنے سے باز رہنے کی نیت کرے۔

اس طرح اسے ہر وہ طہارتیں حاصل ہوں گی۔ اس لئے کہ امور شرعی باطن کے ساتھ طے ہوئے ہیں جیسے اقرار باللسان تصدیق قلب سے ہی ہوا ہے اور نیتِ دل سے اور طاعت بموجب شریعت تن سے ہوتی ہے۔

چنانچہ دل کی طہارت کا طریقہ یہی ہے کہ آفات دنیا میں تدبیر و تفکر کر کے اس بات کے اوپر غور کرے کہ دنیا بے وفا ہے اور یہ جگہ خالص فنا ہے اس سے دل خالی کر کے یک سو ہو۔ مگر یہ کافی مجاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور مجاہدہ میں اہم کام آداب ظاہری کی حفاظت ہے اور ہر حال میں اس کا التزام۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دنیا میں ابدی عمر چاہتا ہوں تاکہ تمام دنیا فتنوں میں مشغول ہو کر حیب حق تعالیٰ کو بھلائے تو میں آدابِ شریعت کی حفاظت کروں اور یادِ حق میں رہوں۔

کہتے ہیں کہ ابو طاہر خرمی چالیس سال مکہ منکرہ میں رہے۔ مگر آپ نے ابنِ حرم میں طہارت نہ کی۔ جب آپ کو حاجت ہوتی حدودِ حرم سے باہر جاتے اور فرماتے جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ میں اس پر استعمالِ پانی ڈالنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

اور حضرت ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ آپ رے کی جامع مسجد میں مرضِ اسہال سے بیمار ہوئے تو آپ رات دن میں ساٹھ بار غسل فرماتے آخری میں رحلت فرما گئے۔

اور حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ معاملہ عبادت میں دوسواں و توہم کے مریض تھے۔ آپ

فرماتے ہیں کہ میں صبح دریا میں گیا اور طلبہ آفتاب تک اسی میں رہا۔ اس پر میں آنہ وہ دل ہوا اور بارگاہ الہی میں عرض کرنے لگا۔ اڑ العالمین العافیہ العافیہ۔ ہاتھ نہیں نے دریا سے جواب دیا العافیۃ فی العلم۔ ابوعلی عافیت علم میں ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک نماز کے لئے ساٹھ بار طہارت کی اس حال میں آپ تھے کہ انتقال کا وقت آگیا۔ آپ نے عرض کی الہی میں حکم موت آنے تک با طہارت ہوں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ میں ہے کہ آپ ایک دفعہ مسجد جانے کے لئے طہارت فرما رہے تھے کہ نہیں آواز آئی شبلی ظاہری طہارت تو کر لی باطنی طہارت کہاں ہے آپ واپس تشریف لائے اور تمام جائیداد مال و دولت راہِ خدا میں خرچ کر کے ایک سال تک صبر و ایک کپڑے میں رہے جس سے نماز ادا ہونے کے پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ جنید نے کہا اے ابوبکر شبلی جو طہارت تم نے اختیار کی ہے وہ بہت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ با طہارت رکھے۔ چنانچہ حضرت شبلی وقتِ رحلت تک بے طہارت نہ رہے۔ جب وقتِ انتقال آیا تو آپ کی طہارت نہ رہی۔ ایک مرید کو اشارہ کیا کہ مجھے طہارت کرائے۔ مرید نے طہارت کرائی مگر ریش مبارک میں خلل کرنا بھول گیا۔ اس وقت آپ میں کلام فرمانے کی قوت نہ تھی۔ آپ نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر دھو کر اس کی طرف اشارہ کیا اس نے خلل کیا۔ یہ بھی ان سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں نے کسی مات بے طہارت شبہ گزاری اور اگر سوا طہارت نہ رہی تو مجھے میرے باطن نے یاد دلایا۔

حضرت بایزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میرے دل میں اندیشہ دنیا گزرتا ہے تو میں طہارت کر لیتا ہوں اور جب اندیشہ عاقبت گزرتا ہے تو غسل کرتا ہوں۔ اس لئے کہ دنیا محدث ہے اور اس کا اندیشہ حدیث ہے اور عقیقی محلِ غیبت و آرام ہے اور اس کا اندیشہ جنابت ہے۔ تو حدیث سے طہارت واجب ہے اور جنابت سے غسل۔

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ ایک روز آپ نے طہارت کی۔ جب سجد کے دروازہ پر آئے تو آواز آئی اے ابوبکر شبلی تیری وہ طہارت ہے جو ہمارے گھر میں گستاخ طہارت کر کے آتے ہیں۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹے تو آواز آئی۔ شبلی ہمارے در سے واپس جا کر کہاں جائے گا۔

آپ نے ایک نعرہ مارا اور اذانِ شل ہم پر طعن کرتا ہے۔ آپ وہیں خاموش کھڑے رہ گئے۔ تو اذانِ آلی تھل بلار کا دعویٰ کرتا ہے تو آپ نے عرض کی۔ المستغاث بک منک۔ تیرے حضور مختل سے فریاد ہے۔

مشائخ صوفیہ کی تحقیق طہارت میں بہت سی باتیں ہیں اور وہ ہمیشہ ظاہری باطنی طہارت کا مریدوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اسد گاہ حق میں جلنے کے ارادہ پر حجب کوئی قصد کرے تو طہارت ظاہری پاکی کے لئے پانی سے ہوتی ہے اور باطنی طہارت توبہ اسد گاہ الہی میں رجوع کر لے سے باب میں توبہ اور اس کے لوازمات کا بیان کرتا ہوں۔

پندرہواں باب

توبہ اور متعلقات توبہ

ابھی طرح سمجھ لو کہ ہر وہ ان طریقہ حق کا پہلا مقام توبہ ہے۔ جیسے طلبانِ خدمت کا پہلا درجہ طہارت ہے۔ اس وجہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا ایہا الذین امنوا توبوا الى الله توبة
لصوحا۔ یعنی اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کے حضور توبہ انصوح اور فرمایا۔ توبوا الى الله
جميعا ایہا المؤمنون لعلکم تفلحون۔ یعنی توبہ کرو اسے ایمان والو اللہ کی طرف سب تاکر
تم فلاح پاؤ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما من شیء احب الی الله من
شائبہ ناسب الی الله تعالیٰ۔ جو ان توبہ کرنے والے سے زیادہ محبوب کچھ نہیں۔ اور فرمایا۔
التائب من الذنب کمن لا ذنب له گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس
کے ذمہ کوئی گناہ نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا احب الله عبدان یضرف
ذنب۔ جب اللہ کسی بندے کو محبوب بنائے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ پھر حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا۔ ان الله یحب التوابین و یحب المتطهرین۔ یعنی
اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک رہنے کو محبوب بناتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توبہ کی دریافت کی۔ فرمایا تادم ہوتا۔ اور یہ جو فرمایا کہ گناہ اللہ کے دوستوں کو نقصان نہیں دیتا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ گناہگار کا فریضہ ہوتا اور اس کے ایمان میں خلل نہیں آتا۔ توجہ گناہ سے سرمایہ کا نقصان نہیں تو اس گناہ کا نقصان کہ جس کا انجام نجات ہو کہ نقصان نہیں۔

واضح رہے کہ توبہ لغت میں رجوع کے معنی دیتی ہے جیسے کہتے ہیں تاب ای رجوع توبہ کی یعنی رجوع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی مشق کی ہوئی بات سے توبہ کرتا۔ یہ ہے کہ امر الہی کے خلاف کرنے سے مخالفت ہو ایہ اصل توبہ ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ مہ توبۃ۔ گناہ پر تادم ہوتا توبہ ہے اور یہ ایسی جامع تعریف ہے کہ اس میں توبہ کی تمام شرطیں آجاتی ہیں۔ اس لئے کہ توبہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ مخالفت حکم عمل پر افسوس کرے۔ دوسرے ترک کرتے ہوئے مشغول ہو۔ تیسرے عذر کرے کہ پھر ایسا نہ کرے گا اور یہ تینوں شرائط ندامت میں آجاتی ہیں۔ اس لئے کہ جب دل میں ندامت پیدا ہوئی تو بقیہ دو شرطیں اس کے ضمن میں آگئیں۔ اور ندامت کے تین سبب ہوتے ہیں جیسے توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب خوف عذاب بدل پر غالب ہو تو احوال سیئہ کا غم جل پھٹتا ہے اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حصول نعمت کا ارادہ جب دل پر غالب ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بڑے کام اور نافرمانی سے یہ حاصل نہیں ہوتی تو پریشان ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس پر بارگاہ حق سے شرم غالب آئے اور مخالفت حکم سے پشیمان ہو۔ تو پھر تائب ہو جاتا ہے اور توبہ کے تین مقام ہیں۔ اول تائب دوسرا عاجز تیسرا اذاب۔ تو توبہ خوف عذاب کے سبب ہوتی ہے اور انابت طلب تواب کے لئے اور اذاب رعایت فرمان کے واسطے۔

اس لئے کہ توبہ عام مومنوں کا مقام ہے اور دھار تکاپ کیا ترے ہوتی ہے جیسے کہ اشاد الہی ہے یا ایہا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا یعنی اے ایمان والو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو اور انابت خالص اولیاء اور مقربانِ خاص کا مقام ہے جیسے فرمایا۔ من خشى الرحمن بالغیب وجاء بقلب منیب یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور لایا ماہر دل لے کر اور اذاب یہ ان بسیار و مرسلین کا مقام ہے۔ جب کہ فرمایا نعوذ العبد انہ

اَدَاب۔ بہت اچھا بندہ رجوع کرنے والا ہے۔

تو پھر کبیرہ سے باز آنا اور طاعت الہی کی طرف جھکتا یہ ایک درجہ ہے اور معافی سے توبہ کرنا اور محبت الہی کی طرف رجوع ہوتا یہ ایک درجہ ہے اور انانیت سے معذرت ہو کر اپنے اختیارات خیار ذات میں دے دینا۔ یہ ایک درجہ ہے۔ تو ان میں فرق یہ ہوا کہ ایک شخص خواہش سے طہیر ہو کر قبلہ امر کی طرف رجوع کرے اور پہل توبہ ممنوعاتِ حق سے باز نہ ہنے کا نام ہے دوسرا قصور اور اندیشہ فاسد سے باز آنا۔ تیسرے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور غفلت سے دل بیدار کرنا اور غیبتِ علی کا دیکھنا۔ اور جب بندہ اپنے بُرے عمل اور بُرے افعال پر غور نہ کرے اور اس سے نجات چاہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اسباب توبہ آسان کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس کے گناہوں کی شامت سے رہائی دیتا ہے اُسے اطاعت کی عطاوت عطا فرماتا ہے۔

اہلسنت و جماعت اور تمام مشائخ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ اگر ایک شخص گناہ سے توبہ کرے اور گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کا ثواب دیتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی توبہ کی برکت سے اور گناہوں کی بھی معافی ہو جائے جیسے ایک شخص شرابی بنائی ہو تو وہ اگر زنا سے توبہ کرے اور شراب نوشی سے باز آئے تو اس کے گناہ کی توبہ درست ہے با آنکہ وہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہے۔

اور معتزلہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جب ایک گناہ کا مرتکب ہے اور ایک سے تائب توبہ صحیح نہیں جب تک تمام گناہوں سے مجتنب نہ ہو اور یہ محال ہے۔ اس لئے کہ ہر گناہ پر جس کا بندہ مرتکب ہوتا ہے اس پر اسے عذاب ضرور ہے۔ تو جب بندہ ترکِ معصیت کرے تو اسے اس کے عذاب سے بے غم ہونا بھی ضروری ہے اور ترکِ معصیت اس کی طرف سے توبہ ہوتی ہے اور یہ بھی ہے کہ جب بندہ بعض فرض ادا کرے اور بعض ترک کر دے تو لازمی طور پر جو ادا کئے جائیں وہ ماجر ہے اور جو ترک کیا ہے اس میں ماخوذ۔ اور اگر کسی کو گناہ کرنے کے آگے موجود نہ ہو اور اس پر اس گناہ کی طرف اصرار بھی نہ ہو اور پھر وہ اس کے ارتکاب سے توبہ کرے تو لازمی وہ تائب ہوگا۔

اس لئے کہ توبہ کا ایک رکن ندامت ہے تو اگر اسے اپنے پہلے کے پر ندامت ہوتی ہے تو یہ اس فعل سے رد گردانی کے مراد ہے اور اگر وہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے اسباب موجود ہیں تو وہ ایسی حالت میں عہد کرتا ہے کہ میں اس گناہ کی طرف نہ جاؤں گا۔ تو یہ بھی توبہ ہے۔

کے اوصاف اور صفت میں مشابہت کا اختلاف ہے۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ التوبہ ان لا تنسی ذنبک توبہ یہ ہے کہ تائب اپنے گنہ کو نہ بھولے اور اس سے ہمیشہ پریشان رہے حتیٰ کہ اگر اس کے عمل صالح زیادہ ہوں تو ان پر غور بھی نہ کرے۔ اس لئے کہ بڑے کام پر افسوس کرنا اعمال صالح پر مقدم ہے اور جو شخص گناہ نہیں بھولتا وہ کبھی نیکیوں پر غور بھی نہیں کرتا۔

اور حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت اس طرز ہے کہ التوبہ ان تنسی ذنبک توبہ یہ ہے کہ تائب اپنے گناہ کو بھی بھول جائے۔ اس لئے کہ تائب محب ہوتا ہے اور محب مشاہدہ میں ہوتا ہے اور مشاہدہ کی حالت میں گناہ کا تصور بڑا ہوتا ہے اور پھر غم و غما میں گناہ کا ذکر و فاسد محاب ہوتا ہے۔ اور یہ مشاہدہ اور مجاہدہ میں نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی تفصیل مذہب سبیلیہ میں دیکھنی چاہئے۔ ان کے مذہب میں تائب کو بذات خود قائم کہتے ہیں اور اس کے گناہ کو فراموش کر دینے کو غفلت مانتے ہیں۔ اور جو تائب کو قائم مانتے ہیں۔ وہ گناہ کے ذکر کو بھی شرک بتاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر تائب باقی الصفہ ہو تو اس سے مختلف سرائل نہیں ہوتا اور اگر فانی الصفہ ہو تو ذکر و صفت اس کے لئے جائز نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تبت الیک یعنی میں تیرے حضور توبہ کی۔ یہ قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بحالت بقا و صفت تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا احصی ثناء علیک یعنی تیری ثنا کا احصاء نہیں ہو سکتا۔ یہ بیان فناء و صفت کی حالت میں تھا۔

غرض کہ مقام قربت میں ذکر و حشت و حشت ہوتا ہے اور تائب کو چاہئے کہ اپنے آپ کے گناہ کا تصور نہ لائے اور جب وہ تصور محضیت بھی نہ آنے دے گا تو اسے گناہ کس طرح یاد آسکتے ہیں۔ درحقیقت اس مقام پر اپنے گناہ یاد کرنا بھی گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ مقام روگردانی ہے جیسے گناہ روگردانی کا مقام ہے اور اس کے حشر کا ذکر بھی دیا ہی ہے جیسے ذکر جرم خود جرم ہوتا ہے بنا بریں گناہ بھول بھی جرم ہے۔ اس لئے کہ ذکر اور فراموشی کا تعلق توبہ سے ہے اور حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت کتابیں پڑھیں لیکن مجھے کسی سے آنا فائدہ نہ ہوا جتنا اس بیت سے ہوا۔

اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ مَا لَيْتُ بِمُحِبِّهِ

حیوثک غیر ذنب لا قیاس بہ ذنب

جب میں نے کہا۔ میں نے گناہ نہیں کیا تو مجھے جواب ملا۔ تیری زندگی ایسی بے گناہ ہے جس پر کسی گناہ کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ جب دوست کا وجود ہی حضور دوست میں گناہ ہے تو اس کے وصفت کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔

غرض کہ توبہ تائبہ ربانی سے ہوتی ہے اور گناہ افعال جسمانی سے۔ جب دل پر غلامت ہو تو بظاہر کوئی ذریعہ نہیں ہوتا کہ دل کی غلامت کو دور کرے اور جب ابتداء فعل میں اس کی غلامت کو روک نہیں سکتی تو استہائے کیونکر روک سکتی ہے نہ اس کا فعل توبہ کا ٹھکان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهُ هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيْمُ**۔ تو توبہ کی آدم نے اس پر بے شک ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور قرآن کریم کی نصوص میں اس کی بہت تکمیل ہیں کہ ان کے بیان کی ضرورت نہیں۔ توبہ تین طریق پر ہوتی ہے۔ ایک خطا سے صواب کی طرف۔ ایک صواب سے صواب کی طرف۔ ایک اپنی ہستی سے حق تعالیٰ کی طرف۔

خطا سے صواب کی طرف یہ ہے جو ارشاد ہوا۔ **وَالَّذِينَ اِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاَسْتَغْفَرُوا الَّذِيْنَ ذُنُوبَهُمْ**۔ وہ لوگ جو کر بیٹھے بے شرمی یا ظلم کر گزرے اپنے نفسوں پر اور اللہ کی یاد کر کے گناہ معاف کرائیں۔

اور صواب سے صواب کی طرف وہ توبہ ہے جو نبی علیہ السلام نے کی تبت الیٹ یعنی میں نے تیری طرف رجوع کیا۔

اور اپنی ہستی سے حق تعالیٰ کی طرف وہ توبہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور فرمایا **وَ اِنَّهُ لِيُغَاثِ عَلٰی قَلْبِيْ وَ اِنِّيْ كُنْتُ لَا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً**۔ بیشک میرا دل حجاب میں آجاتا ہے اور میں ہر دن میں اپنے رب سے ستر بار استغفار کرتا ہوں اور اس کتاب خطا مذکور ہے اور خطا سے رجوع بصواب محمود ہے۔ یہ توبہ عام ہے اور اس کا حکم ظاہر ہے اور اس صواب میں رہ کر اس پر قائم رہنے کی آرزو کرنا صواب سے ثواب کی طرف رجوع کرنا ہے۔ ۱۰ سے اہل ہمت نے پسند کیا ہے یہ خاص توبہ ہے۔

اور یہ محال ہے کہ خاص آدمی گناہ سے توبہ نہ کریں۔ عام طور پر سب جانتے ہیں کہ جہان رویت حق کی حسرت کرتا ہے اور نبی علیہ السلام اس آرزو کو پیش کر کے توبہ کر رہے ہیں۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ آئندہ اپنے اختیار سے کی اور محبت کے رابطہ میں اختیار بھی آفت ہے تو اس اختیار کے ترک کے لئے آپ نے توبہ کی۔ اور اپنی ہستی سے رجوع یقین کرنا یہ محبت کا جذبہ اتم ہے جیسے اونچے مقام کی آفت کے باعث اونچے مقام پر کھڑا ہونے سے توبہ کرنا ہوتا ہے یہ مرتبہ توفیق صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ کا تعلق ترقی پر تھا تو جس مقام پر تھے اُسے بلند ہی سمجھ رہے تھے۔ جب اس سے آگے بڑھے تو پہلے مقام سے استغفار فرمائی۔ واللہ اعلم بالصواب

جب بندہ مستقل عہد کر لے کہ پھر گناہ کی طرف رجوع نہ کرے گا تو اس کی توبہ کئے لئے **فصل** تائید شرط نہیں۔ اگر تائب پر کوئی آفت نفس آجائے کہ پھر گناہ کی طرف رجوع کر لے بعد اس کے کہ پہلے صحیح عہد کر چکا ہو تو صواب توبہ کے حکم میں آجائے گا اللہ یہ تابوں میں مبتدی ایسے ہوتے ہیں کہ توبہ کرتے ہیں پھر خواہش نفسانی کا فساد غالب آتا ہے اور بُرائی کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ایک واقعہ بھی ہے کہ ستر بار توبہ کر کے رجوع بغضاد خوا اور اکثر عیویں بار توبہ پر قائم ہوا۔ حضرت ابو عمر نے جنید رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میں نے ابتداء میں ابو عثمان حیری کی مجلس میں توبہ کی اور کچھ دن اس پر قائم رہا کہ دل میں مصیبت کی خواہش غالب ہوئی تو ابو عثمان حیری کی صحبت سے علیحدہ ہو کر گناہ کی طرف مائل ہو گیا۔

جب مجھے حیری نظر آتے میں ان سے نظر چاکر بھاگ جاتا اتفاقاً ایک روز ان سے ملا۔ انہوں نے مجھے فرمایا۔ بیٹا دشمنوں کی صحبت اچھی نہیں۔ جب تو دشمن کی غیب جوئی سے آنکھ بند کر کے خود غیب کرنے لگتا ہے دشمن خوش ہوتا ہے اور جب تو اس سے بچتا ہے وہ غمگین ہوتا ہے۔ اگر تو گناہ سے بچنا چاہتا ہے تو میرے پاس آتا کہ میں تیری آفت مصیبت اٹھاؤں اور دشمن کو ذلت جب ہی ہو سکتی ہے جب تو اس کا دم نہ بھرسے۔

تو میں نے عرض کیا حضور اب میرا دل گناہ سے سیر ہو چکا ہے اور توبہ کی طرف اب صحیح طور پر آتا ہوں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک شخص نے گناہ سے توبہ کی پھر اسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ پھر ناوم ہوا۔ ایک روز اس نے اپنے جی میں کہا کہ اگر میں پھر توبہ کر کے ادھر جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا۔ تو اس کے کان میں ہاتھ غیبی کی آواز آئی۔ اطعنا فکناک شکرنا فامحلتنا فان عدت الینا قبلناک

نہ بقیل شاعر گناہوں سے مریب مصیبت بھی عذر کرتی ہے : مری توبہ سے توبہ استغفار کرتی ہے۔ (ستریم)

تو نے ہماری اطاعت کی ہم نے تجھے پسند کیا۔ پھر تو نے بیوفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا۔ ہم نے تجھے مہلت دی۔ اگر پھر توبہ کرے تو ہم قبول کریں گے۔

اب ہم اقوال مشائخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں توبۃ العیام من الذنوب
فصل توبۃ الخواص من العقلة، عوام کی توبہ گناہ سے گناہ سے ہوتی ہے اور خواص کی
 توبہ غفلت سے۔ اس لئے کہ عوام کی باذہنیں ان کے ظاہری اعمال پر ہوگی اور خواص سے ان کے باطنی
 معاملے سے اس لئے کہ غفلت عوام کے لئے نعمت ہے اور خواص کے لئے محاب۔

حضرت ابوحنیفہ عداؤ فرماتے رحمۃ اللہ علیہ۔ لیس للعبد فی التوبۃ شیء لان التوبۃ الیہ
 لامنہ۔ بندہ کو توبہ سے کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ توبہ حق کی طرف سے بندہ کو ہے نہ بندہ کی طرف
 سے حق کو۔ اس قول کے مطابق چاہئے کہ توبہ کمکتب نہ ہو بلکہ وہی ہو مبراہب الہی سے۔ اس
 قول کا تعلق مذہب جنیدیاں سے ہے۔

اور حضرت ابوالحسن بوشجہ فرماتے ہیں۔ التوبۃ اذا ذکر الذنب شعلا تجدد حلاوتہ عند
 ذکرہ فہو التوبۃ یعنی توبہ یہ ہے کہ جب گناہ یاد آئے تو اس کی لذت دل میں نہ پائے بلکہ نفرت
 آئے، اس لئے کہ گناہ کا ذکر یا اس کی حسرت کے ساتھ ہوگا یا اس کی طرف ارادہ کے ساتھ۔ توجہ کسی کو
 حسرت و ندامت مصیبت سے ہو تو وہ تائب ہے۔ اور اگر بار بار وہ مصیبت دگنا یاد کرے تو عاصی ہے۔
 اس لئے کہ گناہ کے آثار تکاب میں اتنی آفت نہیں ہوتی جتنی اس گناہ کی خواہش میں ہے اس لئے کہ وہ گناہ
 کرنا ایک وقت پر ہے اور اس کی خواہش ہمیشہ رہتی ہے۔ توجہ ایک ساعت جسم کے ساتھ اور تکاب
 گناہ کرے وہ اسی وقت تک معدوم ہے اور اس کی خواہش اگر کرے تو وہ ستم ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التوبۃ توبتان توبۃ الانابۃ
 و توبۃ الاستغیاء فتوبۃ الانابۃ ان یتوب العبد خوفا من العقوبۃ و توبۃ
 الاستغیاء ان یتوب حیاء من کرم۔ توبہ دو طرح پر ہے ایک توبۃ انابت
 دوسری توبۃ استغیاء۔ توبۃ انابت وہ ہے کہ بندہ خوف عذاب حق تعالیٰ سے توبہ کرے اور
 توبۃ استغیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور شرم سے توبہ کرے اور اس کے کرم کی امید رکھے تو

سے زمین و آسمان سے عاجز ہوئے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے عاتق ام سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں۔ فرمایا جب وقت نماز آتا ہے ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور ایک باطنی۔ ظاہری پانی سے اور باطنی توبہ سے۔ پھر میں مسجد میں جاتا ہوں تو خانہ کعبہ میرے سامنے جوتا ہے اور مقام ابراہیم دونوں ہر دونوں کے درمیان آدھا ہے بازو پر بشت کرتا ہوں اور بائیں پر وضو اور پل صراط زیر قدم لگاتا ہوں اور ملک الموت کو اپنے پیچھے تصور کرتا ہوں۔ پھر تکبیر یا تعظیم کرتا ہوں اور باادب قیام کرتا ہوں اور قرأت خوفناک حالت میں۔ اور رکوع باقراضیع اور سجود بتفسوٰۃ اور طلب علم اور قطر سے اور سلام شکر کے ساتھ و باللہ التوفیق۔

فصل جاتا چاہئے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ مرید ابتدائاً اتنا اس سے راہ حق پاتا ہے اور نماز ہی میں اُسے اُس کے مقامات کا کشف ہوتا ہے جیسے مرید کو اس سے بجائے طہارت توبہ ملتی ہے اور اطاعت کی بجائے قبلہ شناسی اور مجاہدہ نفس کی بجائے قیام و دوام اور ذکر بجائے قربت اور تواضع بجائے رکوع اور معرفت نفس بجائے سجود اور امن بجائے تسبیح اور محنت عن الدنیا بجائے سلام اور بند مقدمات سے باہر آنا۔

اسی وجہ میں معمول تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکل و شرب سے تہنجب فرماتے اور کمال حیرت سے محل شوق کے طالب ہوتے اور صرف ایک مذہب سے متعلق ہوتے تو فرماتے ارحنا یا بلاء بالصلوٰۃ۔ اسے جل ہیں نماز عارفان نماز سے خوش کر۔

اور مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کے اس میں بہت کلام ہیں۔ اور ہر ایک گروہ اپنے اپنے مذہب پر اپنا مقام بیان کرتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے نماز آلہ حضور ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے نانا لہ غیب ہے۔ اور بعض غائب ہو کر نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور جو حاضر ہوتے ہیں وہ نماز میں غائب ہوتے جس طرح علم حق میں رویت کے وقت جو لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے غائب سے حاضر ہو جائیں گے اور جو حاضر ہوں گے وہ غائب ہو جائیں گے۔

اور میں علی عثمان جلائی رضی اللہ عنہ کا بیٹا کہتا ہوں کہ نماز امر حق تعالیٰ ہے۔ نہ آلہ حضور ہے نہ آلہ غیب۔ اس لئے کہ اگر کسی چیز کا آلہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حضور کی ملت میں حضور کا غیب

کی علت میں غیبت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم کسی چیز سے تعلق کا سبب نہیں۔ کیونکہ اگر نماز آلہ حضور ہے تو چاہئے تھا کہ بیکار نمازی بدکاری نہ کرتے اور اگر نماز علت غیبت ہوتی تو لازمی تھا کہ غائب اس کے ترک سے حاضر ہوتے اور غائب کو اس کی ادا اللہ ترک سے غدر ہوتا تو نماز کو بذات خود غلبہ ہے اور غیبت و حضور میں وہ محدود نہیں۔

چنانچہ اہل مجاہدہ و استقامت اکثر نماز پڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں جیسے مریدوں کو حکم دیتے ہیں کہ رات دن میں چار سو رکعت ادا کرنا کہ بدن کو عبادت کا خوگر بنالے اور اہل استقامت بھی بارگاہ حق میں عجلت قبول ہونے کے شکرانہ میں بہت نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ باقی رہے اصحابِ حلال۔ یہ دو طرح پر ہیں۔

ایک گروہ ہے جس کی نماز کمال مشرت میں بجائے مقام جمع کے ہوتی ہے اور وہ اس کے ذریعہ جمع ہوتے ہیں اور دوسرا گروہ ہے جس کی نماز میں انقطاع مشرت میں بجائے مقام تفریق کے ہوتی ہے اور وہ اس کے ذریعہ متفرق ہوتے ہیں۔ تو جو لوگ مقام جمع میں رہ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ دن رات نماز میں رہتے ہیں۔ ملاوہ فرائض و سنن ان کی طرف سے تغلیں ادا ہوتی رہتی ہیں اور جو لوگ تفریق میں ہوتے ہیں فرائض و سنت کے سوا اور زیادہ نہیں پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جَعَلْتُ ثَرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔ گویا فرمایا میری تمام خوشی نماز میں ہے۔

اس لئے کہ مشرب اہل استقامت نماز میں ہی ہے اور وہ ایسے ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے گئے اور مقام جمع و تقرب پر پہنچایا تو آپ کا نفس دُنیا کے بندے چھڑایا گیا اور دل کے مقام پر پہنچایا اور دل جان کے درجہ پر اور جان سر کے درجہ پر اور سر درجہ فنا سے مقام محویت میں تھا اور نشانہ بے نشان اور مشاہدہ ذات میں مشاہدہ سے غائب ہوا اور معائنہ سے دور ہوئے اور مشرب انسانی پر آگندہ ہوا اور مادہ نفسانی حل اور قوی طبعی تابود ہوئے تو مشاہدات ربانی اپنی ولایت میں ظاہر ہوئے اور آپ سے آپ میں رہے اور معنی معنی کو پہنچے اور کاشغہ لم یزل میں محو ہونے اور اپنے اختیار سے باہر ہو کر راہ شوق اختیار کر کے عرض کیا۔ الہی مجھے اس بلاخانہ میں واپس نہ لے جا اور قیدِ جبر میں نہ ڈال۔ حکم ہوا کہ ہمارا فرمان یہی ہے کہ آپ دنیا میں جواہر جواہر اور

قانون شرع قائم کریں اور جو کچھ آپ کو ہم نے یہاں دیا ہے وہاں بھی ملے گا۔

چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ کے دل میں اس مقام معلیٰ کا شوق بار بار آتا تو فرماتے ارخا یا بطلان بالصلوة اے بلال! میں اذان اور صلوٰۃ کی آواز سے سرور کرتا ہوں۔ ہر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معراج اور تقرب بھٹی خلعت کی نگاہیں آپ کو نماز میں نکھستیں۔ حقیقت آپ کی جان پاک معدول کے نیاز میں اور سر راز میں ہوتے تھے اور بدن مبارک سوز و گداز میں۔ اسی وجہ سے آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہوئی اور تن پاک ملک میں جان پاک ملکوت میں۔ اس لئے کہ تن انس ہے اور جان انس

حضرت سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں علامۃ الصلوات ان یكون له تابع من ملحق اذا دخل وقت الصلوٰۃ یبعث علیہا وینبہ ان کان ناشما علامۃ صدق یہ کہ بجانب اللہ اس پر فرشتہ بطور گناشتہ مقرر ہو۔ جب وقت نماز آئے تو وہ بندہ کو ادا ائے نماز کے لئے ذکر بیدار کر دے اگر وہ سو رہا ہو اور یہ علامت سہل عبد اللہ میں تھی۔ اسی وجہ میں وہ پیر زمانہ ہوئے آپ کا یہ حال تھا کہ نماز کے اوقات میں آپ تندرست ہو جاتے اور جب فارغ ہوتے تو وہیں رہ جاتے۔

شائع میں سے ایک شیخ فرماتے ہیں یمحتاج المصلی الی اربعۃ اشیا مختلفۃ النفس وذہاب الطبع وصفاء السر وکمال المشاہدۃ۔ نماز کے لئے چار باتیں ضروری ہیں۔ بغیر ان کی خاطر جمع نہیں ہوتا۔ فتا النفس، صفاء السر، ذہاب الطبع، مشاہدہ کمال۔ جب خلوص ہو جاتی ہے دلائل نفس تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا وجود تفریق ہے۔ وہ عبارت میں نہیں آسکتا۔ جب طبیعت دفع ہو جائے تو اثبات جلال حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اثبات جلال حق زوال غیر کے بغیر نہیں۔ صفاء سر بغیر عفت نہیں ہو سکتا اور کمال مشاہدہ بجز صفاء نفس سے مروی ہے کہ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ رات دن میں چار سو رکعت فرائض مقررہ کی طرح ادا فرماتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور اتنی محنت آپ کیوں کرتے ہیں۔ آپ تو مقرب خاص ہیں فرمایا یہ تمام رنج و راحت تمہارے حلال میں ہے اور جو قالی الصفت ہو گیا ہو اس میں۔ نماز راحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کابل اور سستی کا نام کمال نہیں اور عرض کو طلب کنا سمجھ نہیں۔

ایک نے کہا کہ میں نے اقتدار ذوالنون میں نماز گزاری۔ جب پہلی تکبیر اشد اکبر کی تو ایسا بیوش ہو کر گرا گیا تن میں جان ہی نہیں۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ جب منیع ہوئے تو جہاں کے اوراد سے ایک ورد بھی ترک نہ کیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضور! آپ منیع ہو گئے ہیں لہذا بعض عبادات ناقصہ ترک فرما دیجئے۔ فرمایا جو چیزیں ابتداء میں اشد کے فضل سے میں نے حاصل کیں محال ہے کہ اب اتنا میں چھوڑ دوں۔

مشورہ ہے کہ فرشتے ہمیشہ عبادات میں ہیں اور ان کا شرب ہی طاعت حق ہے۔ ان کی غذا عبادت ہے اس لئے کہ وہ روحانی ہیں اور ان کا نفس نہیں جو انہیں طاعت سے منحرف کرے۔ اس لئے کہ مانع عبادات نفس ہوتا ہے۔ جس قدر وہ مقہور کر دیا جائے بندگی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ جب نفس غالی ہو جاتا ہے تو بندہ کی غذا، اس کا شرب صرف عبادت ہو جاتا ہے۔ جیسے فرشتوں سے فنا، نفس کی وجہ میں عبادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں نے بچپن کے زمانہ میں ایک عورت ماجدہ کو دیکھا کہ نماز میں اس کے سیم پر پچھو نے چالیس جگہ ڈنگ مارا مگر اس کے چہرے پر تغیر نہیں آیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو میں نے کہا۔ اماں جان! آپ نے اُسے دُر کیوں کر دیا وہ فرمانے لگیں صاحبزادے تم بچے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے کام میں اپنا کام کرنا ناجائز ہے۔ حضرت ابانخیر قطع کے پائے مبارک میں مرنے آکلہ ہو گیا یہ ایسا نعیمت مرض ہے کہ گوشت گل کر گرتا ہے اور اس کا علاج سمائے قطع کے نہیں ہوتا، طبیبوں نے پاؤں کا شہا تجویز کیا۔ آپ نے منظر نہ فرمایا۔ مریدوں نے کہا جب شیخ ابانخیر نماز میں ہوں اس وقت پاؤں کاٹا جائے۔ اس لئے کہ اس حال میں آپ کو اپنی خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پیر کا ہوا پایا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق مرزی ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے تو قرأت ہلکی آواز سے کرتے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بلند آواز سے قرأت کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیوں سے اس کا سبب پوچھا۔ صدیق نے جواب دیا۔ یسوع من انا ہی وہ کہتے والا ہے جس کے حضور میں مناجات کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ادقظا لوسانہ اطرد الشيطان

سوتوں کو جگانا چاہتا ہوں اور شیطان کو بھگانا۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدیق تم کچھ اونچی کرو اور عمر تم کچھ قرأت ہلکی کرو۔
یعنی میاند آواز میں قرأت کیا کرو تو بعض گروہ جو فرائض پوشیدہ کرتا ہے اور فرائض ظاہر کر کے پڑھتا ہے
اس میں ان کی منشا ریاسے پچنا ہوتا ہے۔ جب کسی عمل میں ریاسے آجائے تو وہ عمل خالص ہو جاتا ہے
چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ ہماری عبادات و ریاضات اگر ایسی صورت میں ہوں کہ خلق دیکھے تو یہ
بھی ریاسے ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ریاسے باطل ہے اور حاکمیت حق میں بعض باطل کے خوف سے حق پوشیدہ
کرنا محال ہے تو ریاسے کو دل سے دور کرنا چاہئے اور عبادت سرایا اٹلانیر حب چاہے کرنی چاہئے۔
ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس سال سفر کیا۔ کوئی نماز حاکمیت کے سوا نہیں گزرتی۔
اور ہر جمعہ کو قصبہ میں رہا۔

غرض کہ اس کے حکم شمار میں نہیں آتے اور جو نماز میں ہے وہ مقام محبت میں ہوتا ہے۔ اب
ہم اس کے حکم کا بیان کرتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز۔

مولہوائے باب

محبت اور متعلقات محبت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فمنکون
 یا قی اللہ بقوم یحبونہ و یحبونہ اند فرماتا ہے ومن الناس من یتخذ من
 دون اللہ انداداً یحبونہم کحب اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من اهان لی ولیا فقد با رزق
 بالمحاربة وما تردت فی شیء کترددنی فی قبض نفس عبد المؤمن یکو الاموت
 واکرہ مسأمة ولا بد لہ منہ وما یتقرب عبدی بشیء احب الی من اداء ما افترضت
 علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حقاً حبه فاذا احبته کنت لہ سمعاً
 وبصراً ویداً و مؤیداً اور فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے یہ بھی کہا من احب لقاء اللہ
 احب اللہ لقاءہ ومن کثر لقاء اللہ کثر لقاء اللہ اور فرمایا اذا احب اللہ العبد
 قال لجبریل یا جبریل انی احب فلاناً فاحبه فیحبہ جبریل ثم یقول جبریل
 لاهل السماء ان اللہ تعالیٰ قد احب فلاناً فاحبوا اهل السماء ثم یضع لالقبول
 فی الارض فیحبہ اهل الارض و فی بعض الروایات مثل ذالک یعنی جس نے میرے ولی کی
 اہانت کی اُس نے مجھ سے لڑائی کی جرات کی اور میں کسی چیز میں تڑو نہیں کرتا جیسا کہ میں بندہ ہو میں
 کی جان قبض کرنے میں تڑو کرتا ہوں۔ و دوسرے کو مکروہ جانتا ہے میں اس کے لئے برائی کو مکروہ
 جانتا ہوں حالانکہ وہ اس کے لئے ایک نہ ایک وقت لایہدی ہے اور اُسے ادا اُسے فرض سے زیادہ
 کوئی چیز محبوب نہیں جو میرے بندے کو مجھ سے نزدیک کرے اور ہمیشہ بندہ ادا اُسے فرض سے میرے
 ساتھ قرب حاصل کرتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور یہ بھی فرمایا من احب لقاء اللہ
 احب اللہ لقاءہ ومن کثر لقاء اللہ کثر لقاء اللہ جو اللہ سے ملنا پسند کرے اللہ اس

سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا پسند نہ کرے اللہ اس سے ملنا پسند نہیں کرتا اور حب اللہ تعالیٰ کسی کو دوست بناتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ میں فلاں کو اپنا دوست بنانا ہوں تو بھی اُسے دوست رکھ کر جبریل علیہ السلام اسے محبوب کرتے ہیں اور آسان والوں کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو دوست رکھتا ہے پھر آسان والے اُسے دوست رکھتے ہیں۔ پھر زمین بھر میں وہ مقبول ہو جاتا ہے اور ایسی روایتیں چند جگہ ہیں۔

اب سمجھ لو کہ محبت الہی بندہ کے حق میں اور بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور امرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جو دوست ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بھی دوست رکھتا ہے بلکہ اس کے دوستوں کے دوستوں کو بھی محبوب رکھتا ہے اور لغوی تحقیق یہ ہے کہ محبت ماخوذ حب سے ہے بکرم اور وہ ان بیچوں کو کہتے ہیں جو صحرا میں زمین پر گر جاتے ہیں تو حب کو حب اسی لئے کہتے ہیں کہ اہل محبت انہیں میں سے ہیں۔ جیسے نبات صحرا انہیں دانوں میں ہوتی ہے جس طرح تخم صحرا میں بکھیرا جاتا ہے اور خاک میں پنپاں ہو جاتا ہے۔ پھر بارشیں اس سے کوئیلیں نکالتی ہیں اور آفتاب اسے گرم کر کے سراو گرما کے موسم میں اسے سرسبز رکھتا ہے اور اس پر ہلکی ہلکی اثر انداز نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ ان کا موسم آتا ہے۔ وہ اُگتی ہے اور پھول پھل لاتی ہے۔ ایسے ہی محبت دل میں سکھ چکائی ہے اور حضور و غیبت، بلا و محنت، راحت و لذت، فراق و وصال سے متغیر نہیں ہوتا۔ اس معنی میں یہ شعر خوب ہے۔

یا من سقام جنونہ لسقام عاشقہ طیب

حرث المودت خامتوی عندی حفوک لعل

اے دو ذات کہ اس کی بیماری جنون اس کے عاشق کی طیب ہے۔ جاری ہو گئی دوستی تو برابر ہے میرے نزدیک حضور و غیبت۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حب ایسی حب (جو ہڑ) سے شوق ہے جس میں پانی بھرا ہو اور باہر کے چشمے کا پانی اس میں نہ آ سکے اور اندر کا پانی اس کا مانع ہو۔ ایسے ہی دوستی ہے کہ حب طالب کے دل میں آجائے اور بھر جائے تو بجز حدیث و سنت اس کے دل میں کسی غیر کی جگہ ہی نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے خلیل علیہ السلام کو خلعت خلعت سے ایسا نوازا کہ انہیں خدمت حق تعالیٰ کے سوا کسی کی گھنائونگی نہ تھی اور تمام مال ان سے محبوب تھا۔ حتیٰ کہ اس ایک ذات کی محبت میں دشمن بھی محبوب تھا اور حال

مقدار نے ان کی ہم کو خبر دی اور فرمایا۔ **فَانْتَهَرُوا عَذْوَلِي الْاَرَبَ الْعَالَمِيْنَ** یعنی تحقیق وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین۔

اور حضرت ثعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا **سَمِيَتْ الْمَحَبَّةُ لَا مَهَاتَعُوْ مِنْ الْقَلْبِ مَا سَوَى الْمَحْبُوْبِ**۔ محبت کا نام محبت اس لئے رکھا گیا کہ وہ دلوں سے ماسوائے محبوب کے سب کو لٹا دیتی ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حب نام ان چار لکڑیوں کا ہے جو چوکھٹے کی شکل میں جڑ کر اس پر پانی کا کوزہ رکھتے ہیں اس لئے کہ محبت عزت، ذلت، رنج، راحت، بلا، محنت، جفا و فاء، دوست کے تحمل کا نام ہے اور وہ محبت کرنے والے پر گریں نہیں ہوتے تو اس کا کام وہ ہے جو لکڑی کے چوکھٹے کا کام ہے کہ چاروں طرف سے کوزے کا اٹھاتی ہیں۔

تو محبت کی ترکیب اور پیدائش دوست سے برداشت کرنے کو ہوتی ہے۔ اس پر کسی نے کہا ہے ۵

اِنْ شَتَّ جَوْدِيْ وَ اِنْ مَاشَتْ فَا مَنَعِيْ

كَلَّا هَمَّا مِنْكَ مَنُوْبٌ اِلَى الْكَرَامِ

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حب سے شوق ہے اور اس کی بے جا ہے اور جبہ دل محل لطیف ہے اور قوام دل اس کے ساتھ ہے اور اقامت محبت بھی اسی سے ہے تو محبت کو اس کے نام کی جگہ حب کہتے ہیں اس لئے کہ اس کا تعلق جبہ دل میں ہے اور عرب شہر ہر چیز کا نام اس کے موضع کے نام پر کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مانگو ہے **جَاءَ الْمَاءُ وَ غَلِيَانُهُ عِنْدَ الْمَطَرِ الشَّدِيدِ** یعنی پانی کے جوش سے اور اس کے ابلنے سے تیز بارش کے وقت تو محبت کو حب اس لئے کہتے ہیں **لَا نَغْلِيَانُ الْقَلْبَ عِنْدَ الْاَشْتِيَاقِ اِلَى الْعَالَمِ الْمَحْبُوْبِ** کہ اس کا جوش دل میں اس اشتیاق پر ہوتا ہے کہ وہ محبوب کے لئے اور اشتیاق رویت دوست میں مضطرب ہوتا ہے جیسے اجسام اور ارجح کے لئے مشتاق ہوتے ہیں۔ یا جیسے قیام جسم رنج پر ہوتا ہے اور قیام دل محبت کے ساتھ اور قیام محبت رویت و دل محبوب سے اس معنی میں کسی نے کہا ہے ۵

اِذَا تَمَنَّى النَّاسُ رَوْحاً وَ رَاحَةً تَمَنَّى اِنْ اَلْقَاكَ يَا غُرْحَالِبُ

اور یہ بھی کسی نے کہا ہے کہ حب ایک وہ نام ہے جو دوستی کی صفائی پر مبنی ہے جیسے حب صفا، بیاض، چشم انسان کو حبة الانسان کہتے ہیں۔ ایسے ہی صفائی سواد دل کو حبة القلب تو یہ ایک محل

۵ آلودگی سے

محبت ہے اور وہ ایک محلِ نزوت۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ دل اور دیرہ دوستی میں مغلون ہوتے ہیں اور اس معنی میں کسی نے کہا ہے ۵

القلب تحمد عینی لذات النظر والعین تحمد قلبی لذات الفكر

فصل اچھی طرح یاد رکھو کہ محبت کے لفظ کا استعمال علماء کے طبقہ میں چند معنی پر ہوتا ہے ایک معنی ارادۂ جو محبوب کی طرف ہو جس سے سکونِ نفس اور آرزوئہ دل اور ہوائے نفسانی کا میلان و انس اور تعلق پیدا کیا جائے۔ یہ تو قدرے مختصر و نازدک ہے اور یہ عامۂ مخلوق میں ایک دوسرے انسا، جنس میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی محبت اور روابط سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ تعالیٰ اللہ علواً کبیرا۔ دوسرے محبت بمعنی احسان ہے جو بندہ پر محبوب اللہ زار دہوتی ہے اور اس سے بندہ برگزیدہ کر لیا جاتا ہے جس کی بدولت وہ کمالِ ولایت حاصل کر لیتا ہے اور گونا گوں کرامتوں سے مخصوص فرمایا ہے۔

تیسری قسم بمعنی شناسائیت ہے جو بندہ کی کی جائے۔

ایک گروہ متکلیف کا کہتا ہے کہ محبت حق کی ہمیں خبر دی گئی ہے۔ اگر کتابِ ولایت کے اندر ہمیں وہ نہ پہنچتی تو اس کا وجود حق تعالیٰ کے ساتھ معلوم کرنا بذریعہ عقل محال تھا۔ بہر حال ہم اسے عقیدۂ تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں تصرف کرنے کے معاملہ میں ہم توقف کرتے ہیں اور حقیقت محبت کا اطلاق حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حقیقتاً صحیح نہیں بلکہ یہ صرف تاویل میں کہ ہم انہیں یاد کر لیں۔ اور میں تمہیں اس کی حقیقت بیان کرنا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا جہان بھی ذکر ہے۔ یہ اس کی طرف سے ارادہ خبر اور رحمت کرنے کے معنی میں ہے جو بندہ پر کی جائے۔ اور محبت ایک نام ہے ارادہ و رضا یا الٰہی کا جیسے رضا اور محظ، رحمت اور رانت اور مثل اس کے جو الفاظ بھی اس قسم کے ہیں ارادہ حق کے سوا کسی جگہ اور معنی نہیں لینے چاہئیں اور ارادہ بھی ایک معنی قدیم ہے کہ اُسے مشیت حق کے ساتھ منتسب کر سکتے ہیں تو بطور مبالغہ اظہار مشیت حق میں اس قسم کے الفاظ مستعمل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ محبت الٰہی بندہ کے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر نعمتیں کافی وافی نازل فرمائے اور اسے دنیا و عقبیٰ میں ثواب بے نہایت عطا فرمائے۔ اور مذاب سے امن کرے اور انتاس کو۔

یہ ہے کہ بندہ کو سعیت سے محروم رکھے (جیسے اقبیاء کرام) اور اس کے بلند احوال اور اعلیٰ مقامات کرے۔ اور اس کا از سر سر اختیار سے پاک فرمائے اور عنایت اذلی اس کے لئے لازم فرمائے تاکہ وہ کل سے مجرور ہو جائے۔ اور طلب روائے حق میں اسے مستغرق کر دے۔

حب اللہ تعالیٰ بندہ کو اس معنی میں مخصوص کر لیتا ہے اور وہ تھنیں اس پر خاص ہو جاتی ہے تو اس کا نام غریب محاسبی اور عنیدہ میں محبت رکھا گیا ہے اور ایک جماعت اس کی مؤید ہے۔ اور انہما و مشکلیں سنتیں اس پر ہیں اور جو کہتے ہیں کہ محبت حق بل مجہد یعنی شتا بھیل ہے جو بندہ کے لئے اس کے کلام حق نظام سے واضح ہو اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ محبت یعنی احسان الہی ہے وہ بندہ پر مستجاب اللہ ہوتا ہے اور معنی کی رد سے یہ سب اقوال باہم قریب المعنی ہیں لیکن بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ سے وہ ہے جو نون مطیع کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور تعلیم و تکریم کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے تاکہ بندہ محبوب کی رضا طلب کرے اور اس کی طلب دوست میں محو اور بے خبر ہو جائے اور آئندہ کی قربت میں بے قرار ہو اور اس کے دل میں اس کے سوا کسی کی گنجائش نہ ہو اور اسی کے ذکر میں غم رہے اور اس کے ماسوا سے بیزار ہو اور اس کے تصور میں آرام اس پر حرام ہو اور تمام مالوفات و مستانسات متعلق ہو جائیں اور حرص و آرزو سے اعراض ہونے لگے اور اپنے سلطان حقیقی سے دوستی رکھے اور اپنے دوست کے حکم کے آگے گریز و اطاعت جھکائے رکھے اور اس کے اوصاف کمال کو پہچانے اور یہ رہا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت کو باہمی مخلوق کی محبت کی طرح جانے۔ اس لئے اس میں اعاطہ اور اک محبوب کی طرٹ میلان ہوتا ہے اور یہ صفت اجسام سے ہے۔ محبان حق اس کے قرب کی آرزو میں رہتے ہیں نہ کہ طالبان کیفیت ذات اس لئے کہ طالب بخود قائم ہوتا ہے۔ دوستی میں اور طالب فنا ہو کر محبوب کے ساتھ قائم ہیں۔ اور مومن و دوستان حق میدان محبت میں ہلاک و مقہور ہوتے ہیں۔ تو محبت دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک جنس کی جنس سے محبت اور میلان نفس کا وطن کی طرٹ ہے دوسرے نا جنس کی بات جس میں محبوب کے اوصاف سے کسی صفت کے ساتھ آرام و آس کرے۔ جیسے جنین کلام شفا بدین آنکھ دیکھنا اور چہرہ گردیدہ محبت حق میں وہ دو قسم ہیں۔

ایک وہ کہ حق کا انعام اور احسان اپنے شامل حال دیکھے اور اس کے دیکھنے سے مستغنی اور محسن کی محبت کا تقاضا ہو۔ دوسرا وہ جو ہر انعام کو دوستی کے حق میں حجاب جانے اور نعمت کے دیکھنے سے اُن

کی راہِ نعم کی طرف ہوا اور یہ راہِ نعم سے زیادہ بلند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل لفظِ محبت تمام اصنافِ خلق میں مروج اند تمام باطن میں مشہور ہے اور اربابِ لغات سے بھی مذکور ہے اور عقلاء کی تمام منقبات اپنے اندر محبتِ محض نہ کر کے۔ اور اس گروہ کے مشائخ کے سنون الحب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو محبت کے مسئلہ میں خاص مذہب و شریعت مخصوص رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں محبت راہِ حق قائلے میں اصل اصول ہے اور اس کے احوال و مقامات کی منزلیں ہیں۔ اور ہر منزل میں جبکہ طالب اس میں ہوندا دل روا ہو سکتا ہے۔ گرا اللہ قائلے کی محبت میں ذوال حب تک طالب اس محل میں ہے روانہ نہیں ہو سکتا۔ اور تمام مشائخ اس پر متفق ہیں۔

لیکن چونکہ لفظِ محبت عام تھا اور اربابِ ظاہر نے چاہا کہ اس کے معنی کا حکم خلعت میں چھپائیں تو اس کی تحقیق وجود معنی میں اس کے اکم کو بدل ڈالا۔ چنانچہ انھوں نے صفا محبت کا نام صفوت رکھا اور حب کو معنی۔ ایک گروہ نے حبیب کا اختیار ثابت کرنے میں محبت کے اختیار کو ترک کرنا ہی فقر بتایا اور فقیر کا نام حب رکھا۔ اس لئے کہ محبت میں درجات میں بہت کم درجہ موافقت ہے اور حبیب کی موافقت۔ حب مخالفت کے برخلاف ہے۔ اور میں نے ابتداء کتاب فقر اور صفوت کا حکم بیان کر دیا ہے اور اسی بارہ میں پیر بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ المحب عند الزهاد اظهر من الاجتهاد میں حب زاہدوں کے نزدیک شہرت میں اجتہاد سے زیادہ ظاہر ہے۔ وعند التائبين اوجد من اسين وحنين اور تائبوں کے نزدیک نالہ و فریاد سے زیادہ آسان ہے۔ وعند الاشرار اشهر من الفترار اور ترکوں کے نزدیک ان کی آواز ساری سے زیادہ مشہور ہے۔ وسبی المحب عند الصوفاء اظهر من سبی المحمود و زخم لہب اور محبت کی قید ہنود کے نزدیک محمود کی قید اور زخم اور لوٹ سے زیادہ مشہور ہے وقصۃ المحب والمحب عند الروم اشهر من الصليب اور قصۃ حب و صیب روم میں صلیب ظاہر تر ہے وقصۃ المحب فی العرب ادب فی کل حی منہ طوبی او ویل اذا هرب اور حزن اور قصۃ محبت عرب میں ہر جماعت کے اندر یا خوشی یا غم یا نیکی یا انوس کے ساتھ موجود ہے۔

ان تمام ضربِ الامثال سے یہ مراد ہے کوئی جنس انسان سے نہیں جسے غیب میں کام نہ پڑا ہو کوئی دل ایسا نہیں جس میں فرصتِ محبت یا زخمِ محبت نہ ہو اور کوئی ایسا نہیں جس کا دل اس شراب سے مست نہ ہو یا اس کے قلب سے محو نہ ہو۔ اس لئے کہ دل مرکب ہی الہیجان و اضطراب سے ہے اور عقد

دستی کی شراب اس میں لازمی ہے بلکہ دل کے لئے محبت طعام و شراب کے بجائے ہے اور جو وہ
دل از محبت ہے وہ دل دل ہی نہیں بلکہ خراب اور دیرانہ ہے۔ اس کے حاصل کرنے یا دور کرنے میں
کسی تکلیف کو راہ نہیں اور نفس کو ان لطافت سے جو دل پر گندہ تے ہیں اطلاع نہیں۔

اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے محبت کے باب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو جسم سے
سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقام قرب میں رکھا اور جانوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے
پیدا فرما کر درجہ وصل میں رکھ کر ہر روز تین سو ساٹھ بار ان پر ظہیر جہل فرمایا اور انھیں تین سو ساٹھ بار
نظر سے سرفراز کیا اور کلہ محبت اُسے سنایا اور تین سو ساٹھ لطیفانہ اس پر ظاہر و مشکف کئے حتیٰ کہ
کائنات پر نگاہ کر کے فیصلہ کیا کہ اپنے سے زیادہ کسی کو اس کا اہل نہ پایا تو اس میں نورا و فروز پیدا ہوا تو
اللہ تعالیٰ نے اسے سب کا امتحان فرمایا اور سر کو جان میں مقید کیا اور جان کو دل میں اور دل کو تن میں رکھ کر
عقل سے انھیں مرکب کیا۔ پھر انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور اپنے احکام بھیجے تو ہر ایک اپنے اپنے
مکان میں اسی کا تلاشی ہوا۔ حق تعالیٰ نے انھیں نماز کا حکم دیا تاکہ جسم نماز میں ہو اور دل محبت میں اور
جان قربت میں اور سر وصل میں

غرض کہ محبت کے لئے انفرادی جو عبارت میں لائے جاسکیں اس لئے کہ محبت حال ہے اور حال حال
میں نہیں آسکتا۔ اگر سارا جہان دل کر محبت کو اپنی طرف کھینچتا چاہے تو ممکن نہیں اور کوشش کرے کہ اُسے
دفع کر دے تو بھی جہان بھر کے قبضہ میں نہیں۔ کیونکہ وہ نہ ہی چیز ہے نہ مکاسب کے ذریعہ آتی ہے نہ دفع
ہو سکتی ہے۔ وہ الہی ہے اور انسان لاہی اور لاہی کا ادراک نہیں کر سکتا۔

لیکن عشق میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بندہ کو عشق حق
فصل ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی پر عاشق ہونا روا نہیں اور بندہ کو حق تعالیٰ سے
روکا گیا ہے اور حق تعالیٰ بندہ سے نہیں روکا جاسکتا۔ تو عشق بندہ پر جائز ہے اور حق تعالیٰ پر
نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بندہ کا حق تعالیٰ پر عاشق ہونا بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ عشق
نام ہے حد سے تجاوز نہ ہونے کا اور حق تعالیٰ محدود نہیں کہ اس سے تجاوز ہو سکے۔ پھر متاخرین نے
کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عشق دونوں جہانوں میں درست نہیں ہو سکتا۔ مگر ادراک ذات کا عشق ممکن
ہے تو جو بدک ہو وہ مشرق ہو سکتا ہے اور ذات حق تعالیٰ کا ادراک ممکن ہی نہیں۔ لہذا عشق ممکن

نہیں۔ اور یہ بھی قول ہے کہ عشق بلا ویدار صہرت نہیں ہوتا اور محبت سُنتے سے بھی ہو سکتی ہے تو حُب
عشق نظر سے ہوتا ہے تو حق تعالیٰ پر دروا نہیں کیونکہ دنیا میں کوئی حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ حُب یہ
سمجھ لیا کہ وہ دیکھنے سے بالا ہے تو ہر ایک نے عشق بحق کو ممنوع کہہ دیا اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ
اور اک وحس سے بالا ہے اس لئے اس کا عشق روا نہیں۔

حُب اللہ تعالیٰ اپنے افعال و صفات سے احسان کرنے والا ہے اور وہ اپنے ولیوں پر
احسان و اکرام فرماتا ہے تو اس کی محبت روا ہوئی اور عشق ممنوع۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حُبِ محبوب
علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی جدائی کے سبب مستغرقِ محبت ہوئے اور نظر جاتی رہی تو بحال
فرقت ان کے پیرہن کی بو پا کر آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور حُبِ زلیخا کو یوسف علیہ السلام کے عشق
نے ہلاک کیا یا حُب تک یوسف علیہ السلام کا وصل نہ پایا آنکھیں روشن نہ ہوئیں۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ ایک خواہش فحش کی پیروی کرتا ہے اور ایک خواہش فحشانی چھوڑتا
ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عشق کی ضد اور حق تعالیٰ کی ضد نہیں اس لئے عشق اس پر جائز ہوتا
چاہے اور اس پر بھی دلائل ہیں لیکن وجہ اختصار اس پر کفایت کی گئی واللہ اعلم۔

اس گروہ کے شاخ نے دوستی کی تحقیق میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ انہیں سے
کچھ بیان کرتا ہوں۔ تمام کا احصاء تو نہیں ہو سکتا تاکہ تبرکاً اس جگہ آجائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

فصل

حضرت استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ المحبة محو المحب صفات و اثبات
المحسوب بذاتہ محبت یہ ہے کہ محب اپنی صفات کو طلبِ محبوب میں محکوم کرے اور محبوب کا
اثبات اس کی ذات سے قائم کرے۔ یعنی حُبِ محبوب باقی ہو گا تو حُبِ لازمی فانی ہو جائے گا۔
اس لئے کہ بقاء ذاتِ محبوب غیر محبوب کی نفی کر کے اپنا تصرف مطلق کرے گا اور صفت محبت فنا
ہو تو ذاتِ محبوب کے سوا کچھ نہیں رہتا اور یہ ہرگز روا نہیں کہ محبت اپنی صفت میں قائم ہے کیونکہ
جو اپنی صفت سے قائم ہوتا ہے وہ جمالِ محبوب سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور حُب یہ جان لیتا ہے کہ
اس کی حیات جمالِ محبوب سے ہے تو وہ بالضرور اسے اپنی صفات کی نفی اور محبوب کی ذات کا
اثبات مطلوب ہو گا

اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اپنی صفت ثابت ہونے سے محبوب عن المحبوب ہو جائے گا اور مشور

ہے کہ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو حبس سولی پہ چڑھایا گیا تو ان کی زبان سے آخری جملہ یہ نکلے تھے
 حب الواحد افراد الواحد ایک کی دوستی ایک کو ٹیکنا مانتا ہے۔ محب کے لئے یہ کافی ہے کہ اس
 کی ہستی دوستی کی راہ سے صاف ہو جائے اور نفس کا اختیار اس کی حالت شوق میں ہوا وہ سلاشی ہے۔
 ابو یزید بسطام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں المحبة استقلال الکثیر من نفسک واستکثار
 القلیل من حبیبت۔ محبت یہ ہے کہ اپنی اکثر کو قلیل جانے اور دوست کی قلت کو کثرت سمجھنے اور
 بندہ کو حق طریقہ سے یہ سمجھنا ضروری ہے۔ اس لئے نعمت دنیا کو جو بندہ کو ملتی ہے قلیل فرمایا،
 قل متاع الدنیا قلیل فرمادیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ دنیا کی متاع کم ہے اور اس تسلیل
 متاع میں بخوشی عمر کے باوجود بندہ کی بخوشی ذات کو بہت فرمایا ہے واللہ اکبر اللہ کثیرا
 واللہ اکبر ات یعنی ذکر کرنے والے اللہ کا بہت زیادہ اور ذکر کرنے والیاں۔ تاکہ سب کو معلوم
 ہو جائے کہ حقیقی دوست اللہ تعالیٰ ہے اور ایسی دوستی خلعت سے صحیح نہیں اس لئے کہ جو چیز
 اللہ تعالیٰ سے بندہ کو ملے وہ کم نہیں اور خلعت سے جو کچھ ہو وہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
 فضل و کرم سے بندہ کی کم یاد کو بہت فرمایا اور اپنی بے حد نعمتوں کو کم کیا۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں المحبة معانقة الطاعات و
 مباينة المناغبات محبت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت سے معانق رہے اور مخالف امور سے متنب
 رہے اس لئے کہ جب دل میں دوستی کی قوت زیادہ ہوتی ہے تو دوست کا حکم آسان ہو جاتا ہے اور
 جو محمد بن کا یہ قول ہے کہ بندہ دوستی میں اس درجہ پہنچ جاتا ہے کہ اطاعت اسے صاف ہو جاتی
 ہے۔ یہ خالص زندقہ ہے۔

اس لئے کہ یہ محال ہے کہ صحت عقل کی حالت میں تکلیف کا حکم بندہ سے ساقط ہو جائے اس
 امر پر سب کا اتفاق ہے کہ شریعت محمدیہ کبھی منسوخ نہیں ہوتی اور حبس ایک شخص سے صحت عقل کی حالت
 میں اس شریعت کا حکم ساقط ہونا جائز ہو تو سب سے جائز ہوگا۔ یہ خیال نالغس زندقیوں کا ہے
 البشہ ہوش اور مغلوب العشق افراد کا اور حکم ہے (جیسے مجذوب) اور معتوہ عقل اور ماگل مجنون یا
 اس قسم کے دیگر امراض کا عذر لیکن یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو دوستی میں یہ آزادی دے کہ
 اطاعت کی تکلیف سے اسے مستثنیٰ کر کے حکم اطاعت اس پر ساقط کر دے۔ بلکہ جتنی محبت زیادہ

قوی ہوگی اطاعت کرنے کی اتنی ہی توفیق اس پر آسان ہوگی۔

یہ حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حال میں ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ نے لعنہ فرما کر جان پاک کی قسم یاد فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات دن سب کام چھوڑ کر عبادت زیادہ فرمائی حتیٰ کہ پائے اقدس متوہم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہمما ازلنا علیک القرآن لتشتقی کا خطاب ہوا یعنی اسے ماؤ کا دل ہم نے قرآن کریم تم پاس لئے تمنا نہیں فرمایا کہ تمہیں مشقت میں ڈالے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تعمیل حکم کرتے ہوئے بجا آوری حکم کا خیال نہ رہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرة۔ بے شک میرا دل محبوب ہو جاتا ہے اور میں ہر روز ستر مرتبہ اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور یہ بایں سبب ہوتا تھا کہ حضور اپنے اعمال پر نظر نہیں فرماتے تھے تاکہ اپنی طاعت پر کوئی لگان نہ ہو جائے۔ بلکہ امر حق کی عظمت کی طرف نگاہ فرماتے اور یہ عرض کرتے کہ میرے اعمال اس جناب کے لائق نہیں۔

سمعون محب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ذہب المحبون بشا شرف اللہ دنیا والاخرۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرء مع من احب اللہ کے محب دنیا و آخرت کے شرف کی طرف گئے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت رکھے تو یہ لوگ دنیا اور عاقبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس میں خطا و انہیں گرجو پیلے پر گئیں تو دنیا کا شرف وہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور عاقبت کا شرف یہ کہ حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حقیقۃ المحبت مالا ینقص بالجفاء ولا یزید بالعود العطاء۔ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جفاء یا رے کم نہ ہو۔ اور بخشش و عطا سے زیادہ نہ ہو۔ یعنی اصل محبت وہ ہے جو ظلم اور سختی سے کم نہ ہو۔ اس لئے کہ دونوں باتیں محبت میں سبب ہیں اور سبب جو اعیان کی حکمت میں کم ہوتے ہیں اور دوست دوست کی بلا پر خوش ہو سکتا ہے اور محبت کی راہ میں جفا اور وفا برابر ہیں۔ جب محبت حاصل ہو جائے تو وفا مثل جفا اور جفا مثل وفا ہوتی ہے اور حکایتوں میں مشہور ہے کہ ثعلب علیہ الرحمہ کی جنین کی تمت سے شفا خانہ لے گئے اور آپ کو قابو کیا تو ایک گروہ آپ کی زیارت کو آیا۔ آپ نے فرمایا۔ انتم قالوا احباءکم فوما ہوا المجارۃ ففردوا۔ آپ نے فرمایا تم کرن ہو۔ وہ بولے ہم آپ کے دوست ہیں آپ نے انہیں پیچروں سے مارا اور بھاگ گئے تو حضرت

شیل نے فرمایا۔ لو کہنتہ اہلانی لہو فررتہ من بلاقی قاصبو وامن بلاقی ما کرتہ میرے دوست ہوتا
میری بلا سے کیوں بھاگتے ہو۔ صبر کرو اور بلا سمجھو۔ کیونکہ دوست دوست کی بلا سے نہیں بھاگتے۔ اس
باب میں بہت سے اقوال ہیں لیکن اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کشف حجاب ششم۔ زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واقیہو الصلوٰۃ والحقو الزکوٰۃ اور اس کی مانند آیتیں ہیں یعنی نماز
قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔ ایدہ احادیث بھی بہت ہیں اور احکام فراغی ایمان سے ایک زکوٰۃ واجب
ہے اس پر جس پر واجب ہو جائے اس سے اعراض جائز نہیں۔ لیکن زکوٰۃ اتمام نعمت پر واجب ہے
جب ۲۰۰ درہم چاندی کی مقدار ہو کہ نعمت تمام ہو جاتی ہے اور وہ نعمت تقریباً کسی آدمی کے آجائے تو
اس پر پانچ درہم واجب ہیں جب اس پر ایک سال گزر جائے۔ اور میں دنیا پر غلامی بھی نعمت تمام ہے
اس سے نصف دنیا را کرنا واجب ہے اور پانچ اونٹ بھی کامل نعمت ہے اس پر ایک بکری واجب
ہے۔ وفس علی ہذا۔ لیکن ترتیب پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے۔

حضرت سل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم زکوٰۃ جاہکم کما
فرض علیکم زکوٰۃ مالکم۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر تنہا زکوٰۃ واجب کی زکوٰۃ واجب کی جیسے مال
کی زکوٰۃ واجب ہے ایدہ حضرت نے یہ بھی فرمایا ان کل شیء زکوٰۃ و زکوٰۃ البیت الصیافۃ۔ ہر شے
پر زکوٰۃ ہے اور گھر کی زکوٰۃ صاف کاری ہے اور اصل میں زکوٰۃ نام ہے ادائے شکر کا جو اس نعمت
کی مجلس سے ہو۔

چنانچہ تندرستی بھی ایک نعمت ہے تو جسم کے ہر عضو پر زکوٰۃ ہے۔ وہ اس طرز کہ اپنے تمام اعضا
کو عبادت میں مشغول رکھے اور لہو و لعب ایدہ کھیل تماشہ میں شائع نہ کرے تاکہ نعمت الہی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے
پھر باطنی نعمت پر بھی زکوٰۃ لازم ہے لیکن چونکہ یہ نعمت ایسی جنبہ والا ہے کہ اس کی حقیقت کا شمار
نہیں ہو سکتا لہذا اس کی زکوٰۃ دیے ہو سکتی ہے کہ انسان نعمت کو پہچانے اور اسے نعمت جانے کہ وہ حد
شمارے باہر ہے تو اس کا شکر بھی عدد و شمار سے زیادہ کرے اور وہ شکر گزار ہی ہے۔

غرض کہ سو فیاد کرام کے میاں دنیاوی نعمت کی زکوٰۃ دنیا پسندیدہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ غفل

پسند نہیں کرتے اور نخل کامل سے جو بہت بُری صفت ہے دو سو درم ہر ایک سال تک تحت تصرف نہ والا ہی پانچ درم ادا کیے گا اور اہل کرم اس سال جمع ہی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ پاس ہو سب خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اور نخی کے پاس مال جمع نہیں ہو سکتا تو پھر وہ حد زکوٰۃ تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

حکایت

ایک ظاہری عالم امتحاناً حضرت بشی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کرنے آیا کہ کاتہ کیسے ادا کی جائے آپ نے جواب دیا کہ جب بندہ میں نخل ہو اور مال جمع ہو جائے تو دو سو درم چاندی سے پانچ درم دینا چاہئے اور میں دینا رطلانی سے آدھا دینا۔ یہ تو تیرے مذہب کا مسئلہ ہے اور میرے مذہب میں تو کچھ ملک میں رکھنا ہی نہیں چاہئے تاکہ زکوٰۃ سے بچا رہے۔ عالم نے کہا اس مسئلہ میں آپ کا امام کون ہے بشی نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں میرے امام ہیں کیونکہ ان کے پاس جو کچھ محتاسب اللہ کی راہ میں دے دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا ما خلفت لعیالک ابو بکر تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا تو آپ نے عرض کیا۔ اللہ و رسولہ۔ اللہ اور رسول کافی ہیں۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے قصیدہ میں فرمایا ہے

فما وجبت علی زکوٰۃ مال وھل یجب الزکوٰۃ علی الجواد

مجھ پر زکوٰۃ واجب نہیں اور بخشش کرنے والے سخی پر زکوٰۃ کیا واجب ہو۔ تو اہل جو در کرم کامل خرچ ہو جاتا ہے اور ان کا خون بھی معاف ہوتا۔ وہ نہ تو مال سے نخل کرتے ہیں اور نہ خون پر جھگڑتے ہیں اس لئے کہ وہ کسی چیز کو اپنی ملک نہیں جانتے۔ لیکن اگر کوئی جہالت سے یہ کہے کہ جب میرے پاس مال ہی نہیں تو میں علم زکوٰۃ کی کیوں پر دا کروں۔ یہ اس کا کتنا صحیح نہیں اس لئے کہ علم حاصل کرنا فرض میں ہے اور علم سے بے پردائی کرنا کفر فسادات زمانہ سے ایک یہ بھی فساد ہے کہ لوگ صلاحیت اور فقر کے مدعی ہیں اور اپنی جہالت سے علم چھوڑ دیتے ہیں۔

میں بتدیان جماعت متفقہ کہ پڑھا رہا تھا۔ ایک جاہل بھی آکر بیٹھ گیا۔ میں زکوٰۃ میں اونٹ کا ذکر کر رہا تھا اور بنت لبون بنت خاص اور حقہ کے احکام بتا رہا تھا۔ اس جاہل کو ناگوار لگا اور تنگ آکر اٹھ گیا اور کہنے لگا میرے پاس اونٹ ہی نہیں تو بنت لبون وغیرہ کا علم میرے لئے کس کلم کا ہے مہم نے کہا اے جاہل یہ اچھی طرح یاد رکھ کہ جس طرح زکوٰۃ دینے کے لئے علم کی ضرورت ہے وہی علم

لینے کے لئے بھی علم چاہئے کیونکہ اگر کوئی تجھے بنت لبون دے اور تو اسے لے تو اس وقت بھی تجھے علم کی ضرورت ہے۔ ترکِ علم سے بیاں بہت نقصان ہے۔

اسلام میں اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور اسے مال سے مناسبت نہ ہو تو بھی اس پر فرضیتِ علم ساقط نہیں ہوتی۔ مفتوحة بالخشع من الجعل۔

فصل مشائخِ صوفیاء سے اکثر ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے زکوٰۃ لی ہے اور ایسے بھی ہیں جنہوں نے زکوٰۃ نہیں لی۔ جنہوں نے فقر و غنا اختیار کیا ہے وہ زکوٰۃ نہیں لیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مال نہیں لیتے تاکہ ہم پند زکوٰۃ واجب نہ ہو جائے اور دنیا والوں سے بھی ہم زکوٰۃ نہیں لیتے کہ اس سے ان کا ہاتھ اونچا اور ہمارا ہاتھ نیچا ہوتا ہے اور جو فقراء و مسکینوں میں ہوتے ہیں تو وہ اگر لیتے ہیں تو اپنی ضرورت کے لئے نہیں لیتے بلکہ اس لئے لیتے ہیں کہ ہمارے بیاں مسلمان سے فرض ادا ہو جائے تو اس صفت میں انہیں کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے نہ کہ دینے والے کا اور اگر دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا تو لینے والے کا نیچا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَّا يَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ اللہ لیتے ہیں زکوٰۃ

تو چاہئے تھا کہ زکوٰۃ دینے والا لینے والے کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتا اور یہ اعتقاد میں گمراہی ہے تو اونچا ہاتھ وہی ہے جو مسلمان معنائی سے کچھ محکم و جوب لے تاکہ اس کا بوجھ اس کی گردن پر نہ رہے۔ یہ درودیش معنائی ہیں۔ اگر درودیش معنائی اہل دنیا سے نہیں تو ان پر فرض حکم بدستور رہے اور ہر روز قیامت گرفتار ہوں تو اللہ تعالیٰ نے معنائی درویشوں کو تھوڑی سی ضروریات سے امتحان کیا تاکہ دنیا دار لوگ فرضیت کا بوجھ اپنی گردن سے اتار سکیں۔ تو ثابت ہوا کہ فقر کا ہاتھ اونچا ہے اور وہ معنائی حکم شرع اپنا حق لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق اس پر واجب تھا۔

اگر لینے والے کا ہاتھ اونچا ہو تا جیسا کہ اہلِ خواہر سمجھتے ہیں تو اس صورت میں معبرانِ اولیاء العزم کے ہاتھ بھی نیچے ہوتے۔ بتائیں ان کا یہ خیال غلط ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ انھیں نے جو لیا ہے وہ بامرِ حق لیا ہے اور اللہ دین نے بھی یہی طریق جاری رکھا ہے تو وہ غلطی پر ہیں یعنی لینے والے کا ہاتھ اونچا اور دینے والے کا اونچا سمجھاتے ہیں اور یہ بحث چونکہ بابِ جو و نہا کے متعلق ہے اس لئے میں کچھ بیان اس کے متعلق کرتا ہوں۔ واللہ التوفیق۔

سترہواں باب

جو دوسرا

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں السخی قریب من الجنة وبعید من النار و البخیل قریب من النار وبعید من الجنة۔ سخی جنت کے قریب اور جہنم سے بعید ہے اور بخیل جہنم سے قریب اور جنت سے بعید ہے اور فرمایا کافر سخی عند اللہ افضل من مومن بخیل۔ کافر سخی اللہ کے نزدیک مومن بخیل سے افضل ہے۔ اور علماء کے نزدیک جو دوسرا دونوں ایک معنی میں ہیں لیکن تخلیق کی صفت میں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو جواد کہہ سکتے ہیں سخی نہیں۔ اس لئے یہ نام اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمایا نہ رکھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں بیان کیا۔ پھر اجماع اہلسنت نے کہیں یہ نام روانہ نہ کیا۔ یہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں عالم آتا ہے اسے عالم کہتے ہیں لیکن مائل فقیر نہیں کہہ سکتے۔ اگر عالم مائل فقیر تینوں نام قریب قریب ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ جواد ہے تو اس میں توصیف جو در سے نام سے وہ پکارا نہیں جاسکتا کہ اس میں توصیف نہیں ہے۔ بعض نے جواد اور سخی کا یہ فرق بیان کیا ہے کہ سخی دم ہے جو بخشش کرتے وقت خوش دیکھاؤ میں تیز کرے۔ دوست دشمن میں امتیاز رکھے اور اس میں کوئی سبب یا غرض ملحوظ ہو اور یہ جو دکا ابتدائی مقام ہے۔ اور جواد وہ ہے کہ دیتے وقت اپنے ہیکل میں فرق نہ کرے اور اس کا دینا بے غرض اور بے سبب ہو اور یہ شان دو پیغبروں میں خاص تھی۔ ایک تعذرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے تعذرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

احادیث میں ہے کہ حضرت خلیفۃ اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مہمان نہ آجائے۔ آپ کھانا تناول نہ فرماتے۔ ایک دفعہ تین روز تک کوئی مہمان نہ آیا۔ اتفاقاً ایک کافر آپ کے دروازے سے گزرا۔ اس سے پوچھا تو کہہ رہا ہے۔ اس نے عرض کیا کافر ہوں۔ آپ نے فرمایا چلا جا تو میری مہمانی کے لائق نہیں۔ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ملا خلیفہ جسے میں نے ستر سال پالا تو نے ایک ٹٹلی سے نہ کھا۔

حضرت صل اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاتم کی اولاد سے ایک لڑکا آیا۔ حضور نے اسے چہار بچاؤ کا سفر فرمایا۔ اذنا تاکہ کو سیر قوم کا کو موہ۔ جب تمام پاس کسی قوم کا معزز آئے تو اس کی عزت کرو جس نے تین کی ادسا فرمیں میں فرق کیا وہ خلیل اللہ علیہ السلام تھے ان کا درجہ سخاوت تھا۔ اور جنہوں نے کا فر زادہ کو چاد بچپائی یہ مقام جو رہے۔ اس سنی میں بہترین یہ ہے جو کہا ہے کہ جو در متابعت خاطر دی میں تھا جب خاطر ثانی دل پر غالب آجائے تو وہ ملا مت بخل ہے اور ارباب تحصیل تحقیق پہلی خاطر کو بزرگ رکھتے ہیں۔ بہر حال خاطر اول حق ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ نیشاپور میں ایک سید اگر مرد تھا جو ہر در شیخ ابو سعید کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز شیخ نے کسی درخواست سے کچھ سوال کیا۔ اس سوا گیسے عرض کیا۔ میرے ایک دینار ہے اور سونے کا ٹکڑا۔ تو اس کے دل میں آیا کہ دینار دیں۔ پھر اس نے سو چار ریزہ نہ ہی دے دیں۔ تو اس نے ریزہ نہ دے دیا۔ پھر جب شیخ سے گفتگو ہوئی تو اس نے پوچھا کیا حق تعالیٰ سے تنازعہ کرنا جائز ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ تو نے حق تعالیٰ سے تنازعہ کیا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دینار دے اور تو نے ریزہ نہ دیا۔

یہ بھی مروی ہے کہ شیخ ابو عبد اللہ درباری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے یہاں تشریف لے گئے وہ موجود نہ تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کے گھر کا سامان بازار میں لے جایا جائے۔ جب مرید گھر میں آیا تو دیکھا سب سامان بازار جا چکا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور خاموش رہا۔ کیونکہ اسے شیخ کا خوش رکھنا منظور تھا۔

جب اس کی عورت گھر میں آئی اور یہ حال دیکھا تو گھر میں جا کر اپنے کپڑے بھی اُتار دیے اور کہا کہ یہ بھی گھر کا اسباب ہے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو متاعِ شانہ کا تھا۔ گھر والے نے اس پر آواز کسی اور بولا یہ تکلف اختیاری ہے۔ جو تو نے کیا۔ عورت بولی جو کچھ شیخ نے کیا وہ اس کی جو دہتی۔ مجھے بھی اب چاہئے کہ میں بھی اپنی ملک نفس پر تکلف کروں تاکہ میرا جو بھی ظاہر ہو۔ مرد بولا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن جب ہم نے شیخ کو اپنے جوہر تسلیم کر لیا تو وہ ہمارا شیخ کے حوالے کر دینا ہمارے میں جو رہے اور جو آدمی کی صفت میں تکلف اور مجاز ہوتا ہے اور مرید کو ہمیشہ چاہئے کہ اپنی ملک اور نفس کو حکم الہی کے متابعت میں خرچ کرے۔

حضرت سل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ الصوفی ذمہ ہندو ملک مباح سونی

وہ ہے کہ اس کا خون معاف ہو اور اس کی ملک مباح اور شیخ ابو مسلم فارسی سے میں نے سنا کہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے ایک جماعت سے مل کر حجاز کا ارادہ کیا اور ذابح حلوان میں قوم گردنے ہمارا راستہ روک لیا اور ہمارے تمام کپڑے چھین لئے۔ ہم نے ان سے مقابلہ نہ کیا اور سوچا کہ اگر ہم مقابلہ نہ کریں گے تو یہ ہم سے خوش ہوں گے۔

ہمارے ساتھیوں میں ایک شخص بہت بے قرار ہوا۔ گردنے اُس پر تلوار سوتی ایسا سے قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ ہم سب نے اُس گردنے سے سفارش کی۔ گردنے نے کہا کس طرح جائز نہیں کہ میں اُسے چھوڑ دوں۔ یہ بھیڑنا ہے میں اسے مزید قتل کروں گا۔

ہم نے گردنے پر بھیاریہ کیسے جھوٹا ہے۔ گردنے نے کہا یہ صبیح نہیں ہے اور صبیحیں ہیں وہ کہ خباثت کرتا۔ ایسا آدمی نابرو کر دینا لازمی ہے۔ ہم نے کہا اسے آپ نے صوفی کس طرح نہیں مانا۔ گردنے جواب دیا کہ صوفی مردوں کا خاصہ جو ہے اور اس کے لباس میں چند جھیرے اور پیوندیں یہ اس پر نہیں کر سکتا۔ یہ کیونکہ صوفی ہو سکتا ہے کہ اپنے یاروں میں اتنا جھگڑتا ہے۔ ہم دونوں سے تمنا ا کام کر رہے ہیں اور تمنا راستہ لوٹ رہے ہیں اور تمنا سے تعلقات قطع کرتے ہیں۔ تم کہیں طال نہیں کرتے۔

روایت ہے کہ عبداللہ بن جعفر ایک گروہ کی چراگاہ میں پہنچے اور حبشی غلام کو دیکھا کہ بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے کہ ایک کتا آیا اور اس حبشی کے آگے بیٹھ گیا۔ اس نے روٹی نکالی اور کتے کے آگے ڈال دی۔ اس نے پھر چاہی۔ حبشی نے دوسری روٹی ڈال دی۔ پھر تیسری روٹی ڈال دی۔

عبداللہ فرماتے ہیں۔ میں اس کے پاس گیا اور کہا اسے غلام تیرا دندانہ کا کھانا کتنا ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ اتنا ہی ہوتا ہے جو تم نے دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تیرے سب کتے کو کھانے دیا۔ غلام نے کہا۔ اس لئے بے دیا کہ یہاں کتے نہیں اور یہ کہیں دور سے یہاں آیا ہے مجھے اچھا معلوم نہ ہوا کہ اس کی محنت ضائع کروں۔ آپ فرماتے ہیں مجھے اس کی یہ بات پسند آئی اور یہ چراگاہ اور بکریاں اور غلام خرید فرما کر اس غلام کو آزاد کیا اور اسے وہ چراگاہ اور بکریاں عطا فرمائیں۔ غلام نے آپ کو دعا دی اور بکریاں صدقہ کر دیں اور چراگاہ کی زمین وقف کر کے خود چل دیا۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر آیا اور سوال کیا۔ اسے اجی بول اٹھا چار سو روپے ہم مجھ پر قرض ہیں۔ حضرت امام نے چار سو روپے اُسے عطا فرمائیے اور گھر میں نئے بوٹے

تشریف لے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور روکنے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا: میں نے اس سائل سے دریافت کرنے میں غلطی کی جس کی وجہ سے اسے سوال کرنا پڑا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کو بخشش فرماتے ہوئے کسی کے ہاتھ میں دیئے کی بجائے زمیں پر رکھ دیتے تاکہ وہ خود اٹھا سکے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور اس میں کیا حکمت ہے۔ فرمایا: دنیا رک کی وہ قدر نہیں جو کسی مسلمان کے ہاتھ کی مجھے عزت ہے۔ اگر میں کسی کے ہاتھ میں دین تو میرا ہاتھ اٹھنا اور محتاج کا ہاتھ نیچا ہوگا اور مجھے گراہ نہیں۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہ حبش نے دو من مشک پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کا سہا پانی میں ڈال دیا اور اپنے صحابہ کرام کے مل دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سال حضور کی خدمت میں آیا۔ حضور نے وہ سالوں کے درمیان ایک سو ادنیٰ تھی وہ بکروں سے بھر کر اسے عطا فرمادیں۔ وہ اپنی قوم میں آیا اور پکارا یا قوم صلا اے میری قوم جلدی مسلمان ہو جا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بخشش فرماتے ہیں کہ اپنے مددگار ہونے کا خوف نہیں کرتے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک روز حضور کی خدمت میں ہزار درہم آئے۔ ان حضور نے انھیں کل مبارک پر ڈالا اور وہاں سے جب آئے تو سب تقسیم ہو چکے تھے اس پر حضرت مولا علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں میں نے حضور کی طرف نظر ڈال تو معلوم ہوا کہ بھوک کی وجہ سے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا تھا۔

میں نے متاخرین سے ایک درویش دیکھا کہ بلو شاہ نے اُسے تین سو درہم زر خالص بھیجے۔ اس نے وہیے اذکر ابہ میں ملا گیا۔ واپس آتا تو تمام کے تمام درہم گرم آہ دالے کر دے کر چلے گئے۔

ایسی بہت سی روایتیں مذہبِ زریاں کی ہیں جس سے ایشیاء واضح ہوتا ہے لیکن میں اس پر اختصار کرتا ہوں واللہ تعالیٰ اعلم

کشف حجاب، ہفتم۔ روزہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام الا یہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الصوم علی وانا احدی بہ

روزہ میرے لیے ہے اور میں روزہ دار کا بدلہ ہوں۔

روزہ ایک باطنی عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے کہ ظاہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور کسی غیر کو اس سے کوئی حقہ نہیں۔ اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا بھی بے حد رکھی۔ اور دیکھتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہونا رحمت سے ہے اور عبادت کا روزہ جوار غلہ بجز روزہ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انا ابھری بہ فرما کر بتایا۔

اور حضرت بنیہ فرماتے ہیں الصوم نصف الطریقة روزہ نصف طریقت ہے اور اکثر شائخ کرام کو دیکھا گیا کہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور بعض کو دیکھا کہ وہ صرف رمضان میں روزہ رکھتے ہیں اور صرف رمضان ہی میں روزہ رکھنا ترک اختیار اور باجناپ ریا کے واسطے ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ اکثر روزہ رکھتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ جب کھا اساتے یا کھا دیتے ہیں اور یہ مطابق سنت ہے۔

اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ ہر دو ازواج مطہرات نے عرض کیا انا قد خبانا لك حيسا قال صلى الله عليه وسلم اما اني كنت امر بيدا الصوم ولكن قسريه سا صوم يوم ما مكانا هم نے حضور کے لیے میں تیار کیا ہے دس گشت کے شوربہ میں ردل بھگرنے کو کہتے ہیں حضور نے فرمایا۔ میں نے آج روزہ کا ادا کیا تھا لیکن لاؤ آج کی بجائے کل روزہ رکھ لیں گے اور ہم نے دیکھا کہ حضور آیام بیض میں تیسرا چودہ پندرہ قمری تاریخوں میں اور عشرہ محرم میں حضور ہمیشہ روزہ رکھتے۔ اور رمضان و شعبان میں بھی روزہ رکھتے اور میں نے دیکھا کہ صوم داؤد بھی رکھتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خیر الصیام فرمایا اور صوم داؤد کی اس طرح ہوتے ہیں کہ ایک روز روزہ ایک روز افطار ہو۔

ایک بار میں حضرت احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوا تو طوے کی کالی ان کے سامنے رکھی تھی اور آپ کھا رہے تھے۔ انھوں نے مجھے بھی اشارہ فرمایا۔ میں نے روکپن کی عادت کے موافق عرض کیا میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ انھوں نے بہر حیا کیوں میں نے عرض کیا۔ فلاں صاحب جو روزہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ خلقت کو ایک دوسرے کے مطابق کرنا دوست نہیں تو میں نے روزہ افطار کر کے کھا دیا۔ جاری مطابق کرنے ان کی موافقت کر کے ہے۔

تویری موافقت میں ذکر میں بھی غلوئی میں سے ایک بندہ چہا کیونکر یہ دوزخ ایک جیسے ہیں۔ اور حقیقت میں روزہ بند رہنے کو کھتہ ہیں اور تمام طاقت اس میں پوشیدہ ہے اور بہت کم درجہ کا روزہ یہ ہے۔
 بندہ گنا کا قول ہے الجوع طعنا مراہٹ فی الاغضب۔ جو کہ زمین میں خدا کا کھانا ہے اور جو کہ تمام لوگ مکمل رشرع کی طرف سے پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک ماہ تو سال بھر میں ہمیشہ روزہ فرض ہے اور ہر ایک مائل بالغ مسلمان تدرست اور مقیم پر وہ جب فرض ہوتا ہے جب چاند ماہ رمضان کا رکھ لے اور ہلال ماہ شوال تک رہتا ہے اور ہر روزہ کے واسطے نیت لازم ہوتی ہے۔
 لیکن بندہ نے کہے ہیں بہت سی شرطیں ہیں۔ جیسے پیٹ کو شراب، طعام سے بند رکھنا، آنکھوں کو شہوات سے بند رکھنا، کانوں کو فحشیت مٹھنے سے اور زبان کو فساد اور بے ہودہ بکھنے سے۔ بدن کو متابعت دنیا سے اور غلبہ شریعت سے۔

پھر یہ شخص حاصل روزہ دار ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذ اصمت فلیصبر سمعك و بصرك و لسانك و یدك۔ و كل عضو جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ اپنے کان اور آنکھ اور زبان اور ہر عضو کو منہیات سے بند کرے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب صائم لیس له من صوم الا الجوع والعطش۔ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ جھکا کر روزہ سے جو کہ اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور میں صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان جلالی عرض منہ ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ ہدایت فرمائیے۔ حضور نے فرمایا اجلس۔ حواسک اپنے حواس بند رکھ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حواس بند رکھنا پورا مجاہدہ ہے۔ اس لیے کہ تمام علم انہیں حواس خمسہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک بندہ رکھنا دوسرا سنا تیسرا چکھنا چوتھا سونگھنا پانچواں چھونا اور یہ ہی پانچوں علم اور عقل کے شہسار اور سالار ہیں اور انہیں پانچ کے واسطے جگہ خاص ہے۔ ایک تمام بدن میں پھیل ہوا ہے۔ آنکھ تمام دیکھنے کے تمام پر ہے کہ وہ موجود چیز اور زکات کو دیکھتی ہے۔ کان سننے کے تمام پر ہے جو خبر اور آواز سننے میں۔ اور زبان ذائقہ کا مقام ہے مزہ بے مزہ معلوم کرتی ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے۔ خوشبو بدبو کو پہچانتی ہے۔ اور چھونے کے لیے کوئی عضو مخصوص نہیں۔ یہ تمام بدن میں پھیل ہوئی ہے جس سے نرم سخت، گرم سرد معلوم ہو سکتا ہے۔ اور علوم سے کوئی ایسا نہیں جسے آدمی حاصل کر سکے اور ان حواس خمسہ کے ذریعے حاصل نہ ہو۔ مگر

کرنی چاہی تو ضرور منع فرمادیا۔ اور کہا انی یست کا حد کھانی ابیت یعنی غسل ربی
 یطعمنی ویسقیہ۔ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب کے پاس شب بائیں رہتا ہوں اور
 وہ مجھے کھانے پینے کو دیتا ہے۔ تو اگر اب رہا ہوا کہتے ہیں منع تو ناشتہ تھا یہ حرمت گھری نہیں بنتی۔
 ایک گروہ کہتا ہے کہ صوم وصال کو تاخلاف سنت ہے لیکن حقیقت میں وصال خود محال ہے۔ اس
 لیے کہ جب دن گر گیا تو رات کو روزہ نہیں ہوگا اور جب رات کو روزہ سے طویا جائے تو بھی وصال نہیں ہوگا۔
 حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے کہ آپ چند روزہ کے بعد
 کھانا تناول فرماتے اور جب ماہ رمضان المبارک آتا تو عید تک کھانا تناول نہ فرماتے اور ہر رات چار سو رکعت
 نفل ادا کرتے یہ آپ کی کرامت تھی اس لیے کہ طریقہ طاقت بشری سے دراد ہے اور بغیر خدائی عطا کے
 یہ طاقت نہیں آسکتی۔ وہ ایک ائمہ فقیہ ہے جو منزلہ فذا ہوئے ہے۔ ایک سہ ماہی ہے جس کی غذا نیا کھانا ہوتا
 ہے۔ ایک وہ ہے جس کی غذا اللہ تعالیٰ کی اعانت محض ہے۔

حضرت شیخ ابو الفرج طائوس الفقیر صاحب المصنف مشہور ہے کہ رمضان المبارک میں بغداد
 میں پہنچا اور سجدہ شونیزہ میں انہیں ایک طبعہ بھر دیا گیا اور ہاں کے سردیشوں کی امانت ان کے سپرد کی
 گئی۔ آپ عید تک ان کی امانت فرماتے رہے اور تاریخ میں پانچ قرآن کریم روزانہ ختم فرماتے۔ ہر رات
 ایک ہزار ہا نماز آتا اور کوٹھڑی کے پاس ایک دولہ دے جاتا۔ جب عید کا دن ہوتا تو وہ خادم آپ کے
 پاس آتا اور دیکھا کہ تیس مدھیاں ویسی ہی کھیں ہوئی ہیں۔ حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی
 ہے کہ حضرت جنس مصنفی کو میں نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں چند راتوں روزے کے سوا کچھ تناول نہیں
 فرمایا۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک روایت ہے کہ آپ نے رمضان میں شروع سے
 کوٹھڑی تک کچھ نہ کھایا۔ ہمیشہ گرمی کا تھا اور آپ اسی حالت میں گندم کا پیسٹا اور اس کی مزدوری جو ملتی فقیروں
 کو تقسیم فرمادیتے اور تمام شب طریح آفتاب تک فاعل میں مشغول رہتے۔ ایک روز ان کی نگرانی کی گئی تو
 انہوں نے کچھ کھایا اور نہ شب میں سوئے۔

اور حضرت شیخ ابو جہد اللہ غنیف کے متعلق روایت ہے کہ جس روز آپ نے دنیا سے رحلت
 فرمائی اس وقت تک چالیس چلتے لگا تا پورے کئے اور میں نے ربابان میں ایک ضعیف العمر دیکھے کہ وہ
 سال میں دو چلتے پورے کیا کرتے تھے۔ اور دانشمند حضرت ابو محمد باغزی جب دنیا سے وداع ہوئے
 میں ان کی خدمت میں تھا۔ اسی روز آپ نے کچھ کھایا اور آپ کی کوئی نازبے جماعت اذان ہوئی۔

تافریں سے ایک درویش تھے جو اتنی لذتہ شب کو نہ کھاتے اور ہر نماز باجماعت ادا کرتے۔ مرد
میں دو ضعیف العمر تھے۔ ایک کا نام مسعود تھا اور دوسرے کا نام شیخ بوملی سیاح تھا اور اللہ علیہما کہتے
ہیں مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بوملی کی طرف آدمی بھیجا کہ کب تک یہ ڈھوی کر دے گا۔ آؤ چالیس روز
ایک جگہ بیٹھیں اور کچھ نہ کھائیں پئیں۔ انہوں نے فرمایا آؤ اور دلی میں تین بار کھائیں پئیں اور چالیس دن تک
دھور رکھیں۔

اس مسئلہ میں جو اشکال ہیں وہ دروز و عیون میں بحالہ قائم ہے جہاں چالیس روز کا نام چٹا شکل
ہے جہاں چالیس روز دن میں تین بار کھانا پینا اور ایک دھور سے چلے پدا کرنا شکل بلکہ محال معلوم ہوتا
ہے۔ جاہل لوگ اس سے سند لیکو کہتے ہیں کہ صوم وصال اس سے دعا معلوم ہوتا ہے اور طیب
لوگ اس سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن میں اس کی تصریح بیان کر رہا ہوں تاکہ اشتباہ صاف ہو جائے۔
اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسا وصال جو قرآن حق تعالیٰ کی اتباع میں خلل و انداز نہ ہو کراہت ہے اور
کراہت کے لیے خاص عمل ہوتے ہیں۔ یہ قوت و استقامت عام نہیں ہوتی۔ جب اس کا حکم عام
نہیں تو عوام کو درست نہیں۔ اگر کراہت عام ہوتی تو ایمان بالبحر ہوتا اور عارفوں کو معرفت پر غلبہ
نہ ہوتا۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب مجزہ تھے انہوں نے صوم وصال فرما کر اہل کراہت
کو اس کے ظاہر کو غیب سے منع کر دیا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ کراہت کا چھپانا لازمی ہے اور مجزہ کا ظاہر
کرنا لازمی ہے اور یہی فرق مجزہ اور کراہت کا ہے۔ جتنی کے لیے اسی قدر بیان کافی ہے۔
ان کی چٹہ نشینی کا اصول ہر صلی علیہ السلام کی حالت سے تعلق رکھتا ہے جو ہم کلائی کے مقام
میں وارد ہوا۔ جب آپ نے چاہا کہ کلام حق تعالیٰ کانوں سے سنیں۔ حکم ہوا کہ چالیس روز بھوکے
ویں اور تیس روز گزر جانے کے بعد سواک کریں اور دس روز ٹھہریں تو ہر روز کلام الہی ان کے
کان میں آئے گا۔ اس لیے کہ جو چیز انبیا کرام کو ظاہر ہوا جائز ہوتی ہے اولیاء کرام پر وہ خفیہ طور
پر ہوتی ہے۔ تو طبیعت قائم رہنے کی حالت میں کلام حق چٹا جائز نہیں ہوتا۔ اور ہا و طبع کے
واسطے چالیس روز کھانے پینے کی ترک لازم ہے تاکہ وہ مقہور ہوں اور صفائی بہت اور لطافت
روح کے واسطے یہ امور لازم ہیں۔ اور باب الجوع اسی کے موافق ہے اور ہم اس کی حقیقت
ظاہر کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اٹھارھواں باب

بھوک وراس کے احکام

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَلَتَبْلُوكُم مِّمَّنْ فِي الْخَوَافِ وَالْجُوعِ وَنَقْصِ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔ یعنی ابدہ آزمائش کے تین خوف، بھوک اور نقصان مال اور جان اور ثمرات سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بطن جائع احب الی اللہ تعالیٰ من سبعین حلیہ عاتل۔ بھوکا پیٹ اللہ کو پیارا ہے ستر ماہد ماقولوں سے۔
 واضح رہے کہ بھوک کو بڑا شرف ہے اور تمام امتوں اور مذہبوں میں پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ جب دیکھا جائے تو بھوک کے کلالہ کی ہوتا ہے اور طبیعت ہندب اور زندرستی زیادہ خاص کر ہیرا جی کم رکھنے ریاست میں سب سے زیادہ اپنے آپ کو آراستہ کر لیتا ہے لِأَنَّ الْجُوعَ لِلنَّفْسِ خُضُوعٌ وَلِلْقَلْبِ خُشُوعٌ۔ اس لیے کہ بھوک نفس میں خضوع پیدا کرتی اور دل میں مجز دنیا بڑھاتی ہے۔ بھوک کے آدمی کا بدن کمزور ہو جاتا ہے اور دل میں مجز و نیاز اس لیے کہ قربت نفساں بھوک سے ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیعو ابطلونکم واطموا اکبادکم واعدوا اجسادکم وعل قلوبکم ترون اللہ حیثا نا فی الدنیا۔ اپنے شکم مجز کے رکھو اور مجز ہا سے اور بدن لاغر شاید تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کا جمال دل کی آنکھوں سے دیکھ لو۔

اگرچہ بدن بھوک سے بکلا میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی ہوتی ہے اور جان میں صفائی اور صبر میں تعاد حق کا سودا حاصل ہوتا ہے۔ جب سر کو سودا حاصل ہو جائے اور جان میں صفائی آجائے، دل میں روشنی آجائے تو تن اگر تنہا بلا میں پڑے تو کچھ نقصان نہیں۔ اور سیر ہو کر کھانے اگر کچھ بڑا خطرہ نہیں۔ کیونکہ اگر خطرہ ہوتا تو بیل سیر ہو کر نہ کھاتے۔ اس لیے کہ بیل گائے کا کام سیر

ہو کر کھاتا ہے اور بھوکا رہنا بیاروں کا علاج ہے اور یہ بھی ہے کہ بھوکا رہنے سے باطن آباد ہوتا ہے اور
سیر ہو کر کھانے سے جوف شکم کی آبادی ہے۔

ایک شخص عمارت باطن میں عمر بسر کرتا ہے تاکہ فاضل اللہ کا ہر جائے اور ملاقات سے
علیحدہ رہے تو وہ کب برابر ہو سکتا ہے۔ اس شخص کے جو عمارت جلا اور غریب نفسانی میں عمر
بسر کرے۔ ایک کو دنیا کھانے کے واسطے چاہیے۔ ایک کو کھانا عمارت کے واسطے۔ ان میں بڑا
فرق۔ و ان کان المتقدمون یا کلون ليعشون وانتہ قیشون لتاکلوا۔
مقدمین اس لیے کھاتے تھے تاکہ زندہ رہیں اور تم اس لیے جیتے ہو کہ کھاؤ۔

الجوع طعام الصمدیقین ومسلك المريدین وقید الشیاطین بھوک
صدیقوں کا طعام ہے اور مریدوں کا راستہ اور شیطان کے قید کرنے کا ذریعہ۔ اور حضرت آدم علیہ السلام
کا جنت سے باہر تشریف لانا اور قرب حق سے دُور ہونا اگرچہ حکم قضا و قدر تھا لیکن بظاہر ایک نعم
کے لیے ہی تھا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ بھوک سے جو بیقرار ہو وہ بھوکا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کھانے کا قابض
باغوراک ہوتا ہے اور جسے بھوک کا درد چھتا ہے وہ تارک طعام ہوتا ہے۔ وہ کھانے سے لگا ہوا نہیں
ہوتا۔ جو کھانا موجود ہوتے ہوئے ترک کرے اور بھوک برداشت کرے وہ بھوکا نہیں اور نہ تا کمل
انکار حقیقت ہے کہ شیطان کا بند کرنا اور غریبشات نفسانی کا روکنا بغیر بھوکے رہنے کے ممکن
نہیں اور کئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ من حکم المویدا ان یکون فیہ ثلثۃ اشیاء
نومہ غلبۃ وکلامہ ضرورہ واکلہ فائقہ مرید کے لیے تین حکم ضروری ہیں۔ وہ
غلبہ کے وقت سوئے۔ ضرورت سے زیادہ کام نہ کرے۔ کھانا ناقبیر نہ کھائے۔ اب فاقہ کی مقدار
بعض کے نزدیک اڑتائیں گھنٹہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک بستر گھنٹے اور بعض ایک ہفتہ کہتے ہیں۔
اور بعض چالیس دن بناتے ہیں اور معتقین کہتے ہیں کہ صبح فاقہ چالیس رات دن میں ہوتا ہے۔ اور اس
مدت میں وہ اتنا بلند حوصلہ رہے کہ درمیانی مدت میں جو کچھ اضطراب و اضطراب اور قلق پیدا ہوتا ہے
برداشت کرے۔

اور اللہ تجھے معاف فرمائے۔ یہ اچھی طرح جاننے کے قابل معرفت کی رگیں سب اسرار باطنی

www.marfat.com

کی دلیل ہیں۔ اور ان کے دل اُس مجنوں مقام پر چڑھتے ہیں جہاں سے آگے بلندی نہیں۔ ان کے سینوں میں درد و اذیت کھلے ہیں اور عقل اور خواہش نفاقی ان کے حلوں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ روح تو عقل کی مدد کرتی ہے۔ اور نفس خواہشات کی امانت میں ہوتا ہے۔

جتنی کہ غذاؤں سے طبیعت کی پرورش ہوتی ہے۔ نفس کو قوت ملتی ہے اور عرصہ و طوابعات بڑھ جاتی ہیں اور اعضاء میں اس کا قبضہ عام ہو جاتا ہے۔ پھر ہر رگ میں اس کا اثر پھیل کر ایک پردہ بن جاتا ہے اور جب غذاؤں کی طلب کم کر دی جائے۔ طوابعات ضعیف ہو جاتی ہیں عقل کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ نفس کا تصرف ٹوٹ جاتا ہے۔ اس وقت اس کے اسرار و دلائل ظاہر ہوتے ہیں اور جب نفس اپنی حرکات سے عاجز ہو جاتا ہے اور خواہشات وجود سے فنا ہونے لگی ہیں تو ہر باطل بے اثر ہو جاتا ہے اور انفراد حق میں محسوس ہوتا ہے اور مرید کی تمام مراد حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابو عباس تصاب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ طاعت و معصیت میرے دو گروہ ہیں۔ جب میں کھانا پیتا ہوں اپنے زبرد میں گناہ ہی گناہ ہوتا ہوں۔ اور جب کھانا چھوڑ دیتا ہوں تو تمام وجود میں اطاعت و عبادت کی اصل دیکھتا ہوں۔ بھوک کا بھل مشاہدہ ہے اور اس کے لیے مجاہدہ لازمی ہے۔ جب شکم سیری میں مجاہدہ ہو تو وہ مجاہدہ بھوکا رہنے سے بہتر ہے اس لیے کہ میدان جنگ اور مشاہدہ برابر ہے اور مجاہدہ بچوں کا کھیل ہے۔ فاشعیر شاہد الحق خیر من الجوع شاہد الخلق۔ معنی شکم سیری میں مشاہدہ حق بھوکا رہنے کے مشاہدہ سے افضل ہے جس سے مشاہدہ خلق ہو۔ اور اس میں بہت سی کمزوریاں ہیں لیکن میں اسی پر اختصار کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ و بادشاہ القویق۔

کشف حجاب، شتم، حج

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجِبَّ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنَ السُّتُطَاءِ رَآئِهِ سَبِيلًا یعنی لوگوں پر اللہ کے لیے حج کرنا لازم ہے جس کے لیے راستہ میں جانے کی طاقت ہو۔ خود اگر کوئی مذکر نہ ہو۔ فرض میں عین سے ایک فرض حج ہے جو صحت عقل اور بلوغ اور اسلام اور استطاعت علی السبیل کی صورت میں بندہ پر فرض ہے۔

جیسا کہ طریقہ ہر محلے فرمایا۔ ہر رگ سے تار شتم کا جھنڈا نازیت

... یہ حیثیات میں احرام باندھنا۔ عرفات کے میدان میں نویں ذوالحجہ کو پہنچتا ہے۔ اور خانہ کعبہ کا طواف زیارت کر لیتا ہے بلا اتفاق و بلا اختلاف اور اسی صفا و مروہ۔ لیکن حرم میں بدعت احرام جانا ممنوع ہے۔ حرم کو حرم اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام اور جگہ اسن ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے دو مقام ہیں۔ ایک حرم کے لیے دوسرا دل کے لیے۔ مقام حرم مکہ معظمہ ہے۔ مقام دل غلت ہے۔ جو ان کے مقام جہاں کا اللہ کرے اسے تمام لذات و شہوات سے منہ موڑنا لازمی ہے اور احرام باندھنا بھی ضروری ہے۔ حال انکار ترک کرنا بھی لازمی ہے اور تمام محاسن کا رد کرنا بھی لازم ہے۔

عرفات میں نویں ذوالحجہ کو حاضر ہوتا۔ وہاں سے مزدلفہ جا کر کھڑے ہوتا۔ مکہ منظر کا طواف منامیں آ کر تیسرا روز رہتا۔ رومی جبار کرتا۔ خلق یا قصر کرنا قربانی کرتا۔

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام دل کا اعلان کرے تو مرغوب چیزوں کا ترک کرنا لذات و راحت کا چھوڑنا۔ اختیار سے ان کے ذکر و افکار سے منہ موڑے۔ اس لیے کہ دنیا کی طرف متوجہ ہونا ایسے ماہ میں زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ پھر معرفت کے عرفات میں کھڑا ہوا اور مزدلفہ الفت کا قصد کرے۔ پھر سرسبز یہ حق کے طواف میں لے جائے اور خواہشات و خیالات ناسہ کو اس کے سامنے میں آگے اور نفس کو ہمارے قربان گاہ میں قربان کرے تاکہ مقام غلت پر پہنچ جائے۔ توفیق کے مقام میں داخل ہونے کے بعد دشمن اور اس کی تلواریں سے اس لینا ہے۔ اور دل کے مقام میں داخل ہونے سے قطع ہونے سے اس ملتا ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الْحَاجُّ وَفَدَا اللّٰهُ يَعْطِيهِ مَا سَأَلَ وَيَسْتَجِيبُ لَهُ مَا دَعَا۔ حاجی خدائی و فرد میں جو چاہتے ہیں ان کو ملتا ہے اور جو دعا کریں مستجاب ہوتی ہے۔ ایک گروہ پناہ چاہتا ہے۔ ندو ما ملکتا ہے بلکہ اپنے کو حق تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دیتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِذِي الْعَالَمِينَ۔ جب ابراہیم کو اس کے رب نے فرمایا کہ فرماں بردار ہو تو عرض کیا میں فرماں بردار ہوں رب العالمین کا۔

اور جب ابراہیم علیہ السلام مقام غلت پر پہنچے تو تعلقات چھوڑ دیئے اور خیر اللہ سے انقطاع فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا مقام غلت پر جلوہ نما ہونا چاہا۔ نمرود کو مقرر کر دیا تاکہ انہیں ملے باپ

سے جدا کر دے۔ آگ دہکائی۔ فیضانِ کراہی کے کھنہ پرانیوں کاٹنے کے پڑے میں بانڈھا اور کھنہ
 یعنی ڈھینکل کے ذریعے آگ میں پھینکا۔ درج بالا میں ماضی ہوئے اور کھنہ لگے۔ یا ابراہیم
 علیہ السلام نے فرمایا۔ اما الیہ قلاد میری حاجت تجھ سے کچھ نہیں۔ جہیل نے عرض
 کیا۔ مجھ سے نہیں تو اپنے رب سے کچھ عرض کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ حسبِ من سوال علیہ بحالی

میرے سوال سے پہلے وہ مجھے کافی ہے۔ اُسے میرے سوال کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مجھے آگ میں کس
 لیے ڈھکا ہوا ہے۔ اس کی شیت کے مقابل مجھے سوال کرنا منزع ہے۔

نورین فضل فرماتے ہیں۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا میں اس کا گھر ڈھونڈتا ہے۔ وہ دل میں
 اس کا شاہد کیوں نہیں جانتا۔ کیونکہ اس اوقات گھر نہیں ملتا اور کبھی مل جاتا ہے۔ اور شاہد ہر وقت رہتا
 ہے۔ جب وہ پھر میں کی زیارت فرمیں داخل ہے جس پر ایک نظر فرمائی گئی۔ دھجرا سو (تو وہ دل میں
 ہدایت دل میں قیہ سوساٹھ نظر فرمائی جائے۔ مکیوں اس سے اولیٰ و افضل نہ ہو۔

چنانچہ اہل تحقیق راو مکہ ستر میں ہر قدم پر ایک نشان بتاتے ہیں اور جب حرم میں پہنچے ہیں اس
 ہر قدم کے بدلے ایک غلت حاصل کرتے ہیں۔

ابو زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو عبادتوں کا بدلہ اور نیکیوں کا ثواب کل پچھوڑے نہ آج
 ایساں عبادت کیوں کر کرے۔ جس میں ہر دم کا ثواب اور اجر ہوا۔ اسی وقت حاصل ہے اور جس نے
 وہی کہتا ہے کہ میں نے پہلے حج میں سوائے گھر کے اور کچھ نہ دیکھا۔ دوسری مرتبہ جب اس نظر و
 بصیرت سے حاضر ہوگا تو کہے گا (میں نے بیت اور صاحبِ بیت کو دیکھا اور جب اس سے بھی زیادہ
 شہود حاصل ہوگا تو تیسری بار کہے گا میں نے صرف صاحبِ بیت کو دیکھا غرض کہ جتنا بجا ہو رہتا ہے
 اتنا عزم نہیں ہوتا۔

بلکہ یہ مقام اسے ملتا ہے جس کے دل میں شاہدِ تعظیم ہوا اور جسے تمام جہان چلنے میلا و قرب
 اور خلوت خانہ انس نہ ہوا سے دوستی سے ابھی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اور جب بندہ مکاشفہ کی حالت
 میں ہو تو سب جہان اس کے لیے حرم ہوتا ہے اور جب حجاب کی حالت میں ہو تو خود حرم بھی اس
 کے لیے ظلم کا جہان ہوتا ہے۔ اظہار الاشیاء دار الحیب بلا حیب سب سے زیادہ
 اندھیرا حیب کے گھر ہوتا ہے جب اس گھر میں حیب نہ ہو۔ تو مقامِ غلت میں مشاہدے اور فنا

کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان معنی میں کعبہ معکے کا دیدار لازم فرمایا ہے۔ باقی کعبہ کی قدر یا قیمت نہیں
مگر سبب کو سبب سے تعلق لازمی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و معلوم کس پہلو سے جلو دکھائے اور
کہاں سے ظہور فرمائے۔

طالب کی مراد تو صرف مطلوب ہوتا ہے۔ مگر اس کی جلو گری و معلوم کس سمت سے ہو۔ اسی
وجہ میں جنگل اور صحرا میں صحرا فردی مجاہدوں کی ہوتی ہے تاکہ کسی طرح ان کی مراد پر ہی ہو۔ عرف عرم کا
دیکھنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دوست کا گھر دیکھنا تو عرم ہوتا ہے۔ یہ تو درحقیقت ایک قسم کا مجاہد ہے جو
شوق دیدار یا بقیہ ہو کر کرتا ہے اور گراؤ محبت ہے جو دہائی ظہور پر بلے چین کرتا ہے۔

ایک شخص حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم کہاں
سے آئے ہو۔ اس نے کہا حضور حج کر کے آیا ہوں۔ جنید نے فرمایا۔ تم حج کر کے آئے ہو اس نے
عرض کیا۔ جی ہاں۔ اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل سوالات کیے۔

جنید۔ جب تو بریت حج گھر سے نکلا اور اپنے وطن سے کرج کیا تو اس وقت سب گناہوں
سے بھی کرج کیا تھا یا نہیں۔

حاجی۔ حضور سے تو نہیں کیا۔

جنید۔ تو پھر گھر سے چلا ہی نہیں۔ اچھا جب تو گھر سے چلا اور منزل پر قیام کیا تو رات ہی میں
طریقت کا مقام بھی ملے کیا یا نہیں۔

حاجی۔ حضور اس کی تو مجھے خبر ہی نہیں تھی۔

جنید۔ تو پھر تو نے منبریں بھی ملے نہ کیں۔ اچھا جب تو نے احرام باندھا تو بیقات میں مناسک
بشریت سے علیحدگی کی جس طرح کپڑے اور عادات سے علیحدگی کرتے ہیں۔

حاجی۔ حضور سے بھی نہیں ہوا۔

جنید۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے عامی نہیں باندھا۔ اچھا جب تو عورت میں کھڑا ہوا تو
تجھے کشف و مشاہدہ کا فرق واضح ہوا۔

حاجی۔ حضور سے بھی نہیں۔

marfat.com

Marfat.com

بنید۔ تو گویا تو عزت میں بھی گھڑا نہیں ہوا۔ اچھا تو مزلف پہنچا تو تُو نے تمام نفسانی مریوں
لا ترک کیں۔

حاجی حضور نہیں۔

بنید۔ تو گویا تو مزلف بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو نے طوائف سے شکر کیا تو، چشم ستر ستر کے
مقام میں لطائف جمال حق دیکھے۔

حاجی حضور نہیں دیکھے۔

بنید۔ اچھا تو گویا تو نے طوائف بھی نہیں کیا۔ اچھا یہ تو بتا۔ جب تُو نے مفارمہ کی سعی کی تو
تجھے صفا کا مقام اور علاء حق پر گزرنے کا درجہ معلوم ہوا۔

حاجی۔ حضور تجھے اس کی تیز ہی نہیں تھی۔

بنید۔ تو اچھا تو ابھی تُو نے سعی صفا و مردہ بھی نہیں کی۔ اچھا جب تو منا میں پہنچا تو تیری
ہستی تجھ سے ساقط ہوئی۔

حاجی۔ نہیں۔

بنید۔ تو گویا تو منا بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو قربان گاہ میں پہنچا اور قربانی کی تو تُو نے
خواہشات نفسانیہ کو تران کیا۔

حاجی حضور ایسا نہیں کیا۔

بنید۔ تو گویا تُو نے قربانی بھی نہ کی۔ اچھا جب توری جوار کر رہا تھا تو اس وقت تُو نے اپنی
خواہشات جو تجھ میں تھیں وہ بھی پھینکیں۔

حاجی۔ نہیں۔

بنید۔ تو گویا تُو نے ری بھی نہیں کی اور تُو نے حج ہی نہیں کیا۔ واپس جا اور ایسا حج کر جو
ہم نے تجھے بتایا ہے۔ تو اس کے بعد تُو مقام ابراہیم پر پہنچے گا۔

میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ کعبۂ اللہ کے سامنے بیٹھا رہا تھا اور شعر پڑھ رہا تھا۔

واصبحت یوم الفخر والعوس ترهل وکان حدی الحادی یتادھو معجل

انا سائل عن سلی فہل من مخیر بان لہ علما بہا این تنزل

قربانی کے دن میں نے صبح کی جس حال میں سپید آؤنٹ کوچ کر رہے تھے اور مدی کرنے والے
کی مدی تھی اور وہ جلدی کر رہا تھا۔ میں سلی سے سائل ہوں۔ کیا کوئی خبر دینے والا ہے۔ جس کو
علم ہواس کی منزل گاہ کمال ہے۔

لقد افسد حجب وفسک و عموق وفي السرى شغل عن الحج مشغل

سارجع من عامر لجهة قابل فان الذي قد كان لا يتقبل

بیک میں لے پانا حج اور عورتاہ کیا اور سرے باطن میں حج کے ساتھ مشغل رہا۔ فقیر نے
آئندہ سال لوٹ کر آؤں گا حج کے لیے اس لیے کہ جو کر چکا ہوں نہ قبول نہیں ہوا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ موقوف میں حاضر تھا
کھڑا تھا اور سر جھکا ہوا تھا۔ سب لوگ دعا کر رہے تھے اور وہ سر جھکائے ہوئے خرمندہ ہوا تھا۔
میں نے کہا۔ اے جوان تیری دعا کر۔ اس نے کہا مجھے اس امر کا ڈر لگ رہا ہے کہ جو وقت مجھے حاصل
ہو وہ جاتا رہا۔ اب کس منہ سے دعا کروں۔ میں نے کہا دعا کرتا کہ اللہ تجھے اس دعا سے راحت کی برکت سے
کرے۔ فضیل فرماتے ہیں اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا تاہا پاؤں کر کے اس کے منہ سے نکلا اور جب
بیکل گئی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے نایاب ایک جوان دیکھا کہ آرام سے
بیٹھا ہے اور لوگ قریبوں میں مشغول ہیں۔ میں اسے دیکھتا رہا کہ کیا کرتا ہے اور کون ہے۔ اتنے میں
وہ ہکا بکا ایا سب خلعت قریبوں میں مشغول ہے۔ میں بھی تیرے حضور اپنے غصے کو قریب کنا چاہتا
ہوں۔ مجھے قبول فرما۔ یہ کہا اور انگشت بائیں سے حلق کے دھڑان اشارہ کیا اور گر پڑا تو جب میں نے
دیکھا اسے سرا ہوا یا۔

توجع دو طرح پر ہے۔ ایک بکالت غیبت۔ جو بعض مکہ منکر آتا اور قرب میں غائب رہنا
ہوتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے گھر میں نہ کر غیبت میں تھا۔ اس لیے کہ کوئی غیبت دوسری غیبت سے
اچھی نہیں۔ اور جو حضور میں اپنے گھر حاضر ہوں ایسا ہے کہ گرا کہ مکہ منکر حاضر ہے اس لیے کہ ایک
حضور دوسرے حضور سے زیادہ اچھی نہیں۔ توجع کشف شاہد کے لیے ایک مجاہد ہے اور
شاہد مجاہد کی علت نہیں ہوتا بلکہ سبب ہوتا ہے اور حقیقت معانی میں سب سے زیادہ تاثیر
نہیں ہوتی۔ توجع سے بیت اللہ دیکھنا اراد نہیں بلکہ کشف مجاہد مقصود ہے۔ اب میں ان معنی میں
ایک باب شاہد کے بیان میں لاتا ہوں تاکہ تجھے قریب الحصول مقصود حاصل ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اور محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مائیت شیطا قط الا ورئیت اللہ فیہ
ای بصحة اليقين میں نے کسی شے کو کبھی نہ دیکھا مگر اللہ تعالیٰ کو دیکھا اس میں مصدقہ یقین
کے ساتھ اور ایک شارح کرام سے فرماتے ہیں مائیت شیطا الا ورئیت اللہ فیہ قبلہ نہیں دیکھا
میں نے کسی شے کو مگر میں نے اللہ تعالیٰ کو اس میں دیکھا۔ اس سے پہلے اور یہ دیکھنا حق سے غلط کہ ہے
اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مائیت شیطا قط الا اللہ یعنی بغلیات المحبة و
غلیان المشاهدة میں نے کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی مگر اللہ تعالیٰ کو محبت کے غلبہ اور خوشی
مشاہدہ میں دیکھا۔ مگر ایک شخص فعل پچشم سر دیکھتا ہے اور چشم حق بیہی سے فاعل حقیقی کو دیکھتا ہے۔ پھر
محبت فاعل اس کے نظر سے غیر کی محبت محو کر دیتی ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک استدلال ہوتا ہے تاکہ اثبات دلائل اس پر عیاں ہو جائیں اور ایک
بہذب ہوتا ہے جو ردودہ شوق حق ہوتا ہے یعنی دلائل و معانی اس کے لیے جواب ہو جاتے ہیں۔
لان من عرف شیئا لا یخاف غیرہ ومن اعجب شیئا لا یطاع ولا یعارف غیرہ
فترک المنازعة معه والاعتراض علیہ فی احکامہ و افعالہ۔ جو شخص
کس شے کو دیکھتا ہے وہ غیر سے قائل نہیں ہوتا اور کس شے سے محبت کرتا ہے وہ غیر کو نہ دیکھتا ہے
نہ جانتا ہے تو مناظرہ ترک ہو جاتی ہے۔ اور اعتراض اس پر احکام و افعال میں ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معراج کی بھی خبر دی اور فرمایا۔
ما نراخ البصر وما طعنی (من شدة شوقه الى الله تعالى) یعنی کسی چیز کی طرف آنکھ نہ کھول
اور نہ حد سے متجاوز ہونے۔ اس لیے کہ آپ کو شوق الی اللہ کا جوش تھا۔ جو کچھ مناسب تھا دل سے دیکھ لیا
جب درست نے موجودات سے آنکھ بند کر لی چاہی تو دل سے موجد کو دیکھ لیا اور اللہ عزوجل نے
فرمایا۔ لقد راى من ايات ربہ الکبریٰ یعنی یقیناً دیکھ لیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رب
علی کو اور یہ بھی فرمایا قل للمؤمنین ان یضربوا من ابصارہم۔ مومنوں کو فرما دیجئے کہ
اپنی آنکھیں بند رکھیں یعنی ای ابصار العیون من الشهوات و ابصار القلوب عن
المخلوقات۔ یعنی آنکھوں کی جنائی شہوتوں سے بند رکھیں اور دل کی آنکھیں مخلوقات سے۔ تو جو مجاہدہ
سے سر کی آنکھیں شہوتوں سے بند رکھے وہ ضرور حق کو سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ فمن کان
اخلاص مجاہدہ کا ایسا حال ہوتا ہے وہ مشاہدہ میں مجاہدہ۔

سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ من حق بصرہ عن اللہ طرفۃ عین لا
یعتدی طول حمور۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایک پل آنکھ نہ کرے وہ مدام العمر بہت
نہیں پاتا اس لیے کہ غیب کی طرف اہل ہذا غیر کی طرف ہوتا ہے اور غیر کی طرف اہل ہذا ہوا۔
چنانچہ اہل مشاہدہ حیات اسے کہتے ہیں جو مشاہدہ میں ہر اور جو مشاہدہ میں ہر اسے زندگی نہیں سمجھتے بلکہ
اسے حقیقت ہی کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ آپ کی عمر کتنی ہے۔ فرمایا پارساں
لوگوں نے کہا کس طرح۔ فرمایا ستر سال میں دنیا کے حجاب میں رہا اور پھر سال سے مشاہدہ میں ہوں۔
ہذا حجاب کے زمانہ کی عمر زندگی نہیں تھی۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے اند فرمایا اللہم اجینا الجنة والنار فی جنایا
غیب حق قہد بظہور واسطۃ الہی جنت و دوزخ کو اپنے غیب کے خزانوں میں پوشیدہ
کراں اس کی یاد مخلوق کے دل سے نوازش فرماتا تاکہ تجھے اس کے لیے نہ پوچھیں۔ چونکہ بہشت میں بیعت
کو قائم ہے۔ اس لیے آج کے روز بے یقین یقین کے حکم سے ممکنہ اس کی امید پر عبادت کرتا ہے اور
جہنم کی قربت سے غیب نہیں توفیق مشاہدہ سے محروم ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معراج سے خبر دی کہ میں نے نہیں دیکھا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں نے حق
کو دیکھا ہے تو مخلوق اسی اختلافت میں رہی۔ جنہوں نے خود اور تامل اختیار کیا۔ وہ مطلب کو پہنچے۔ یعنی
جو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا وہ سر کی آنکھوں سے مراد نہیں ہے۔ اور جو آپ نے فرمایا کہ
میں نے دیکھا ہے وہ چشم سر دیکھنا مراد ہے۔ اس لیے کہ ایک ان دونوں سے اہل ظاہر ہے اور ایک
اہل باطن۔ ہر ایک سے اس کے حال کے موافق کلام فرمایا۔ تو جب حضور نے چشم سر دیکھا ظاہر فرمایا تو
اگر آنکھ کا واسطہ نہ ہوا تو نقصا ہی ہے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر خداوند فرمائے کہ مجھے دیکھو۔ میں کبھی نہ دیکھوں کیونکہ دوستی کے
عالم میں آنکھ غیر اور بیگانہ ہوتی ہے اور غیر کی غیرت مجھے دیدار سے روکتی ہے اس لیے کہ دنیا میں
بلا واسطہ چشم درست کو دیکھنا ہوں تو میں کسی واسطہ کا کیا کروں۔

وادی وحیدنا ظہری الیکا واعفی طرفی اذا نظرت الیہا

بلکہ میری طرف دیکھنے میں حسد کرتا ہوں تو آنکھ بند کر لیتا ہوں۔ جب میری طرف نظر کرتا ہوں۔

جنید سے لوگوں نے پوچھا۔ حضرت آپ پہلے ہی کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں۔ فرمایا نہیں چاہتا عرض کیا گیا۔ کیوں۔ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تو نہ دیکھ سکے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا تو نہ دیکھ لیا اس لیے کہ ہماری خواہش ہی دربار حق کے لیے حجابِ اعظم ہے۔ اور جب دنیا میں ارادت کامل ہو جائے تو شاہد حاصل ہو جاتا ہے اور جب شاہد ہو جائے تو دنیا و حق کی کیاں ہے۔ حضرت البرزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان الله عبادة لو حجبوا عن الله في الدنيا والآخرة لا رتدوا۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر ایک پل دنیا و حق میں اس کے جمال سے محروم ہوں تو وہ اپنے کو مرتد سمجھیں۔ یعنی ان کی زندگی ہی شاہد میں ہے اور محبت کی حیات ہی شاہد سے ہے۔ اور جب اہل کاشفہ حجاب میں آجائیں تو انہی کو مرتد فی الطريق سمجھتے ہیں۔

حضرت ابو النون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں مصر میں بابا قناد میں سے دیکھا کہ لوگ ایک زحران کو پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا وہ ہے جو اسے پتھر مار رہے ہمارے بارے میں۔ لوگوں نے کہا یہ درویش ہے میں نے کہا اس پر جنون کی علامت کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ کہتا ہے میں خدا کو دیکھتا ہوں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ فی الواقع تو ایسا کہتا ہے یا تجھ پر لوگ اتنا م رکھتے ہیں اس نے کہا لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں خدا کو دیکھتا ہوں اور اگر میں ایک لحظہ جمال حق نہ دیکھوں تو غم ہو جاتا ہوں اور پھر طاعت بھی بیکار ہوتی ہے۔ لیکن اس شہر کے لوگ غلطی پر ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ دروں کا دیکھنا اور شاہدہ میں رہنا ایک ہی صورت میں ہے۔ حالانکہ دل میں اس کا وہم یا ذکر یا لکھنے میں تشبیہ ہے اور گراہی اسی کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی انداز میں نہیں آسکتا اور اس کا وہم رکھنا بھی ایک اندازہ ہے اور وہ عقل اور وہم و گمان سے بالا ہے۔ اور قناد وہم میں آتا ہے یہ بھی وہم کی جنس ہے۔ اور اگر وہ مستقل ہو تو عقل کی جنس سے ہے اور اللہ تعالیٰ جنسوں کا وہم جنس نہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہم عقل کا غیر تو وہم تشبیہ و تشبیہ نہ وہم گراہی ان آنکھوں سے دیکھنے میں وہم اس لیے ہے کہ آنکھ بیکار ہوتی ہے۔ (از سترم)

marfat.com

Marfat.com

اسی طرح لطیف اور مکاشفے سب ایک دوسرے کی جنس ہیں اور فہم کی حالت میں بھی ایک دوسرے کی جنس ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ توحید کی تحقیق میں جنسی قدم کے متقابلہ میں خبیث نہیں ہوتی ہیں اور ضروری حادث نہیں اور حادث خود حادث تو ائمہ تعالیٰ ازل ابدی قدیم کو اس سے کیا واسطہ۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک و عما یصفہ الملامحہ علو اکبیر۔ تو دنیا میں شاہدہ عاقبت کے دیدار کی مانند ہے۔ اور جب اتفاق شائع عاقبت میں دیدار دنا ہے تو دنیا میں شاہدہ بھی دنا ہے تو جو دنیا میں شاہدہ ہونے کی خبر دیتا ہے اور جو عاقبت میں دیدار کی خبر دیتا ہے۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ اگر ان دونوں معزز میں جواز کی خبر دے اور کہے کہ دیدار اور شاہدہ جائز ہے اور یہ مذکے کہ مجھے دیدار ہوا ہے تو کیا خلاف ہے۔

اس لیے کہ شاہدہ صفت سر ہے اور خبر دینا سرے خود خبر ہے۔ اور وہ شاہدہ نہیں بلکہ ایک دعویٰ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جس خبر کی حقیقت عقل میں نہ آئے زبان اس کا بیان کیسے کر سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ معنی مجاز میں کہا جائے۔ لان المشاہدۃ قصور للسان بحضور الجنان۔ تو اس حال میں خاموش رہنا برتنے سے زیادہ بہتر ہے اور خاموش رہنا شاہدہ کی علامت ہے اور گفتگو شہادت کا نشان اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی شہادت دینا اور اس چیز کا شاہدہ کرنا اس میں بڑا فرق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام اعلیٰ اور درجہ قرب میں حق تعالیٰ کے لیے فرمایا۔ وہ لا احصی ثناء علیک تھا۔ یعنی میں تیری ثناء کا احصا نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ بجا است شاہدہ تھی اور دوستی کے درجہ میں شاہدہ کمال یکا گت ہے اور یکا گلی میں بیان کرنا بیکا گلی ہوتی ہے چنانچہ فرمایا۔ انت کما اثینت علی نفسك۔ تو وہ ذات ہے جیسا تو نے اپنی شان میں فرمایا۔ تو آپ کا کہنا میرا کہنا ہو گیا اور تیری ثنا میری طرف سے تیری ہی طرف سے ہے اس لیے کہ میں اپنی زبان کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ تیرے کمال کا بیان کرے۔ اور بیان کو اس لائق نہیں جانتا کہ تیرا بیان کرے اس پر کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۔

تمنیت من اھوی فلما رایتہ بہت فلما ملک لسانا ولا طرفنا
زندگی میں نے اس کی جیسے میں دوست رکھتا ہوں تو جب میں نے اسے دیکھا تو مبہوت ہو گیا اور زبان و
اعضا پونے اختیار ہی نہ رہا۔ یہ تمام شاہدے کے احکام ہیں جو بطور اختصار بیان ہوئے۔

کشفِ حجابِ نہم - محبت اور اس کے آداب و احکام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔ یا ایہا الذین امنوا قوا انفسکم واهلیکم
فان اداى ادبوهی اسے ایمان والا اپنی جان اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ یعنی انہیں
ادب سکھاؤ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن الادب من الایمان۔ ادب
شائستہ ہونا ایمان سے ہے اور فرمایا ادب بنی ربی فاحسن قادیبی۔ مرے رب نے مجھے
ادب سکھایا اور خوبت ادب فرمائی۔

یہ باتنا ضروری ہے دین اور دنیا کے سب کاموں کی ذریعہ و زینت ادب سے ہے اور مخلوق
کے ہر مقام پر ادب کی ضرورت ہے۔ اس اصول میں کافر، مسلمان، طمہ، سنی، بدعتی سب متفق ہیں۔
اور تسلیم کرتے ہیں کہ کاروبار میں ادب کی خوبی ہی لازمی ہے اور دنیا میں کوئی رسم بغیر ادب مقبول نہیں۔
لوگوں میں ادب ہی حفظ مراتب کا ضامن ہے اور دین میں حفظ سنت اور عزت باہم دست بگریبان
ہیں۔ اس لیے کہ جس میں مرتبت اور ادب نہیں اس میں متابعت سنت نہیں ہو سکتی اور جس میں
متابعت سنت نہ ہوگی وہ رعایت عزت نہیں کر سکتا اور کاروبار میں حفظ ادب اور تعظیم اسی کی بدولت
ہوتا ہے۔ جب دل میں ادب قرار پذیر نہ ہو تو انسان ادب کی بیورد و شور سے محروم رہتا ہے اور تعظیم
حق اور شفا آقا سے ہوتی ہے جو شخص بلا لیا تعظیم شاہد حفظ ایمان پر لائے اسے طریقت صوفیہ میں
کچھ حصہ نہیں ملتا اور سکرو غلبہ کسی حالت میں طالب کو حفظ ادب سے منع نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ
لوگ عادت پذیر ادب ہوتے ہیں اور عادت طبیعت کا قرینہ ہوتی ہے اور اسد طبیعت کا ساقط ہونا کسی حیوان
سے بھی کسی حال میں مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک زندگی قائم ہے اس کا سقوط ہونا کمال ہے
اسی طرح جب تک شخصیت انسان قائم ہے۔ ہر حالت میں آداب متابعت اس پر جاری ہیں خواہ
تکلف سے ہوں یا بلا تکلف۔ جب انسان پر صومعنی ہوش کی حالت ہوتی ہے تو تکلف سے
حفظ ادب کرتا ہے اور جب بکار کی حالت ہوتی ہے تو سبناں اللہ ان میں ادب ملحوظ رہتا ہے اور
تاریک ادب کسی صورت میں دل نہیں ہر سکتا۔ لان لمودة عند الآداب و حسن الادب
مصلحة الاحیاء میں ہے کہ رابطہ صرف ادب کے ساتھ ہے اور حسن ادب بیوں کی صفت ہے

جسے اللہ تعالیٰ کرامت عطا فرماتا ہے اس کی علامت یہی ہے کہ وہ آدابِ دینی ملحوظ رکھتا ہے۔ جو طہریٰ بنم اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ہے وہ شک اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بندہ محنت میں مغلوب ہوتا ہے تو ثابت کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس مسئلہ کو دوسری جگہ بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آدابِ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو حید میں جو خطابِ حق تعالیٰ سے ہے۔ دوسرے کے ظاہر و باطن اپنے آپ کو بے باکی سے بخود رکھتا ہے اور اس طرح رہے جیسے دربارِ شاہی میں رہا کرتے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم چارواں تشریف فرما تھے کہ روح الامیں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا محمد اجلس حلسۃ العبد حضور نشست میں بندوں کی نشست پر تشریف رکھیں۔

حضرت عارفِ عباسی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق مروی ہے کہ آپ نے چالیس سال دیر سے تکیہ دنگلایا اور آپ سیدہ فاطمہؑ سے تھے۔ لوگوں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا مجھے خرم آتی ہے کہ حضور حق کے شاہد میں بندوں کی طرح نہ بیٹھوں۔

اور میں علی بن عثمان جلائی ہوں۔ میں غلامان کے ایک قصبہ پہنچا جسے کہہ سکتے ہیں۔ وہاں ایک بزرگ تھے جنہیں ارب کندی کہتے تھے وہاں کے شہر بزرگ تھے۔ یہ بیس سال برابر قیام میں رہے۔ سوائے خدمت کے نماز میں کبھی نہ بیٹھے۔ ان سے میں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا ابھی میرا وہ درجہ نہیں کہ حضور حق کا شاہد بیٹھ کر کروں۔

اور حضرت ابو زید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ بعد وجہ ت ما وجدت آپ نے جو کچھ یا کس طرح پایا۔ فرمایا بحسن الصحیۃ مع اللہ تعالیٰ عزوجل حق تعالیٰ کی خدمت میں با ادب رہنے سے۔ میں ظاہر و باطن میں یکساں رہا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے مہرود کے حضور میں رہنے کا حق ادب زینما سے سیکھیں کہ جب وہ یرسف علیہ السلام کی خلوت میں جا کر اپنی آرزو کی خواہش کو ہوائی تو پہلے اپنے بت کو پرہ سے چھپایا۔ یرسف علیہ السلام نے پوچھا کہ پرہ کیوں ڈال رہی ہے۔ زینما بولی۔ اپنے مہرود سے اپنے کو چھپاتی ہوں تاکہ وہ مجھے تیرے ساتھ ایسی حالت میں نہ دیکھے کیونکہ اس کے آگے ایسا کام شرطِ ادب کے خلاف ہے۔

اور جب یرسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے ملایا اور اللہ تعالیٰ

نے انہیں دولتِ دل سے سرفراز فرمایا اور دنیا کو پھر شبابِ بخت اور مشرفِ اسلام ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی تو یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف امان فرمایا تو دنیا آپ سے بھاگتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: دنیا میں تیرا وہی محبوب ہوں۔ مجھ سے کیوں بھاگتی ہے۔ شاید میری دوستی تیرے دل میں نہیں رہی۔ دنیا بول نہیں قسم خدا دوستی قائم ہے بلکہ پہلے سے زیادہ ہے لیکن مجھے اپنے معبودِ حقیقی کا پاس ادب ہے۔ جس دن میں نے آپ کی طرف غلوٹ چاہی تھی وہاں ایک بت معبود تھا جو تم نے نہیں دیکھا۔ اس سے کہ اس کی دونوں آنکھیں اندھی تھیں۔ میں نے اس پر پردہ ڈالا تاکہ بے ادبی نہ ہو۔ اب جب کہ میرا معبود دنیا دینا ہے۔ بلا بصر بعیر ہے اور بلا آکھ سب کچھ جانتا ہے۔ میں جس حال میں بھی ہوں۔ وہ مجھے دیکھتا ہے اس لیے میں تارکِ ادب ہوتا نہیں پاتا ہوں۔

اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے گئے تو انہوں نے پاس ادب سے دونوں جہان کی طرف نگاہ نہ فرمائی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ماسا نرا غ البصود و ما طغیٰ۔ یعنی دنیا دیکھنے کے لیے آنکھ مائل نہ ہوئی اور نہ حد سے متجاوز ہوئے۔

دوسری قسم ادب باہمی کاروبار میں ہے کہ سب حالات میں اپنے نفس سے مروت کی رعایت کرے تاکہ خلعت میں ہر اعضاءِ حق بندہ قطعی بے ادب نہ ہو۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ معاہدہ کے نہ برے۔ حتیٰ کہ جو کچھ اپنے حق میں خلاف جانے وہ زبان پر نہ لائے کیونکہ اس میں بے مروتی ہوتی ہے۔ دوسرے کم کھائے تاکہ قضا و حاجت میں جانے کی ضرورت نہ ہو۔ تیسرے کہ اپنے اس عضو کو نہ دیکھے جو اس کے غیر کو دیکھنا ناجائز ہو۔

کیونکہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی شرم گاہ کو کبھی نہ دیکھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا: اپنی اس چیز کو دیکھنے سے میں شرم کرتا ہوں جس کی جنس کا دیکھنا حرام ہو۔ دوسرا آدابِ صحبت خلق میں یہ بہترین چیز ہے کہ سفر و حضر میں خلق کے ساتھ خوبی معاملہ میں سلوک کیا جائے اور ہر سہ اقسامِ ادب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔

اب میں اپنے مقصد کے مطابق انہیں با ترتیب بیان کرتا ہوں تاکہ تم پر اور لوگوں پر

آسان ہو۔ انشاء اللہ عزوجل۔

بیسواں باب

صُحُبَتِ اور تَعَلُّقَاتِ صُحُبَتِ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ
لَهُمْ ذُرِّیَّةً وَیُؤْتِیْهِمْ اَخِیْنَ (ای بھائی حسن دعایتھم الاخوان۔) یعنی وہ جو ایمان لائے اور عمل صالح
کئے تو کر دیتا ہے ان کی یہ اللہ تعالیٰ ان کا چاہنے والا یعنی ان کے حسن دعایت کے عمل میں لوگوں
کو ان کا بھائی بنا دیتا ہے۔

اس لیے کہ وہ دلوں کو خوش کرتے اور بھائیوں کے حق ادا کرتے ہیں اور انہیں اپنے اور فضیلت
دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ثَلَاثُ تَصَفِّیْنَ لَكَ وَدَاخِیْكَ اَنْ تَسْلَمَ
عَلَيْهِ اَنْ لَقِیْهِ وَتَوْسِعَ لَهُ فِی الْمَجْلِسِ وَتَدْعُوْهُ بِاَحَبِّ اَسْمَائِهِ۔
یعنی چیزیں جو میں سنائی کرتا ہوں۔ از روئے محبت اور اخوت کے یہ کہ سلام کرے اس پر جو تجھے
ملے۔ دوسرے یہ کہ مجلس میں اس کے لیے فراخی دے۔ تیسرے یہ کہ اسے ایسے نام سے پکارے جو
اسے پسندیدہ ہو۔

اور یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ
اَخْوٰیكُمْ۔ یعنی مومنوں کے بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح رکھو اور دونوں آپس
میں ہر رعایت سے پیش آؤ تاکہ ایک دوسرے کا دل آزرہ نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ اَكْثَرُ دَامِنِ الْاِخْوَانِ نَاقِ سَبْکِ حِیْ کَرِیْمِ یَسْتَجِیْ اِنْ یُعْذِبُ
عَبْدًا بَيْنَ اَخْوَتِهِ یَوْمَ الْقِیَمَةِ۔ بھائی زیادہ بناؤ اور حفظِ ادب اور معاملت سے
اچھی طرح پیش آؤ کہ اللہ تعالیٰ ہی دکریم ہے اور حیا کرم سے اپنے بندہ کو اس کے بھائی اور
برادری میں برز قیامت عذاب نہیں کرنا چاہتا لیکن ہمیں یہ چاہیے کہ محبت و صحبت اللہ تعالیٰ
کے لیے ہونے ہو اور نفس اور کسی دنیاوی عزم کے لیے تاکہ بندہ اس کے حفظِ ادب سے شکر ہو جائے

اور حضرت ملک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اپنے نامادریغیوں شعبہ کو کہا۔ یا مغبوۃ کل
 اخ وصاحب لہ یستفد منه فی دینک خیرا فانہ عن صحبۃ حتی تسلو
 اے مغیرہ جس بھائی اور یا رسے تجھ اس کی صحبت میں فائدہ اخروی نہ ہو اس کے پاس نہ بیٹھائیے شخص
 کی صحبت تجھ پر حرام ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ یا تو اپنے سے اچھے کے پاس بیٹھنا اپنے سے اونٹ
 کے پاس۔ کیونکہ اگر تو اپنے سے اچھے کے پاس بیٹھے گا تو تجھ اس سے دین کا فائدہ ہوگا۔ اور اگر اپنے
 سے اونٹ کے پاس بیٹھے گا تو اسے تجھ سے دین کا فائدہ ہوگا۔

کیونکہ جب وہ تجھ سے کچھ سیکھے گا تو دینی فائدہ ہوگا۔ اور اگر تو اس سے کچھ سیکھے گا تو تجھ
 دینی فائدہ پہنچے گا۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان من تمام التقوی
 تسلیم من لہ یصلو۔ کمال پر ہمیز گلدی ہے کہ جو باہل ہو اسے تسلیم دے۔

اور یحییٰ بن مساز رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ بشن الصدیق صدیق
 یحتاج ان تقول لہ اذکونی فی دعائک و بشن الصدیق یحتاج ان قیث
 معہ بالمدرات و بشن الصدیق صدیق یلجیک الی الاعتذار فی ذلکات
 هنک۔ وہ درست بہت بڑا ہے جس کا درست درست سے اس امر کی احتیاج کو اس
 سے کہا جائے کہ اپنی دعائیں مجھ پر یاد رکھنا اس لیے کہ ایک ساعت کا حق صحبت ہمیشہ ارک
 دعا کا مقفی ہے اور وہ درست بہت بڑا درست ہے جو زندگی میں و سادہ ہے کہ اس کے ساتھ
 خوشام ہو۔ اس لیے کہ صحبت کا سرمایہ خوشی ہے اور وہ درست بہت بڑا ہے جس سے گناہ
 پر اعتدال کرنا پڑے اور اپنی ذات اس کے آگے ظاہر ہو۔ اس لیے کہ عذر بیگانگی میں ہوتا ہے
 اور صحبت میں بیگانگی بڑی ہوتی ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ المسوۃ علی دین خلیلہ فلینظر احد
 کھ من یختال۔ یعنی انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ تو دیکھنا چاہیے تمہیں کہ
 کون کس سے بہت لکھتا ہے۔ اگر نیکیوں سے اس کی بہت ہے تو اگر بڑا ہو مگر نیک ہے
 اس لیے کہ وہ صحبت اسے نیک کر دے گی۔ اور اگر بدلتا کو صحبت میں رہتا ہے۔ تو اگرچہ نیک
 ہو مگر وہ بڑا ہے۔ اس لیے کہ بڑی صحبت اسے بُرا بنا دے گی۔

۱۰۰ از مترجم۔ صحبت صالح تا صالح کہنہ۔ صحبت طالح تا طالح کہنہ۔

اے حکایتوں میں چمکہ ایک مرد کعبہ کے طواف میں کہہ رہا تھا۔ اللہ صلی علیہ وسلم اخوانی
 فقیل لہ لہم قد ع لک فی هذا المقام۔ الہی میرے بھائیوں کو صانع کر دے۔ اے
 لوگوں کے کہا۔ اس مقام پر تو اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتا بلکہ بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہے۔ اس
 کے جواب دیا۔ ان لی اخوانا ارجع الیہم فان صلحوا صلحت معہم و ان
 فسدوا فسدت معہم۔ اے بھائی جب ان میں جادوں کا۔ اگر وہ صالح ملے تو میں بھی ان
 کی صلاحیت سے صالح ہوں گا اور اگر وہ فساد ہی رہے تو میں بھی ان کے فساد سے مفید ہو جاؤں
 گا۔ جب صحبت صالحان میرا قاعدہ ہے تو میں بھی ان کی صحبت سے صلاحیت اختیار کروں گا۔ اس
 لیے اپنے بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں تاکہ ان کے درمیان میرا مقصد حاصل ہو جائے اور اس کی
 اصل یہ ہے کہ نفس کو سکون و امان سے حاصل ہوتا ہے اور انسان جس گروہ میں رہیگا۔ اسکی عادت
 و خصلت اختیار کرے گا۔ اس لیے کہ عمل و اوراد صحبت سے پیدا ہوتا ہے جیسے عمل والے کی صحبت
 ملے گی وہی عادت اس میں پردہ فرمادگی اس لیے کہ صحبت کا اثر طبیعت پر خاص اثر رکھتا ہے۔ حتیٰ
 کہ صحبت عالم سے ایک باہل عالم ہو جاتا ہے۔ جو ملے کو کچھ کمال کی صحبت اور تسلیم سے انسان
 کی زبان بولنے لگتا ہے۔

مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ اسی وجہ میں پہلے صحبت و معاشرت کرتے ہیں۔ پھر مرید کو تعلیم
 دیتے ہیں۔ اس پر مشائخ صوفیہ نے صحبت میں بہت کتابیں تصنیف کی ہیں اور صحبت کی
 بحث کو واضح فرمایا ہے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے تصنیف الارلوت کے نام سے ایک کتاب
 لکھی ہے۔ احمد بن حنبل نے الریایۃ بحق اللہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ محمد بن علی
 ترمذی کی ایک کتاب آداب المریدین ہے۔

ابوالقاسم الحکیم اور ابوبکر وراق اور سہل بن عبد اللہ اور ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور اُسْتَاز
 ابوالقاسم قشیری رحمہم اللہ سب نے اس بحث میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انہی لوگ اس فن میں
 امام ہوئے ہیں۔

اس کتاب میں میرا مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے دوسری کتب ابوں کی
 حاجت نہ رہے۔ جیسا کہ میں اس کتاب کے مقدمہ میں اور تیسرے سوال کے جواب میں کہہ
 چکا ہوں۔ بہر حال یہ کتاب طالب طریقت کو کافی ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔

اکیسواں باب

آدابِ صحبت

صحبت کرنے پر سمجھ لیا کہ مرید کے لیے سب سے بہترین چیز صحبت ہے تو لازمی طور پر آدابِ صحبت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ بلا صحبت مرید کا تنہا رہنا اُسے ہلک کر دیتا ہے جو منبرِ عظیم سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الشیطان مع الواحد وهو من الاثنين ابعد۔ شیطان تنہا کے ساتھ ہوتا ہے اور دو آدمی جہاں ہوں ان سے شیطان دور رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ سَاطِعُ فِيهِمْ۔ نہیں ہوتے تین رازدار مگر جو تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ تو مرید کے لیے تنہا رہنے سے بڑی آفت کوئی نہیں۔

ایک حکایت ہے کہ چند عتہ اللہ علیہ کے ایک مرید کو خیال آیا کہ میں مرتبہ کمال کو پہنچ گیا ہوں اور اب مجھے صحبت کی بہ نسبت تنہا رہنا اچھا ہے۔ چنانچہ وہ گوشہ نشین ہو گیا اور صحبت ترک کر دی۔ جب رات ہوئی تو کوئی جماعت آئی اور اونٹ لائی اور اس صوفی کو کہا۔ سبجے بہشت میں جانا چاہیے۔ یہ اس بشارت پر فوراً اونٹ پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں یہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں باغ و بہار تھا اور خوبصورت لوگوں کا گروہ تھا اور عمدہ عمدہ لذیذ و نفیس کھانے اور بہتی نہریں۔ شب بھر وہاں رہا۔ صبح ہو ہوئی تو اپنے اس عبادت خانہ میں پلایا جہاں تھا۔ چند روز ایسا ہوتا رہا حتیٰ کہ اس میں رحمتِ بشری سرایت کر گئی اور غریب و غالی غالب آیا۔ آفرش اس نے لوگوں پر اپنی کیفیت کی ہر کرنی فروغ کر دی اور دعویٰ ولایت کرنے لگا۔ یہ خبر جب لوگوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کو پہنچائی۔ آپ اس کے حجرۂ عبادت پر تشریف لائے اور اس سے دریافت حال کیا۔ اس نے سب کیفیت عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔

آج رات جب قریہ حال دیکھے تو لاجول ملاوۃ الا بائد العل العظیم تھیں بار پڑھ لیا۔ مختصر یہ کہ جب شام ہوئی اور اسے حسب معمول کے چلنے کو اس کے دل میں حضرت ہنیدہ کی تسلیم سے بدگمانی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد قریہ کے خیال سے اس نے قریہ بار لاجول پڑھا تو وہ گروہ غور کرتا ہوا غائب ہو گیا اور اس نے اپنے کپ کو ایک منزل پر پایا جہاں گندگی اور بھول پڑیوں کا دھیر پڑا ہوا تھا تو یہ اپنی غلطی سے واقف ہوا اور تنہا بیٹھنے سے تائب ہوا اور صحبتِ اولیاء میں حاضری دینے لگا بہر حال یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قریہ کو تنہائی کی آفت سے زیادہ کوئی آفت نہیں اور صحبتِ شائع کی یہ بھی شرط ہے کہ قریہ کے پاس بیٹھے انہیں اس کے درجہ کے مطابق پہچانے۔ بڑوں سے باادب رہے اور ہم جنسوں سے عشرت میں زندگی بسر کرے۔ بچوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے۔ بکو سمر لوگوں کو باپ کی جگہ اور ہم عمروں کو بھائی کے برابر، بچوں کو اولاد کی جگہ جانے۔ ہر گناہ سے بچنا کرے۔ حسد سے بچنا کرے۔ عداوت سے روگردانی کرے اور نصیحت کرنے میں دریغ نہ کرے۔ مجلس میں دوسرے کی فیبت کرنا اور خیانت کرنا، ایک دوسرے کی عقل اور فعل پر حرف زنی کرنا بھی آدابِ صحبت میں منوع ہے۔

اس لیے کہ جب ابتدا میں صحبت حق تعالیٰ کے لیے ہو تو کسی قسم کا قول و فعل ۲۰ ملائم کسی بندے کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے اور معصوب کتاب کہتا ہے رحمۃ اللہ علیہ کہ شیخ المشائخ ابو القاسم گلکانی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا کہ شرطِ صحبت کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ تجھے صحبت میں اپنی حفاظت چاہیے کیونکہ اس میں ہر قسم کی آفات موجود ہیں۔ اس لیے کہ ہر ایک اپنے مطلب کا خواہاں ہوتا ہے اور آتشِ طلب کو صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔ جب بندہ اپنا خط ترک کرے گا تو اپنے مصائب کے خط کی رعایت کرے گا اور اس صحبت سے فائدہ لے گا۔

ایک درویش فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں نے کوفہ سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا۔ راستہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔ میں ان کی صحبت میں رہے گا خواستگار ہوا آپ نے فرمایا: صحبت کے لیے امیری اور فرمانبرداری چاہیے۔ تو کیا چاہتا ہے۔ میں امیروں یا فرمانبردار میں نے عرض کیا۔ آپ امیر نہیں۔ آپ نے فرمایا تو میرا فرمان بردار ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو اب تو میرے حکم سے باہر آ۔ میں نے تسلیم کر لیا۔

جب ہم منزل پر پہنچے تو انہوں نے مجھے حکم دیا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے کنوئیں سے پانی نکالا جو نہایت سرد تھا۔ آپ نے کٹیاں گھنٹیں۔ پانی گرم کیا اور جب میں ارادہ کرتا کہ یہ کام میں کروں تو حکم ملتا۔ بیٹھ جا۔ میں بیٹھ جاتا اور شرط حکم بجا لاتا۔

شام ہوئی۔ اتفاق سے سخت بارش ہو گئی۔ آپ نے اپنی گدڑی بچہ پر ڈال دی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے۔ مجھے شرم آتی تھی مگر شرط صحبت کے ماتحت کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جب صبح ہوئی۔ میں نے عرض کیا۔ اے شیخ آج میں امیر بننا ہوں۔ ابراہیم خواص نے فرمایا اچھا۔ جب ہم دوسری منزل پر پہنچے۔ حضرت نے وہی خضات اپنے ذمہ لیں۔ میں نے عرض کیا حضرت اب میں امیر ہوں۔ میرا حکم مانئے۔ آپ نے فرمایا۔ تا فرماں وہ ہوتا ہے جو امیر کو اپنی خدمت کا حکم دے۔

حتیٰ کہ اسی طرح مکہ معظمہ تک پہنچے۔ آخر نشی شرم کی وجہ سے میں حضرت کے پاس سے بھاگ آیا۔ منا میں حضرت نے مجھے دیکھ لیا۔ فرمایا۔ بیٹا تجھے لازم ہے کہ حدیثوں کے ساتھ ایسی مصاحبت کرے جیسے میں نے تیرے ساتھ کی۔ اسے یاد رکھ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم و خدمتہ عشر سنین فواللہ ما قال ان قطعه ما قال لا شیئ فعلت لو فعلت کذا ولا شیئ لعا فعلہ لو لا فعلت کذا۔ حضور کی خدمت میں میں نے دس سال گزارے خدا کی قسم آپ نے مجھے کبھی اُن نہ فرمایا اور جو کام میں نے کیا کبھی مجھے نہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا اور جو کام میں نے نہ کیا کبھی نہ فرمایا کہ فلاں کام تو نے کیوں نہ کیا۔

نور دیش و رستم پر ہیں۔ ایک مقیم دوسرا مسافر۔ اور شاخ فرماتے ہیں کہ مسافر کو چاہیے کہ مقیموں کی صحبت میں رہ کر ان کی خدمت کو اپنے لیے اچھا جانے۔ اس لیے کہ یہ اپنے نصیب پر چلتے ہیں اور مقیم خدمت حق میں بیٹھتے ہیں۔ اس لیے کہ مسافروں میں طلب کا نشان ہوتا ہے اور مقیموں میں حصول کا اشارہ ہے۔ تو جس نے پایادہ بیٹھ کر مقیم ہو گیا۔ یہ اس سے افضل ہے جو ابھی طلب میں ہے اور مسافر ہے۔ اور مقیم کو چاہیے کہ مسافر کو اپنے سے اچھا جانے۔ اس لیے کہ یہ صاحب تعلق ہیں اور مسافر تعلق سے بہرہ اور مقیم ایک طرف قائم ہیں اور مسافر طلب میں ہیں۔ مقیم اپنے موقع میں ہیں اس اعتبار سے انہیں چاہیے کہ بوڑھے جو انہوں کو بہتر

بھیں۔ اس لیے کہ یہ دنیا میں تھوڑی دیر رہتے دلسے ہیں اور ان کے گناہ کم ہیں۔ اور جو ان کو چاہتے کہ بوڑھوں کو افضل جانیں۔ اس لیے کہ یہ عبادت میں پیشرو ہیں اور خدمت میں مقدم۔ جب ہمارے بیان کے مطابق دولہا رہیں تو ایک دوسرے سے نہات پائیں گے ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔

فصل اصل آداب کی اجتماع خصال خیر ہے اور اسی وجہ سے ادب دہندہ کو ادیب کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے۔ بہتر ہوتا ہے۔ فالذی اجتمع فیہ خصال الخیر فهو ادیب تروہ جس میں یہ اچھی خصلتیں جمع ہوں وہی ادیب ہے اور علی رواج میں جو علم سنت اور نور جاتا ہے اس کو ادیب کہتے ہیں۔ اور گرد و مونی کے نزدیک الادب هو الوقوف مع المحسنات ومعناه ان تعامل الله فی الادب سراً وعلانیۃ واذاکنت کذا الک کنت ادیباً وان کنت اجمیاً وان لم تکن کذا الک تکون علاضداً۔ ادب نیکیوں پر قائم رہنا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تمام عمل ادب سے کرے۔ خفیہ ہو یا علانیہ تو جب تو ایسا ہو جاتے تو تو ادیب ہے۔ اگرچہ ترجمانی ہو اور اگر تو ایسا نہیں تو پھر اس کی فہم تہ میں ہے۔ اس لیے کہ زبان کے معاملات میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور ہر حال میں عالم عاقلوں سے زیادہ بزدل ہیں۔

مشائخ میں سے ایک کو لوگوں نے پوچھا کہ شرط ادب کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ ایک جملہ میں تیرا جواب کتاب ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ادب وہ ہے کہ جب قریات کرے تو تیرا کلام صادق ہو۔ اگر معاطہ کرے تو معاطہ حق ہو اور کلام صادق اگرچہ سخت ہو نیکیں ہوتا ہے اور معاطہ نیک اگرچہ خشک ہو خوب ہوتا ہے۔ تو جب بات کرے تو تیرا کلام سچ ہو اور جب خاموش رہے تو خاموشی حق پر ہو۔

ابن نصر سراج صاحب لمع اپنی کتاب بیان ادب میں بہت وضاحت سے فرماتے ہیں۔

الناس فی الادب عنی ثلاث طبقات اما اهل الدنیا فاکثر ادبهم فی الفصاحة والبلاغة وحفظ العلوم واسماء الملوك واشعار العرب واما اهل الدین فاکثر ادبهم فی ریاضة النفس وتادیب الجوارح و

حفظ الحدود وترك الشهوات واما اهل الخصوصية فاكثر ادا مهر
في طهارة القلب ومراعاة الاسرار والوفاء بالعهود وحفظ الوقت وقلت
الالتفات الى الحواطر وحسن الادب في موافق الطلب والوقات المحضرة و
مقامات القرب.

لوگ ادب میں تین قسم پر ہیں۔ ایک اہل دنیا کہ ان کے نزدیک ادب فصاحت و بلاغت
اور حفظ علوم اور اذکار طوک اور شمار عربی ہیں۔ دوسرے اہل دین کہ ان کے نزدیک ادب ریاض
کی ریاضت اور اعتقا کی تادیب اور حد و حدیث کی نگہداشت اور ترک شہوات۔
تیسرے اباب خصوصیت ان کے نزدیک ادب دل کا پاک رکھنا اور اسرار کی رعایت اور
یقیناً ہر عہد اور وقت کا محفوظ رکھنا پر گندہ خیالات سے نظر روکنا اور طلب میں نیک کام اور مراقب
دل میں نیک اور مقام قرب میں مروت رہنا اور ضروری کے موقع پر نیک عمل اور جاسکے کلام
ہے۔ اس کی تفصیل اس کتاب میں متفرق جگہ پر آئے گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

بائیسواں باب

آداب صحبت اقامت

جب درویش اقامت اختیار کرے۔ بعدی سفر اس کے آداب میں یہ ہے کہ جب کئی
مسافر اس کے پاس آئے تو نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اسے باعزت بٹھاتے اور یہ
سمجھے کہ رضیف ابراہیم علیہ السلام ہے اور سائیں مکر میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
پاس آئے تھے اور وہی تواضع کرے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ جو کچھ
انضر ہو بے تکلف انہیں پیش کرے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فجارحیل

حنیف۔ ادب یہ دو پہچانے کہ کہاں سے آئے ہر ایک کہاں جا رہے ہر ایک کیا نام ہے۔ یہ آداب صحبت کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کا آداب حق کی طرف سے کچھ اور آداب بھی حق کی جانب سے اور ان کا نام بندہ حق خیال کرے۔ پھر امتیازہ کرے کہ وہ خلوت میں راضی ہے یا جلوت میں۔ اگر وہ تنہا پسند ہو تو اس کے لیے جگہ خالی کر دے۔ اگر وہ جلوت پسند ہے تو دیر یا انتظام کرے تاکہ اسے من و عشرت حاصل ہو۔ اور جب مسافرات کو تکیہ پر سر رکھے اور لیٹ جائے تو مقیم کو چاہیے کہ اس کے قدم پر ہاتھ رکھے۔ اگر وہ منع کرے اور کہدے کہ مجھے عادت نہیں تو اس پر اصرار نہ کرے۔ تاکہ اس پر گراں نہ ہو۔ دوسرے روز حمام میں لے جائے مگر حمام صاف ستھرا ہو۔ اس کے کپڑے حمام میں خراب نہ ہوں اور اس کی خدمت اجنبی خادموں سے نہ کرے اس کی خدمت میں ایسے خادم مقرر کرے جو اس کی خدمت دل سے کرنے والا ہو۔ تاکہ اس کے پاک ہونے اور صاف ہونے میں تمام آفتوں سے پاک ہو۔ میزبان کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی تواضع میں اس کی پشت سے اس کے گھٹنوں پاؤں تا ٹھوکروں اور ہاتھوں کو ملے اس سے زیادہ فخر و ادب نہیں۔ اور اگر اس کے لیے نیا کپڑا پہنانے کی توفیق ہو تو درج ذیل کرے اور اگر نہ ہو تو تکلف بھی نہ کرے اور وہی اس کے کپڑے پاک کر کے جب وہ حمام سے نکلے پہنا دے۔

وہ مہمان اگر دو تین روز ٹھہرے اور اس شہر کے کسی بزرگ یا امام اسلام سے ملنا چاہے تو اگر وہ صبح ہو تو ملا دے اور اگر وہ ملنا نہ چاہے تو اس پر اصرار و جبار نہ کرے۔ اس لیے کہ طالبان حق پر ایسا وقت ملتا ہے کہ اپنے دل سے اختیار میں نہیں رہتے۔ کیا ٹوٹنے دیکھا کہ ابراہیم خواص کو لوگوں نے پوچھا کہ اپنے سفر کے عجائبات سناؤ۔ آپ نے فرمایا حضرت علیہ السلام نے مجھ سے مصاحبت چاہی۔ میں نے منظور نہ کی کیونکہ میرا دل نہیں مانا اس لیے کہ ماسوائے حق تعالیٰ کسی کی میرے دل میں قدر و عظمت ہو۔ لیکن یہ بھی نہ چاہیے کہ مقیم آدمی مسافر کو کسی دنیا دار کے سلام کے لیے لے جائے۔ ان کی ہوائی میں شریک کرے یا کسی دنیا دار کی جمار پرسی کرے جائے۔

جس مقیم کو مسافروں سے یہ طبع ہو کہ انہیں اپنی گدائی کا ذریعہ بناتے اور ایک گھر سے دوسرے گھر لے جاتے ایسے مقیم کو مسافروں کی خدمت نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس میں ان کی ذلت ہے اور میں کہ علی بن عثمان بٹالہ ہوں مجھے اپنے مسافروں میں مشقت اور رنج زیادہ سخت یہ نہیں

کہ جاہل خادم ناپاک بقیہ کبھی مجھے خواہم کے گھر کبھی کسی دہقان کے گھر لے جاتے اور میں باطن میں ان کے ساتھ کراہت سے جاتا اور بظاہر جو اندری کرتا اور جو بے طریقہ متیم میرے ساتھ ایسا کرتا میں دل میں حمد کرتا کہ جب میں متیم ہوں گا تو اپنے مہمان کے ساتھ ایسا نہ کروں گا۔ اور بے ادبوں کی صحبت سے اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا جو اس سے زیادہ تجھے ناغوش معلوم ہو وہ نہ کرے۔

اور اگر کوئی درویش پاؤں پھیلاتے تو چند دزاسے رکھ کر اس کی دنیاوی ضرورت فوراً رفع کر دے۔ اور اگر یہ مسافر بے ہمت ہو تو متیم کو نہ چاہیے کہ محالاً ضروری میں بے ہمتا کرے اور اس کے تابع ہو جائے کیونکہ یہ طریق آزادوں کا نہیں۔ جب ضرورت ہو تو بائزاد میں لین دین کو جانا چاہیے یا بادشاہوں کے حضور میں پہنچ کر اس کو آزادوں کی صحبت سے کیا کام ہے۔

روایت ہے کہ بنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصحاب کے ساتھ ریاضت کے لیے بیٹھے تھے ایک مسافر آیا۔ اس کی ہمانداری میں انہوں نے تکلیف کیا اور کھانا لائے اس نے کہا مجھے ملاں اس کے فلاں چیز درکار ہے۔ بنید نے فرمایا۔ تجھے بازو میں جانا چاہیے تو بازو کی آدمی ہے صاحب مسجد و مجرہ نہیں۔

ایک دفعہ میں نے دمشق کے درویشوں کے ساتھ ابن العلاء کی زیارت کے لیے جانے کا قصد کیا۔ یہ رملہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ راستہ میں ہم نے آپس میں باتیں کیں کہ کچھ دل میں سوچ کر چلو تاکہ وہ حضرت ہمیں ہمارے باطن سے مطلع کریں۔ اور ہماری مشکل حل ہو۔ میں نے دل میں سوچا کہ مناجات ابنِ حسین کے اشعار ان سے سنوں۔ دوسرے نے سوچا مجھے ظالم کا مرض ہے ابھی ہو جائے۔

تیسرے نے کہا مجھے علوہ صابون ان سے لینا ہے۔

جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے ایک جزو کاغذ جس میں اشار مناجات ابنِ حسین لکھے تھے میرے آگے رکھ دیئے اور دوسرے کے ظالم پر ہاتھ پھیرا دجائی رہی۔ تیسرے کو کہا۔ علوہ صابون سپاہیوں کا غذا ہے اور تو بویا کا لباس رکھتا ہے اور بویا کے لباس دانے کا لباس رکھتا ہے۔

Marfat.com

غرض کہ عقیقہ کو اس شخص کے حق کی رعایت ضرور چاہیے جو اپنے حق کی رعایت میں مشغول ہو اور خط کا تارک ہو۔ جب کوئی خط پر قائم ہو تو محال ہے کہ دوسرا شخص اس کے خط حاصل ہوئے میں اس سے متفق ہو کیونکہ حدیث ایک دوسرے کو راستہ دکھانے والا ہوتا ہے نہ گمراہ کرنے والا۔ جب کوئی اپنے خط پر قائم ہو تو دوسرے کو چاہیے کہ اس کے برخلاف ہو اور جب وہ اپنے خط کو ترک کر دے تو اس کے خط پر قائم ہونا چاہیے تاکہ دونوں حال میں مادیاب ہو اور گمراہ نہ ہو۔

ایک خبر مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان اور ابوذر غفاری میں رشتہ داری کی تھی اور دونوں سرہنگیان اہل صفہ تھے اور صاحب باطن۔ ایک روز سلمان ابوذر کے گھر زیارت کو آئے۔ ابوذر کے خیال نے سلمان سے شکایت کی کہ تمہارے بھائی دن میں کچھ نہیں کھاتے اور رات میں سوتے نہیں۔ سلمان نے کہا کچھ کھانے کی چیز لاؤ۔ چنانچہ لائی گئی۔ حضرت سلمان نے ابوذر کو کہا بھائی میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کھائیں کیونکہ یہ روزہ آپ پر فرض نہیں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد سلمان کی اور کھایا۔

جب رات ہوئی تو فرمایا: بھائی آپ کو اب بھی میرے ساتھ موافقت کرنی چاہیئے اور سونا بھی اختیار فرمائیں اس لیے کہ ان لجسدك عليك حق وان لزوجك عليك حق و ان لبدنك عليك حق۔ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوذر حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا: میں بھی وہی کہتا ہوں جو کل تجھے سلمان نے کہا۔ ان لجسدك عليك حق۔

چونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے حصہ کو چھوڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلمان نے ان کے خط میں حصہ کو قائم فرمادیا۔ چنانچہ حضرت ابوذر نے اپنا معمول چھوڑ دیا۔ اس اصل پر جو کچھ تو کوئے وہ سمجھ و حکم ہے۔ ایک وقت میں عراق میں دنیا کی طلب اور خربج میں جسارت کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ مجھ پر قرض بہت ہو گیا۔ جس کو کسی کو ضرورت ہوتی وہ میری طرف آتا اور میں ان کی خواہشیں پوری کرتے کرتے مٹا گیا۔ وقت کے ایک سردار نے مجھے لکھا۔ اے بیٹا! دیکھ اپنا دل خدا تیری طرف سے نہ ہٹا۔ اس دل کی فراغت کے سبب جو حوادث میں مشغول ہو تو اگر

ابو الخیر فضل اللہ بن محمد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ ان کی زیارت کریں۔ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ یکسخت پر چاروں طرف نگہ رکھتے اور پیروں کے نیچے علیحدہ ٹکیے رکھے تاکہ تمام گزریں ہیں اور رد اور مصری اور ڈھے سوجھے ہیں اور میں ایک سیلی کی شکل میں چرم کا لٹچرک آلوں کے اوڑھے پہنا اور ریاست مجاہدہ سے رنگ زرد کئے ہوئے تھا۔ ان کا یہ مال و منال اور جہاد و جلال دیکھ کر اپنے دل میں بدعتیہ عقائد ہلکے میں نے اپنے بھی میں کہا کہ میں بھی ایک درویش ہوں اور میری ایک بدعتیہ شہ ہے کہ اس قدر آرام نہیں ہے اور میں اس قدر ریاضت میں ہوں۔

وہ اس وقت میرے باطن سے واقف ہوئے اور میرے غرور اور بدولی کو دیکھا۔ مجھ سے فرمایا۔ اے ابو سلم تو نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ مفرور آدمی درویش ہوتا ہے۔ جب میں نے تمام کائنات میں حق ہی حق دیکھا تو حق تعالیٰ نے مجھے تخت نشین کیا اور جب تو نے صرٹ اپنے کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے نیچے رکھا۔ ہمارے صحر میں شاہد آیا اور تیرے حصہ میں مجاہدہ۔ اور یہ دونوں مقام مقامات حق سے ہیں اور حق تعالیٰ اس سے پاک ہے اور درویش مقامات سے فانی اور حالات سے بچا ہوا ہوتا ہے۔

شیخ ابو سلم فرماتے ہیں کہ میرے ہوش جلتے رہے اور مجھ پر اندھیرا چھا گیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے توہم کی۔ انہوں نے توہم منظور فرمائی۔ پھر میں نے عرض کیا۔ اے شیخ مجھے اجازت ہو کہ میں چلا جاؤں۔ اس لیے مجھ میں آپ کی زیارت کی تاب نہیں۔ فرمایا اے ابو سلم تو سچ کہتا ہے۔ پھر بطور تشیل پیشتر پڑھا۔

آنچه گو شتم نتوانست شنیدن خبر ہم چشم بیان یکسر دید آں ببصر

جس کی خبر میرے کان نہیں سکیں وہ میری آنکھوں نے ظاہر دیکھ لیا۔

تو سافر کو پہاڑیے کہ ہمیشہ مافظ سنت رہے۔ جب کسی مقیم کے پاس جائے تو ادب سے اس کے پاس آئے اور سلام کے پہلے بایاں پاؤں دروازے سے نکالے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔ جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے۔ پھر بائیں میں اور جب پاؤں دھو دے تو پہلے داہنا پاؤں دھو دے پھر بایاں پاؤں۔ پھر درگت تحیۃ اللہ پڑھے۔ پھر رمایت حقوق درویشاں میں مشغول ہوا اور مقیموں کے حال پر اعتراض نہ کرے۔ اور کسی سے زیادتی کرے نہ اپنے سفر کی غمگینیاں بیان کرے۔ اور لوگوں میں جب بات کرے بزرگوں کی حکایتیں رایتیں اور

علم کی باتیں کرے اور چاہیے کہ عاہلوں سے تکلیف برداشت کرے اور بنام خداوندان کا بوجھ اٹھائے کیونکہ اس میں بہت سی برکتیں ہیں۔ اگر مقیم یعنی میزبان یا اس کے ذکر اس پر حکم کریں اور اس کو اہل کوچہ کے سلام یا کسی کی زیارت کے واسطے باتیں تو اگلے ہر کے تو غلط نہ کرے لیکن دل سے دنیا و دہلی کی رعایت سے منکر ہونا چاہیے۔

یہ بھی لازم ہے کہ اپنی غرض حاصل ہونے کے لیے میزبانوں کو تکلیف نہ دے اور ان کو اپنے آرام و خواہشات کے لیے امیروں اور ملازمان شاہی کے حق و در میں نہ لے جائے۔ غرض کہ مقیم اور مسافر کو صحبت میں رضا و الہی کا طالب رہنا چاہیے اور ایک دوسرے سے حسن ظن رکھ کر آپس میں منافرت سے محترز رہیں اور غیبت نہ کریں۔ اس لیے کہ صاحب حق پر خلعت کی بات کرنا بڑا ہے۔ کیونکہ محقق جب دیکھتے ہیں تو فاعل کا فعل دیکھتے ہیں اور جب خلعت کو جس صفت پر دیکھا جاسے تو خالق عالم کی صفت سمجھے۔ کوئی عیب و ایر یا بے عیب یا مجرب یا اہل کشف ہو تو اس کے فعل پر جھگڑنا اس کے فاعل سے جھگڑنا ہے۔

اور جب بشریت کی آنکھ سے خلعت کی طرف نگاہ کی جائے تو سب کو ترک کرنے اور جانے کہ سب خلعت مقدر و مغلوب ہے اور عاجز و محض ہے۔ ہر ایک میں کام کر سکتا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی پیدائش ہی ایسی ہے اور خلعت کو اس کے ملک میں ہی تصرف نہیں اور بدو و ناسد تعالیٰ کسی کو اس کی حالت سے بدنے کی طاقت نہیں۔ و بائیں الترفیق۔

چوبیسواں باب

کھانے کے آداب

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو غذا کے بغیر جیو نہیں۔ اس لیے کہ قواد بدن اور ترکیب طبیعت عام و شراب کے سوا ناممکن ہے لیکن شرط مردت یہ ہے کہ اس میں زیادتی نہ کرے اور دن رات کھانے کی فکر میں رہی مشغول نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مَن كَانَ هَمَّهُ مَسَا يَدْخُلُ فِي جَوْفِهِ كَانَ قِيَمَةُ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ۔ جو اس بات کی ہمت کرے کہ جو کچھ اُسے پیٹ میں بھرے۔ اس کی قیمت وہی ہے جو پیٹ سے نکلی ہوئی چیز کی ہوتی ہے اور مزید راہِ حق کے لیے کھانے سے زیادہ مصروف نہ رہے اور اس سے زیادہ اس کتاب کے باب المجموع میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اسی قدر مناسب ہے اور حکایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابو یوسف سے پوچھا کہ آپ بھوک کی زیادہ تعریف کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر فرعون بھوکا رہتا تو ہرگز اس کا بکھرا لعلی نہ کرتا۔ اور اگر قارون بھوکا رہتا تو نازانی نہ کرتا اور ثعلبہ جب تک بھوکا رہا تو اس کی تعریف کرتے تھے۔ جب سیر ہوا تو اس نے نفاق ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی صفت میں ذرا ہٹو یا کَلُوا وَتَمَتُّعُوا وَيُلَهِجُمُ الْأَمَلُ فَتَنُوكَ يَفْلُتُونَ۔ فرما رہا ہے مٹی نہیں چھوڑ دو کھائیں اور چند دن متمع ہو لیں تر عنقریب وہ جان لیں گے اور فرماتا ہے: وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَتَتَمَتَّعُوا وَيَكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْوُوعَةٌ۔ جو کافر ہوئے اور دنیا سے متمتع حاصل کر کے کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور حضرت سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ شراب سے پیٹ بھرنا مال کھانے سے پیٹ بھرنے کی نسبت مجھے زیادہ پسند ہے۔ لوگوں نے پوچھا: کیسے سمجھ ہے فرمایا: جب شراب سے پیٹ بھرتا ہے تو عقل آرام کرتی ہے اور شہوت کی تسکین ہوتی ہے اور خلقت اس کے ماتر اور زبان سے اس میں ہوتی ہے۔ لیکن جب مال کھانے سے پیٹ پُر ہوتا ہے تو یہ وہ گرتی پاتا ہے اور شہوت زہد پکڑتی ہے اور نفس اپنے

نصیب کی طلب میں سڑھاتا ہے کیونکہ شائع نے ان کی سنت میں کہا ہے۔ اکل هو کا کل
الموضی ونوم هو کف من الفرق وکلام هو کلام التکلی۔ ان کا کھانا یا روکا
سا کھانا ہے۔ ان کی نیند غرق ہونے والوں کی سی نیند، ان کا بولنا سرے ہوئے نیچے کی ماں کا سا بولنا ہے۔
تو کھانے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ جب کھانے پینے کا زمانہ کھانے بگ اپنے کھانے میں سے ابتدا کرے
جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شَرُّ النَّاسِ مَنْ أَكَلَ وَحْدَهُ وَصَوَّبَ عَيْنَهُ
وَمَنَعَ سَفْهًا شَرَّ رَجُلٍ إِنْسَانٍ هُوَ جَوْنًا كَهَانَةً أَدْنَامُ كَرَارَةٍ أَبْخَشَشَ وَجْهَهُ
رَدَّ بَكَ۔ اور جب در۔ زبان پر میٹھیں تو خاموش بیٹھیں۔ کھانا شروع کریں تو بسم اللہ سے
شروع کریں اور دسترخوان پر کوئی ایسی چیز رکھیں اور نہ دکھائیں جس سے ساتھی کو ہمت کریں۔ اور
شروع لقمہ نگین سے ہونا چاہیئے اور اپنے ساتھی سے ساتھ انصاف ملحوظ رکھیں۔

حضرت سہل بن عبد اللہ سے روگوں نے اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ کے معنی
پرچھے۔ آپ نے فرمایا کہ عدل یہ ہے کہ اپنے رفیق کے لقمہ میں رفیق سے انصاف کرے۔ اور احسان
یہ ہے کہ رفیق کو لقمہ میں زیادہ حق دے دے۔

اور میرے شیخ فرماتے ہیں کہ میں اس مدعی سے تعجب کرتا ہوں جو کہے کہ میں تارک الدنیا ہوں
اور لقمہ کی نگر میں ہوں اور کہا کہ اپنے ہاتھ سے کھائے اور دوسرے کے لقمے کی طرف نظر نہ ڈالے اور کھائے
میں پانی کم پیوے۔ مگر جب پیاس پوری لگ رہی ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور جب کھائے تو کم کھائے تاکہ
بگتر ہو جائے اور لقمہ بڑا نہ اٹھائے اور اچھی طرح جاکر کھائے۔ جلدی نہ کرے کیونکہ جلدی کھانے سے
بدہنسی کا خوف ہوتا ہے اور سنت کے خلاف ہے۔ جب کھانے سے فارغ ہو تو الحمد للہ کہے اور
ہاتھ دھوئے۔ اور جو لوگ ساتھیوں سے خفیہ دعوت میں بائیں اور کھائیں تو بعض شائع
فرماتے ہیں یہ حرام ہے اور مجلس کے ساتھ خیانت ہے اَوَّلُ لَفْ مَّا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ
إِلَّا الشَّامَ یعنی یہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھرتے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ جب جماعت ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو تو تنہا دعوت بلا
جائز ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر ایک ہو تو جائز ہے اور اگر چند مصاحب ہوں تو انصاف
سے جو مقدار ہوا اسے بھیجا جائے۔ اس لیے کہ تنہا پر سے حکم مجلس اکٹھا جاتا ہے۔ اس سے مراد

نہیں ہوتا۔

marfat.com

Marfat.com

اور سب سے بڑی بات مذہب عرفیہ میں یہ ہے کہ درویش کی دعوت روز کرے اور دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے۔ ان کے گھر نہ جائے اور ان سے کچھ نہ مانگے کیونکہ اہل طریقت کی اس میں قرینہ ہے۔ اس لیے کہ دنیا دار درویش کے محرم نہیں۔ حضرت مرقاں طریقت دنیا دار سے نفع میں نہ ہوں اور اس کی قلت سے درویش نہیں۔ اور جو فقر کو فنا پر فاضل ہونے کا معترف ہو وہ دنیا دار نہیں ہوتا اگرچہ بادشاہ ہو اور جو فقر کا شکر ہو وہ دنیا دار ہے اگرچہ مجوکاٹنگا ہو اور جب دعوت میں جاکے تو کھانے پانے میں تکلف نہ کرے۔ مطابق ضرورت اور وقت کے بسر کرے اور جب دعوت محرم ہو تو جائز ہے کہ قبیلے کو لے جائے اور اگر محرم نہ ہو تو اس کے گھر جانا جائز نہیں۔

سل بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ ذلک مہمالی کرتا ہی ذلت ہے۔

و باللہ التوفیق

پچیسواں باب

چلنے پھرنے کے آداب

اللہ عزوجل فرماتا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ۚ ۱۰
 اللہ تعالیٰ کے بندے زمین پر باتھکیں اور آہستہ چلتے ہیں۔ بندے پر یہ لازم ہے کہ طالب حق ہو کر اپنی رفتار میں جو قدم رکھے وہ ایسے رکھے کہ اس میں یہ نہ جائے کہ یہ قدم کس چیز پر چلتا ہے اور وہ قدم اس پر ہے یا اس کا ہے۔ اگر اس پر ہے تو استفادہ کرے اور اگر اس کا ہے تو کوشش کرے تاکہ زیادہ ہو جائے۔ حضرت رائد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک روز انہوں نے کچھ دوا کھالی تھی۔ لوگوں نے کہا۔ کچھ دیر گھر کے صحن میں ٹپکتے تاکر دوا کا نافع ظاہر ہو جائے۔ آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ بروقتیاست اللہ تعالیٰ فرماتے گا کہ چند قدم اپنے نفس کی خواہش سے چلا۔ چنانچہ جبار جلیل فرماتا

ہے وَتَشْهَدُ اَنْرُجُلُّهُمْ فِيمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ۔ اور گواہی دیں گے ان کے قدم جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تو درویش کو چاہیے کہ ہوشیاری سے مراقبہ میں جائے اور سر جھکا کر بیٹھے اور کسی طرف نہ دیکھے اور راستہ میں اگر کوئی تنہا ہے تو اپنے آپ اس سے نہ بچھے اور کسی سے اپنے کپڑے کوئیں نہ کرے کیونکہ مومن اور اس کا کپڑا پاک ہے اور یہ عزت اور خود نائی ہے البتہ اگر سلسلے طے ملا کر ہے اور اس پر پلیدی ظاہر ہے تو اجتناب جائز ہے تاکہ اس سے اپنے کو بچائے اور جب جماعت کے ساتھ چلے تو آگے چلنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ فائش چاہنا شکریہ کا کام ہے اور سب سے پیچھے چل کر قاضی کا ارادہ بھی نہ کرے اس لیے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کرنا بھی عین بکتر ہوتا ہے۔ چلنے میں بجا اسکا پانا جزا چل پلیدی سے بچائے تاکہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شب میں اسے گندگی سے محفوظ رکھے۔ اور جب جماعت یا ایک درویش راستہ میں اس کے ساتھ ہو تو کس کے واسطے کھڑا نہ ہو اور اپنے ساتھیوں کو زحمت انتظار میں تکلیف نہ دے۔ جب چلے آہستہ چلے تیز رفتاری نہ کرے کہ عربوں کی رفتار ہے اور آہستہ خرامی میں سی نہ کرے کہ بھی حکبروں کی رفتار ہے اور قدم ثابت رکھے اور علامت ہے کہ طالب کی چال ایسی صفت سے ہو کہ اگر کوئی اسے پرچھے کہ کہاں جا رہا ہے تو وہ کہے اِنِّیْ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَّہِدُنِیْ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ مجھے ہدایت فرما گا۔ اور اگر اس چال کے علاوہ چلے گا تو چلنا اس کے لیے وبال ہو گا۔ اس لیے کہ قدم ہتکی صحت کے خیال سے ہے مومن کا اندیشہ جمع ہوتا ہے اس کا حق پر چلنا اس کے اندیشہ کے تابع ہوتا ہے۔

حضرت ابو یزید سے روایت ہے کہ درویش کا بے مراقبہ چلنا نشانِ غفلت ہے اس لیے کہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے دو قدم میں ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ایک قدم نصیب پر رکھا جاتا ہے دوسرا فرمانِ حق کے ساتھ۔ ایک قدم اٹھتا ہے دوسرا اس کی جگہ رکھتا ہے اور طالب کی چال قطع سفر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ قریب سفر سے نہیں اور جب اس کا قرب سفر سے نہیں تو طالب کا کام ہے کہ محل سکون میں قدم بریدہ ہو کر رہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

چہیتسواں باب

سفر و حضر میں سونے کے آداب

مشائخ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا سفر و اقامت میں سونے پر بہت اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک مرید کا سونا سلم نہیں مگر جب نیند لہ کرے تو مصالحتہ نہیں کیونکہ نیند دلیج نہیں ہو سکتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَلتَّوَمُّرُ آخُ الْمَوْتِ**۔ نیند موت کا بھائی ہے۔ اور زندگی نعمت خداوندی ہے اور موت بلا ہے اور ظاہر ہے کہ نعمت بلا کا افضل ہے۔

شبلی علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: **اطلِعِ الْحَقَّ عَلَى فَقَالٍ مِّنْ نَّاهٍ**۔ غفلت و من غفل صاحب بحجۃ اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا کہ جو سویرا غافل ہو اور جو غافل ہو وہ محبوب ہوا۔

ایک جماعت کہتی ہے مرید کو کمال اختیار سونا جائز ہے اور خواب میں تکلف نہ کرے مگر جب کہ ہر امر کا حق بھالایا ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **دَفَعَ الْقَلَمَ عَنْ ثَلَاثَ عَنِ النَّاسِ حَقٌّ يَنْتَبَهُ وَعَنِ الْعَبِيِّ حَقٌّ يَحْتَسِرُ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَقٌّ**۔ یضیق تین قسم کے آدمیوں سے علم اٹھ جاتی ہے اور رُفُوعِ الْقَلَمِ ہوتا ہے یعنی اس سے مواخذہ نہیں۔ ایک سویرا ہو جب تک بیمار نہ ہو۔ دوسرا بچہ جب تک بالغ نہ ہو بمیثرا ویرانہ جب تک ہوش میں نہ آہلئے۔ کیونکہ مخلوقات اس کی تدبیر سے اس میں رہتی ہے اور اس کا اختیار رکھا ہوتا ہے۔ اور اس کا نفس مردوں سے بے خبر ہوتا ہے اور کرانا کا تبین اس کے اعمال لکھنے سے آرام میں رہتے ہیں اور اس کی زبان و حویٰ سے کراہ اور دروغ باتی اور غیبت سے محفوظ رہتی ہے اور اس کی عبادت تکبر و ریا سے جہا ہوتی ہے۔ **لَا يَمْلِكُ لِنَفْسِهِ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا مَوْتًا وَلَا حَيًّا**۔ تا و لا نشور۔ وہ اپنے نفس کے نقصان اور دفع اور موت و حیات کا مالک نہ ہوگا اور نہ نشر کا تمنا ہوگا۔ **لَا شَيْءٌ اَشَدَّ عَلَى اِبْلِيسَ مِنْ نَوْمِ الْعَاصِي**۔ فاذا نام العاصی يقول متی

عبدی روحہ فی محل البھوی و بد نہ علی بساط العبادۃ ۔ اللہ تعالیٰ عرش ہوتا ہے جب بندہ کو مسجد میں سرا ہوا پانتے ۔ فرماتا ہے ۔ اسے میرے فرشتوں! اس بندہ مومن کو دیکھو کہ اس کی جان ناز گرتی ہیں ہے اور اس کا بدن بساط جہاد پر ہے اور معبود علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ من نامر علی طہارۃ یھذن الروحۃ ان یطوف بالعرش ویسجد للہ تعالیٰ جو باطلات سو جائے اس کی روح کو اجازت ہے کہ عرش کا طواف کرے اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ اور میں نے حکایتوں میں معلوم کیا ہے کہ شاہ شجاع کرانی چالیس سال پیدار رہے ۔ جب ایک رات سو گئے تو لقاء ربانی نصیب ہوا ۔ پھر وہ ہمیشہ لقاد کی امید میں سو جاتے ۔

ایک جماعت کریم نے دیکھا کہ وہ ریداری کو سونے سے ماضی جانتی ہے ۔ جیسے علی بن سہل رضی اللہ عنہ ۔ اس لیے کہ وہی کادروں پر آنا اور یاد کی کراہتیں ریداری میں ہوتی ہیں ۔

ایک شیخ فرماتے ہیں ۔ لو کان فی النور خیر الکائن فی الجنة ۔ اگر نیند میں بستی ہوتی تو جنت میں بھی ہوتی کیونکہ جنت مقام قرب کا نام ہے اور قرب میں نیند ہوتی اور نیند چونکہ عیب ہے تو معلوم ہوا عیب جنت میں نہیں ۔ اور اباب لطف فرماتے ہیں کہ جب آدم مصطفیٰ اللہ بہشت میں سو گئے تو ان کے بائیں پہلو سے حضرت حوا پیدا ہوئیں اور سب بلائیں جو آپ پر وارد ہوتی حضرت حوا کے باعث ہوتی ۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا ۔ یا بنی انی اسی فی النار انی اذبحک ۔ بیٹا میں نے خواب میں دیکھا کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا ۔ ابا جان !

ہذا جذاذ من نامر عن حبیبہ لو لم تفر لما امرت بندہ مح الولد یہ جزا ہے اس کی جو اپنے حبیب سے فاضل ہو کر سو جائے ۔ اگر آپ نہ سوتے تو بیٹا ذبح کرنے کا حکم نہ ہوتا ۔ تو آپ کے خواب نے آپ کو بے پسر کیا اور مجھے بیان لیکن میرا درد تو ایک ساعت ہو گا مگر آپ کا درد دائمی ہے ۔

میں بن و سر نے خوب کہا ہے ۔

وانی لا استنص و مالی نعیمۃ لعل خیالاً منک یلقی خیالاً

اچھا بچک نیند چاہتا ہوں اور مجھے نیند نہیں شاید کہ خواب میرے خیالات میرے خیالات سے طیس ۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہر رات آپ نمک کا پانی سکوڑے میں بھر کر اپنے سامنے رکھتے اور ایک سوائی۔ جب غلبہ خواب ہوتا تو سوائی بھر کر آنکھ میں ڈالتے۔

اور میں علی بن عثمان جلالت نے ایک پیر مرد کو دیکھا کہ جب اداۓ فرض سے فارغ ہوتا سو جاتا اور شیخ احمد سمرقندی کو دیکھا۔ آپ بخارا میں تھے کہ چالیس رات خواب نفراتے اور وہی میں تھوڑی دیر سوتے۔ یہ مسئلہ اس طرف راجع ہے کہ جب کسی کے خیال میں موت زندگی سے بہتر ہو اسے چاہیے کہ زیادہ سوتے اور جس کے نزدیک زندگی موت سے محبوب ہو اسے چاہیے کہ جاگے تو قدر و قیمت اُسے بیداری کی نہیں ہو سکتی جو تکلیف سے بیدار رہا بلکہ بیداری کی قدر اُسے ہے جسے بیدار رکھنے والا بیدار رکھے۔

جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر وہ جہاں پر پہنچا یا آپ نہ خواب میں تکلیف فرماتے نہ بیداری میں۔ پھر جب فرمایا حق آیا۔ قُبْرُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ قَلِيلٌ مِّنْ نَّصْفِ آوَانِ نَفْسٍ وَ قَلِيلٌ مِّنْ شَبِّهِ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ۔ آدمی رات یا اس سے کم۔ تو قدر و قیمت اسے کیا ہو جو تکلیف سوتے۔ قدر و قیمت اُسے ہی ہو سکتی ہے جسے گھانے والا سلاتے جیسے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کھف کو برگزیدہ فرما کر اعلیٰ مقام بخشا اور بائیس کھنڈی کی گردن سے اُٹا رہا۔ وہ نہ سوتے میں تکلیف کرتے ہیں نہ بیداری میں۔ حق تعالیٰ نے انہیں خواب ہی میں رکھا اور وہ بے اختیار غیر حق تعالیٰ میں پردہ شہ پار ہے ہیں جیسا کہ فرمایا وَ تَحْسَبُهُمْ آيَاتًا وَيُحْكَمُونَ قُوَّةً وَ تَقْلِبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَ ذَاتَ الْشِّمَالِ۔ یہ دونوں بے اختیاری کے حال میں ہیں۔ اور جب بندہ کسی ایسے وجہ پر پہنچ جائے کہ بے اختیار ہوا سب سے بے تعلق ہو جائے اور اس کا رابطہ خیر سے منقطع ہو جائے تو اگر سو جائے یا بیدار رہے جس حال حال میں بھی جو عزیز حق ہوتا ہے۔ تو مرید کا سوتا ایسا ہوتا چاہیے کہ وہ اس سونے کی کھڑی سونا سمجھے اور گناہوں سے توبہ کرے اور دشمنوں کو خوش کرے اور پاکیزہ لباس میں رو بہ قبلہ ہو کر دنیاوی کامداری سے دست بردار اور خدمت اسلام پر لگ کر گزارے۔ اور یہ عہد کرے کہ اگر بیدار ہو گا تو پھر گناہ نہ کرے گا۔ تو جس نے یہ حالت بیداری اپنا کام تمام کیا۔ اُسے نہ خواب کا خوف اور نہ موت کا خطرہ مشورہ حکایتوں میں ہے کہ ایک پیر اس امام کے پاس جایا کرتا تھا جو تیرہ اندکواہ پوشی اور دعوت میں رہ چکا تھا اور اس کا نام تھا غلام اللہ۔ اس سے مدد مانگنے پر پختہ کہ

یہ مرد ہر وقت مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔ ایک روز اس نے نام سے کہا کہ آج میں تمام عیب ترک کر کے اطاعت شروع کروں گا۔

جب دوسرے دن وہ کرا ترا نام نے کہا اسے پیراب مڑنا چاہیے۔ اس نے معطلی بچپا یا اور سر دکھائیٹ گیا اور کہا میں مریا ہوں اور بھائی ریدی۔ نام کو اس سے آگاہی ہوئی۔ اس نے کہا یہ پیر بجے کہا کرتے تھے کہ موت کے لیے تیار رہ۔ اور آج خود رخصت ہو گئے۔ اور مریدوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ جب تک غنہ غالب نہ ہو سنا نہ چاہیے اور جب پیدار ہو تو اسے دوبارہ سونا حرام ہے۔ اس بحث میں بہت طویل کلام ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

ستائیسواں باب

بولنے اور چپ رہنے کے آداب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا اور فرمایا قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ قَوْلًا مَعْرُوفًا۔ اور کون اچھا ہے بات میں جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور نیک عمل کئے۔ اور کہو تم سب ہم ایمان لائے۔ اور قول معروف۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اچھے کام کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اقرار اس کی ثناء و صفت مخلوق کو اس کی طرف آنے کی دعوت دینا اور نعمہ کلام حق تعالیٰ کی روشنی میں میرز اور منتخب کیا ہوا ہے جیسے فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشا۔ ایک ملاحظہ مفسرین اس معنی میں اعزاز کہ کلام حق مراد ہوتی ہے۔ اور اگرچہ کلام حق بندہ ہے ہونا بڑی زبردست نعمت ہے لیکن اس کی ذمہ داری کی آفت بھی بہت بڑی ہے۔ حضرت علیؓ کا یہ حدیث ہے: رَفَعْنَا عَلَیْهِمُ الْبَاسَ لِمَا رَوَوْا

میں اپنی اُمت پر غور کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ۔ اس سے کہ کلام شریک سب ہے کہ عقل و فہم سے
کرتا ہے۔ نہ کہ جب اس کے پینے میں مبتلا ہوتا ہے کچھ نہیں سکتا۔

جب اہل طریقت پر یہ امر حشف ہوا کہ کلام بھی ایک آیت ہے تو انہوں نے بلا ضرورت
کلام ترک کر دیا اور اپنے ہر کلام کی ابتدا و انتہاء پر خاص نگران رہے اور اگر وہ تمام کلام حق ہوا تو کہہ
دیتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں اس لیے کہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ راز داں ہے۔ اور وہ بہت
بڑے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو راز داں نہیں جانتے چنانچہ فرمایا۔ اَلَّذِينَ يَكْتُمُونَ اٰيَاتَنَا لَا يَسْمَعُ مِنْهُمْ
مَلٰٓئِكُہُمْ وَ يَخْتَوٰ اٰھَمُ بَلٰی وَ مَرۡسَلٰنَا لَکَ یُخۡبِرُ بِکَ کَتٰبُوۡنَ۔ کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم
ان کے راز دہانے نہاں نہیں جانتے۔ یہ غلط ہے بلکہ ہم بھی جانتے ہیں اور ہمارے پیچھے فرشتے
ان کے پاس رہ کر لکھتے ہیں۔ اور ہم عالم الغیب ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَوْتُ
صَمَاتٌ خَبْرًا۔ جو خاموشی راز دہانہ نجات پا گیا۔ تو خاموشی میں جو قائم ہے وہ کلام کرنے میں نہیں۔
اس لیے کہ بڑے میں بہت آفتیں ہیں۔

ایک جماعت شائع کلام رحمہم اللہ تو خاموشی کو بڑے پر فضیلت دیتی ہے اور ایک جماعت
کلام کو خاموشی پر ترجیح دیتی ہے۔ ان میں سے حضرت جنید نے فرمایا کہ عبارتیں تمام دعوے ہیں اور
جہاں معنی ثابت ہوں وہاں دعوے بے فائدہ ہوتا ہے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ کمال اختیار
قول ساقط کرنے میں مفرد ہوتا ہے اور جب حالت خوف میں ہو تو راجح وقت کلام نہ کر کے
کاغذ ہوتا ہے لیکن معنی ساقط نہیں ہوتے اور اگر حقیقت معرفت کا انکار کرے تو جب معنی باقی
ہوں تو بلا زبان کہنا موقوف ہوتا ہے۔ اور کسی وقت بندہ بغیر معنی کے صرف دعوے سے مفرد نہیں
ہوتا۔ اس کا حکم منافق کا ہے اس لیے کہ بے معنی دعوے کا فاق ہے اور بلا دعوے اور بے معنی اخلاص
لاق من انس بنیانہ علی بیان استغنی فیما بینہ و بین و بہ من اللسان
اس لیے کہ جو بنیاد ڈالے اس پر کہ ایک راز جناب ربانی میں ظاہر ہے۔ اس کے عرض کرنے کی
ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی جب بندہ پر راست کھلے تو وہ گنگو کرنے سے بے پرواہ ہوجاتا ہے اور
عبارت کے معنی بتانے کو بغیر کی خبر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تفسیر احوال سے بے نیاز ہے۔ اسے
پرواہ نہیں کہ بیان غیر سے اس کی طرف شمول ہو اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول صوفی عرف
اللہ کل لسانہ اس کا تاثر کرتا ہے معنی جہنم نے اللہ تعالیٰ کا عرفان دل سے کر سب۔ اس کی

marfat.com

Marfat.com

زبان بیان سے گرنگی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عبارت کا بیان مجاب ہے۔

اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فکر سے پرکھ کر آواز بلند فرمایا یا صوادی اللہ اس میں اشارہ حق تعالیٰ کی طرف کیا۔ حضرت خلیفۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اسے ابابکر شبلی اگر تیری مراد حق تعالیٰ سے ہے تو تو نے یہ اشارہ کیوں کیا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے تیرے مراد یہ نہیں تو تو نے کیوں کہا۔ حق تعالیٰ تیرے کہنے پر آگاہ ہے۔ تو حضرت شبلی نے اپنے کہنے پر استغفار کی۔

اور جس جماعت کے کلام کو چُپ رہنے پر فضیلت دی وہ کہتے ہیں کہ اپنی حالت حق سے بیان کرنا لازم ہے کیونکہ دعویٰ یعنی قائم ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی ہزار سال دل اور سر کا عارت ہو اور ضرورت مانع نہ ہو تو اس کا اقرار معرفت سے متعلق نہ ہو اور اس کا حکم کاروں کا ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فکرِ نعمت اور حمد و ثناء پر حکم دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واما بنعمت ربک فحدث اپنے رب کی نعمتوں کا بیان کر فرمایا اور تحدیثِ نعمت یہ کلام ہے اور ہماری طرف سے ثناء و حمد یہ بھی کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْكُمْ مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا، بھی فرمایا اِنَّا جِئْبْ دَعْوَةَ الدّٰیْعِ اِذَا دَعَاۤت میں پکارنے والوں کی گھا قبول کرتا ہوں۔ جب وہ پکارتا ہے اور اس طرح کے اور بیان بھی ہیں۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ جس کا حال اپنے وقت سے بیان نہ ہو اس کا وقت رقت ہی نہیں۔
کیونکہ تیرا وقت میان کر کے وال تیری ذات ہے۔

لسان الحال افصح من لسان وصتی عن سوالی ترجمان

میری زبان حال میری زبان سے فصیح تر ہے اور میری خاموشی میرے سوال کا ترجمہ ہے۔ میں نے حکایتوں میں دیکھا ہے کہ ایک بغدادی بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے ایک مجلس میں جا رہے تھے کہ ایک منگ کو دیکھا کہ کہہ رہا تھا۔ السکوت خیر من الکلام فقال الشبلی سکوتک خیر من کلامک وکلامی خیر من سکوتی لان کلامک لغو و سکوتک منزل وکلامی خیر من سکوتی لان سکوتی حلو وکلامی علو۔ خاموش رہنا برتر ہے اچھا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تیرا خاموش رہنا برتر ہے اچھا ہے اور میرا بولنا خاموش رہنے سے بتر ہے اس لیے کہ تیرا بولنا لغو اور تیری خاموشی ہزل ہے۔ اور میرا کلام مرے سکوت سے یوں بتر ہے کہ میرا سکوت بھی عام ہے اور میرا کلام علم ہے۔ اگر میں علم دکھوں تو علم اس پر

ہے اور کون تو علم ہے۔ اگر نہ کون تو علم ہوں اور کون تو علم۔

ارد میں علی بن عثمان کتاتہوں کہ کلام کی دو قسمیں ہیں ارد سکوت بھی دو قسم کے ہیں کلام ایک حق ہے ایک باطل ارد سکوت ایک حصول مقصود کے لیے۔ دوسرے غفلت میں۔ تو جسے اپنا بیان کرنا پیش ہو تو اس کی گفتگو اور خاموشی میں دیکھا جائے گا۔ اس کا کتا حق ہے تو بولنا چپ رہنے سے اچھا ہے اور اگر کلام باطل ہے تو بولنے سے چپ رہنا اچھا ہے اور اگر عجب ارد غفلت سے خاموش ہے تو بولنا چپ رہنے سے بہتر ہے۔ ارد بہت لوگ اس پر حیران ہیں۔ ایک گروہ مدعیوں سے یہودہ ارد ہوس کا شکار ہے۔ وہ جو کتا ہے کہ بولنا چپ رہنے سے افضل ہے۔ اور جاہلوں کا گروہ جو منابرہ ارد کنوئیں میں فرق نہیں کرتا وہ خاموشی کر رہنے سے اچھا کتا ہے۔ یہ دونوں کسی کو بلائیں یا خاموشی کرائیں ایک سے ہیں۔ الامن نطق اصالب او غلط ومن نطق حصص من الشطط جو کلام کرتا ہے یا غلط کرتا ہے یا صحیح بولتا ہے اور جو بولتا یا غلط ہے وہ غلط و غفل سے بچا ہوا ہے۔ جب کہ ولیمس لسنہ اللہ علیہ السلام نے کہا۔ آنا حکیو، منہ میں اس سے بہتر ہوں اور آدم علیہ السلام بولے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جان پر یہ مدعیان طریقت اپنے کلام میں اجازت یافتہ ہو کر اضطرار میں ہوتے ہیں اور خاموشی میں شرم زدہ اور بیچارہ ہوتے ہیں۔ من کان سکوتہ حیلہ کان کلامہ حیوۃ۔ جو حیا کے باعث خاموش رہا۔ اس کا سکوت دل کو زندہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دیکھ کر کلام کرتا ہے اور ضمیر دیکھے کلام کرنا معیوب جانتا ہے اور نہ بولتا رہنے سے سزاوارہ پسند کرتا ہے۔ جب تک ہوش میں ہو اور جب بخود ہر جاتا ہے تو لوگ اس کا بولنا جان پر ٹکتے ہیں۔ اسی بناء پر پیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ من کان سکوتہ مذہبنا کان کلامہ لغیرہ مذہبنا۔ جس کا چپ رہنا بھالت بخودی ہو اس کا کلام غیر کے لیے مذہب ہوتا ہے تو طالب ربانی کو چاہیے کہ عبودیت میں محو ہو کر چپ رہے تاکہ ربانی آدمی جس کا کلام ربوبیت سے ہو کلام کرے اور اس کا کلام سریدوں کے دل شکار کرے اور کلام میں یہ ادب ہے کہ بدوین امر کے نہ کہے اور امر سے باہر بھی نہ کہے۔ اور چپ رہنے میں یہ ادب ہے کہ جاہل نہ ہو اور نہ بھالت پر راضی اور نہ غافل ہو۔

سرید کر لازم ہے کہ پیروں کی بات میں دخل اور نصرت نہ کرے اور جبارت عجب اور پاک گذار نہ رہے۔

marfat.com

Marfat.com

مگر سے اور مسلمانوں کو رنج نہ دے اور درویشوں کو صرف ہم سے نہ بھلائے۔ اور حدیث کے چپ
سہنے کی شرط یہ ہے کہ حق کے سوا کچھ نہ کہے اور اس کی بہت شاخیں ہیں اور بیشمار طریقے ہیں اس
ہکایت کا کہ ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جاسکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انٹائی سوالات باب

آداب سوال و ترک سوال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ حاجت کے ساتھ لوگوں سے
سوال نہیں کرتے اور جب ان سے کوئی سوال کرے تو رد نہیں کرتے۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَوْهُ۔ سوال کو نہ جھڑک۔ اور چاہئے تو یہ کہ اللہ
تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے اور غیر کو بل سوال بھی نہ بتائے۔ اس لیے کہ غیر سے سوال جب
ہی کیا جائے حاجب اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر غیر خدا کی طرف متوجہ ہو۔ تو جب بندہ اللہ تعالیٰ سے
مدد مانہ ہو تو وہ بدکر یا جاتا ہے۔ یعنی پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتا۔

مجھے معلوم ہوا کہ ایک دنیا دار نے حضرت رابعہ عدیہ سے عرض کی آپ مجھ سے کچھ مانگیں تاکہ میں
آپ کو پیش کر دوں۔ آپ نے فرمایا مجھے تو عاقبتی دنیا سے مانگتے شرم آتی ہے تو کیا مجھے اپنے بیسے
سے سوال کرتے شرم نہ آئے گی۔ کہتے ہیں ابو سلم صاحب دعوت کے عہد میں ایک بے گناہ درویش
ہجرری کی تہمت لگی۔ انہیں قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ جب رات ہوئی ابو سلم نے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ اے ابو سلم مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے
کہ میرے دوست کو بے گناہ قید خانہ میں بند کیا ہے۔ اُٹھ اور اسے نکال۔

ابو سلم خراب سے چونک پڑا: رنگے سرتنگے پیر قید خانہ کے دھارہ پر آیا اور حکم دیا کہ وہ وہاں
 کھولو اور اس درویش کو باہر نکالو۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو ابو سلم نے معذرت کی اور
 عرض کیا حضور کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اے امیر جس کا راسا خلاند ہو کر آدھی
 رات کے وقت ابو سلم کو بستر سے اٹھا کر میری رہائی کیلئے بھیج دے اور اسے قید سے آزاد کرانے اے
 کیا یہ جائز ہے کہ اپنی ضرورت غیروں سے پوری کرانے پر کسی کو ابو سلم رو پڑا اور وہ درویش چلے گئے۔
 پھر ایک جماعت کہتی ہے کہ درویش کو خلعت سے سوال کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ۱۰
 یَسْتَلُوْا النَّاسَ اَلْحَانَا فرماتا ہے یعنی لجاجت کئے بغیر وہ لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کی ضرورت کے وقت سوال فرمایا اور میں بھی حکم دیا۔ اَطْلَبُوا
 الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِلَالِ الْوُجُوْہِ۔ اچھی صورت والوں سے حاجتیں طلب کرو۔

دوسرے شائع کرام نے سوال میں وجہ سے جائز رکھا ہے۔ ایک فراغتِ دل کے لیے جو
 ضرورتی ہوا کہتے ہیں کہ ہم مدفنوں جہاں کی وقعت نہیں سمجھتے کہ دن رات اس کے انتظار میں گزاریں
 اور بحالتِ اضطراب اللہ تعالیٰ کے سامعیت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ کوئی شغل کھانے کا ہوا اس
 کے انتظار کا ہر کچھ نہیں اور اسی قسم پر حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے شفیق کے مرید کو فرمایا جب وہ
 آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ اول اپنے حضرت شفیق کا حال پوچھا مرید نے عرض کیا وہ فارغ از خلعت
 ہو کر توکل میں بیٹھے ہیں۔

حضرت ابو یزید نے فرمایا تو واپس جا اور شفیق سے کہہ کہ اللہ تعالیٰ کو درود ٹی پر نہ آنا۔ جب
 تجھے بھوک ہو تو درود ٹی ہم جنسوں سے مانگ لے اور توکل چھوڑنا کہ شہر و دولت تیرے گل کی خواست
 سے غرق نہ ہو اور دوسرے لوگوں نے ریاضتِ نفس کے لیے سوال اختیار کیا ہے تاکہ نفس کو ذیل کریں
 اور اپنے دل کو رنج کریں اور اپنی حیثیت سمجھیں کہ ہر ایک الٰہ کی کتنی قدر کرتا ہے۔ پھر تکبر نہ
 کریں اور کسی کو رنج نہ دیں۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ جب شبانہ رحمۃ اللہ علیہ جنید کے پاس آئے۔ جنید نے فرمایا: اے ابو بکر
 شبلی جب تک تیرے سر میں یہ غرور ہے کہ میں خلیفہ صاحب الحجاب کا بیٹا ہوں اور سامرو کا امیر ہوں
 ترجمہ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ جب تک تو بازار میں ہر کس و ناکس سے سوال نہ کرے گا۔ تجھے اپنی قیمت

چنانچہ حضرت شبل نے ہدایت کے موافق عمل کیا۔ ہر ملاہن کی قدر و منزلت کم ہوتی گئی۔
 پچھ سال میں یہ حال چھو گیا کہ تمام بازار میں پھر سے اور کسی نے انہیں کچھ نہ دیا۔ پھر یہ جنید رضی اللہ عنہ
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حال بتایا۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ اے ابابکر اب اپنی قدر جان لے
 کہ خلقت تجھے کس نظر سے دیکھتی ہے۔ تو اب ان سے دل نہ لگا اور ان کی قدر نہ کر۔ یہ معنی ریاضت
 کے یہ ہیں کسب کے لیے نہیں۔

اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ایک رفیق
 موافق رکھتا تھا۔ اسے موت آگئی اور وہ دنیا کی محبت سے عاقبت کی نعمت پر پہنچ گیا۔ میں نے اسے
 خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے جواب دیا۔ میں بخشا گیا آپ
 نے پوچھا کس نصیحت کے سبب۔ اس نے عرض کیا مجھے کیا مجھے کھڑا کیا گیا اور مجھ سے کہا گیا اے میرے بندے
 جو کہ قربت ذیل بنا اور سفارہ گروں اور خیرلوں سے تو سہلے ٹھٹھا یا اور ان کے آگے ہاتھ پھیلا یا اور
 صبر کیا۔ تجھے اس سبب سے بخشا گیا۔

تیسرے لوگوں نے ادب حق کے لیے خلعت سے سوال کیا اور دنیا کا سبب حال حق تعالیٰ کا
 سمجھا اور عاتق طلاق کو اس کا دلیل سمجھا اور جو چیز ان کے نفس کے نصیب میں آئی اس کی حق تعالیٰ
 سے درخواست نہ کی بلکہ اہم کے دلیل سے طلب کی اور اپنی بات دلیل سے کہی اور شاہد کے مدد و اپنی
 ضرورت جو بندہ دلیل کے پیش کرتا ہے۔ وہ زیادہ ادب و اطاعت سے بہ نسبت اس کے کہ شاہد
 سے طلب کرے۔ پس اہل کاخیر سے سوال کرنا جناب حق میں حضور اور توجہ کی اطاعت ہے اس میں
 اغراض نہیں پائے جاتے۔

مجھے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن ساذکی ایک بیٹی تھی۔ ایک روز اس نے اپنی ماں کو کہا۔ مجھے نلاں چیز
 درکار ہے۔ اس کی ماں نے کہا۔ بیٹی خدمت مانگ۔ لڑکی نے جواب دیا۔ اماں مجھے شرم آتی ہے کہ
 فغانی ضرورت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کروں۔ اور جو کچھ تو دے گی، بھی اللہ تعالیٰ کی ہوگی
 اور میری مدد ہی مقرر ہوگی۔

تو آداب سوال یہ ہے کہ اگر تجھے مقصود مل جائے تو نہ ملنے کی نسبت زیادہ خوش نہ ہوا اور خلعت
 کو در بیان نہ دیکھے اور عورتوں اور بادیوں سے سوال نہ کرے۔ اپنا راز صرف اس پر ظاہر کرے
 جس کا مال حاصل ہونے پر مستعد ہو۔

اور جہاں تک ہو سکے اپنا نصیب سمجھ کر سوال نہ کرے اور اس سے شاید خانہ داری مطلوب نہ ہو
 اور اس چیز کو اپنی ملک نہ سمجھے اور وقت چلانے کا ارادہ نہ کرے۔ کل کا خیال دل پر نہ لگے۔ ہرگز
 کی ہلاکت میں گرفتار نہ ہو اور اللہ کا نام اپنی گناہی کے پتہ میں نہ باندھے۔ یعنی خدا کے واسطے
 کچھ طلب نہ کرے۔ اور اپنا پارہ سائی نہ جتاتے تاکہ پارہ سائی کے خیال سے کچھ زیادہ دیں۔ میں نے
 معلوم کیا کہ صوفیان صاحبِ رتبہ سے ایک شخص جنگل سے بھوکا اور سفر طے کرنے کا رنج اٹھاتے
 ہوئے کو فہ کے بازار میں آیا اور ایک چڑیا ہاتھ پر بٹھاتے ہوئے کہتا تھا کہ اس چڑیا کے واسطے کچھ
 مجھے دو۔ لوگوں نے کہا تو کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا یہ حال ہے کہ میں کھوں۔ خدا کے واسطے کچھ مجھے
 دو دنیا کے لیے حقیر چیز کے سوا سفارش کرنے والا نہ چاہیے۔ یہ بیان بہت ہے۔ بخوفِ عداوت
 مختصر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انتیسواں باب

آداب نکاح و خیر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **مَنْ زَيَّنَ لَكُمْ زَيْنًا ثَلَاثًا**۔ عورتیں
 تمہارا لباس میں اور تم ان کے لباس ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **تَنَافَسُوا فِي النِّكَاحِ**
ثُمَّ دَفَنُوا فِي الْإِسْمِ۔ یوم القیامۃ ولو بسقط۔ آپس میں نکاح
 کرو اور بوجہ دہنی نسلیں (میں تمہاری کثرت سے استوں پر فخر کروں گا۔ بروزیامت اگرچہ ساقط
 شدہ ہی ہوتا ہے۔

اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **ان اعظم للنساء بركة**۔ اقلہمت
 ومشونۃ واحسنهن وجوها وارخصهن مہویلا۔ برکت میں لیاں و
 عورت ہے جس کی تکلیف کم ہو اور خوبصورت ہو اور ہر کم ہو۔ اور یہ صحیح خبروں میں ہے کہ
 نکاح ہر مرد عورت پر مباح ہے۔ اور اس پر فرض ہے جو عوام سے نہ بچ سکے۔ اور جو خفیہ الداری
 پورا کر کے اس کو سنت ہے۔ اس قصہ میں ایک جماعت کہتی ہے کہ نکاح دفع شہوت کے لیے
 اور فریغ دل کے لیے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نکاح نسل بڑھانے کو کرنا چاہیے اس لیے کہ
 جب فرزند ہو کر بچپن کی حالت میں فوت ہو جائے تو وہ شفیع ہوگا۔ اور اگر یہ فرزند ہونے سے
 پہلے مر جائے تو وہ بچہ اس کا دُعا گر رہے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت
 سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست ان کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کی۔ حضرت
 علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ وہ ضعیفہ ہے اور آپ عمر ہیں اور میرا خیال ہے کہ میں اپنے بچے
 عمر بنی جعفر سے اس کا نکاح کر دوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیجا اور کہلوا یا

کہ ابوالحسن دنیا میں بہت عورتیں ہیں۔ ام کلثوم سے میری نیت دفع شہوت نہیں بکرنے لیت
کرنا مراد ہے۔ اس لیے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کل خب و
حسب ینقطع بالملون الا نسبی وحبی۔ تمام نسب وحب منقطع ہو جائیں گے مگر
نکریہ نسب وحب اور ایک روایت میں ہے۔ کل سبب و نسب ینقطع الا نسبی
و نسبی۔ ہر نسب اور حب قطع ہو جائیں گے مگر میرا سبب اور نسب۔ اب مجھے سبب و حاصل
ہے نسب آپ کے ذریعے حاصل کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی برکت سے میں محکم ہو جاؤں۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم آپ کی عقد میں دیدی پھر آپ
سے حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہ تعلقہ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تنکح
النساء علی اربعة علی المال والحسب والحق والدين فعليک ربذات
الدين فانه ما استفاد امر بعد الاسلام خیر من زوجة مؤمنة
مؤقتة یسها اذا نظر الیها۔ عورتیں چاروں سے نکاح میں لائی جاتی ہیں۔ مال کو
سے حسب کی وجہ سے، حق کی وجہ سے، رزق کی وجہ سے۔ تو تم ہی پر لازم پکڑنا کہ وہ تمہیں فائدہ
دے گی۔ اور اسلام کے بعد بہترین عورت جو موانی ہوگی جس کے دیکھنے سے دل خوش ہو جب اس
کی طرف نظر ڈالو۔ اس کی صحبت سے دین قوت پاتے اور دنیا انس و محبت سے گنہگار
کیونکہ تنہائی میں دشت ہے اور صحبت میں خوشی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ الشیطان مع الواحد مرد عورت جب تنہا ہوں تو ان کا صاحب شیطان ہوتا
ہے کہ شہوت کو اس کے دل میں ابھارے۔ اور کوئی صحبت امان اور عریض کے حکم میں عورت
اور خاندان سے زیادہ نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اتفاق اور ملافت ہو اور نا جنس عورت سے
زیادہ مذاب اور کسی چیز کا نہیں۔

تو مرد و عورت کو لازم ہے کہ پہلے اپنے معاملہ میں غور کرے اور تجرد کی آفتوں اور نکاح کی ذمہ داریوں
کا خیال کرے کہ ان میں سے کس کا دفع اس کے دل پر آسان ہے۔ جو آسان ہو اس کی پیروی کرے
غرض کہ مجبور رہنے میں دو باتیں ہیں۔ ایک ترکِ سنت۔ دوسرا شہوت کا دل میں پردوش پانا اور
حرام کے خطرے میں پڑنا اور نکاح میں دو باتیں ہیں۔ ایک غیر کی طرف دل کا شغول ہونا۔ دوسرے
بدن کو منہ میں شغول ہونا۔

اس مسئلہ کی اصل گزشتہ نشینی اور مجلس گذرینی کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو خلقت میں صحبت اختیار کرے اس کے لیے نکاح ضروری ہے اور خلقت سے گزشتہ نشینی چاہے اسے مجرد رہنا ضروری ہے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا: اسبق المفسدون سفر کو مجرد رک تم سے آگے بڑھے میں اور حق بن حسین بصری فرماتے ہیں: نجا المفسدون و هلك المثلون۔
چکے و مجھ والے نجات پا گئے اور بھاری و مجھ والے ہلاک ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ خواص کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں ایک گاؤں میں ایک بزرگ کی زیارت کر گیا جب میں وہاں پہنچا اور اس کا گھر دیکھا تو او بیاد اللہ کے گھروں کی طرح مستقر تھا۔ اس میں دو محراب بنے ہوئے تھے۔ ایک محراب میں وہ بزرگ بیٹھے تھے دوسری محراب میں ایک بڑھیا پاکیزہ اور شور و جھڑی بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں ریاضت کی وجہ سے ضعیف ہو چکے تھے۔ میری حاضری سے بہت خوش ہوئے۔ تیس روز میں وہاں رہا۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو چلتے ہوئے میں نے پوچھا کہ یہ پاک ماسن آپ سے کیا تعلق رکھتی ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک جہت سے تمہارے جیٹھی ہیں اور ایک جہت سے میری بیوی ہیں۔

میں نے کہا تیس دن میں نے تمہیں آپس میں بہت ریگنا نہ دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پینسٹھ سال سے ہم دونوں اس حال میں ہیں۔ میں نے اسکی وجہ دریافت کی۔ فرمایا ہم بچپن میں باہمی عاشق تھے۔ ان کے والد مجھ سے اس کا نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور انہیں ہماری محبت معلوم ہو چکی تھی۔ ایک مدت تک میں رنجیدہ رہا۔ حتیٰ کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ آخر میں میرے والد نے اس کے ساتھ میرا عقد کر دیا۔

جب پہلی رات ہم دونوں یکجا ہوئے تو انہوں نے مجھ سے کہا تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا انعام فرمایا کہ ہمیں تمہیں ملا دیا اور ہمارے دلوں کو خوف و غم سے صاف کیا۔ میں نے کہا بیشک یہ ہم پر بڑا فضل ہوا ہے۔

کو بیوی نے کہا: اب ہمیں چاہیے کہ اپنے کو خواہش فحشانی سے روکیں اور آج رات میں سب سے پہلے اپنے نفس کو روک کر اپنی خواہش کو زیر پاؤں نہ دیں اور اس نعمت کے شکر یہ میں عبادت کرتی ہوں۔ میں نے کہا: بہت اچھا۔

دوسری رات جب آتی تو اس نے وہی کما اندویسے ہی رات عبادت میں گزار دی۔
تیسری شب میں نے کہا کہ دو رات تو تمہاری خاطر سے گزاریں۔ آج کی شب میری خاطر شب بیلوی
ہونی چاہیے۔ آج پینسٹھ سال گزر گئے ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں اور لمس بھی
نہیں کیا اور تمام عمر اس نفست کے شکر میں گزار رہے ہیں۔

تو درویش جب بھاج کرے تو چاہیے کہ اس پر وہ تشبیہ کی خواہاں حلال سے کمانے اور اس
کا ہر مال حلال سے ادا کرے اور جب تک حقوق الہی اور اتباع امر سے اس کے ذریعہ باقی رہے خط
نفس کی طرف مشغول نہ ہو۔ پھر جب اپنے اور اذموالات سے فارغ ہو جائے اور اس سے محبت کا
امادہ کرے تو باگاہ حق میں مناجات کرے۔ اٹھ تو نے مشیت خاک انسان میں شہرت پیدا کی ہے تاکہ
دنیا آباد ہو اور تو نے اپنے علم میں ارادہ فرمایا کہ مجھے یہ محبت ملی۔ یارب میری اس محبت سے وہ چیز بدل
دے۔ ایک عرام عرم کو حلال سے دوسرے فرزند دل پسندیدہ مجھے عطا ہو نہ ایسا فرزند کہ میرے
دل سے قیری یا دفراموش کرے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ قسری سے روایت ہے کہ آپ کے یہاں فرزند متولد ہوا۔ بچپن میں
وہ جب اپنی والدہ سے کھانا مانگا۔ والدہ کہتی چٹا اپنے رب سے مانگ۔ وہ بچہ کھانا میں جاتا اور سجدہ
کرتا۔ آپ کی والدہ خفیہ طور سے اس کی مطلوبہ چیز دے دیتی اور صاحبزادے پر یہ ظاہر نہ ہونے
دیتیں کہ والدہ نے دیا ہے۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے رب سے مانگنے کی عادت پڑ گئی۔

ایک روز جب وہ مکتب سے آئے۔ دیکھا کہ اماں موجود نہیں ہیں۔ انہوں نے حسب معمول بچہ
کیا اور کھانا مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ جب آپ کی والدہ آئیں تو دیکھا صاحب زادے
کھانا کھا رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا یہ کھانا کہاں سے آیا۔ فرمایا جہاں سے ہمیشہ آتا تھا۔

جب حضرت ذکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آئے تو برسم گرامیں سرما کے
پہل اور سرما میں برسم گرام کے چل دیکھتے تو مستحب ہو کر پوچھتے اَیُّ لَکِ هٰذَا یہ تمہیں کس
جگہ سے ملے وہ فرماتیں من عند اللہ اللہ کے پاس سے۔

تو درویش پر لازم ہے کہ کسی سفت کا استعمال دیا اور عرام اور شغل ذیل میں نہ کرے کیونکہ
درویش کی ہلاکت اس کے دل کی خرابی میں ہوتی ہے۔ جس طرح مال دار کی خرابی خاناں اور گھر کی
خرابیوں سے ہوتی ہے۔ مگر جو مال دار کا انتہائی ہراس کی کافی ہو سکتی ہے۔ یہی جو درویش پر آفت

آل ہے اس کی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہم اپنے دماغ میں دیکھتے ہیں کہ وحدت کلمتی ہی موافق ہو مگر لازمی طور پر بلا ضرورت زیادہ اور فضول اشیاء کی طالب ہوتی ہے۔

اس سبب سے ایک نگرہ کتاب ہے کہ مجبور رہنے میں ہلکا دماغ ہوتا ہے اور انہوں نے مجبور ہی اختیار کیا ہے اور اس حدیث پر سن عامل ہیں۔ جو حضور نے فرمایا **أَخْبِرُوا النَّاسَ فِي الْحَدِيثِ مَا تَمَاتُ حَفِيفُ الْحَادِثِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا خَفِيفُ الْحَادِثِ قَالَ الَّذِينَ لَا أَهْلَ لَهُ وَلَا وَلَدَ لَهُ**۔ آخر زمانہ میں بہترین آدمی وہ ہوگا جو خفیف الحادث ہو یعنی نہ ہوگا۔ حضور خفیف الحادث کیا ہے۔ فرمایا وہ لوگ جن کے بیوی بچے نہ ہوں۔

اور یہ بھی فرمایا۔ **سِيرُوا فَقَدْ سَبَقَ الْمَفْرُودُونَ**۔ سیر کرو بیٹک مجرور لوگ سبقت لے گئے ہیں۔ اور اس طریقت کے شاخ اس امر پر متفق ہیں کہ اس طریقت میں بہت اچھے اور فاضل مجرور لوگ ہیں کہ ان کا دل آفات سے خالی ہے اور ان کی طبیعت صحت کے ارادے اور شہوت سے روکروا رہی ہے۔

عام لوگ شہوت پرستی کے لیے اس حدیث کو دلیل لاتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے **مَحَبَّتُ لِي مِنْ دُنْيَا كَحَبْلَاتِ الطَّيِّبِ وَالنَّسَاءِ حَبْلَاتُ قَرَّةٍ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ** مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند کر دی گئیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک کھل گئی۔ اور کہتے ہیں کہ جب حدیث حضور کو پیاری ہو تو تشریح کرنا سبزو سے افضل ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **لِي حَذَقْتُ الْفَقْرَ وَالْجِهَادَ**۔ میرے لیے دو حرفے ہیں فقر اور جہاد۔ قرآن سے بھی اختیار کرنا چاہیئے اور اس پیشہ کے علاوہ تمام پیشے ترک کرنے چاہئیں۔ اگر وحدت بموجب حدیث پسند ہے تو بموجب حدیث پیشے بھی یہی دو پسند ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ عورت کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے تو اس پر حدیث پسند میں لانا آسان ہو گیا اور فقر چونکہ مشکل ہے۔ جہاد چونکہ تکلیف دہ لایعاق ہے۔ لہذا اس طرف میلان دشوار ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی پچاس سال اتباع شہوت میں گزارے اور خیال کرے کہ میں سنت کا تابع ہوں وہ بڑی سخت غلطی پر ہے۔

غرض کہ پہلے فساد کا قلعہ مٹاؤں علیہ السلام پر جو آپ اس کا سبب وحدت کلمتی اور پہلا فساد ہو

دنیا میں ہوا اس کا سبب بھی محدث تھی۔ یعنی فتنہ بیل و تایل۔ یہ بھی مجرت کی وجہ سے ہوا اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو طلب کرتا پایا۔ اس کی بنا بھی محدث ہوئی اور جاری اس دنیا میں آج تک دین و دنیا کے سب فسادوں کی باعث محدثیں ہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔ ما ترک بعدی فتنۃ اضرت علی الرجال من النساء۔ میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کو زیادہ ضرورساں ہو مردوں کے سوا۔ تو جب ان کا فساد ظاہر میں آتا ہے تو ریاطمی میں کیسا ہوگا۔

اور میں علی بن عثمان جلالتہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے گیارہ سال آفت نکاح سے محفوظ رکھا پھر اس کی تقدیر سے میں فساد میں مبتلا ہوا تو میرا ظاہر ریاطمی حیا الدلی کے باعث ایسے حال میں گرفتار ہوا جو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی دکھایا اللہ ایک سال میں اس میں مستغرق رہا۔ حتیٰ کہ قریب تھا کہ میری لڑکی تباہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے پاکدامنی کو مجد ہمارے کی پیشوائی کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت سے غلامی عطا فرمائی۔ الحمد للہ علی جزیل نعمائے۔

غرض کہ اس طریقت کا قاعدہ مجروح ہونے پر رکھا گیا ہے۔ جب نکاح کا وقت آتا ہے۔ حال دیگر گوں ہو جاتا ہے اور کوئی فکر مہیا نہیں ہوتا جو عساکر شہوت کا مقابلہ کر سکے۔ مگر آتش ہمدرد یقین سے ہی اُسے بجھا سکے ہیں۔ اس لیے کہ جو آفت ہو اس کے دل کا آلہ بھی تیرے ساتھ ہوگا۔ غیر سے ہرگز تیری حالت نہیں بدل سکتی۔ شہوت دو چیز سے نائل ہوتی ہے۔ ایک تکلیف سے دوسرے کسب بجاہد سے لیکن تکلیف آدمی کے مقدر میں ہے جو بھوک ہے۔

اور جو تکلف سے بالاتر ہے وہ خوفِ الہی اور بے قرار کر دینے والی کی محبت ہے۔ جو متفرق ہمتوں سے جمع ہوتی ہے اور محبت اپنا غلبہ جو بڑی بدن پر کرتی ہے اور تمام حواس کو اپنے وصف سے معزول کر دیتی ہے اور بندہ کو سب سے مجاہد کرتی ہے اور دہیات کو اس سے خاک کرتی ہے

حضرت احمد حماد سرخی جو مادہ انہر میں میرے رفیق تھے اور صاحبِ شان مروت تھے۔

نے انہیں مجبور کیا کہ آپ کو نکاح کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے پوچھا

کیوں۔ آپ نے فرمایا اس لیے کہ میں اپنے حال میں آپ سے غائب ہوتا ہوں یا حاضر۔ جب غائب

ہوتا ہوں تو ردِ جہاں سے بے خبر ہوتا ہوں اور جب حاضر ہوتا ہوں تو میں اپنے نفس کو اتنا قابو میں

دکھا ہوں کہ جب اُسے دودھ ملی ملتی ہیں تو وہ گھٹا ہے کہ مجھے ہزار دین ملیں۔ تو دل کا شغل بڑا کام ہے جس چیز سے ہو سکے بہتر ہے۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم بھی اپنا اختیار دوزخوں حال سے جدا کرتے ہیں تاکہ دیکھیں پردہ غیب سے حکم تقدیر کیا ہوتا ہے۔ اگر مجھ کو دوزخا ہمارے نصیب میں ہو تو اس میں پاکدامنی کی کوشش کریں گے اور اگر نکاح کرنا نصیب میں ہو تو سنت کے تابع ہو جائیں گے اور فراغت دل کی کوشش کریں گے۔

جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت قائم ہوئی ہے تو بندہ کا مجرد ہونا ایسا ہوتا ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا دینا کی بلا میں بچاؤ کی طاقت دیکھتے ہوئے ٹھانہی مراد سے مدد گزانی رہی اور خواہش کو مغلوب کرنے اور نفس کو عیب سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ جب دینا نے اسے غلبہ پایا اور نکاح کی خواہش کی تو یہ نکاح مثل نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہوا جو حق تعالیٰ کے بھروسہ پر تھا اور مشاغل خانگی کو مشاغل نہ سمجھا حتیٰ کہ جب حضرت سارہ کو رشک ہوا اور حضرت یحییٰ کو ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو ہمراہ لیا اور ایسے جگہ میں لے گئے جہاں کبوتر پائی بھی نہ تھی جسے ارض خیر دی ذریعہ فرمایا گیا اور ہاجرہ کو حفاظت حق میں چھوڑ کر اُنہ سے منہ موڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی حفاظت میں رکھا جیسے چاہا۔ تو بندہ کا ملاک ہونا نکاح کرنے اور مجرد رہنے میں نہیں بلکہ اس کی بلا اپنے اختیار اور اتباع خواہشات پر ہے اور ہر تامل کی شرط ادب ہے۔

یہ ہے کہ اس رشد کے بعد کوئی درد اس کے اور اسے فوت نہ ہو۔ اور جس حال میں وہ تھا وہ خاتم نہ ہو اور اس کا تباہ نہ ہو اس کے ساتھ اپنی اہل کے ساتھ شفقت بھی رہے اور مولانا و نفقہ کی رعایت بھی رکھے اور ظلم و جور بھی نہ کرے حتیٰ کہ فرزند بھی اگر ہو تو انہیں شرائط ادب میں ہو۔

حکایت مشہور ہے کہ حضرت احمد بن عربی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک روز رؤساء و سادات نیشاپور سے ملے۔ وہ سلام کرنے حاضر ہوئے تھے۔ سب ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لاکھ شرب سے بدست گاتا ہوا آیا اور بلا خوف ان میں سے گزر گیا۔ تمام حضار مجلس کو ناگوار گزارا شیخ احمد نے لوگوں سے کہا۔ تمہیں کیا ہوا کہ ایک نعت متغیر ہو گئے۔

سب نے عرض کیا۔ حضرت اس طرح کے کی بے جہانی سے صحبت پر آگندہ ہو گا شیخ احمد نے

فرمایا۔ وہ مغدور ہے اس لیے کہ ایک رات ہمارے پاس ہسائے کے کچر کھانا بھیجا اور اسے ہم نے کھایا اور اس رات ہم بستی ہوئی۔ اس کھانے سے اس رات کے کاٹھنڈے ٹھہرا پائے۔ اس رات میں بھی اس قدر آلی کہ شب کے اور اوچی رہ گئے۔ ہم نے جستجو کی۔ ہسائے سے پرچا کر کھانا تو نے بھیجا تھا۔ وہ کہاں سے آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شادی والے گھر سے۔ جب مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ کھانا بادشاہ کے یہاں سے آیا تھا۔

اور شرطِ آدابِ مجرور یہ ہے کہ آنکھوں کا مناسب جگہ نہ ڈالے اور چونکہ کہنے کی بات ہونہ سکھ اور جو سوچنے کی بات نہ ہونہ سوچے۔ شہوت کی آگ کو بھوک کے پانی سے بجھائے اور دل کو دنیا و حوادث کی مشغولیت سے نگاہ رکھے اور بعض خواہشاتِ نفسانی کو اہامِ اہل علم نہ کہے اور شہداتِ شیطانی کی تاویل نہ کرے تاکہ طریقت میں مقبول ہو۔ یہ آدابِ محبت اور عمل کا مختصر بیان ہے۔
واللہ اعلم بالصواب۔

کشفِ حجابِ دہم۔ اصطلاحاتِ صوفیہ۔

جان لے تو اللہ تجھے سید فرمائے کہ ہر اہلِ معرفت و معاملت نے باہمی کلام کرنے کو الفاظ و کلمات وضع کئے ہیں۔ جن سے علوم و واقف نہیں ہوتے لیکن اہل فن سمجھ لیتے ہیں اور ان اصطلاحات و کلمات کے وضع کرنے سے درحیثِ مراد ہوتی ہیں۔ ایک کھانے میں خویوں اور بارکیوں کا آسان ہونا ہے تاکہ پوشیدہ نازِ آسان ہو جائیں۔ دوسرے فن و لافن والے سے بھوکے اور نااہل لوگ اس مجید سے محروم ہی رہیں۔

اس کے دلائلِ واضح ہیں جیسے صرف والے نامی مستقبلِ صریح مثل اجوف نصیف ناقص وغیرہ برتتے ہیں۔ بخوی رگ رقع منم، نصب فتح، خض، کسر جرم، جر منصرف، غیر منصرف وغیرہ برتتے ہیں۔ اہلِ عروض برتتے ہیں بحر، دھائر، سبب، وتر، فاصلہ وغیرہ۔ اہلِ حساب اپنی مخصوص اصطلاحات میں فرار، زوج، ضرب، قسمت، کعب، بذر، اخافت، تنصیف و تصنیف، جمع تفریق برتتے ہیں۔

فقہاء کی اصطلاحات مخصوص ہیں۔ جیسے علت، معلول، قیاس، اجتہاد، دفع، لزام، وغیرہ۔ محدثین بھی مخصوص اصطلاح میں سند، ہم مسل، امار، متواتر، ہرج، تبدیل وغیرہ کہتے

ہیں۔ شکلیں نے بھی اپنے لیے اصطلاحات وضع کر رکھی ہیں جیسے عرض، جہر، کل، جزو، جسم،
حدث، تہتیز، ذوالی۔

اسی طرح اس طائفہ صوفیاء کی بھی اصطلاحات ہیں تاکہ اس راہ میں کوئی عداوت نہ
کر سکے اور ابابہ طریقتے اپنا مقصد پھا ادا کر سکیں۔ چنانچہ ان کی اصطلاحات میں سے کچھ بیان کرتا
ہوں تاکہ واضح ہو سکے کہ اس کی مراد اس بیان سے کیا ہوتی ہے اور اس کتاب کے پڑھنے والے
فائدہ حاصل کر کے میرے حق میں دعا کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی میں سے حال اور وقت اور دوزن کا فرق بیان کرتا ہوں۔

حال اور وقت

طائفہ صوفیاء میں یہ لفظ بہت مشہور ہے اور شائع کلام ہے اس میں بہت اتوال ہیں۔ میری
مراد اس سے اثبات تحقیق ہے ذکر طویل بیان۔ وقت اسے کہتے ہیں کہ بندہ اس کی وجہ سے ماضی و
مستقبل سے فارغ ہوتا ہے۔ یعنی ایک کیفیت جو ملد ہوتی ہے۔ وہ حق کی طرف سے اس کے دل
پر پہنچے اور اس کے سر کو اس سے جمع کرے جیسے کُنف میں جمع ہوتی ہے تو اس حال میں اُسے
نہ تو گزشتہ حال یاد آتا ہے اور نہ آئندہ۔ تو یہ تمام غلوں کو حاصل نہیں ہوتا اور وہ نہیں جانتے کہ
جہاں سابقہ حال کیا تھا اور جہاں انجام کیا ہوگا۔

لیکن خداوندانِ وقت کہتے ہیں کہ ہمارا علم اول آخر کو معلوم کر سکتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ
کی طرف سے ایسا اچھا وقت حاصل ہوتا ہے کہ ہم آئندہ کی طرف مشغول ہو جائیں یا اس کا اندیشہ دل
پر لائیں تو وقت سے محروم ہو جائیں اور حجاب بڑی پریشانی ہوتی ہے تو جو چیز حاصل نہ ہو سکے،
اس کا اندیشہ مال ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ اپنے وقت کو زیادہ عزیز چیزوں کے
سوا مشغول نہ کر اور بندہ کی عزیز چیز ماضی و مستقبل کا مشغل ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لی مع اللہ وقت لا یسعی فیہ مملکٌ
مُقَرَّبٌ وَلَا نَسِیٌ مُرْسَلٌ۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں مقرب
فرشتہ اور نبی مرسل کو گنجائش نہیں۔ اس میں اٹھارہ ہزار عالم کا دل پر گزند نہیں ہوتا اور میری نظر
میں اس کی کچھ تبدیلی نہیں۔ اسی سبب سے جب شب سراج آسمانِ زمیں کی زینت حضور پر آشکارا

کی گئی تو آپ نے کسی چیز کو نہ دیکھا۔ حتیٰ کہ جناب رب العزت نے فرمایا۔ ما نراغ البعد و
ما طغی۔ ہمارے حبیب کی نظر دھری نہ ہو سے گزری۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عزیز
تھے اور عزیز کو عزیز کے سوا مشغلہ نہیں ہوتا تو موجد کے در وقت ہوتے ہیں۔ ایک از خود شکل کی
حالت میں دوسرا وجد کی حالت میں۔ ایک وصال کے مقام میں ایک فراق کے محل میں اور وہ دونوں
وقت میں مقصور ہوتا ہے اس لیے کہ محل میں اس کا اصل حق ہوتا ہے اور فضل میں اس کا فضل بحق
ہوتا ہے اور اس میں اختیار و کسب نہیں ہوتا کہ اس کا وصف کیا جائے۔ جب بندہ کا اختیار اس کے
وقت سے قطع ہو جاتے تو وہ جو کچھ کر سکے وقت کو دیکھ کر نہیں کرتا۔

حضرت بنید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے جگہ میں ایک درویش
کو دیکھا۔ غار نیلاں پر بیٹھا تھا اور وہ جگہ سخت تکلیف دہ تھی میں نے اس سے دریافت کیا کہ جہاں
تو یہاں ایسی سخت جگہ ایسے آرام سے کیوں بیٹھا ہوا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ میرا ایک وقت تھا جو یہاں متاع ہوا ہے۔ اب یہاں بیٹھا ہوں اور
غم کھاتا ہوں میں نے پوچھا یہاں تو کتنی مدت سے ہے۔ اس نے کہا بارہ سال سے اب اگر شیخ
بھر پر تو جو کہے تو میں کامیاب ہو جاؤں اور اپنا وقت حاصل کروں۔

بنید فرماتے ہیں۔ میں پل دیا اور حج ادا کر کے اس کے لیے دعا کی۔ اللہ نے قبول فرمائی۔ وہ کامیاب
ہو گیا۔ چہرہ میں داپس آیا تو اسے وہیں بیٹھا دیکھا میں نے کہا۔ اے جواں زو اب تجھے وقت مل گیا اب
یہاں سے کیوں نہیں گیا۔ عرض کی اسے شیخ میں نے قدامت اختیار کی ہے جو جائے رشتہ تھی
اور میں نے ہاں سرایہ گم کیا تھا۔ وہ مل گیا تو اب کیا یہ ہاڑ ہے کہ جہاں سے سرایہ ملا۔ اس جگہ کو
چوڑووں۔ یہ تو میرے انس کا مقام ہے۔ آپ تشریف لے جائیں کیونکہ میں اپنی خاک یہاں کی خاک
میں ملاؤں گا اور برز قیامت اسی خاک سے سراٹھاؤں گا کہ میرے انس کا سرایہ اور سرود کا مقام یہ ہے۔

كُلُّ امْرَأٍ يُولِي الْجَنَّةَ يَحْتَبِ وَكُلُّ مَكَانٍ يُنْبِتُ الْعِزَّ حَلِيبٌ

ہر انسان جو بصورت دوست کو قبول کر لیا ہے اور جس مکان میں عورت پیدا ہو وہ پسند
آتا ہے۔ تو جو چیز بلا کسب آدمی کو حاصل ہو۔ یعنی تکلیف سے نہ ملے ایسی چیز بازار میں نہیں بچی جاتی
گو اس کے عوض جان دیدی جاتے۔

اور بعض کو حاصل کرنے یا ڈور کرنے میں لاپرواہ نہیں ہوتا۔ اس کی رعایت میں دونوں پہلو برابر

ہوتے ہیں اور اس کی تقدیر میں بندہ کا اختیار باطل ہے۔ اور شائع شدہ افسانہ نے تسلیم کیا ہے۔
 اَلْوَقْتُ سَيِّفٌ فَاصْلَحْ: وقتے کاٹنے والی تلوار ہے۔

چونکہ تلوار کی صفت کاٹنا ہے اور وقت کی صفت بھی وقتے کا کاٹنا یعنی ماضی و مستقبل کاٹنا اور
 کل گذشتہ اور کل آئندہ کو دل سے ٹوکر لٹا ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ تلوار کی صفت باخطر ہے۔ اَمَّا
 هَلَكٌ اَوْ اَمَّا مَلِكٌ: ہلک ہو یا مالک ہو۔ اگر کوئی ہزار سال تلوار کی خدمت کرے اور اپنے
 عزیز کندھوں پر اٹھانے پھرے تو بھی کاٹنے کے وقت اپنے صاحب اور خیر میں فرق نہ کرے۔ اس
 لیے کہ اس کی صفت بھی قہر ہے۔ اور معاجزت اختیار کرنے سے صفت اس کی ذائل نہیں ہو جاتی
 اور حال ایک درجہ وقت ہوتا ہے جو وقت کو ہی زیادہ جیسے روح بدن کو زیادہ ہے اور وقت لازماً
 محتاج حال ہوتا ہے۔ اس میں وقتے کی صفائی حال کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کا قیام اس سے ہوتا
 ہے۔ تو علامہ یہ نکلا کہ صاحب وقت جب صاحب حال ہوتا ہے تو تغیر اس سے قطع ہو جاتا
 ہے اور وہ اپنے وقت میں قائم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وقت بے حال محض زوال ہوتا ہے۔ جب
 حال اس سے ملے تو اس کا سبب زوال حال ہوتا ہے۔ اس پر زوال دعا نہیں ہوتا اور جب آمد و شد
 معلوم ہو تو وہ وارد ہونے والا نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے صاحب وقت پر وارد تھا۔ اور
 ممکن کہ غفلت جائز ہے اور صاحب غفلت پر جب حال نازل ہو تو وہ ممکن وقت ہو جاتا ہے اور
 اس پر بوجہ صاحب حال ہونے کے غفلت رد نہیں ہوتی۔ اور کہتے ہیں الحال سکوت
 اللسان فی فنون البیان۔ حال کیا ہے زبان خاموش سے فنون بیان میں بولتا۔

چنانچہ صاحب حال کی زبان بیان حال سے ساکت ہوتی ہے اور اس کی تمام کیفیت اور تحقیق
 حال کی گویا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے سیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اَلشَّوَالُ عَنِ الْحَالِ فَحَالُ
 یعنی حال سے سوال کرنا حال ہے۔ اس لیے کہ حال کا ہنسا کرنے کا ہن نام ہے اور استاد ابوسعہ رفاق
 نے فرمایا اگر دنیا یا ماقبت میں مسودہ یا ہفت کت۔ وہ اس کے وقت کو نصیب ہے جس میں ٹر ہے۔
 پھر حال ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ بندہ پر حق قاتل کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ تو جب وہ آتا ہے
 سب کے دل سے نکل کر رہتا ہے۔

جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام صاحب وقت تھے۔ کبھی فراق و دلاق میں آنکھیں سفید
 کرتے تھے اور کبھی دھال در دھال ہونے سے آنکھیں دھن فرماتے تھے۔ کبھی گریہ فرماتے فرماتے بال

کی طرح لاعلمی نالا کوڑے کرتے رشتہ قلم کی طرح معمول کی طرح خوشی سے شل رہو آواز کی خوشی سے
بغیر سرور۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبِ حال تھے۔ نہ تو فراق سے غم تاک نہ دھال سے
خوش حال۔ ستارہ، چاند، آفتاب سب اس کے حال کے معاون تھے اور وہ مدیت میں سب
سے تارخ حتیٰ کہ جو دیکھتے سب حق دیکھتے اور صاف فرماتے لَا أُحِبُّ الْفٰنِیْنَ۔ یہاں پر
ہونے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ کبھی جہانِ صاحبِ وقت کے لیے جہنم ہوتا ہے کیونکہ شاید
غیبت میں ہوتا ہے اور حبیب کے اور چل ہونے سے اس کا دل خانہ وحشت ہوتا ہے۔ اور کبھی خوشی
سے اس کا دل بہشت بریں ہوتا ہے اور نعمتِ شاہد سے ہر آن اسے حق کا تحفہ ملتا ہے پھر صاحب
حال کو حق سے بشارت دیتی ہے۔ اسی وجہ سے اس پر حجاب ہر کشفِ نعمت ہر بلا سب اس
پر کیاں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ علیٰ حال میں ہوتا ہے اور حال صفت مراد ہے اور وقت درجہ مرتبہ
ایک شخص وقت میں خوش ہوتا ہے اور حال میں بھی خوش کیونکہ وہ ہر حال ہے باقی ہوتا ہے اور ایک
شخص وقت کی خوشی میں باخوف ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مقام اور تمکین

مقام سے مراد ادائے حقوق مطلوب میں طالب کا قیام بہ خدایت اجتہاد و صحبت نیت ہے
اور ہر ایک مرید ابنِ حق سے اس کے لیے ایک مقام لکھا ہے جو اجتہاد طلب میں اس کے لیے وہ سبب
ہوتا ہے۔ اگرچہ طالب ہر مقام سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ہر ایک مقام پر گھومتا ہے لیکن ان میں سے ایک
رہنے کے وقت تک قائم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مقام اور اس کا اولاد سرشتِ انصاف میں ہوتا
ہے۔ عمل کی روش سے نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے وَمَا آتٰنَا مِنْ مَّقَامٍ مَّغْلُومٍ
ہم میں سے کوئی طالب نہیں مگر اس کے لیے مقام مقرر ہے۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا اور نوح علیہ السلام کا مقام زہد۔ ابراہیم علیہ السلام
کا مقام تسلیم تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا مقام اثابت بنیہ اجزی اور داؤد علیہ السلام کا مقام علم اور عیسیٰ
علیہ السلام کا مقام رضا تھا۔ یحییٰ علیہ السلام کا مقام خون تھا اور ہارے حضور سیدِ عالم انور صلی اللہ

علیہ وسلم کا مقام ذکر۔

اگرچہ ہر ایک محل و مقام ایک متر و موٹا ہے لیکن آخر کار درجہ اپنے اعلیٰ مقام کی طرف ہی ہوتا ہے اور مذہب محاسبان میں جو مقام ہیں میں نے ان کا مختصر سا بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ حال اور مقام میں کیا فرق ہے لیکن یہاں اس قدر ضروری ہے کہ یہ ہے کہ اللہ عز و جل کی راہ میں اتنا کام کرے۔

اول مقام، دوسرے حال، تیسرے تمکین۔

اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اپنا راستہ بیان فرمانے کے لئے مبعوث فرمایا ہے تاکہ وہ مقامات کے حکم بیان فرمائیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے اور ان سب کے مقامات علیحدہ علیحدہ تھے۔

پھر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے ہر اہل مقام کے لئے حال ظاہر ہوا اور وہاں تک پہنچا کہ مخلوق کا کسب وہاں سے آگے بند ہو۔ حتیٰ کہ مخلوقات کا دین کامل ہوا۔ اور نعمت اپنی حد کو پہنچی۔ چنانچہ اللہ عز و جل نے فرمایا اَلْيَوْمَ مَّا كُنْتُمْ لَكَرِيهٍ كُودُ اَلْنَمِثِّ عَلَيْكُمْ يَغْنَمْتِي۔ آج کے دن کامل کر دیا میں نے تمہارا دین اور تم پر اپنی نعمت پوری کی۔ پھر مکان گیاروں کا مقام ظاہر ہوا۔

اگر میں سب حالات شمار کر دوں اور مقامات کی تشریح کرنے پر آؤں تو مقصد بیان سے و جاؤں پس اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ تمکین سے محل کمال اور تحقیق کا اعلیٰ مقام مراد ہے اور اس مقام کو مقامات سے گزرتا ممکن ہے مگر درجہ تمکین سے گزرتا محال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مقام مبتدی کا درجہ ہے اور تمکین منتہیوں کا ٹھکانا ہے جو ابتداء سے چل کر یہاں تک پہنچتا ہے۔ مگر یہاں سے گزرتا صورت پذیر نہیں۔ اس لئے کہ مقامات منازل راہ ہیں اور تمکین حضور میں قرار لینا ہے۔

چنانچہ بحبان حق کے راستہ میں مقام عارض ہوتے ہیں اور منزل میں مثل مسافر بگناہ ہوتے ہیں۔ اس کا سر جناب حق میں ہوتا ہے اور حضور میں آلہ مکتاب آفت ہوتا ہے اور نسبت اور ملت کا راز اور زمانہ جمالت میں شاعر جیسے اپنے مہر و جوں کی تعریف ان کی حرکات و سکنات کرتے ہیں مگر جب تک کچھ عرصہ قیام نہ کریں مقام مقرر نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایک شاعر اپنے مہر و جوں کے حضور پہنچ کر تلوار سوت کراپے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دیتا ہے اور پھر تلوار بھی توڑ دیتا ہے۔ اس سے اس کا

یہاں یہ مقصود ہوتا ہے کہ مجھے ایک گھوڑا ایسا چاہئے تھا جو تیرے حضور کا راستہ طے کرے اور تلوار ایسی درکار یعنی جوان حاسدوں کا سر کاٹے جو تیری خدمت میں حاضر ہونے سے مانع ہیں۔ اب میں سب کو دور کرتا ہوں اس لئے کہ تیرے حضور آپہنچا ہوں۔ اب آگے سفر میں لے گیا ہے۔ اس لئے میں نے گھوڑا لنگڑا کر دیا کیونکہ اب مجھے تیرے حضور سے جدا ہونا گوارا نہیں اور تلوار اس لئے توڑ دی کہ تیرے مورچہ جانے کا مجھے خیال ہی نہیں۔ جب چند روز گزرتے ہیں تو پھر شر پڑتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح جب کہ وہ منزلیں قطع کر چکے اور مقامات سے گزردے گئے، تسکین میں پہنچے اور اسباب تلویں ساتھ ہو گئے تو حق تعالیٰ نے فرمایا: **فَاَخْلَعْ نَعْلَيْكَ هَذَيْنِ عَقَصَاكَ** اپنی جوتیاں اُتار دو اور عصا ڈال دو کیونکہ یہ سفر آگے سے تھا اور مقام وصل میں کاربائ ہو جاتا ہے اور ابتداء دوستی میں طلب ہوتی ہے گوانتا میں نزد ہو جاتا ہے۔ پانی جب تک سائے میں ہوتا ہے جاری ہوتا ہے جب سمندر میں پہنچ جاتا ہے قرار پالیتا ہے اور جب قریب کر لیتا ہے اس کا زور بھی بدل جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جسے پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اس کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ بہتاس کی طرف وہ مائل ہوتا ہے جس کو جواہر اور موتی کی ضرورت ہو۔ وہ جان پر کھیل کر طلب کا بار پاؤں پر باندھتا ہے اور سر کے بل اس دریا میں کود پڑتا ہے۔ پھر یا تو جواہر موتی لاتا ہے یا جان عزیز فقا کر ڈالتا ہے۔

ایک مشائخ میں سے فرماتے ہیں: **التسکین رفع التلویں**۔ تسکین رفع تلویں کو کہتے ہیں۔ یہ تلویں اس جماعت کے نزدیک ہے جو حال اور مقام کو ایک معنی میں مانتی ہے۔ اور تلویں نام ہے ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنے کا مراد یہ ہے کہ تسکین مترقو نہیں ہوتا اور حضور میں فائز ہو چکا ہوتا ہے اور غیر کا اندیشہ اپنے دل سے صاف کئے ہوئے ہوتا ہے اور نہ اس پر ایسا معاملہ آتا ہے کہ اس کے غماز کو بدل دے اور نہ ایسا حال ہوتا ہے کہ اس کے باطن کے حکم کو بدل دے جیسے موسیٰ علیہ السلام تلویں تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک نظر طور پر تجلی ہونے سے بیوش ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَخَرَّ مُوسَىٰ صَنِيعًا** موسیٰ بیوش ہو کر گر پڑے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تسکین تھے۔ کہ مغطر سے قاب توہین تک میں تجلی میں رہے۔ اور اپنی اہل حال نہ بدلی۔ متغیر ہوئے اور یہ حال تھا۔ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ**۔

تو تسکین درختم پر ہے ایک یہ کہ شاذ کی وضاحت اپنی طرف ہو اور وہ محول پر شاذ بدعتی ہو کہ

۱۔ موسیٰ زبور شدت بیک پر تو جہاں - توہین ذات می نگری و تہمتی (مترجم)

marfat.com

Marfat.com

فانی الصفت ہوا و فانی الصفت کو محو اہل صفت و فنا و بقا و وجود و عدم کچھ بھی نہ طاری ہوا اس لئے کہ ان اوصاف کی اقامت صرف سے ہوئی چاہئے۔ جب یہ وصف مستغرق ہو تو حکم اقامت وصف اس سے ساقط ہوا و اس معنی میں بہت باتیں ہیں۔ میں نے اس پر اعتقاد کیا۔ وَاللّٰهُ الشَّوْفِیُّ اھل اس سے محضرہ و مکا شفع ہے۔ ان دونوں کا فرق یہ ہے۔

محضرہ اور مکا شفعہ اور ان کا فرق

اچھی طرح جان لے کہ محضرہ حضورِ مدلی کے لئے بولا جاتا ہے۔ لطائف بیان میں اور مکا شفعہ حضورِ سر پر ہوتا ہے جو خطرہ میں عیاں ہو۔ تو محضرہ شواہد آیات پر ہوتا ہے اور مکا شفعہ شواہد آیات میں اور محضرہ کی علامت دوام فکر کرنا ہے کائنات میں جب تک فکر پانی رہے ریت آیت کے ساتھ اور مکا شفعہ دوام تحریر میں ہوتا ہے جو کائنات میں ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ افعال میں متغیر ہو اور جلال میں متغیر ہو۔ ان دونوں سے ایک خلعت ہے و دراز قرین محبت۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے ملکوت سما میں نگاہ فرما کر اس کی حقیقت و جوہر میں تامل و تفکر کیا اور ان کامل رویت باطل طالب کے ساتھ حاضر ہو کر فاعل ہوا تاکہ اس کے حضورِ فعل میں دلیل فاعل ہو جائے۔ حتیٰ کہ کمال معرفت میں فرمایا۔ اِنِّیْ دَجَعْتُ رُجُوعِیْ لِیْلَیْ فِطْرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جُوعِیْنِ۔ یعنی میں متوجہ ہوتا ہوں اس جناب کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور حبیب خاص کو حبیب ملکوت میں لے گئے قرآن کی نظر سبب شیا و موجود سے بلند ہو گئی اور مخلوق کو نہ دیکھا اور نہ خود کو دیکھا تاکہ فاعل کا مکا شفعہ ہو تو کشف میں شوق پر شوق زیادہ ہو اور اس کی بے قیاری پر بے قیاری طلب ریت میں بڑھے۔ نہ نہ دیکھنا قریب کی قربت سے ممکن ہو نہ امکان اقبال میں متغیر ہو۔ پس اس جگہ کہ خلوت ہو و ہاں حیرت کفر دکھائی ہے اور اس جگہ کہ محبت ہو و ملت شرک ہوتا ہے اور حیرت اس کا سرایہ اس لئے کہ خلعت کی بستی میں حیرت تھی اور نہ شرک تھا اور محبت میں حیرت اس کی چگونگی ہوتی ہے۔ اور یہ توحید ہے۔

اس سے ملتا ہوا قول حضرت ثعلب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَرِّیْنَ زِدْنِیْ تَحَرُّوْا سے متغیروں کے راہنما مجھے حیرت میں زیادہ کر۔ اس لئے کہ تحیر کا زیادہ ہونا مشاہدہ میں درجہ کی زیادتی کا

موجب ہوتا ہے۔

اور مشہور حکایتوں میں ہے کہ جب حضرت ابو سعید خدریؓ اور سعد علویؓ نے دریائے کلمہ کے کنارے اس دوست خدا کو دیکھا۔ پوچھا۔ خدا کی طرف راستہ کس طرف سے جاتا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دو راستے ہیں۔ ایک عام ایک خاص۔ انھیں نے فرمایا۔ اس کی شرح فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا۔ عام راہ تو یہ ہے جس پر تم ہو کہ ایک علت سے قیل کئے ہوئے ہو اور ایک علت سے رد کر رہے ہو اور خواص کا راستہ یہ ہے جو نہ معلول علت کو دیکھے اور نہ علت کو۔ اور اس حکایت کی شرح گزیر چکی ہے اور مراد سولاس کے نہیں ہے۔ رہا اللہ التوفیق۔

قبض اور ربط اور ان میں فرق

اور اس سے قبض و الربط ہے اور اس کا فرق جانتا چاہئے کہ قبض اور ربط دو حال ہیں اور یہ بندہ کی سعی سے بالا ہیں۔ اس کا آنا کسی نہیں اور جانا کوشش سے نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ يَغْضِبُ وَيَرْبِّطُ اللّٰهُ قَبْضُ کرنا ہے اور کھولنا ہے۔ قبض کہتے ہیں حجاب کی حالت میں دل کا منقبض ہونا اور ربط کہتے ہیں حالت کشف میں دل کا کشادہ ہونا۔ یہ دونوں حالتیں باہم کشف و محنت بندہ پر عائد ہوتی ہیں من جانب اللہ۔ اور قبض عارفوں کے وقت میں ایسا ہے جیسے مریدوں کے وقت میں خوف اور یہ ایک گروہ ہے جو قبض و ربط کو اس معنی میں حل کرتا ہے اور مشائخ سے ایک گروہ اس طرف ہے کہ قبض رتبہ میں ربط سے زیادہ بلند ہے اور اس کے وہ دو سبب کہتا ہے ایک یہ کہ اس کا ذکر کتاب میں مقدم ہے دوسرے یہ کہ قبض میں گذارش اور قہر ہے اور ربط میں نوازش اور لطف ہے۔ اور لامحالہ گزارش بشریت اور قہر نفس فاضل تر ہے۔ پرورش اور لطف سے اس لئے کہ وہ حجابِ انہم ہے اور ایک گروہ اس طرف ہے کہ ربط قبض سے فائق ہے۔ اس لئے کہ کتاب میں قبض کا مقدم ہونا ربط کی تفصیل کی علامت ہے۔ اس لئے کہ عرب کا طریقہ ہے کہ مؤخر میں اول اُسے لاتے ہیں جو حکم ہو جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ اِذْ يُدْعٰۤى اِلَیْہِ۔ یعنی بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظالم ہیں اور بعض ان میں سے میانہ رواں اور بعض ان میں سے بھلائی میں سابقت کرنے والے ہیں اور یہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ

محبت اور ڈرا اور ان میں فرق

اور اسی سے انس و بیعت ہے اور ان کا فرق یہ ہے۔ جان لینا چاہئے کہ بیعت اور انس دو حالتیں ہیں جو ہر دو ان طریقہ کے اور پڑتی ہیں اس میں سے یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو دل پر تجلی فرماتا ہے تو اگر وہ شہودِ جلال ہو تو بیعت ہوتی ہے اور اگر مشہودِ جمال ہو تو بندہ پر انس ہوتا ہے تو اہل بیعت اس کی جلالت سے سختی میں ہوتے ہیں اور اہل انس اس کے جلال سے خوش ہوتے ہیں۔

توجہ دلی اس کی جلالتِ شان کی آگ میں جلتا ہوا اور وہ جو اس کے مشاہدہِ جلال کے نور سے روشن ہو۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ بیعت عارفوں کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ جسے حضور حق اور تنزیہ اوصاف میں ثابت قدم کرنا ہو۔ اس کے دل پر بیعت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اور انس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہے۔ اس لئے کہ انس جنس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب بندہ کا حق تعالیٰ سے ہم جنس ہونا محال ہے تو حق سے انس نہیں ہو سکتا اور حق سے مخلوق کا انس محال ہوتا ہے۔ البتہ اگر انس ممکن ہے تو ذکر حق سے ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذکر اس سے غیر ہے کیونکہ وہ بندہ کی صفت ہے اور محبت میں کسی غیر کے ساتھ آرام کرنا محض دعویٰ اور زور ہے۔ پھر بیعت مشاہدہ غفلت سے ہوتی ہے اور غفلت صفت حق ہے تو اس بندہ میں کہ اس کا کام آپ ہی ہوا اس بندہ میں کہ جس کا کام فنا سے بقا، حق پر ہو بڑا فرق ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ آپ نے فرمایا مدتِ مدید تک خیال کرتا تھا کہ میں محبت میں خوش ہوں اور مشاہدہ حق سے انس رکھتا ہوں لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ انس انسان کی جنس کے سوا نہیں۔ ایک گروہ کتاب ہے کہ بیعت فراق اور غذا سب ترینے میں اور انس وصلِ رحمت کے نیچے۔ محب کو چاہئے کہ بیعت کی باتوں سے پرہیز کرے اور محفوظ رہے اور انس کے قریب ہو اس لئے کہ انس ضرور محبت کا تقاضا کرتا ہے اور جیسے محبت کو مجانت محال ہے انس کو بھی محال ہے۔

اور میرے شیخ فرماتے ہیں کہ میں تعجب ہوں ان پر جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے انس محال ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِيْ - قُلْ يَّعْبَادِيْ اور اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ - يٰ اَعْجَبًا وَلَا

خَوَافٌ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ - بے شک میرے بندے۔ ارادے میرے بندوں سے اور جب میرے بندے پر چھیں آپ سے۔ اسے میرے بندوں آج کے دن نہ تم پر خوف ہے اور نہ تم ٹھیک ہو گے۔

جب بندے اپنے رب کا ایسا منتقل دیکھتے ہیں تو اسے درست پکڑتے ہیں اور جب دوست پکڑتے ہیں تو لازمی اس اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بہت دوست سے بیگانگی ہے اور اس معنی یگانگت ہے اور آدمی کی صفت یہ ہے کہ نعمت دینے والے سے اس کرے۔ تو جب حق تعالیٰ ہیں اس قدر نعمتوں سے نوازتا ہے اور ہم اسے نعم جانتے ہیں تو پھر عمل ہے کہ اس سے بہت کموں کریں۔

اور میں علی بن عثمان جلالی کتاہوں کسودنوں گروہ اختلاف کی وجہ سے معیبت میں ہیں۔ اس لئے کہ قلب بہت نفس اور اس کی خواہش اور بشریت کے فنا کرنے سے ہے اور اس میں قلب بہر ہے اور ہر میں معرفت حاصل ہو جانے سے حق تعالیٰ شانہ کی جلالت اپنی تجلی سے محب کے نفس کو فنا کر دیتی ہے اور جلوہ جلالت ان کے سر کو باقی کر دیتی ہے۔ تو جہاں قاتل ہیں وہ بہت کم قدم کرتے ہیں۔ اور جو اصحاب بقا ہیں وہ امن کو فضیلت دیتے ہیں۔ اور اس سے قبل قاتل بقا کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

قہر اور لطف اور ان میں فرق

اس میں لطف اور قہر ہے۔ ان کا فرق یہ ہے کہ مشائخ کی جماعتیں یہ دونوں لفظ اپنے زمانہ میں بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ قہر سے ان کی مراد تائید حق ہے جو مرادوں کو فنا کرنے اور نفس کی آرزو سے علیحدہ کرنے میں ہوتی ہے اور لطف وہ تائید حق ہے جو بقا برسر اور دوام شادہ اور استقامت کے وجہ میں قرار مل سے ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک گروہ کتاہ ہے کہ کرامت حق تعالیٰ ہی حصول مراد ہے اور یہ گروہ اور باب لطف سے ہے۔

ایک گروہ کتاہ ہے کہ کرامت وہ ہے جو حق تعالیٰ اپنی مرضی سے بندہ کو نامراد رکھے اور اس نامرادی میں مقہور فرمانے حتیٰ کہ اگر وہ پیاس کے سبب دریا میں جائے تو دریا خشک ہو جائے لہٰذا روایت ہے کہ بغداد میں دو بڑے شاذ اور فقیر تھے۔ ایک صاحب قہر دوسرے صاحب لطف

لہٰذا بقل تاجر: ڈوبنے جاؤں تو دریا لے پائے مجھے: موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے (منہزم)۔

یہ ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف رہتے اور ہر ایک اپنے زمانہ کو دوسرے کے زمانہ پر فضیلت دیتا۔ ایک کتاب حق تعالیٰ کا لطف بندہ پر تمام نعمتوں سے افضل و اشرف ہے۔ اس لئے کہ ارشاد ہے انشاءً لَطِيفٌ بِعِبَادِي۔ اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

دوسرا کتاب ہے کہ قبر حق بندہ کے لئے بڑی کامل نعمت ہے۔ اس لئے کہ اس نے فرمایا ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر قہار ہے اور یہ اختلاف دونوں میں بہت طویل ہو گیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے صاحب لطف نے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور جنگوں میں پھر تا پھر تا گم ہو گیا اور کسی کو ان کا پتہ نہ چلا۔ ایک شخص گھر سے بغداد آیا تھا۔ اس نے انہیں راستہ میں دیکھا۔ انہوں نے اس سے کہا۔ بھائی تم عراق پہنچو تو ہمارے ساتھی کو کتنا کراہم صہرا اور جنگل کو عجائبات کہہ کر بغداد کی صودت میں دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ میرے لئے یہ جنگل کرخ اور بغداد سے اچھا ہے۔

غرض کہ جب یہ سیاح کرخ اور بغداد آئے تو انہوں نے ان کے رفیق کو پیام دیا اور کہہ دیا جو انہوں نے کہا تھا یہ سن کر فرمایا۔ جب تم واپس جاؤ تو کہہ دینا اگر جنگل تیرے حق میں کرخ اور بغداد میں تو اس میں شرف نہیں۔ اس لئے کہ تو حضور سے دور ہے بلکہ شرف اس میں ہے کہ کرخ اور بغداد باوجود عجائبات کے ایک کے حق میں جنگل بیان ہو اور وہ اس میں خوش ہو۔ اور حضرت بشی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی مناجات میں فرمایا۔

”اللہ اگر میرے گلے میں آسمان کا طوق ڈالاجائے اور زمین کو زنجیر پا کر دیا جائے اور تمام جہاں میرے خون کا پیاسا ہو جائے تو بھی میں تیرے جناب سے نہ ہٹوں گا۔“

اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک سال اولیاء اللہ کا جنگل میں اجتماع تھا اور میرے شیخ حمیری رحمۃ اللہ علیہ مجھے بھی وہاں لے گئے۔ میں نے دیکھا ایک گروہ تخت کے نیچے ہوا پر جا رہا تھا اور ایک گروہ تخت کے اوپر علیحدہ اڑ رہا ہے اور ہر ایک گروہ علیحدہ علیحدہ رتبہ میں تھا۔

حضرت حمیری ان کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ لیکن ایک جوان ٹوٹی جوتی، پچھے لباس میں چلنے سے تھکا سر سے ننگا، بدن جھلسا ہوا، تنہا غر غر ہر سٹے تو حضرت حمیری کو دے اور ان کے آگے چلے۔ انہیں بندہ حج پر بٹھایا۔ میں تعجب ہوا اور عرض کی کہ حضور یہ کس پائے کے بزرگ من فرمایا یا دیا اللہ میں سے ایک دل ہے کہ یہ طلبگار ولایت نہیں بلکہ ولایت اس کی طلبگار ہے اس کا میلان کرامت کی بات نہیں۔

اور جو کچھ ہم اپنے واسطے اختیار کرتے ہیں وہ ہماری بلا ہوتی ہے اور میں وہی چاہتا ہوں جو حق تعالیٰ مرے واسطے چاہتا ہے۔ اس صورت میں مجھے اس کی آفت سے بچا رکھتا ہے اور مجھے نفس کی شرارت سے مدد دیتا ہے اور اگر تکرر سے تو میں لطف نہیں چاہتا اور اگر لطف فرمائے تو مجھے تکرار ارادہ نہیں ہوتا کیونکہ ہمیں اس کے اختیار میں اختیار نہیں۔

نفی اور اثبات اور ان میں فرق

احساس سے نفی و اثبات ہے۔ ان میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین تائید حق تعالیٰ ثابت کرنے میں صفتِ آدمیت کو کہنے کو نفی و اثبات کہتے ہیں اور نفی صفتِ بشریت کی نفی کو کہتے ہیں اور اثبات اثباتِ علیہ حقیقت کو اس لئے کہتے ہیں کہ محوکل ہو جاتا ہے اور نفی کل اثبات کے سوا نہیں۔ اس لئے کہ بقا بشریت کی حالت میں نفی فات نہیں ہو سکتی۔
 قہارم ہے کہ فضا بل عمود کے قائم رکھنے سے بری صفات کی نفی ہو۔ اور معنی ثابت ہونے سے دعویٰ محبت حق تعالیٰ کی نفی کرتا ہے۔ اس لئے کہ دعویٰ رعونت نفس سے ہوتا ہے اور یہ عادت جاریہ ہے کہ صفات سلطان حقیقت کی مقصور ہو جائیں اور کہتے ہیں کہ اثبات بقا حق صفات بشریت کی نفی کرتا ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل اس سے پہلے فقرہ اور صفات بقا و فنا کے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں میں نے اسی پر اختصار کیا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے اختیار حق سے اختیار بندہ کا ثبوت کرتا ہے۔ اور اس سبب سے مرفق نے کہا۔ اِخْتِيَارُ الْحَقِّ بِعَبْدِهِ مَعَ عِلْمِهِ لِعَبْدِهِ خَيْرٌ مِنْ اِخْتِيَارِ عَبْدِهِ لِنَفْسِهِ مَعَ جَهْلِهِ بِرَبِّهِ۔ حق تعالیٰ بندہ کو جانتا ہے۔ وہ جو کچھ بندہ کے حق میں اختیار فرمائے اور اس سے نسبت بندہ با آنکہ اپنے رب سے بے خبر ہے اپنے نفس کے لئے جو اختیار کرے بہتر ہے۔ اس لئے کہ دوستی اس کا نام ہے جو اختیار محبوب کو ثابت کر کے محبت کے اختیار کی نفی کرے۔ اور یہ سب کے نزدیک مقرر ہے۔

اور میں نے حکایتوں میں معلوم کیا کہ ایک درویش دریا میں غرق ہو رہے تھے کسی نے اُس سے پوچھا۔ کیا آپ اس غرق سے رہائی چاہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔ نہیں۔ دریافت کیا کہ پھر ڈرنا ہی پسند کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا نہیں۔ تو سائل نے کہا۔ عجیب بات ہے۔ آ۔۔۔ اور بنا چاہتے

ہیں نہ نجات پانا۔ درخشیں نے فرمایا۔ مجھے ہلاکت سے غرض نہ نجات سے مطلب۔ مجھے وہی منظور ہے جو اللہ تعالیٰ میرے لئے اختیار فرمائے۔ اس لئے کہ اختیار الہی اذلی ہے جس کی نفی ممکن نہیں اور بند کا اختیار عارضی ہے جس کی نفی جائز ہے تو ہمیں لازم ہے کہ عارضی اختیار کو پامال کریں تاکہ اختیار اذلی ہی باقی رہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام حب پہاڑ پر خوش ہوئے اور حق تعالیٰ کی مدیث کی تمنا کی۔ گویا اپنا اختیار ثابت کرنے میں سعی کی اور جناب حق میں رتبہ اپنی کس دیا تو حق تبارک و تعالیٰ نے آپ سے عرض کی الہی اپنا دیدار دے تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ہرگز ہرگز تم نہیں دیکھ سکتے اور بتایا کہ دیدار حق ہے لیکن محبت میں اختیار باطل ہے اور اس میں محبت کلام ہے۔ لیکن میری مراد اس سے زیادہ نہ تھی تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اس طبقہ کی کیا مراد ہے۔ واللہ التوفیق۔

اور اس کا بیان جمع اور تفرق قائم رہتا، غیب اور حضور بذاتِ مہربانہ گنہ چکا ہے وہاں محاورہ سکر اس کی مانند ذکر ہو چکا ہے۔ وہاں دیکھیں جہاں جہاں اس بیان کا موقع تھا وہاں لکھا گیا اور ضرورت کے موافق یہاں بھی کچھ بیان کیا ہے۔ تاکہ ہر مذہب کا مشوع ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مساموہ اور محادثہ اور ان میں فرق

اور اس سے مراد مساموہ اور محادثہ ہے ان کا فرق یہ ہے کہ بعدِ دونوں جلوں میں دو حال کا طالع طریقیت کے بیان کرنے مراد اور حقیقت محادثہ یہ ہے کہ وہ حدیث سر ہے جو سکوتِ زبان سے مقرون ہے یعنی محادثہ زبان سے متعلق نہیں اور حقیقت مساموہ سر کے چھپانے سے ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ اس کے خلاصہ معنی یہ ہیں کہ بندہ کاشپ تنہائی میں ایک وقت خاص ہوتا ہے۔ اور محادثہ دن میں ایک وقت ہوتا ہے۔ اس میں سوال جواب ظاہری و باطنی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے شب کی مناجات کو مساموہ کہتے ہیں اور دن کی دعاؤں کو محادثہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مساموہ کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے ہے۔

حب اللہ تعالیٰ نے چاہا اور وقت خاص جو انور روح الامین کو مددِ براق بھیجا تاکہ کہ منظر سے قابِ قرین تک پہنچایا جائے اور اپنے رب سے راز کی گفتگو بلا صوت و حرف شنی۔ جب حد کو پہنچے ترکش کی جلالت سے آپ کی زبان مبارک بند ہوئی اور دل کہ عظمت میں حیران اور آپ کا

علم ادا کردہ گیا اور زبان بیان سے بند ہوئی۔ چنانچہ عرض کیا لا احصی ثناء علیک
 اور محاذ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے ہے عیب آپ نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ
 سے ایک وقت خاص حاصل کریں۔ چالیس روز کے انتظار اور وعدہ کے بعد دن میں کوہ طور پر آئے۔
 اللہ کلام الہی سنا اور فرط شوق میں دیدار کا سوال کر ڈالا مگر کامیابی نہ ہوئی اور ساری ستر ستر ختم
 ہو گئیں۔ جب پھر ہوش میں آئے تو عرض کیا سُبُّتِ اِلَیْکِ تاکہ فرق ظاہر ہو جائے۔ اس سہی کے
 مابین جنہیں لے جایا گیا اور سُبُّتِ اِلَیْکِ اَسْوٰی بَعِثْ اِلَیْکِ فرمایا گیا۔ پاک ہے وہ ذات
 جو اپنے بندہ کو لے گیا رات کے اتل قلیل حصہ میں اور کلیم اللہ کے لئے فرمایا۔ وَکُنَّا جَانِدُ مَوْسٰی
 یٰمُیْتٰتٰنَا۔ جب موسیٰ ہماری میقات کے لئے آیا۔ تو معلوم ہوا کہ رات غلوت محبوب کا وقت
 ہے اور دن بندہ کی خدمت کا اور عیب بندہ اپنی حد مقررہ سے تجاوز کرے تو لَنْ تَرٰنِیْ سے
 جواب مل جاتا ہے مگر محبوب خاص کے لئے کوئی حد نہیں ہوتی جس کے آگے گزرنے کی ممانعت ہو
 اس لئے کہ دوست جو کرتا ہے وہ دوست کو پسند ہوتا ہے۔

علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین

اور ان کے درمیان مشرق

اور اس سے علم الیقین حق الیقین اور عین الیقین میں ان کا فرق یہ ہے کہ علم اصول صوفیہ
 میں سب اپنے معلوم کو جانتے سے یہ الفاظ بیان ہوتے ہیں۔ چنانچہ صحبت کا علم ہو جائے یقین
 کے بنیاد علم نہیں ہوتا۔ جب علم حاصل ہوتا ہے تو اس میں غیب عین کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس لئے
 کہ فردائے قیامت جو یومین لقاء ربانی سے مشرف ہوں گے تو ان کے دیکھنے کی صفت ہی ہوگی
 جو آج جلتے میں ہے اور اس کے برخلاف دیکھیں گے تو یا تو فردائے قیامت کا دیدار صحیح نہ ہوگا یا
 آج کا علم درست نہیں اور یہ دونوں صورت خلافت توحید نہیں۔ اس لئے کہ اگر آج کے روز خلقت کا
 علم درست ہوا اور کل رزیت اس کی رزیت درست ہوئی تو علم الیقین عین الیقین ہو جاتا ہے۔ اور
 حق الیقین کو علم الیقین جن لوگوں نے رزیت میں کہا ہے وہ عین الیقین کو استغراق کے طور پر پتا

ہے وہ محال ہے۔ اس لئے کہ رویت مثل سماع کے حصول نام کا آلہ ہے اور ایسے ہی جب اشتقاق علم کا سماع میں محال ہے تو ان لوگوں کا اس علم یقین سے علم معاملہ دنیا کے حکموں میں مراد ہے۔ اور علم عین الیقین سے علم بحالیت نزع جب دنیا سے رخصت ہوا اور عین الیقین سے بشت میں کشف رویت مراد ہے اور مکاشفہ سے کیفیت حالات۔ تو علم یقین عالموں کا درجہ ہے۔ اس سبب سے کہ وہ احکام امیر پر استقامت کرتے ہیں۔

اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے۔ اس علم سے کہ وہ صورت کی استعداد رکھتے ہیں۔ حق الیقین محبوب کا مقام قنا ہے کیونکہ وہ کل موجودات سے رُود گردان ہوتے ہیں تو علم یقین مجاہدہ سے ہوتا ہے اور عین الیقین باطن سے اور حق الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک عالم ہے اور دوسرا خاص قسیر خاص بالخاص۔ واللہ اعلم۔

علم اور معرفت اور ان میں فرق

اور اس سے علم و معرفت ہے۔ ان کا فرق یہ ہے کہ ارباب اصول نے علم اور معرفت میں فرق نہیں کیا۔ وہ دونوں کو ایک کہتے ہیں۔ صرف اتنا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عالم کہا جاتا ہے۔ عارف نہیں کہتے۔ اس سبب سے یہ دونوں مترادف نہیں۔

مشائخ صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی تصریح میں فرمائی کہ وہ علم جو حال کے نزدیک ہے اس کا عالم اپنے حال سے جو بیان کرتا ہے وہ معرفت ہے اور اس کے عالم کو عارف کہتے ہیں اور علم معنی بے جدا اور معاملات سے خالی ہے علم کہتے ہیں اور اس کے جاننے کو عالم۔ تو جو کسی چیز کے معنی اور حقیقت کا عالم ہوا سے عارف کہا جائے۔

اور جو صرف عبارت اور اس کے حلقہ میں مشغول ہو اور مخاطب معنی نہ جانتا ہو اس کا عالم کہیں گے اور یہی سبب ہے کہ اس گروہ کو لوگ اپنے نزدیک بے قدر کہتے ہیں اور بعض ماہرین کہتے ہیں اور عوام اُسے بُرا جانتے ہیں اور اس سے مراد ان کی خفت ہے کیونکہ اس میں ترکہ معاملات ہے۔ لان العالم قاصر بنفسه والعارف قاصر بربوبته اس لئے کہ وہ جذبات خود قائم ہے اور عارف قائم برب الارباب۔ اس میں اور بہت سی باتیں ہیں جو کتب

حجاب وقت میں ذکر ہو چکیں اور یہاں اسی قدر کافی ہے۔ اسی سے شریعت و حقیقت ہے
 انسان کا فرق یہ ہے کہ دونوں عقول کا استعمال صرفیہ کے لئے ہے۔ ایک محبتِ حال سے ظاہر
 کرتے ہیں اور ایک اقامتِ حال باطن کے ساتھ اور دگر وہ اس کے معنی میں غلطی پر ہیں۔
 ایک گروہ ظاہر کا ہے جو کہتا ہے شریعت و حقیقت میں فرق نہیں۔ اس لئے کہ
 شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت شریعت ہے۔ ایک گروہ ملاحدہ کا ہے جو کہتا ہے ان دونوں میں
 ہر ایک دوسرے کے سوا قائم ہو سکتا ہے اور کہتے ہیں جب حقیقت کا حال کھل گیا تو شریعت جاتی
 رہی اور یہ خیال قراصل کا ہے اور ضیعہ بھی انہیں میں سے ہیں اور موبو یا انہیں میں سے ہیں۔
 اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حکم میں شریعت طریقت سے جدا ہے۔ کیونکہ ایمان میں تصدیقِ قول سے
 جدا ہے اور اس امر کی دلیل کہ اصل میں جدا نہیں ایک ہی ہیں۔ یہ کہ تصدیقِ بلا قول ایمان نہیں ہوتی
 اور قول بلا تصدیق موجب ایمان نہیں تو قول اور تصدیق کا فرق ظاہر ہو گیا تو حقیقت کے معنی
 جو مرادیں ان کا منسوخ ہونا جائز نہیں۔ اور ابتداء و آفرینش اہم سے جان فنا ہونے تک اس کا
 حکم مساوی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علوم میں نیت سے معاملہ کی نیت مساوی ہے۔

شریعت اور حقیقت اور ان میں فرق

اور شریعت نام ہے اس کا جس پر نسخ و تبدل ہوا ہو۔ جیسے احکام و اوامر تو شریعت
 فعل بندہ کا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی محافظت کرے تو معلوم ہوا کہ شریعت
 کا قیام بلا وجود حقیقت محال ہے اور بلا شریعت وجود حقیقت بھی محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے
 کہ ایک شخص زندہ جان سے ہوتا ہے۔ جب جان جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہوتا ہے اور جان اس
 کے ساتھ ایسے ہے کہ ان کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔ اسی طرح شریعت بلا حقیقت
 ریاکاری ہے اور حقیقت بلا شریعت نفاق اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذ انذین جاهدوا حیننا
 لنُعَدِّیَنَّهُمْ مِّنْکُمْ سُبُلًا۔ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم ضرور انہیں اپنا راستہ دکھائے
 ہیں۔ اور مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت حقیقت۔ یہ ایک بندے کو احکام ظاہری کا پابند رکھتی ہے
 اور دوسرے احوال باطن میں بندہ پر قائم ہے۔ تو گویا شریعت مکاسب سے ہے اور حقیقت مواہب

سے یہ حدیں وہ حدیں کہ بطور استعارہ بول جاتی ہیں اداس کی تفصیل اداس کے احکام کا تشریح بہت مشکل ہے۔ میں علی الاختصار اس نوع کا بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ الحق۔

الحق۔ اس سے مراد ان کی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے کہ اسرار الہی میں سے یہ ایک نام ہے جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے ذالک بان اللہ هو الحق

الحقیقت۔ اس سے بندہ کا محل وصل الہی میں قائم ہونا مراد ہے اور اس کے وقتوں کا

مرحلہ تنزیہ ہے۔

الخطرات۔ جو کچھ احکام تفریق سے دل پر گندے۔

الوطنات۔ جو اسرار الہی سے اس میں مستطین ہو۔

الطمس۔ وہ نقی عین مراد ہے جس کا اثر نہ ہو۔

الرمس۔ جو دل سے نقی عین ہو اور اس کا اثر ہو۔

العلاقات۔ وہ اسباب جن سے طالب تعلق کرتے ہیں اور مراد سے راجع ہوتے ہیں۔

الوسائط۔ وہ اسباب جن سے طالب تعلق کرتے ہیں اور مراد کو پہنچتے ہیں۔

الزوائد۔ دل پر انوار زیادہ ہونا۔

الغواش۔ اسرار ضروریہ کو ادراک کرنا۔

المسجاء۔ حصول مراد پر دل کا عبور نہ۔

المسجاء۔ محل آفت سے دل کا خلاص پانا۔

الکلیت۔ اوصاف آدمیت کا کلیتہ مستغرق ہونا۔

اللوائح۔ مراد کا ثابت ہونا اور اس کی نقی کا وجود۔

اللوائح۔ نور کا دل پر ظاہر اور اس کے ثوائف کی بقاء

الطوائف۔ انوار معرفت کا دل پر روشن ہونا۔

الطوائف۔ رات کی مناجات میں بشارت یا زجر کا ظاہر ہونا۔

اللصیفہ۔ دقائق حال سے دل پر ستری طور پر دوستی کا اشارہ

النجوی۔ اطلاع غیر سے آفات کا نفعی کرنا

marfat.com

Marfat.com

الاشارات: بے الفاظ و زبانی اخبارِ غیروہیہ۔

الایحاء: ترفیعِ خطاب بے اشارت و محابت

الوارد: دل میں معنی کا حلال

الاستباضہ: زوالِ عقل و دل سے۔

الاستباضہ: حکم حق اور باطل میں اشتباہ پیدا ہونا۔

القرار: حقیقتِ حال زوال و تردد

الانزعاج: حال و حدایت میں تحریکِ دل سے بعض مختصر الفاظ کا ورود۔

نوعِ آخر: یہ وہ حدود الفاظ ہیں کہ توحیدِ حق میں استعمال کرتے اور حقیقتوں میں ان کے

اعتقاد کا بیان اس میں استعارہ نہیں اور ان میں سے ایک

العالم: یہ مخلوق نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اشارہ ہندو ہیں اور فلاسفہ پچاس ہزار عالم

کہتے ہیں اور اس کے علاوہ ایک عالمِ سفل اور ایک عالمِ علوی بھی ہے اور بابِ اصول کہتے ہیں کہ

عرش سے تحتِ الثریٰ تک جو کچھ ہے وہ عالم ہے۔ ہر حال عالمِ مختلف چیزوں کا جمع ہونا ہے۔ اور

اہلِ طریقت کے نزدیک عالمِ ادواح اور عالمِ نفوس ہے اور ان کی اس سے یہ مراد نہیں ہے جو

فلاسفہ کی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ادواح اور نفوس کا جمع ہونا ہے۔

المحلث: یہ وہ ہے جو متاخرِ وجود میں ہو یعنی پہلے نہ ہو پھر ہو جائے۔

المستلحد: جو وجود میں سابق۔ بیشہ ہوا اور اس کی ہستی سب ہستیوں سے مقدم ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

الازل یا الاول: جس کی ابتداء نہ ہو۔

الابد: جس کے لٹا نہ ہو۔

الذات: کس شے کی ہستی اور اس کی حقیقت۔

الصفی: جو نعمت میں ہوا اور خود قائم نہ ہو۔

الاسم: مسمیٰ کا جو غیر ہو۔

التسمیہ: خبرِ مسمیٰ

النفي - جو عدم اور منقہ کا مقتضی ہو۔

الاثبات - جو وجود مثبت کا مقتضی ہو۔

الشیئان - جب ایک کا وجود دوسرے پر واجب ہو۔

الصندان - یعنی ایک کا وجود دوسرے کی موجودگی میں ایک حال کے ساتھ روانہ ہو۔

الغیران - ایک کا وجود دوسرے کے فنا کے ساتھ روا ہو۔

الجوہر - وہ چیز جو قائم بالذات ہو۔

العروض - جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔

الجسم - جو اجزاء متفرقہ سے مرکب ہو۔

السؤال - طلب حقیقت

الجواب - سوال سائل پر خبر دینا۔

الحسن - جو موافق امر ہو۔

القبیح - جو مخالف امر ہو۔

السفس - جو مخالف ترک امر ہو۔

الظلم - کسی شے کو غیر بر قدر رکھنا

العادل - کسی شے کو اس کے قابل جگہ رکھنا

السلک - جس کے لئے اعتراض نہ ہو سکے۔ یہ دو حدیں ہیں کہ طالب کو ان سے چارہ نہیں۔

یہ بطور اختصار بیان کر دی گئیں۔

نوع آخر - یہ ایسی بات ہے جو شرع کی محتاج ہے اور صوفیائے کرام میں یہ متداول ہے اور

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اہل زبان کو معلوم ہو جائے اور ظاہر لفظ سے ہی مفہوم واضح کر دے۔

الحناطر - مرضی کے مطابق حصول سہلی کا خواستگار ہونا تاکہ اس کو جلد زوال ہو اور دوسری

خاطر آئے اور صاحب خاطر اس کے دل سے دفع کرنے پر قادر ہو اور اہل خاطر پہلے خاطر کے تابع ہوتے

ہیں۔ ان امور میں جو حق تعالیٰ سے بندہ پر بے وجہ آجائیں۔

اور کہتے ہیں کہ خیر ناسج رحمۃ اللہ علیہ پر ایک خاطر رہنا ہوشے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ

marfat.com

Marfat.com

دعاۓ پر ہیں آپ نے اس خطرہ کو اچھے سے دیکھ کر تاجا پا کر دوسرا خطرہ خاطر مبارک میں آیا۔ آپ اس کے دفع میں مشغول ہوئے کہ پھر تیسری بار خطرہ ہوا کہ حضرت جنید دعوۃ پر تشریف فرما ہیں جا کر دیکھا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو دروازہ پر کھڑا پایا۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ اسے خیر سناج اگر تو پہلے خطرہ کو خاطر میں لے آتا اور سیت مشائخ پر عمل پیرا ہو جاتا تو اتنی دیر میں دعاۓ پر کھڑا نہ رہتا۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ خاطر خیر میں آیا تو اس میں جنید کو کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنید شیخ خیر سناج تھے اور شیخ لامحالہ احوال مرید سے واقف ہوتا ہے۔ لہذا ان کا فرمانا صحیح تھا۔

الواقع سے مراد یہ ہے کہ جو دل میں مرید کے ظاہر و باطن باقی رہے برخلاف خاطر کے کہ وہ باقی نہیں رہتا اور کسی حال میں طالب اس کے دفع کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے کہتے ہیں خَطَرٌ عَلَى قَلْبِي مِرَّةٍ دَلَّ فِي غَلْظِهِ كُنْهًا وَقَدْ فَتَحَ فِي قَلْبِي۔ اور دل میں واقع ہوا ہے۔ تو دل خاطر کا محل ہے۔ لیکن واقعات دل کے ہی دل پر گنہ تھے میں غیروں پر نہیں۔ کیونکہ دل کا دل وہ ہے جس میں تمام حدیث حق ہوتی ہیں۔ جب جب مرید کے دل میں راہ حق کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو اسے قید کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کو واقعہ ہوا ہے۔ اور اہل زبان واقعہ میں سائل اشکال بیان کرتے ہیں اور جب کوئی اس کا جواب دے اور شبہ اٹھائے تو کہتے ہیں یہ واقعہ حل ہوا لیکن محققین اسی طرف ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے جس پر حل روانہ ہوا اور جو حل ہو جائے وہ خاطر کا خطرہ ہوتا ہے واقعہ نہیں۔ کیونکہ اہل تحقیق کا بند حقیر نہیں ہوتا کہ اس کا حکم بدل جاتا ہے اور حال سے پھر جاتا ہے۔

الاختیار۔ یہ وہ ہے کہ حق کے اختیار کو اپنے اختیار پر اختیار کریں یعنی جو کچھ حق تعالیٰ نے ان کے لئے اختیار کیا ہے خواہ خیر ہو یا شر اس کو پسندیدہ رکھیں۔

اور حقیقت بندہ کا اختیار حق کو اختیار کرنا بھی اختیار حق سے ہوتا ہے اور اگر وہ بات نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ اسی کو اختیار کر دیتا تو وہ اپنا اختیار کبھی نہ چھوڑتا۔ اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ امیر کسے کہتے ہیں۔ فرمایا امیر وہ ہے جس کا اختیار نہ رہا ہو اور حق کے اختیار کو اس نے اختیار کر کے اسے اپنا اختیار بنایا ہو۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ کو ایک وقت بخارا آیا۔ عرض کی الہی

مجھے آرام عطا فرما۔ آپ کو خدا آئی کہ جنید تو کون ہے جو میری ملکیت میں تصرف کرتا ہے اور اپنا اختیار ظاہر کرتا ہے۔ میں اپنی ملک میں تجھ سے زیادہ متبرہوں تو میرے اختیار کو اختیار کر اور اپنا اختیار ظاہر کر۔ واللہ اعلم۔

الامتحان۔ اس لفظ سے امتحان دل اولیا مراد ہے۔ اس لئے کہ دلی کے دل پر پنجاب اللہ کی طرح کی بلائیں آتی ہیں۔ جیسے خوف۔ غم۔ ہیبت۔ قبض اور مثل اس کے جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلِيمٌ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ امتحان میں ڈالتا ہے۔ تقویٰ کے لئے انھیں بخشش ہے اور بڑا اجر اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

السبل۔ بلار سے مراد محبوں کے تن کا امتحان متعدد طرح سے سختیوں، بیماریوں اور دُخ و غم سے کیا جاتا ہے اور جس قدر بندہ پر بلا زیادہ قوی ہوتی جاتی ہے۔ اسے قریب حق زیادہ ملتا ہے اس لئے کہ بلا لباس اولیا ہے اور برگزیدہ ہستیوں کا گوارہ اور اختیار کرام کی غذا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نحن معاشر الانبياء امتداد الناس بلاء۔ ہم نبیوں کا گروہ ہیں بلا کے لئے لوگوں سے زیادہ سخت ہیں۔

پھر اولیا، پھر مقرب لوگ، پھر ان کی مثل غرض کہ بلا رنج کا نام ہے جو بندہ مومن کے دل اور تن پر آتی ہے اور دراصل یہ اس کے حق میں نعمت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا راز بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کا درد اٹھانے کا ثواب ہوتا ہے۔ اور جو کفار پر بلا نازل ہوتی ہے۔ وہ بلا بمعنی استیلا نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی کم بخشنی ہوتی ہے اور کافر کبھی شقاوت سے شفا نہیں پاتا۔

ترجمہ یہ ہے کہ بلا مرتبہ امتحان میں بہت بڑا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ بلا کا اثر تن پر ہوتا ہے اور دل بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اور امتحان کا اثر دل پر ہوتا ہے اور یہ بہت قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

التفلسی۔ کسی قیوم سے قول و فعل میں مساوی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس الايمان بالتفلسی والتفلسی ونصیب ما وقر فی القلوب وصدقہ۔ العمل۔ ایمان ظاہر واری سے نہیں لیکن دل میں و تر پیدا کرے اور عمل اسے پتھرے

تو یہ تخیل ایک گروہ کے نزدیک بدن حقیقت معاملہ کے مشابہ ہونا تخیل کہلاتا ہے اور جو دکھاوے کے لئے ہے۔ ایسا کرے اور حقیقت میں نہ ہو بعض ظاہر داری کرتا ہو وہ جلدی سے خوار ہو جاتا ہے اور اس کا مجید کھل جاتا ہے۔

السجلی۔ یہ انوار حق کی تاثیر ہے جو مقبولانِ بارگاہ پر ہوتی ہے۔ جس سے وہ اس درجہ پر پہنچتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ اسی درجہ میں مدیت بالقلب اور مدیت بالعباد صورتوں میں رکھی گئی۔ تخیل اگر چاہے دیکھے اگر نہ چاہے نہ دیکھے۔

ایک صورت یہ ہے کہ کسی وقت دیکھ سکے اور کسی وقت نہ دیکھ سکے۔ ایک وہ اہل نظر ہیں کہ اگر بہشت میں بھی دیکھنا نہ چاہیں نہ دیکھیں۔ کیونکہ ان کے لئے تخیل پر پردہ اختیار ہوا ہو جاتا ہے اور مدیت پر پردہ جائز نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
التفلی۔ وہ بندہ کا ایسا شغل ہے جو مانع ذکر حق ہو جائے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ اتنا خالی کرنا چاہے دنیا سے۔ دوسرے یہ کہ مقبلی سے اپنا دل خالی کر دے۔ تیسرے یہ کہ خواہش نفسانی کی متابعت کر اس سے اپنا سر خالی کر دے۔ چوتھے خلعت کی صحبت سے اپنے کو حنائی کر لے اور اس کا اندیشہ بھی دل میں نہ آنے دے۔

الشرود۔ معنی شرد طلب خاص کے ہیں۔ یہ آفت و حجاب و بستیاری سے حلاصی پانے کے لئے حق کو طلب کرتا ہے۔ کیونکہ طلب پر تمام بلائیں حجاب سے آتی ہیں۔ تو اگر وہ طالب کاشف حجاب ہے تو اس کے سفر اور تعلق کی ہر شے کو شرد کہتے ہیں۔ اس میں ابتداء طلب میں بستیاری زیادہ ہوتی ہے اور انتہا میں وصل قائم ہو جاتا ہے۔

العصود۔ یہ طلب مقصود کے لئے حقیقت ارادہ صحیح اس گروہ کا مقصود ہے۔ یہ حرکت و سکون سے متعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دوست گروہ دوستی میں ساکن ہوتا ہے یا قاصد گریہ غلابِ مادت ہے۔ اس لئے کہ قاصدوں کا مقصد یا ظاہر یا باطن ہوتا ہے یا ان کے باطن پر نشان دیتا ہے مگر جو دوست بے درجہ طلب کرتے ہیں اور بدنِ حرکات قاصد ہوتے ہیں ان کے مقصد خیر خود مقصد ہوتی ہیں۔ اور جو انتہا کا قصد کرتے ہیں تو جب دوستی حاصل ہو جاتی ہے تو سب قصد ہو جاتے ہیں۔

۱۔ جیسے کسی نے کہا۔ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار۔ جب برا گروہ جمعائی و کجائی۔ (مترجم)

۲۔ بقول شاعر۔ مجھے برادرِ اعلیٰ شینم۔ گئے ہر پشت پاسے خود نہ بینم۔ (مترجم)

اصطلاح۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ مذہب ہو جائے اور اس کی سب صفیں فنا ہوں اور تمام خطوط نقسانی اور صاف نفس بدل جائیں۔ تاکہ اور صاف ذاتی کے زوال اور اور صاف نقسانی کے تبدیل ہو جانے سے، بخود ہو جائے اور اس درجہ خاص میں انبیاء کرام ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو یہ درجہ نہیں ملتا۔ ایک گروہ مشائخ اسے انبیاء اور اولیاء میں بھی رد کرتا ہے۔ واللہ اعلم

الاصطفا۔ اصطفاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کے دل کو اپنی معرفت کے لئے ناسخ فرما دے تاکہ اس کی معرفت صفات اس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس درجہ میں خاص و عام دونوں سب بلکہ عامی مطیع دل ہی سب پہنچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **لَشَرَّاءُ وَدَشَّاءُ الْكِتَابِ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ**۔ اور کتاب کا وارث کیا ہم نے اپنے بندوں سے تو ان میں ظالم ہیں اپنی جان میں اور ان میں میانہ رو ہیں اور ان میں سابق بالخیرات ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ **وَانْفَرَعْنَا لَهُمُ الْغُفَّارِ الْاَخِيَارِ**

الاصطلاح۔ اصطلاح تجلیات حق ہیں کہ بندہ ان سے معذور ہو جاتا ہے تاکہ امتحان لطف نفی میں اس کے ارادہ اور قلوب پر ماندہ ہر اور مصطلم اور قلب مطمئن دونوں کے معنی ایک ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ الاصطلاح زیادہ خاص ہے اور امتحان اس سے زیادہ رقیق ہے اور اس باب طریقت اصطلاح میں مردج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الترین۔ ترین ایک حجاب ہے جو دل پر آتا ہے اور اس کا کشف ایمان کے بغیر نہیں اور وہ حجاب کفر اور گمراہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ کفار کی صفت ہے **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**۔

ایک گروہ کتا ہے کہ یہ وہ حجاب ہے جس کا زوال خود ممکن نہیں خواہ کسی صفت سے ہو کیونکہ کافر کا دل اسلام پذیر نہیں ہوتا۔ اور جو ان میں سے ایمان لاتے ہیں وہ خداوند تعالیٰ کے علم میں مومن ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ عالم۔

الغین۔ یہ دل پاک پروردہ ہوتا ہے جو استغفار سے اٹھ جاتا ہے اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک خفیف ایک غلیظ۔ غلیظ کافروں غافلوں کے واسطے ہے اور خفیف اولیاء انبیاء

سب پر آسکتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهُ لَيَتَانٌ عَلٰی كُلِّیْ فَاِنَّ لَا
 مستغفر اللہ فی کل یوم مائتہ مَرَّۃً۔ بے شک میرا دل پروردہ کیا جاتا ہے۔ اور خفیعت کے لئے
 اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کے معنی گناہ سے اطاعت کی طرف جانا ہے اور رجوع کے معنی
 ہیں اپنے آپ سے خداوند تعالیٰ کی طرف لوٹنا۔ توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور معنوں کا جرم اپنی
 ہستی کو دیکھنا بھی ہے۔ اگر کوئی خطا سے صواب کی طرف جائے تو کہتے ہیں کہ یہ قول راجع ہے۔

غلان شخص راجع ہے۔ اور یہ تمام بحث میں نے توبہ کے باب میں بیان کر دی ہے۔ واللہ اعلم
 التلبیس۔ کسی چیز کا اس کی اصل کے خلاف دکھانے کو تلبیس کہتے ہیں۔ جیسے
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَلَبْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُوْنَ۔ البتہ پناہ ہم نے جو پہنتے ہیں یعنی پروردہ
 ڈال دیا اور غیر حق تعالیٰ میں یہ صفت محال ہے۔ اس لئے کہ کافر کو نعمت سے وہی مؤمن کرتا
 ہے اور مؤمن کو اپنی نعمت سے کافر بناتا ہے تاکہ اس کے اظہار حکم اور حقیقت کا وقت
 ہر ایک میں آجائے اور حیب اس گردہ سے ایک شخص نیک خصلتوں کو بری صفوں میں مچھا دیتا
 ہے کہتے ہیں یہ تلبیس کرتا ہے اور اس جگہ کے سوا اس عبارت کو استعمال نہیں کرتے اور اتفاق
 اور یا کو تلبیس نہیں کہتے۔ گر اہل میں وہ بھی تلبیس ہوتی ہے اس لئے کہ اقامت فعل حق کے
 سوا تلبیس کا استعمال نہیں۔

الشرب۔ طاعت کی خیر میں کو اور کرامت کی لذت کو اور راحت السن کو یہ طائفہ
 شرب کہتا ہے۔ اور کوئی شخص کوئی کام لذت شرب کے سوا نہیں کر سکتا۔ جیسے تن کا سیراب ہونا
 پانی سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی دل کا شرب راحت اور شیرینی طاعات سے ہے اور میرے شیخ رضی اللہ
 عنہ فرماتے ہیں کہ مرید بے شرب اور عارف بے شرب ہوتا ہے۔ اور یہ ارادہ و معرفت سے غالی
 ہوتے ہیں۔ اس لئے مرید کو چاہئے کہ اپنے کام سے شرب ہو۔ تاکہ ارادت حق طالب بجالائے
 لیکن غارت گر شرب نہ ہونا چاہئے۔ تاکہ بھون بھادہ حق شرب سے اس پر ایسی حالت ہو جائے
 کہ اگر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے تو آرام نہ پائے۔ واللہ اعلم۔

السذوق۔ یہ شرب کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن شرب راحتوں کے سوا مستعمل نہیں
 اسذوق رخ و راحت کو اچھا قہل کرنا ہے جیسا کہ کوئی کہے ذُقْتُ الْحُلَاوَةَ وَذُقْتُ الْبَلَاءَ

وَذُقْتُ الْمَرَاحَةَ تَرْتِيباً دُرُوسَةً هِيَ - پھر شرب کو بھی کہتے ہیں شَرِيبٌ بِكَمٍّ مِنَ الْمَوْسِلِ
اَوْ بِكَاسٍ الْمَوْدَةِ - اور ایسی ہی اور بھی مثالیں ہیں -

اس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُلُوا وَشَرِبُوا هَنِيئًا - یعنی مزے سے کھاؤ پیو - اور حجب
ذوق کا بیان فرمایا - ذُقْ يَشْكُ أَشْتَأَ الْعَبِيدُ مِنَ الْكَيْرِئِمِ - دوسری جگہ فرمایا - ذُوقُوا
مَتَى سَقَرٌ - یہ حدود الفاظ کے حکم میں جو صوفیوں کے ہم نے مروج اصطلاحات جمع کر دیں - اگر
سب بیان کریں تو کتاب طویل ہو جائے - واللہ اعلم بالصواب -

کشف حجاب یازدہم، سماع

یاد رکھو حصول علم کے پانچ سبب ہوتے ہیں - اول بمع دوم بعبر سوم فہم چہارم شمع پنجم
لس - بمع سننے کا کام دیتا ہے - بعبر دیکھنے کے ذریعے علم پہنچاتا ہے - فہم چکر کر حقیقت سے
معلوم کی جاتی ہے - شمع سونگھنے سے پتہ لگاتا - لس چھو کر مس کے ذریعے معلوم کرتا -

یہ پانچ درجہ ہیں جو دل کے لئے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں اور ہر چیز کا علم انہیں پانچ وسائل کے
ذریعہ حاصل ہوتا ہے - جیسے سماعت کے ذریعے آواز اور خبر کا علم ہوتا ہے - بصارت کے ذریعے
رنگ اور شکلیں معلوم ہوتی ہیں - ذائقہ کے ذریعہ شیریں تلخ میٹھا پیکا معلوم ہوتا ہے - شامہ کے
ذریعہ خوشبو بدبو کا علم حاصل ہوتا ہے -

ان پانچ حواس سے چار کے مقامات خاص ہیں اول ایک تمام بدن میں پھیلا ہوا ہے ہاتھ
کے لئے کان - بصارت کے لئے آنکھ - ذائقہ کے لئے زبان - شامہ کے لئے ناک ہے - اولس کو تمام
بدن میں جگہ ہے - اس لئے کہ آنکھ سوا دیکھنے کے اور کام نہیں کرتی - اور کان سننے کے سوا اور کام نہیں
دیتا - ناک سونگھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی - زبان چکھنے کے سوا اور کس کام کی نہیں - لیکن تمام بدن سے
زم گرم کھردرا سرد وغیرہ معلوم کرنے والا لس ہے - اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک حس تمام اعضا
میں مثل لس کے پھیلا ہوا ہو - ایر معتزلہ کے نزدیک ہر حس اپنے محل کے سوا اور جگہ نہیں -
مگر ان کا یہ قول باطل ہے - اس لئے کہ لس کے سوا سب کے محل خاص ہیں - اور لس کا کوئی
محل خاص نہیں ہے - اور حجب ایک ہیں ان پانچ سے محل خاص نہیں رکھتا - سوائے ایک کے تو

اسدوں کے واسطے بھی یہی صفت رہا ہے۔ حالانکہ یہاں یہ مقصود نہیں ہے بلکہ اسی استدہ بیان ضروری تھا تاکہ تحقیق معنی ہو سکے۔ تو چار حواس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سے چار نئے دیکھنے سونگنے چکھنے کے ہیں اور ایک چھوٹا ہے۔ تو یہ امر جائز ہوا کہ حواس مجربہ علم کو دیکھنا اور خوشبو سونگھنا ہے۔ نعمتوں کو چکھنا ہے اور ایک چھوٹا ہے۔ تو یہ رہنا ہے عقل ہونے اور یہی اللہ کی طرف رہنا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے ذریعہ انسان جانتا ہے کہ جہان محدث ہے اور محل تغیر اور جو حادث ہے وہ محدث سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ پیدا کرنے والا ہے اور خالق جنس مخلوق سے نہیں۔ اس لئے کہ وہ خالق ہے یہ مخلوق ہے۔ یہ جسم پذیر ہے وہ پیدا کرنے والا۔ اور جسم دینے والا۔ یہ محدث ہے اور وہ اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ محدود ہے اور اس کا خالق غیر محدود اور سب اسشیاء پر قادر ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ تمام معلومات کا علم اس کا تصرف ملک میں جاری ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے برہان صادق کے ساتھ رسول بھیجے اور حجب تک اس کی معرفت کا درجہ سماعت سے علم نہ ہو لوگوں کا اس پر ایمان لانا اور رسولوں کا حکم ماننا واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ شرع کا وہی موجب ہے۔ اس سبب سے اہل سنت دنیا میں سماعت کو بصارت پر فضیلت دیتے ہیں اور اگر کوئی خطا کا رکے کہ ان محل خبر ہیں اور آنکھیں محل نظر اور ان سے ہی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو وہ سماعت سے زیادہ افضل ہے۔

یہ کتابوں ہم سمع سے جانتے ہیں کہ دیدار الہی مومنوں کو بہشت میں ہوگا کیونکہ دیدار کو عقل سے جائز مانتا اس کا حجاب کشف سے زیادہ اچھا نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے خبر سے معلوم کیا ہے کہ مومن کو کشف ہوگا اور اس کی نظر سے حجاب اٹھ جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو سمع بصر سے افضل ہوا اور یہ بدیدہ ہے کہ تمام امور بشریت سماعت پر مبنی ہیں۔ اگر سماعت نہ ہوتی تو اس کا ثبوت محال ہوتا اور انبیاء علیہم السلام بھی آئے۔ پہلے انھوں نے فرمایا اور اسے سننے والوں نے سنا تو ایمان لائے۔ پھر انھوں نے معجزات دکھائے اور معجزہ دیکھنے میں اس کی تائید بھی کان سے عقی۔ تو دلائل سے جو سماعت کا انکار کرے وہ حقیقت منکر بشریت ہے اور اس نے اس کا حکم اپنے اوپر چھپایا۔ اب میں اس کا حکم جامع ظاہر کرتا ہوں۔ انشاء اللہ۔

تیسواں باب

سماع قرآن اور اس کے متعلقات

اعلیٰ ترین سُننے وال چیز جو دل کو فائدہ دے۔ کلام الہی عزاسمٰ ہے اور اس کلام پاک کے سُننے پر تمام مومن اور کافر ملکوت ہیں۔ خواہ آدمی ہوں یا جن و پری اور مجروح و تندرست ظاہر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے اور سُننے سے طول نہیں ہوتا اور اس میں بڑی رقت ہے۔ حتیٰ کہ کفار شب میں پوشیدہ طور پر پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں ہوتے۔ یہ چپ کر سکتے اور پسند کرتے بلکہ جامعیت کلام پر اور قنوت ہوتا۔ جیسے نضر بن عمارؓ جو بڑا فصیح اللسان تھا اور عقبہ بن ربیعہ کہ بلا غنت میں جادو گر مانا جاتا تھا اور ابو جہل بن ہشام جو کلام و برہان میں شان پر بیضا دکھاتا تھا اور خطبات میں خاص شان دکھاتا اور مثل ان کے اور بظاہر و بطناء عرب۔

حتیٰ کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے تھے کہ عقبہ سُننے سُننے بیہوش ہو گیا اور ابو جہل سے بعد میں کہنے لگا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے یہ مخلوقات کا کلام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے پر لیں جنوں کو فوج در فوج کر کے بھیجا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام پاک سُنیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا۔ ہم نے ایک کلام عجیب سنا ہے۔ جس کے اثر سے مطلع کیا کہ قرآن بیادوں کو صحت کی طرف آتا ہے۔ یَعْدِي اِلٰی الْوَسْطِ فَاَمَّا بِهٖ وَلَوْ نَشْرِكْ بِرَبِّنَا لَخَدَا۔ تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

اس لئے کہ اس کلام کی نصیحت تمام نصیحتوں سے بہتر ہے اور اس کے الفاظ نہایت مختصر

اور جامع ہیں۔ اس کا حکم تمام اداوار سے لطیف تر ہے۔ اس کی نئی تمام مناہی سے صاف ہے۔ اس کے سوا عید سب وعدوں سے زیادہ دلیرا ہیں اور اس کے خطاب کی شان تمام مذاہبوں سے دل گزار ہے۔ اس کے قہے تمام قصوں سے زیادہ سیر کرنے والے ہیں۔ اس کی مثالیں سب مثالوں سے زیادہ فصیح ہیں۔ اس کے کھٹے ہزاروں شکار ہوتے ہیں۔ اس کے لطف ہزار ہا جانوں کو بلا میں مبتلا کرتے ہیں۔ دنیا داروں کو ذلیل کرتا ہے اور تارک الدنیا کو عزت دیتا ہے۔

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ان کی بہن اور بہنوئی سلمان ہو گئے ہیں تو ارادت کران کے قتل کو آمادہ ہوئے اور دل میں سے ان کی محبت نکالی۔ حق تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے سورہ طہ کا لشکر گوشوں پر ان کی گھات میں بٹھا دیا۔ جب وہ بہن کے دروازہ پر آئے تو بہن پڑھ رہی تھیں طه مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ إِلَّا تَذَكَّرَ أَتَىٰ يَتَشَتَّىٰ۔ اے ماہر کامل ہم نے تیری طرف قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت میں پڑے مگر ڈروہوں کے لئے نصیحت ہے۔

یہ آیت سننے ہی حضرت عمر کی جان اس کے فائق کا شکار ہوئی اور اس کا دل اس کے لطافت کی زنجیروں میں قید ہو گیا اور صلح اختیار کی اور ارادہ قتل ترک کر کے محالفت کی بجائے مرافقت کی طرف آئے اور مشہور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور یہ آیت پڑھی گئی۔ اِنَّ لَدَيْنَا اَنْكَالًا وَجَجِيْمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا اَلِيْمًا۔ بے شک ہمارے پاس دوزخ ہے اور کھانا گلا گھونٹنے والا خطاب دردناک ہے۔ یہ سننے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شیش طاری ہوئی۔ اور مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رو برو پڑھا اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے۔ کوئی اس کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔ تو آپ نے ایک فریاد اور بیہوش ہو گئے۔ آپ کو اٹھا کر گھیر لائے۔ ایک ماہ تک آپ بیمار رہے۔ اس لئے آپ پر خوب خداوندی مستطربا۔

روایت ہے کہ ایک صحابی نے عبداللہ بن حنظلہ کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمٍ اَلِيْمٍ۔ ان کے لئے جہنم کا جھولا ہے اور ان کے لئے اوپر پردہ ہے۔ آپ نے یہ سننے ہی رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ راوی کہتا ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ ان کی جان

نکل گئی۔ پھر وہ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے کہا۔ بیٹھ جائیے۔ آپ نے کہا۔ اس آیت کی مصیبت مجھے
بیٹھنے نہیں دیتی۔

روایت ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ**۔ اسے ایہاں والو کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

آپ نے کہا **إِن قُلْنَا قُلْنَا بِكَ وَإِن فَعَلْنَا فَعَلْنَا بِتَوْفِيقِكَ فَإِن الْقَوْلُ وَالْفِعْلُ**
اسے میرے رب اگر ہم کہیں تو تیری ہی توفیق سے کہتے ہیں اور اگر کریں تو تیری ہی توفیق سے کرتے
ہیں تو کہاں ہے قول اور فعل۔ حضرت ہشام کی روایت ہے کہ ان کے سامنے فاذا ذکر دہلی
افانیت پڑھی گئی۔ یعنی یاد کر اپنے رب کو حیب تو بھول جائے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ذکر کی
شرط نسیان میں ہے اور سب جہانی اس کے ذکر میں ہے۔ پھر آپ نے فرمودہ مارا اور ہوش ہو گئے
جب ہوش آیا تو کہا مجھے تعجب ہے اس جانب پر جو کلام الہی مٹنے اور نہ نکلے۔

ایک بزرگ نے فرمایا۔ ایک وقت میں کلام اللہ سے پڑھتا تھا۔ **وَاقْتُوا يَوْمَ تُجْعَلُونَ**
فِيهِ إِلَى اللَّهِ یعنی پورے دن سے جب تم رجوع کرو گے اللہ کی طرف تو ہاتھ نہیں نے پکارا
آہستہ پڑھ کیونکہ حلقہ پر پیاں اس کی مصیبت سے مر گئیں۔

ایک درویش فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال سے نماز میں قرآن کریم جواز سے زیادہ نہیں
پڑھا اور نہ سنا۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ فرمایا اس خوف سے کہ مجھ پر محبت ہو جائے گی۔

ایک ریزہ میں شیخ ابو العباس شعالی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہیں میں نے یہ آیت پڑھتے
پایا۔ **حُزِبَ اللَّهُ عَبْدًا مَّسْلُوكًا لَا يُعْتَدُ عَلَى شَيْءٍ**۔ مثال دیتا ہے اللہ اس بندہ مملوک
کی جو کسی شے پر قادر نہیں۔ اور رو رہے تھے کہ ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ میں نے گمان کیا
کہ شاید دنیا سے رحلت فرما گئے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ کیا حال ہے۔ فرمایا گیارہ سال ہوئے
کہ میں اس آیت تک آیا ہوں۔ اب اس سے آگے جا نہیں سکتا۔

حضرت ابو العباس عطا سے لوگوں نے پوچھا کہ حضور نے قرآن کریم کی مدد سے کتنی کلمات مقرر
کی ہے۔ اس سے قبل آٹھ ہیر میں دو ختم کرتا تھا۔ اب چودہ سال سے آج تک سورہ انفال تک پہنچا
ہوں۔ حضرت ابو العباس نے قصاب قاری کو فرمایا پڑھ۔ اس نے پڑھا **يَا أَيُّهَا الْغَوِيُّزُمَّنَّا وَ**

اَهْلُكَ الضُّرُوحُ جَنَّا بِمِثْلَةِ مُزَجَّاجَةٍ - سے فرمایا کہ اہل کو ضرور پہنچا اہم تھوڑا سا
اسباب دے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر پڑھا۔ اَلْهٰوَانِ قِیْرٌ مَّقْدُوسٌ
اَعِثَّ مِنْ جِل۔ بولے اگر اس نے چڑایا ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف چوری
سر چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اہ پڑھا۔ اِسْنَدُ رَبِّ عَلَیْكُمْ اَلْیَوْمَ لَیَغْفِرَ اللّٰهُ
لَکُمْ۔ آج تم پر کوئی عذاب نہیں۔ اللہ تمہیں بخشنے گا۔ آپ نے عرض کیا۔ الہی میں یوسف
کے بھائیوں سے زیادہ ہوں اور تو کرم میں یوسف سے زیادہ ہے۔ میرے ساتھ ایسا کر بھائی یوسف
نے اپنے بھائیوں سے کیا۔

اللہ باری ہم سب اس کلام پاک کے سنتے پر مامور ہیں۔ تمام اہل اسلام خواہ وہ مطہر
ہوں یا عاصی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ دَ
اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم
کیا جائے۔ اس حکم میں سنتا اور چپ رہنا خلقت پر حکم فرمایا۔ اس حال میں جب قرآن کریم پڑھا
جائے اور یہ بھی فرمایا فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْمِعُوْنَ الْقَوْلَ فِیْ سَمْعِهِمْ اَحْسَنَہٗ۔
خوشخبری دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں کلام اللہ اچھی تامل سے کرتے ہیں۔ یعنی
اس کا حکم مانتے ہیں۔ اور تعلیم سے سنتے ہیں اور یہ بھی فرمایا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے۔ تو لرز جاتا ہے ان کا دل۔ اور
یہ بھی فرمایا۔ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَلَّمٰہُمْ قُلُوْبُهُمْ بِکَلِمٰتٍ مِّنْ لَّدُنْہِ لَا یَذِکُّ اللّٰهُ تَکْلِیْمًا
الْقَلُوْب۔ جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوئے خبردار ہو اللہ
کا ذکر دلوں کا چین ہے اور ایسی بہت سی آیتیں ہیں کہ اس حکم کی تائید کرتی ہیں۔

پھر اس کے برخلاف وہ گروہ بھی ہے کہ کلام الہی کو سن کر کان سے دل کی طرف نہیں جانے
دیتا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا حَسْرَ اللّٰہِ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ
وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اَللّٰہُ تَعَالٰی نے ہر کردی۔ ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر اور
ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ پردہ ڈالنے سے مراد گوش سماعت بند کرنا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ
جَبَسَ قِیَٰمَتِہٖمُ رُزُقِہُمْ لَہٗ۔ لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَفْخَابٍ الشَّعِیْر۔

میں اگر ہم ایسے ہوتے کہ سنتے اور سمجھتے تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

اور فرمایا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْمَعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا خَلْقَهُمْ أَكْثَرًا
يَعْقِلُونَ وَفِي آفَاءِ نَحْنُ وَفَرَا۔ اس ایک گروہ ان سے وہ ہے جو آپ سے سنتا ہے اس سے
نے کروا ہے ان کے دلوں پر عجاب تاکہ نہ کہہ سکیں اور ان کے کان پر ہے ہیں تو گویا عجب
ہیں جیسے سنا ہی نہیں۔ اور فرمایا۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ
یہ ہی وجہ شکایت ہے یعنی تم ایسے نہ جاؤ جیسا اس گروہ نے کیا کہ ہم نے سنا حالانکہ انہوں
نے نہیں سنا اور ایسی بے گناہی کہتے ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو
فرمایا اَقْرَأْ عَلَيَّ فَقَالَ اَنَا اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ
علیہ وسلم اِنِّیْ اَخْبَتُ اَنْ اَسْمَعَ عَنْ عَنِيْزِی۔ محمد پر قرآن کریم پڑھا۔ ابن مسعود نے
عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں۔ حالانکہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتا۔ تو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے کسی سے سنوں اور یہ دلیل واضح ہے اس پر؟
پر سننے والا قاری سے زیادہ کامل ہوتا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا۔ میں غیر سے سنا زیادہ پسند
کرتا ہوں۔

اس لئے کہ پڑھنے والا حال سے پڑھے یا غیر حال سے مگر سننے والا غیر حال کے نہیں سنا کیونکہ
کلام کرنے میں ایک نوع تکبر ہوتی ہے اور سننے میں تواضع۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
نَشِیْبَتِیْ سُوْرَةُ الْمُوْدِجِے سورت ہر دے بڑھا کر دیا۔ اور روایت ہے کہ یہ سورۃ ہر دے اس
آخری آیت کے متعلق فرمایا۔ فَاَسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ۔

اور یہ حقیقت ہے کہ انسان امور حقیقت میں حق پر قائم ہونے سے عاجز ہے۔ اس لئے بندہ
بغیر توفیق حق کیو نہیں کر سکتا توحید فَاَسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ سنا تو حیران ہوئے کہ یہ کیونکہ
ممکن ہے کہ میں اس حکم پر قائم رہ سکوں تو دل کے رنج سے قوت جاتی رہی اور رنج پر رنج استقامت
بڑھا کہ ایک روز تشریف فرما تھے جیسا ٹھنڈے لگے تو ہاتھ دھوئے پرہیز کر دیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور کیا حال ہے۔ ابھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

جوان ہیں تو فرمایا سورہ ہود نے وہیں بڑھا کر دیا۔ میں اس حکم کے نکتے سے میرے دل پر ایسی کیفیت ہو گئی جیسے قربت ساقط ہو گئی ہو۔

حضرت ابو سعید خدری کے اصحاب سے ایک راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کنت فی عصابة
 فيها ضعفاء المهاجرين واتي بعضهم يسير بعضا في العري وقاري يقرء علينا
 ونحن نستمع القراءة قال فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى
 قام علينا فلما رآه القاري مكث قال فسلم فقال ماذا كنتم تصنعون
 قلنا يا رسول الله قارئ يقرء علينا ونحن نستمع بقراءته فقال المستبى
 عليه السلام والحمد لله الذي جعل في امتي من امرت ان اصبر نفس معهم
 قال شر عيسى وطلنا ليعدل نقه فينا شر قال مبيد فكذا انتم لخلق القوم
 فلم يعرفوا رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم احد قال وكانوا ضعفاء
 المهاجرين فقال النبي صلى الله عليه وسلم ابشروا عسا يك المهاجرين بالفوز
 انهم يوم القيمة تدخلون الجنة قبل الاغنياء بنصف يوم كان مقداره
 خمس مائة عام۔

میں ایک ایسے ضعیف مہاجرین کی جماعت میں تھا کہ انہوں نے بعض بدن بعض جسم
 سے عریانی کے سبب چھپا رکھا تھا۔ اور ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا۔ ہم لوگ اس کی قرات
 سن رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جب قاری نے حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم کی جلوہ آرائی دیکھی وہ خاموش ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام ملیک فرمایا اور چچا
 تم کیا کر رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاری ہیں قرآن کریم سن رہے
 تھا۔ ہم سن رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت
 میں ایسے آدمی پیدا فرمائے۔ جن کے ساتھ میں صبر کرنے پر آمادہ ہوا۔ راوی کہتے ہیں پھر حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہو گئے۔ پھر دست اقدس کے اشارہ سے ہمیں
 حلقہ کر کے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ ہم نے حلقہ باندھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کران ضعیف مہاجرین
 نے نہ پہچانا کہ سب ضعیف کمزور تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بشارت دو غلوں مہاجرین

کو کامل کامیابی کی قیامت کے روز آرمے دن کے لئے جو پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔ غنی لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ بھی حدیث حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے ہے لیسکی بہ اختلاف الفاظ ہے مگر معنی سب کے ایک ہیں۔

اور زرارہ ابن ادنیٰ کبار صحابہ سے تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ آپ صحابہ میں **فصل** امامت فرماتے تھے۔ ایک روز ایک آیت پڑھی اور نعرہ مار کر جان دے دی۔ حضرت جہنی کبار تابعین میں تھے۔ صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر ایک آیت پڑھی۔ بیہوش ہوئے اور جاں بحق ہو گئے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ میں کوفہ کے ایک گاؤں میں گیا۔ ایک بڑھیا کو دیکھا نماز میں کھڑی تھیں۔ ان کے آثار نیک ظاہر تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئیں۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام کے بعد پوچھا تو قرآن کریم جانتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا کوئی آیت پڑھو۔ میں نے پڑھی۔ انہوں نے آیت سن کر ایک سادہ نکالی اور بیہوش ہو گئیں اور جان استقبال رویت حق کے لئے بھیج دی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ احمد بن ابی الجہری رحمۃ اللہ علیہ رعایت کرتے ہیں کہ میں جنگل میں جا رہا تھا کہ ایک جوان کو دیکھا کہ گڈی کانٹے دار لے کنویں پر کھڑا ہے۔ مجھے فرمایا۔ اے احمد قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کہ تو بہ وقت آیا ہے۔ مجھے سماعت کلام کی احتیاج ہے۔

فرماتے ہیں کہ مجھے اس حال میں الامام ہوا کہ یہ آیت پڑھائی اَتَذِیْن قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ شَوْاْ سَتَقَامُوْا۔ جوان بولا۔ قسم بخدا کہہ تو نے وہی آیت پڑھی جو اس وقت فرشتے نے مجھے سنائی اور جان دی۔ اور اگر ایسی ایسی سب روایتیں بیان کر دیں۔ تو اصل مقصد رہ جائے وہ اللہ تعالیٰ

سماع شعر اور اس کے متعلقات

شعر شفا مبلع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی کہا اور سنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ مِنْ الشَّعْرِ لِحِكْمَةٌ اور فرمایا الْحِكْمَةُ ضَالَةٌ الْمُؤْمِنِ وَذَمُّنٌ وَجِدْ هَا فَهِيَ وَاحِقٌ بِهَا ۔ کلمہ حکمت مومن کی گشدہ چیز ہے ۔ تو جو اسے پائے تو وہ زیادہ اس کا حقدار ہے اور شعر سے وہ شعر مراد ہے کہ جس میں حکمت ہو اور حکمت چونکہ مومن کی گشدہ چیز ہے کہ اس سے غائب ہوتی تو جب اسے پایا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَتْهَا الْعَرَبُ قَوْلُ الْبَيْدِ یعنی سب سے سچا کلام جو عرب کے لوگوں میں کہا وہ بئید کا کلام ہے ۔

الاکل شئ ما خلا الله باطل وکل نعیم لا محالة زائل

غیر قادر جو ہر شے اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت لا محالہ زائل ہونے والی ہے ۔

عمر بن شریک اپنے والد سے راوی ہیں کہ قال استشد فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل تری من شعرا مية ابی الصلت مشیفا فانشد شہ مائة فتافیة کلما مسردت علی بیت قال ہیة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاد ان یسلم فی شعرة ۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر سنانے کا حکم دیا اور فرمایا اُمیہ بن ابی الصلت کے شعر تجھے یاد ہیں ۔ تو میں نے سو قافیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے کو جب میں ایک بیت سے گزرتا تو فرماتے اور سنا ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ قریب تھا کہ وہ اپنے شعر میں اسلام لے آتا ۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بہت سی روایتیں ہیں ۔

اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ میں مقابلہ پر ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ تو عام اشعار کا سُنا حرام کہتا ہے اور شب و روز غیبت مسلمانوں کی کرتا ہے اور ایک گروہ سب قسم کے اشعار حلال کہتا ہے اور شب و روز چہرے، زلف، خدو خال اور مشرق کی صفت غزل میں سُنا ہے اور ہر ایک اس بحث میں ایک دوسرے پر دلائل لاتا ہے۔ اید میری مراد ان کے کئے گئے اثبات نفی ہے۔

مشائخ صوفیہ رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں یہ طریقہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکے بارے میں سوال ہوا تو حضور نے فرمایا۔ کَلَامٌ حَسَنٌ حَسَنٌ وَ قَبِيحٌ قَبِيحٌ۔ یعنی یہ کلام ہے حسن کلام حسن ہے اور قبیح قبیح ہے۔ جس کا سُنا حرام ہے۔ جیسے غیبت، بہتان، فواحشات، کسی کی مذمت یا کلمہ کفر خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں سب حرام ہے۔ اور حسن کلام کا نثر میں سُنا حلال ہے جیسے عقلی باتیں اور نصیحت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل مشاہدات حق میں نظر کرنا۔ یہ نظم میں بھی جائز ہے۔

غرض کہ جیسے حسن کا دیکھنا جو محل خطر ہو ممنوع ہے اس کا چھوٹا حرام ہے۔ ایسے ہی نظم و نثر جو مرکب شہوات ہوں و محل خطر ہیں۔ ایسا سُنا حرام ہے اور جو لوگ ایسے نفس مضمون کو حلال کہتے ہیں۔ ان کو دیکھنا اور چھوٹا بھی حلال کہنا چاہئے۔ اور ایسی صورت میں یہ بے دنیا کفر ہے۔

اور جو کہتا ہے کہ میں آنکھ اور رخسار اور زلف کے بیان میں جلوہ حق دیکھتا ہوں اور حق کو دیکھتا ہوں اور حق کو ڈھونڈتا ہوں۔ وہ درحقیقت واجب کرتا ہے کہ اور چیز کی طرف بھی دھیان کرے اور رخسار خال میں اور کئے کہ میں اس جلوہ میں حق ڈھونڈتا ہوں۔

اس لئے کہ آنکھ اور کان جائے عبرت اور منبع علم ہے۔ اس لئے واجب ہے تاکہ دوسرا کئے کہ میں چھوٹا ہوں۔ اس شخص کو جس کی صفت سُنا جائز ہے۔ اور دوسرا اس کا دیکھنا وادار کئے اور کئے میں اس میں حق دیکھتا ہوں اور ایک خواہش دوسری خواہش سے زیادہ اچھی نہیں ہوتی جس سے منی معلوم ہو سکیں۔ ایسی صورت میں شریعت بالکل باطل ہوتی ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعَيْنَانِ مَرْمِيَانِ۔ دونوں آنکھیں زنا کرتی

ہیں تو ان سے نظر بندی کے ماتحت یہ حکم اٹھ جاتا ہے اور نامحرموں کے چھوڑنے کی ملامت قطع ہو جاتی ہے اور حدود شرع بھی ساقط ہو جاتی ہے اور یہ واضح گواہی ہے۔

اسی وجہ سے جب جاہل صوفیوں نے دیکھا کہ استغراق میں سماع والے شریک ہوتے ہیں۔ اس حال سے خیال کیا کہ یہ سب نفس کی پیروی میں کرتے ہیں۔ تو یہ حلال ہے۔ اگر حلال نہ ہوتا تو یہ نہ کرتے۔ ان کی تقلید میں انھوں نے باطن ترک کر کے ظاہر کیا اور خود ہلاک ہو کر فوج کو بھی ہلاک کیا اور یہ آفات زمانہ سے ایک آفت ہے۔ اس کا بیان اپنے موقع پر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

بتیسواں باب

سماع لحن و نغمہ

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذَیْنُوا اصْوَا تَحْکُمُ بِالْقُرْآنِ۔ اپنی آواز میں قرآن کریم پڑھنے میں مزین کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ بَرَحًا تَا هِيَ مَخْلُوقٌ فِي حَبْتَا حَبَا هِيَ۔ مفسرین نے کہا یہ آواز حسن کے متعلق ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ ارَادَ اَنْ يَسْمَعَ صَوْتِ دَاوُدَ فَلْيَسْمَعْ صَوْتِ اَبُو مُوسَى الْاَشْعَرِيِّ جو چاہے کہ: اور علیہ السلام کی آواز سنے وہ ابو موسیٰ اشعری کی آواز سنے۔

احادیث میں ہے کہ بشتیوں کے لئے بھی سماع ہو گا اور وہ ایسا ہو گا کہ ایک درجہ سے آوازیں مختلف سوز میں آئیں گی۔ جب وہ مختلف آوازیں ملائی جائیں گی تو اس سے طبعیتوں کو بڑی لذت حاصل ہو گی۔ اور اس قسم کی آواز عام مخلوق میں عام ہوتی ہے۔ خواہ وہ آدھیں میں ہو یا جانوروں میں۔ اس لذت کا باعث یہ ہے کہ روح لطیف ہے اور اس قسم کی آوازیں میں بھی لطافت

ہے تو جب روح ایسی آمازیں سُکتی ہے تو جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور یہ اس گروہ کا قول ہے جس کا ذکر ہو چکا اور محققین اہل خبر اس میں بہت کلام کرتے ہیں بلکہ سروں کے طائفے، زیر و بم کی تحقیق میں انھوں نے کتابیں لکھی ہیں اور اس فن کو طبری اہمیت دی ہے اور موجودہ زمانہ میں ان کی صنعت کے آثار مزار میر میں ہیں، جو انھوں نے ایجاد کئے ہیں۔ ان کے ذریعے دھوا، ہش، نغسانی، العود، لعب، کھیل تماشے کی زینت کے لئے انھوں نے شیطان سے اتفاق کیا ہے۔ بلکہ اس حد تک بڑھے کہ روایات بنا کر سُنااتے ہیں کہ حضرت اسحق ایک بلغ میں سرود کر رہے تھے۔ اور ایک بلبل بول رہی تھی۔ وہ آواز سن کر خاموش ہو گئی اور سُستی رہی۔ حتیٰ کہ وہ درخت سے گر کر مر گئی۔

میں نے اس قسم کی بہت سی حکایتیں سنی ہیں۔ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ یہ جو کہتے ہیں سب راجحیں اور تالیف طبع کے لئے اور الحمان دلوں کے لئے ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا اور ایک امیر کے مہمان خانے میں اُترا۔ میں نے وہاں ایک حبشی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا دروازے میں تھا۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا۔ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اس کی سفارش کے لئے خیال کیا۔ پھر جب کھانا لایا گیا تو امیر بھی خود مہمانوں کی تعظیم کے لئے آیا تاکہ اپنے سامنے سب کو کھانا کھلانے جب میرے سامنے کھانا آیا۔ میں نے کھانے سے انکار کر دیا اور عرب میں اس سے زیادہ کوئی چیز مسیوب نہیں سمجھی، مہمان کھانا نہ کھائے۔ چنانچہ امیر خود میرے پاس آیا اور کھانا نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے کہا۔ مجھے تیری مہربانی سے بہت کچھ اُمید ہے۔ امیر نے کہا۔ آپ کو میری تمام ملک میں تعریف کا حق ہے لیکن کھانا کھالو۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے تیری ملک کی عزت نہیں۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ یہ ندام جو پاہ بولاں ہے۔ یہ مجھے دے دیا جائے اور بس۔ اس نے کہا۔ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں لیکن اول اس کا قصور معلوم کر لیجئے۔ پھر جیسے آپ چاہیں وہ کریں۔

میں نے پوچھا تو امیر نے کہا یہ میرا غلام ہے اور نہایت خوش الحان ہے۔ میں نے اسے چند اونٹ دیئے تاکہ یہ کھیتوں میں جا کر دانہ وغیرہ لے آئے۔ اس نے ایک۔ ایک۔ یہ دو دو اونٹ لے کر آئے۔ اس نے گاتا پڑا آواز جس سے بڑے مست ہو گئے اور دوڑتے ہوئے واپس

آئے اور جتنا بوجھ لانا تھا۔ اس سے دو چند بوجھ لے آئے۔ جب ان سے بوجھ اُتار لیا گیا تو وہ اونٹ
ایک ایک دودھ کر کے مر گئے۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا۔ میں نے کہا مجھے اس بات پر دلیل
کی ضرورت ہے کہ اتنے میں چند اونٹ گھاٹ پر آئے کہ پانی پیئیں۔ امیر نے ان اونٹوں کے آدمیوں
سے پوچھا کہ یہ کتنے روز سے پیاسے ہیں۔ انہوں نے کہا تین چار روز سے پیاسے ہیں۔ امیر نے اس
غلام کو کہا کہ اب تو لگا کر ان اونٹوں کو مست کر۔ اس نے گانا شروع کیا اور اونٹ اس کی آواز سن
کر پانی پینا بھول گئے۔ کسی نے پانی کی طرف رخ نہ کیا اور دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگے اور پراگندہ
ہر گئے۔ اس کے بعد امیر نے غلام کو آواز دکر کہ مجھے بخش دیا۔

اور اس قسم کے مشاہدے مجھے بلوچوں میں بھی ہوئے کہ وہ گدے اور اونٹ لے کر چلتے ہیں
اور اساتے میں اپنے گانے سے انہیں مست کرتے ہیں۔ اور خراسان و عراق میں شکاری رات کو کھال
بجاتے ہیں جس سے جنگل کے ہرن کٹے ہو جاتے ہیں۔ وہ شکاری انہیں پکڑ لیتے ہیں۔

اور مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایک گردہ جنگل میں جا کر سرود کرتا ہے اور انواع و اقسام کے
راگ گاتا ہے۔ جس سے ہرن اس آواز کی طرف آتے ہیں۔ یہ ان کے گرد پھر کر سرود کرتے رہتے ہیں
حتیٰ کہ وہ ہرن مست ہو کر آنکھیں بند کرتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔ وہ لوگ انہیں پکڑ لیتے ہیں اور
شیر خوار بچوں میں یہ دستگیر ہے کہ جب وہ پالنے میں روتے ہیں تو ان کے پاس ان کی ماں یا کوئی
انواع اقسام کی آواز کرتا ہے وہ چپ ہو جاتے ہیں اور اس آواز کے سنتے میں محو ہوتے ہیں۔ اور
جو بچہ ایسی آواز پر روتا ہوا چپ ہو جائے اہلکار اس بچے کو زیرک کہتے ہیں۔

اور اس کا تجربہ اس طرح حاصل ہوا کہ ایک عیسائی بادشاہ مر گیا۔ اس کا دو سالہ بچہ تھا۔ وزیروں
نے اسے تخت نشین کرنا چاہا۔ بزرگ چہرے نے کہا کہ اسے تخت نشین سے پہلے امتحان کرنا ضروری ہے کہ
اس کے حواس درست ہیں یا نہیں تاکہ نظام مملکت کی اس سے اُمید ہو سکے۔ لوگوں نے یہ پچھا وہ امتحان
کیسے کیا جائے اس نے گانے والے بلائے اور اس بچے کے آگے وہ گانے لگے۔ بچہ خوشی میں آیا اور ہاتھ
پاؤں مارنے لگا۔ بزرگ چہرے نے کہا یہ بچہ زیرک ہے۔ اس سے نظام مملکت کی اُمید ہے۔

اور عقلاء کے نزدیک جس پر آواز کی تاثیر نہ ہو وہ بے حس ہے یا بھٹا ہے یا اتفاق کرتا ہے یا

آدمی اور جانوروں کے طبقہ سے خارج ہے۔

اور ایک جماعت راگ سُنتے کی اس وجہ میں ممانعت کرتی ہے کہ اس میں ہر حق کی پُری نہیں ہے اور نعمت کا اتفاق ہے کہ گانا سُنتا اس وقت جائز ہے جب راگ دنگ کا سامان موجود نہ ہو اور آواز سُنتے سے بری نیت ظاہر نہ ہو اور اس پر وہ دلائل میں بہت سے اخبار و احادیث لاتے ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ قالت کانت عندی جاریۃ تغنی فاستاذن عمر فلما احسہ وسمعت حیثہ فرقت فلما دخل عمر متبتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ عمر ما اضحکک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت عندی جاریۃ تغنی فلما سمعت حثک فرقت فقال عمر لا ابرح حتی اسمع ما کان سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فندعا رسول اللہ تلتک الجاریۃ فاخذت تغنی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمع۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک گانے والی لونڈی گارہی تھی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے آواز سے اجازت طلب کی۔ جب اس لونڈی نے معلوم کیا اور عمر کی آواز سنی تو وہ بھاگ گئی۔ جب حضرت عمر داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہنم فرما رہے تھے۔ حضرت عمر نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے ہنسا یا۔ حضور نے فرمایا۔ ہمارے پاس ایک لونڈی گارہی تھی جب اس نے قندار آواز سنی تو بھاگ گئی۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ میں ضرور سنوں گا جو میرے حضور نے سنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بتایا۔ وہ اگر گانے لگی۔ اور حضور سن رہے تھے اور اکثر صحابہ کرام نے ایسی روایات بیان کی ہیں۔ شیخ عبد الرحمن سلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب روایات کو اپنی کتاب السماع میں جمع کیا ہے اور اس کی اباحت کا فیصلہ کیا ہے۔

لیکن مشائخ صوفیہ نے اسے مباح کما عوام کا کام بتایا ہے۔ اس لئے اعمال مشائخ میں وہی کام رائج ہے جس سے ثواب اور فائدہ حاصل ہو۔ مباح کاموں میں پڑنا عوام کا ہی کام ہے یا چلنا پھرتا۔ بالغ بندوں کو چاہئے کہ ایسا کام کریں جس سے فائدہ حاصل ہو۔ ایک وقت میں مقام مرہوم تھا ایک محدث نے جو ائمہ حدیث میں مشہور تھے مجھ سے کہا۔ میں نے اباحت سماع میں کتاب لکھی ہے میں نے جواب دیا کہ یہ دن میں بڑی مصیبت کی بات ہے کہ ایک امام فن اسی لہو کو جو سب جہالتوں

کی جڑم۔ حلال کرے۔ پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا اگر آپ حلال نہیں جانتے تو آپ مباح کیوں کرتے ہیں نے کہا۔ اس کا حکم چند صورتوں پر ہے۔ ایک حال پر منحصر نہیں۔ اگر دل میں حلال تاثیر ہو تو حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہو تو حرام ہے۔ اور اگر مباح کی تاثیر ہو تو مباح ہے۔ اور جس کا ظاہر حکم گناہ ہے اس کے باطنی حال میں کئی وجوہ پر اس کا حکم ہے۔ ایک چیز پر مطلق حکم کرنا محال ہے۔

بیتیسواں باب

احکامِ سماع

ابھی طرح سمجھ لو کہ سماع کے متعلق اختلاف طبائع کے ساتھ علیحدہ علیحدہ حکم میں۔ جیسے اداوت کے دلوں پر مختلف حکم ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اسے یکساں سمجھے۔ غرض کہ سننے والے دو گروہ ہیں۔ ایک معنی سننے والے دوسرے آواز سننے والے اور ان دونوں میں فائدے بھی ہیں اور آفات بھی اس لئے کہ خوش آواز سننے سے جو معنی آدمیوں میں مرکب ہوتے ہیں مادہ و خوش میں آنے ہیں۔ اس کے دو نتیجے ہیں۔ اگر طبیعت میں حق ہو تو حق زور دیتا ہے اور اگر باطل ہو تو باطل جوش مارتا ہے۔ جس کی طبیعت میں مادہ فساد ہو تو وہ جب سماع کرے گا فساد ہی پیدا ہوگا۔ اور یہ دونوں باتیں حضرت راؤد علیہ السلام کی حکایتوں سے ظاہر ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا تو آپ کو کھن عطا فرما کر گویا آپ کے گلے کو ساز بنا دیا۔ حتیٰ کہ پہاڑ بھی نرم ہوئے اور دجوش و طیور بھی سماعت و راؤد علیہ السلام سے باہر آ جلتے اور پانی چلتا ہوا ٹھہر جاتا۔ پرندے ہوا پر سے گر جاتے

روایات میں ہے کہ آپ کی آواز سن کر پرندے ایک ایک ماد تک مدبوش ہوتے کہ کچھ نہ کھاتے بچے نہ روتے نہ دودھ مانگتے۔ اور جب خلقت وہاں سے واپس جاتی تو بہت سے آبی آب کے

کلام سے متاثر ہو کر مہربانی کرتے۔ حتیٰ کہ ایک بار غصہ لگایا گیا تو سات سو خوبصورت لونڈیاں اور بارہ ہزار
بوٹے مر گئے تھے۔ پھر مشیت حق اس طرف ہوئی کہ حق اور حقیقت پریش لگوں متبعین حرم و داز سے جدا
کیا جائے۔ چنانچہ شیطان کی بے قراری نے منہ پکڑا۔ اور اسے ان کے دلوں میں دو اس المیہ نفس
ڈالنے کی اجازت ملی۔ تاکہ وہ حیلہ سازی سے جو کچھ کر سکتا ہے کر لے۔ تو اس نے جبری اور طنبور کی
ترکیب نکالی اور مجلس واؤد علیہ السلام کے مقابل ایک مجلس تیار کی۔

چنانچہ سامعین واؤد علیہ السلام کے درگروہ ہو گئے۔ ایک جہل شقاوت جو مزا میر کی طرف ہٹل
ہو گیا۔ وہ سراسر صرف یحییٰ داؤد کا مشتاق رہا۔ اور جہل معنی تھے وہ یحییٰ داؤد کے سوا اور کسی طرف ہٹل
نہ ہوئے۔ اس لئے کہ وہ حق کو بھی دیکھتے تھے اور اگر شیطان سازشیں تو اس میں بجا نبی اللہ نہیں
فتنہ نظر آیا۔ اور جب یحییٰ داؤد تھے تو اس میں ہدایت حق دیکھتے۔ حتیٰ کہ سب سے رہ گئے اور
متعلقات سے روگرداں ہو کر کما حقہ صواب کو صواب دیکھا اور خطا کو خطا۔ تو جس کا صلہ ایسا
ہے وہ جو کچھ سننا ہے سب اس کو حلال ہے اور ایک گروہ مدعیوں کا کہنا ہے کہ ہم پر صلہ کا اثر
برخلاف پڑتا ہے اور یہ محال ہے۔ اس لئے کہ کمال ولایت یہ ہے کہ ہر چیز کی اصلیت طے کر کے
تاکہ اس کا دیکھنا صحیح ہو اور اگر اس کے برخلاف دیکھے تو وہ دیکھنا درست نہیں۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُمَّ اِدْرِنا حَقَّاتِنا مِنَ الاشیاء کما
ہو۔ الٰہی ہمیں ہر چیز اپنی اصلیت میں دکھا دے۔ توحید دیکھنا درست ہوا۔ یعنی چیزوں کو مطابق
اصل توحید ہے کہ سماع میں وہ درست ہو اور اسے ایسا سننے جیسا کہ وہ اپنی صفت اور حکم میں ہے اور
جو لوگ ساز اور باجے میں مبتلا ہیں اور نفسانی خواہش اور شہوات میں ہیں۔ وہ برخلاف اصلیت کے
سننے ہیں۔ اگر اس حکم کے مطابق اصل سماع کرتے تو سب آفات سے بچے رہتے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ گمراہوں نے کلام الٰہی سنا اور اس سے ان کی گمراہی زیادہ ہو گئی جیسے
لفظین حارٹ نے کہا ہذا الساطیر الادیبین۔ یہ پیچھے ہیں اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سوار
کاتب وحی تھا کہ بیٹھا۔ مَا نَزَلَ مِثْلَ مَا نَزَلَ اللّٰهُ اور ایک گروہ لاسد والابصار کو دلیل
بنا بیٹھا کہ اس کا دیار نہیں ہو گا۔ اور ایک گروہ نے شَعْرًا سَمَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ کو مکان اور
جہت کا ثبوت۔ اور ایک گروہ نے وَجَاءَ رَبِّکَ وَالْمَلٰئِکَ صَفًّا کو محبت کی دلیل بنا لیا۔

جیسا کہ کامل مگر اس کا عمل تھا۔ اسے کلام الہی سننے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایسے ہی جب مرد
نے شعر شاعر کی طرف نگاہ کی اور اس کی طبع پیدا کرنے والے کو دیکھا اور اپنے دلوں کو آراستہ
کرنے والی چیز کا اس میں مطالعہ کیا اور قابل فعل پر دلیل کی تو اس گروہ نے حق میں راستہ گم کیا اور
باطل میں راستہ پایا اور اس معنی کا انکار ظاہر کر رہا ہے۔
اور مشائخ رضی اللہ عنہم نے ان معنی میں لطیف کلمات بیان کئے ہیں جو اس کتاب میں
نہیں دیکھتے۔

فصل میں اس فصل میں ثابت کرتا ہوں تاکہ کامل فائدہ ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں السماع وادع الحق یزیج القلوب الحق منمن اصغی الیہ بنفس
تزدنق ومن اصغی الیہ بحق یحقق - سماع مادہ از حق ہے اور دلوں کا ال کے طرف
میلان ہے جو اسے حق سے سنتا ہے وہ حق کی طرف راستہ پاتا ہے اور نفس سے سنتا ہے زندیق
ہو جاتا ہے۔ اس سے حضرت ذوالنون کی مراد یہ نہیں ہے کہ سماع مطلب اصل حق ہے بلکہ اس سے
مراد یہ ہے کہ سُننے والے کو معنی حق سننے چاہئیں نہ کہ آواز۔ اور اس کا دل درود حق کا محفل ہو۔
تو جب وہ معنی دل پر پہنچتے ہیں۔ دل کو ابھارتے ہیں۔

اور جو سماع تابع حق ہو وہ مکاشف حق ہوتا ہے اور جو نفس کے تابع ہو وہ محبوب ہوتا ہے۔
تاویل سے تعلق پیدا کرتا ہے اس کا ثمرہ کشف ہوتا ہے اور اس سماع سے پردہ لیکن زندیق ایک فارسی
لفظ سے مرتب کیا گیا ہے اور عجیب زبان میں زندیق تاویل ہے اور اس سبب سے انھوں نے اپنی
کتاب کی تفسیر کو زندیق پڑھ دیا ہے۔ اور جب اہل سنت چاہتے ہیں کہ ابنا جوس کو کسی نام سے
ظاہر کریں تو زندیق کہتے ہیں۔

اس بنا پر وہ کاکارتے تھے کہ جو کچھ مسلمان کرے اس کے لئے تاویل ہے۔ اس لئے کہ اس کا
ظاہر نقص ہے اور تنزیل و یا سنت دار قول ہے اور تاویل اس سے باہر ہے۔ اور شیعہ فقیر جو کج ان میں
سے باقی ہیں یہی کہتے ہیں اور یہ زندیقی نام ان کے لئے علم ہے۔ تو اس سے ذوالنون مصری کی مراد
یہ ہے کہ اہل تحقیق سماع محقق ہوتے ہیں اور نفسانی لوگ تاویل کنندہ۔ تو جو اس کی تاویل حقیقت سے
دور کرتے ہیں وہ اس سبب سے گنہگار ہوتے ہیں۔

اور حضرت ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: السَّمْعُ ظَاهِرَةٌ فَتَنَةٌ وَبَاطِنَةٌ عِبْرَةٌ فَمَنْ عَرَفَ
الْإِشَارَةَ حَلَّ لَهُ السَّمْعُ الْعِبْرَةُ وَالْإِفْقَادُ اسْتَدْعَى الْفِتْنَةَ وَتَعَرَّضَ لِلْبَلِيَّةِ سَمْعٌ بَظَاهَرِ
فِتْنَةٍ هِيَ أَوْرِبَاطُنْ عِبْرَتِ جِوَارِسِ كَيْ أَشَارَاتِ كَافَمِ حَاصِلِ كَرَلِ۔ اس کے لئے سماع عبرت حلال
ہے۔ ورنہ وہ فتنہ اپنے لئے جلا رہا ہے اور بلاؤں کے لئے اپنے کو پیش کر رہا ہے۔ یعنی جس کا دل
بالکل حدیث حق میں مستغرق نہیں اس کے لئے سماع جلا ہے اور وہ مورد آفات ہے۔

حضرت ابوعلی مدد باری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: جیسک ایک شخص نے کہہ کر
سماع سے پوچھا لَيْتَنَّا تَخْلَصْنَا مِنْهُ رَأْسًا بَرَأْسًا۔ کاش کہ ہم اس سماع سے سرسب چھوٹ جاتے، اس لئے
کہ آدمی سب چیزوں کے حق ادا کرنے میں عاجز ہے۔ جب کسی چیز کا حق فوت ہو جائے تو بندہ اس میں
اپنا قصور دیکھتا ہے اور جب اپنا قصور دیکھتا ہے تو اندوڑتا ہے کہ کاش اس سے چھوٹ جاتے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں: السَّمْعُ تَنْبِيْهُ الْإِسْرَادِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمَغِيْبَاتِ سَمْعٌ بَيِّنٌ كَرْتَا بَيِّنٌ
سے اور لازم کرتا ہے کہ اس سے ہمیشہ حق کی جانب حاضر ہو جائے۔ اس لئے کہ نازوں کا غائب ہونا
مدعیوں کے حق میں بُرا ہے اور یہ ان کی بُری صفوں سے ہے۔ اس لئے کہ اگر دوست دوست سے غائب
ہو تو بھی دل سے حاضر ہوتا ہے اور جب غیبت آئے تو دوستی جاتی رہے۔ یہی میرے شیخ نے فرمایا ہے
السَّمْعُ زَادَ الْمُضْطَرِّينَ فَمَنْ وَصَلَ اسْتَفْنَى عَنِ السَّمْعِ۔ سماع تنگے ماندوں کا توشہ ہے۔ جب پہنچ گیا۔
اسے سماع سے استغنا حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دل کے محل میں سماعت معزول ہوتی ہے کیونکہ سماع
خبر ہے اور خبر غائب سے ہوتی ہے اور جب رو برو ہو گیا تو سگتا جاتا رہا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: إِشْرَاعُ السَّمْعِ بِالسَّمْعِ إِذَا انْقَطَعَ فَمَنْ يَسْمَعُ
مِنْهُ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ سَمَاعًا مُتَّصِلًا غَيْرَ مُنْقَطِعٍ۔ میں سماع کو کیا کروں کہ نہ جب سُناؤ
بند ہو جاتا ہے تو سماع بھی بند ہو جاتا ہے اور چاہئے کہ یہ تیرا سماع متصل ہو اور کبھی بند نہ ہو اور
ہمت کا نشان اجتماع ہے۔

جب گلستانِ محبت میں جمع ہو کیونکہ جب بندہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے تو سب جہان حتیٰ کہ مجرود
سب اس کے لئے سماع ہو جاتے ہیں اور محبت بڑا اور جہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

چونتیسواں باب

اختلافِ سماع

مشائخ و متفقان کے اندر سماع میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع آلہ غیب ہے اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ بحالتِ شہادہ سماع محال ہے۔ کیونکہ دوست و صل کے محل میں اور دوست کے دیکھنے کے وقت سماع سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سماع خبر کے واسطے ہے اور خبر دیدار کے وقت دہی اور حجاب اور مشغول ہوتی ہے تو سماع بتدیوں کا آلہ ہے۔ اس سے غفلت اور پراگندگی جمع ہو جاتی ہے اور جو جمع ہوتا ضرور ہو اس سے پراگندہ ہو جاتا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع آلہ حضور ہے اس لئے کہ محبت میں کلیت درکار ہے تاکہ کل محبوب کا کل محبوب میں متفق نہ ہو۔ وہ محبت میں ناقص ہے تو جیسا کہ دل کو وصل کے محل میں محبت نصیب ہے اور سر میں شہادہ اور روح کو وصل اور تن کو خدمت۔ تو چاہئے کہ کان کا نصیب بھی ہو جائے جیسے آنکھوں کو دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ کسی شاعر نے ہزل کے محل میں خوب کہا ہے جب کہ اس نے شراب کی دوستی کا دعویٰ کیا ہے۔

الافاسقینی خمر و قل لی ہی الخمر ولا تسقینی سوا اذا مکن الجھر
یعنی مجھے شراب دے تاکہ میری آنکھیں دکھیں اور ہاتھ چھوئیں اور زوائقہ چکے اور ناک سونگے۔
ایک حاسن میں سے بے نصیب رہ جاتا ہے اور وہ کان ہے تو اب کے جا یہ شراب ہے تاکہ کان بھی اپنا حصہ پائے تاکہ تمام حواس میرے اس میں ہوں اور اس سے لذت پائیں۔
کہتے ہیں کہ سماع آلہ حضور ہے۔ اس لئے کہ غائب خود غائب ہے اور غائب خود منکر ہوتا ہے اور منکر اس لائق نہیں ہوتا۔

تو سماع دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک بالواسطہ دوسرا بلا واسطہ۔

جوتانے والے سے سنا جائے وہ آلہ غیب ہوتا ہے اور جو بارے سنا جائے وہ حضور کا
آلہ ہوتا ہے۔ اس سبب سے کسی پیر نے کہا۔ میں مخلوق کو اس درجہ نہیں جانتا کہ اس کی بات
سنوں یا اس کا ذکر کروں۔ مگر خاصان حق اس درجہ میں ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

پنٹیواں باب

مقاماتِ سماع

جانتا چاہئے کہ ان میں سے ہر ایک کا سماع میں ایک مرتبہ ہے۔ اس لئے کہ مشربِ اولہ فنیق
سماع بمقدار مرتبہ ہوتا ہے جیسے تائب جو کچھ سنا ہے اس کو مسرت اور لذت کا تذکار ہوتا ہے
اور شائق کے لئے شوق اور رویت کا سرمایہ ہوتا ہے۔ اور صاحبِ یقین کو یقین کا درجہ ہوتا ہے اور
مرید کے لئے بیان کی تحقیق اور عجب کو قطع تعلقات کا باعث اور فقیر کے لئے کل سے ناامیدی اور
اصل سماع مثل آفتاب ہے جو سب چیزیں پر روشن ہوتا ہے۔ لیکن ہر چیز اپنے مرتبہ کے موافق اس
سے مزہ پاتی ہے۔ ایک کو روشن کرتا ہے ایک کو گھلا دیتا ہے ایک کو منور کرتا ہے۔ یہ سب گروہ جو ہم
نے بیان کئے تین مرتبہ میں ہیں۔ ایک ان میں سے مبتدی ہے دوسرا متوسط ہے تیسرا کامل۔ اور میں سماع
میں ہر ایک کے حال میں تین فصل بیان کرتا ہوں تاکہ تیرے قریب الفہم ہو۔

جانتا چاہئے کہ سماع دارِ حق ہے۔ اس کی ترکیب ہزل و لہو سے مرکب ہے۔ اور
فصل مبتدی کی طبیعت کسی حال میں قابل ذکر نہیں اور ان ربانی معنی کے فائدہ ہونے سے
طبع کو سوز اور قہر سے بلندی اور سستی ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک گروہ کے لوگ سماع میں بیوش
ہو جاتے ہیں اور ایک گروہ فاسلے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو حد اعتدال سے باہر نہ

جائے اور اس کے لئے دلیل ظاہر ہے۔ اور مشہور ہے کہ روم کے ثقافت خانہ میں ایک عجیب باجہ بنایا گیا ہے جسے انگلیوں کہتے ہیں اور جس چیز میں کوئی بڑی عجیب بات ہو اس کا نام روم والے انگلیوں رکھتے ہیں۔ جیسے کشادہ سخن کو انگلیوں کہتے ہیں اور مانی کی نقاشی کو بھی انگلیوں کہتے ہیں اور مثل اس کے مظاہر حرکت پر ایسے نام لاتے ہیں۔ اور اس سے مراد اظہارِ حکم ہے۔ بلکہ وہ ایک ساز ہے کھال سے منڈھا ہوا۔ ہفتہ میں دوبارہ مرض کو اس کے پاس لے جاتے ہیں اور اسے بجاتے ہیں اور بیمار کے مرض کے اندازے تک اُسے بجاتے ہیں۔ پھر اُسے وہاں سے لاتے ہیں۔ اور جب کسی کو مارنا چاہیں تو اسے زیادہ مدت تک وہاں رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی مدتیں مقرر نہیں لیکن موت کے اسباب ہوتے ہیں۔ چنانچہ طبعی ہمیشہ سُنّتے ہیں۔ ان میں اس کا اثر ہوتا ہے نہ ہونا چاہیے۔

اس لئے کہ وہ طبیعت کے موافق ہو گیا ہوتا ہے اور متبدلیوں کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے اور میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ نہر قاتل میں ایک کیرا پیدا ہوتا ہے اس کی زندگی اس نہر سے ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام کا تمام نہر ہوتا ہے۔

میں نے ترکستان میں ایک شہر دیکھا جو سرحدِ اسلام پر ہے۔ وہاں ایک پیاز آتش نشان تھا جو آگ کے شعلے دے رہا تھا۔ اور اس کے پتھروں سے نیشاد و جوش مار کر ابل رہا تھا اور اس آگ میں جو ہے تھے۔ جب انھیں اس آگ سے باہر لایا جائے تو وہ مرجاتے تھے۔ اس بیان سے مراد صرف یہ ہے کہ متبدلیوں کے لئے یہ سب اضطراب ہوتا ہے۔ جب ان پر خارج حق کا علول ہو جاتا ہے تو پھر سب برداشت ہوتا ہے۔ جب متواتر کسی پر کوئی معاملہ ہو تو وہ موجب سکون ہو جاتا ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ روح الامین جب پہلے از حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تاب نہ لاتے۔ جب باوجودِ جلد و افزائش ہوئے تو پھر جبریل علیہ السلام اگر ایک ساتر نہ آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنگدل ہو جاتے۔ اس کے بہت سے شواہد ہیں اور یہ حالات بھی متبدلیوں کے اضطراب کی دلیل ہیں اور منتہیوں کے سماع میں سکون کی حجت۔

اور مشہور ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ایک مرید تھا کہ سماع میں بہت بقیار ہوتا اور درویش اس کی طرف مشغول ہوتے۔ حتیٰ کہ شیخ سے اس کی شکایت کی جنید نے اسے فرمایا: اگر

اس کے بعد تو سماع میں بیقرار ہوا تو میں تجھے محبت سے مشرف نہ کروں گا۔ ابو محمد حریری فرماتے ہیں کہ میں سماع میں حضرت جنید کی طرف دیکھتا تھا۔ لب بند اور خاموش تشریف فرما تھے اور آپ کے بدن پر ہر بال سے چشمہ کھلا ہوا ہے۔ آپ ایک روز کالی دیسے ہی بیہوش پڑے رہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ سماع میں زیادہ درست تھے۔ یا پیر کی حمت زیادہ تھی۔ کہتے ہیں ایک مرد نے سماع میں نعرہ مارا۔ پیر نے فرمایا۔ چپ رہ۔ اس نے سر گھٹنے پر رکھا۔ جب دیکھا تو اتھال کر چکا تھا۔ اور ابو مسلم فارس بن غالب فارسی سے میں نے سنا کہ ایک درویش سماع میں اضطراب کر رہے تھے۔ ایک نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھے ہی اتھال کر گئے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک درویش کو دیکھا۔ اس نے سماع میں جان دے دی اور وقتی دراج سے راوی ہیں کہ میں ابن القریلی کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے پر بصرہ اور بایلیہ کے درمیان جا رہا تھا۔ ایک محل پر پہنچا۔ اس کے دروازے پر ایک مرد بیٹھا ہوا تھا اور ایک لونڈی اس کے سامنے بیٹھی تھی جو سرود کر رہی تھی اور یہ بیت پڑھ رہی تھی۔

فی سبیل اللہ وادۃً کان منی نکت اقبل کل یوم تبطلون غیر ہذا یدل الجمل
میری دوستی جو تجھ سے فی سبیل اللہ تھی مرے ساتھ جہل کرے۔ اور ہر روز تو جہلا ہوتا ہے کیونکہ یہ اہل ہے۔ اور ایک نوجوان کو دیکھا کہ محل کے نیچے کھڑا ہے۔ گھڑی اس کے جسم پر ہے اور چھال ہاتھ میں اور پکار رہا ہے۔ اے کثیرک تجھے خدا کی قسم یہ شعر ایک بار ادا نہ دے۔ میری زندگی میں ایک سالس زیادہ نہیں ہے۔ شاید اس شعر کے سنتے ہی دم نکل جائے۔ کثیر نے یہ شعر پڑھا اور اس جوان نے نعرہ مارا اور جان دے دی۔ محل کے مالک نے اس کثیر کو آزاد کر دیا۔ اور محل سے نیچے اُترا۔ اور اس نوجوان کی تمہیز دیکھیں کی اور بصرہ کے حکم رہنے والوں نے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ پھر وہ پیر مرد صاحب محل نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے بصرہ والو۔ میں غلام بن فلاں ہوں میں نے اپنی تمام ملکیت فی سبیل اللہ وقف کی اور سب غلام آزاد کئے۔ یہ کہا اور وہاں سے چل دیا۔ پھر اس کی خبر کسی کو نہ ملی۔

اس حکایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مرید کو غلبہ سماع میں ایسا حال چاہئے تاکہ اس کے سماع سے گناہ گناہوں سے نجات پائیں۔ اور موجودہ زمانہ میں مجالس سماع یہ ہیں کہ گراہوں کا گروہ

فاسقوں کا مجمع اس میں شریک ہوتا ہے اور کتاب ہے کہ حق طریق سے سماع کرتے ہیں۔ فاسق لوگ ان پیروں کو اپنے موافق پا کر گناہوں پر زبانون و حلیوں پر جاتے ہیں اور آخروہ دنیا ہلاک ہو جاتے ہیں۔
لوگوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ہم عبرت حاصل کرنے کی غرض سے کلیسا جائیں تو جائز ہے یعنی اس ارادہ سے وہاں جائیں کہ ان کی ذلت اور کمزوری دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اپنی نفست اسلام پر شکر کریں تو پھر اس میں ہمارا مواخذہ تو نہ ہوگا۔ شیخ نے فرمایا: اگر تم ایسے ہو کہ وہاں جا کر واپس آتے ہوئے ان میں سے چند آدمی اپنے ساتھ لاسکو تو تمہارے جانے میں مضائقہ نہیں اور اگر تم اس قابل نہیں ہو تو ہرگز نہ جاؤ۔ اس نے کہ اگر صاحب حجرہ شراب خانہ میں جلتا ہے تو خراباتی کہلاتا ہے اور خراباتی حجرہ میں آتا ہے تو صاحب حجرہ کہلاتا ہے۔

ایک بزرگ شیخ نے فرمایا کہ میں بغداد جا رہا تھا اور ایک درویش میرے ساتھ تھا۔ میں نے ایک گریٹ کی آواز سنی جو یہ شعر گارہا تھا۔

مستی ان تکون حقا تکن احسن المني والا فتد عشنا بھانز منارہندا

جب سماع راستی سے ہو تو سب آئندوں سے بہتر ہے۔ درز یقیناً ہم نے سماع میں زندگی ہی گزاری ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ایسا ہی حضرت ابو علی مروی باری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش دیکھا کہ وہ گانے دلے کی آواز میں مچھتا۔ میں نے بھی اس طرف کان لگائے تو وہ یہ شعر گارہا تھا۔

اَمَدًا كَفَى بِالْمَخْضُوعِ اِلَى اَذَى جَارٍ بِالضَّيْعِ

جس نے راگ سُنے میں سخاوت کی اس کے پاس ترغیب بھی کافی ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور گر پڑا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو اسے مردہ پایا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص کے ساتھ راستہ میں جا رہا تھا۔ ایک پہاڑ پر میرے دل میں طرب و خوشی محسوس ہوئی۔ میں نے یہ شعر پڑھے۔

صح عند الناس انی عاشق غیر ان لوعیر ذرا عشقی لمن

مالیس فی الانسان شی حسن الا و احسن منه صوت حسن

لوگوں میں محسوس ہے کہ میں عاشق ہوں۔ اللہ یہ نہیں جانتے کہ میں کس کا عاشق ہوں۔ انسان میں کوئی

شے اچھی نہیں۔ لیکن اس میں ایک آواز خوب ہے۔

مجھے حضرت ابراہیم خواص نے فرمایا۔ یہ ربانی پھر پڑھ۔ میں نے پھر پڑھی۔ آپ نے چند قدم جب سے زمین پر مارے۔ میں نے جب دیکھا تو آپ کے قدم پتھر میں ایسے دھنسے ہوئے تھے جیسے ہم میں پھر آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا۔ میں بہشت میں تھا اور تو نے مجھے نہ دیکھا۔ اس قسم کی حکایتیں کتاب کی مجلسائش سے بہت زیادہ ہیں۔ میں نے اپنے سامنے ایک درویش کو توڑا بیجا کے پیادوں میں جاتا دیکھا اور وہ متفکر ہو کر یہ بیت پڑھ رہا تھا اور زار زار روتا تھا۔

واللہ ما خلعت شمس ولا غربت الا وانت من قلبی و دوسوا سی

ولا جلست الی قوم واحد منهم الا وانت حدیثی بین جلوسی

ولا ذکرتک مخزوناً ولا طرباً الا وحبک مقرون بانفاسی

ولا هست بثر بالماء من عطش الا دایت خیالاً منک فی الکامی

فلو قدرت علی الایات لدرتکو سبحا علی الوجه او مشیاً علی الارسی

خدا کی قسم کوئی ایسا دن یا رات نہیں ہوئی۔ مگر تیری دھن مجھے نکل ہوئی ہے اور میں کسی قوم میں باتیں کرنے نہ بیٹھا۔ مگر ہم نشینوں میں تیرا ہی ذکر کرتا ہوں۔ اور میں نے غم یا خوشی میں تجھے یاد نہ کیا۔ مگر تیری محبت میرے ہر سانس میں موجود رہی اور میں نے پیاس میں کبھی پانی پینے کا ارادہ نہ کیا۔ مگر پیالہ میں تیری خالی تصویر تھی۔ اگر میں قادر ہوتا تیری ذات پر تو سر کے بل حاضر ہوتا یا چہرہ رگڑتا ہوا پہنچتا۔

یہ اشعار پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر غم نہ رہا۔ بخوری دیر وہ پتھر کے سہاگے سے بیٹھا اور جان ڈھے دیا۔

اور شاخ کے ایک گروہ نے تمام اشعار اور قرآن مجید کا بالخان سُنا اور ایسے

فصل الحان میں پڑھنا شروع کیا کہ اس کی حد سے نکل جائے اور اس طرح گانے سے مرید

کو ڈرا یا ہے اور خود اجتناب کیا ہے اور ممانعت میں مبالغہ کیا ہے۔

اور یہ چند گروہ ہیں اور ہر گروہ کے لئے اس میں طمک اور وجہ ہے۔ ایک گروہ وہ ہے کہ

اس طرح گانے پر حرام کی روایتیں دی ہیں اور گزشتہ لوگوں کے اقبال میں ان کے مقلد ہوئے

ہیں۔ مبیا حسنور علی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کثیر مشیہ کی

سرود کرنا شروع کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو جو سرور ذکر و تقاضا سے مارے حضرت علی کریم اللہ وجہہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالے والی کنز کوں سے روکا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حبشیہ مغنیہ کے دیکھنے سے منع کیا گیا اور فرمایا وہ شیطان کی ہنسیاں ہے اور مثل اس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری بڑی دلیل غنا کی کراہت پر اجماع اُمت ہے۔ ہمارے زمانہ میں اور ہم سے پہلے لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ غنا مکروہ ہے حتیٰ کہ ایک گروہ اسے حرام کہتا ہے۔

اور اس قسم کے اقوال حضرت ابوالمحارث بن ابی بکر سے منقول ہیں۔ بمجلد ان کے یہ ایک قول ہے کہ فرماتے ہیں۔ میں سماع میں اس حد تک تھا کہ ایک رات ایک شخص میرے حجرہ کے دروازہ پر آیا اور کہا طالبان حضور حق کی جماعت جمع ہے اور ابوالمحارث کی زیارت کی مشاق ہے۔ میں نے کہا چلو اور باہر آیا۔ میں ابھی کچھ دیر اس کے پیچھے چلا تھا کہ ایک جماعت کے پاس پہنچا جو حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان ایک ضعیف العمر شریف فرماتے۔ انھوں نے میری تعظیم کی اور مجھ سے اجازت مانگی کہ چند بیت پڑھیں۔ میں نے اجازت دی۔

وہ خوش الحانی سے بیت پڑھنے لگے جس کا مضمون فراق کا شکوہ تھا۔ اتنے میں سب وجد کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور نعرے مارنے لگے۔ اور لطیف اشارے کر رہے تھے۔ میں ان کے حال پر تعجب کرتا تھا۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر اس ضعیف العمر نے مجھ سے کہا۔ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں اور یہ اہل حلقہ کون ہیں۔ میں نے کہا تیرا قبیل مجھ سے سوال سے روکا ہے۔

اس نے کہا میں غزالی ہوں جسے اب ابیس کہتے ہیں اور یہ سب میرے بچے ہیں اور اس طرح بیٹھنے اور غنا کرنے میں مجھے وہ نادمہ ہے ہیں۔ ایک یہ کہ میں خود مصیبت فراق میں ہوں اور خوش نصیبی کا زمانہ یاد کرتا ہوں۔ دوسرے پارسل دیں کہ اس طرح گرام کر لیتا ہوں اور انھیں غلی کا شکار کر لیتا ہوں حضرت ابوالمحارث بیانی فرماتے ہیں اس وقت سے میرے دل سے سماع کا خیال جا رہا۔

اور میں علی بن عثمان جدابی کہتا ہوں کہ میں نے شیخ امام ابو العباس اشعانی سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک دن میں ایک مجلس میں تھا۔ ایک گروہ سماع کو رہا تھا۔ میں نے ان کے اہل شیطاں دیکھے کہ ناپا کر رہے تھے اور اس جماعت کی طرف توجہ کرتے تھے۔ یہ منع اس سے گرم ہوتا تھا۔ دوسرا گروہ اس خوف سے کہ مرید ہو دیوگی اور بلا میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی غیبیہ کاروں اور توجہ

ترک کر کے گناہ کی طرف رجوع نہ کریں اور خواہش نفسانی ان میں قوی نہ ہو جائے اور ہر اس کا ارادہ ان کی ملکیت
فنیخ نہ کر دے۔ کیونکہ وہ محل بلا اور سرمایہ فساد ہے اور سارے میں مشغول نہ ہو جائیں۔ ان میں نہ بیٹھے۔

اور حضرت بنید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے مرید کو ابتداء توبہ کے وقت کہا
کہ اگر تو اپنا ایمان سلامت چاہتا ہے اور توبہ کی رعایت کرنا چاہتا ہے تو اس سلسلے سے جو سونے
کرتے ہیں منکر ہو جا اور سامنے کو اہل سلسلے سے نہ بچو۔ جب تک توجواں ہے اور جب بڑھا ہو جائے
تو اپنے گناہوں پر ملامت کر۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل سلسلے کے دیگر وہ ہیں۔
ایک لابی۔ دوسرا الہی۔

لابی تو عین فساد ہے اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہے۔

اور الہی مجاہدات و ریاضات کے انہماک میں مخلوقات سے دل قطع کئے ہوئے اور موجودات سے
سے مدگردان اور فتنوں کو اپنی نجات سے دھرمکے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کی جماعت سے بے غم
ہیں وہی کامیاب ہیں۔ پھر ہم نے اس گروہ میں دیکھا تو ہمیں ان کی ترکیب اچھی نظر آئی اور اس
چیز سے جو ہمارے وقت کے موافق ہے مشغول ہونا اچھا معلوم ہوا۔

ایک گروہ کتاب ہے کہ جب سارے میں عام فساد ہے اور ہمارے سننے سے عوام کا اعتقاد پراگندہ
ہوتا ہے اور ہماری وجہ سے عوام اس سے حجاب میں ہیں اور ہمارے ہی سبب گناہگار ہوتے ہیں تو پہلا
فرض ہے کہ عوام پر شفقت کریں اور خواص کو نصیحت کریں تاکہ وہ اسے ترک کر دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا
کہ اختیار کر نصیحت ہو جائے گی اور اس فتنہ کو مٹانے کے لئے یہ طریق کافی ہے۔ ایک گروہ کتاب ہے
حضرت علیؓ نے فرمایا ہے۔ ہن حسین اسلام الموءتوںک ما لا یغنیہ اسلام میں انسان
کی خوبی یہ ہے کہ ان باتوں کو چھپا دے جن کا نتیجہ کچھ نہ ہو اور اسے اختیار کرے جو ضروری ہے اور بیوردہ
بات میں مشغول نہ بنائیں اذیت ہے اور یہ سنتیں کے ساتھ کہ درست کا وقت عزیز ہوتا ہے اسے نتائج
نہ کرنا چاہئے اور دوسرے خاص گروہ نے کہا ہے کہ سارے خبر ہے اور اس کی لذت مراد کا مائل کرنا اور
یہ بچوں کا کام ہے۔ ظاہر میں خبر ہی کیا قدر ہے تو مشاہدہ کا کام ہی رکھنا چاہئے۔ یہ ہیں احکام سلسلے
کہ ہم نے مختصر بیان کئے۔ اب: عبد اور وجود اور تواجد پر ایک باب مرتب کیا گیا ہے جو باللہ التوفیق۔

چہتیسواں باب

وجد و جود و تواجید

جانتا چاہئے کہ وجد اور جود مصدر ہیں۔ ایک کے معنی غم ہیں اور دوسرے کے معنی پانا ہیں۔ جب دونوں کا قائل ایک ہوتا ہے تو ان میں مصدر کے برابر فرق نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہتے ہیں وَجَدْتُ یَجِدُ وَجُوداً وَجَدْتُ اَنَا اَسْمٰی میں معنی پالینے کے ہیں اور وَجَدْتُ یَجِدُ وَجَدْتُ اَکْمِیْنَ کے تو اندر وہ گئیں ہونے کے معنی ہوں گے۔ اور جَبْ وَجَدْتُ یَجِدُ جَدًّا اَکْمِیْنَ کے تو تو انگریز کے معنی لئے جائیں گے اور وَجَدْتُ یَجِدُ مَوْجُودَةً جَبْ غصہ میں ہونا ہو۔

ان سب کا فرق مصدر سے معلوم ہوتا ہے۔ فعلوں میں فرق نہیں۔

خلاصہ یہ کہ فرق ان کا مصادر سے ہے نہ کہ افعال سے اور مراد اس گروہ کی وجد اور جود سے اثبات و عمل کا کرنا ہے۔ جو بحالت سلسلہ ان میں پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک قرین غم ہوتا ہے اور دوسرا حصول مراد سے کامیاب ہوتا ہے اور امداد کی حقیقت محبوب کا گم ہونا اور مراد سے رک جانا ہے اور پانا حصول مراد ہے اور حزن اور وجد میں یہ فرق ہے کہ حزن اس غم کا نام ہے جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو غیر کے نصیب بخت کی وجہ پر ہو اور یہ سب تغیرات طالب کی صفات ہیں دالہق لا یتغیر۔ اور حق نہیں بدلتا۔ اور وجد کی کیفیت عبارت سے بیان نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہ ایک الم ہے اور دیکھنے کے بعد الم کو قلم سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تو وجد طلب و مطلب میں ایک راز ہوتا ہے جس کا بیان کشف حجب میں ہوتا ہے اور کیفیت سے وجود نشان ہے اور اشارہ کا اس میں دخل نہیں کیونکہ یہ بحالت مشاہدہ خوش ہے اور خوشی طلب سے نہیں ملتی اور وجود ایک فضیلت ہے جو محبوب سے محب کو ملتی ہے اور اس میں اشارہ کو دخل نہیں۔

اور میرے نزدیک وجد الم قلبی ہے۔ خواہ وہ خوشی سے ہو یا غم سے یا تکلیف یا آرام سے

اور وجودِ دل سے غم کا آلہ ہے اور اس سے پکی محبت مراد ہوتی ہے اور واحد کی صفت یہ ہے کہ کجالت
حجاب برہنہ شوق کے سبب حرکت میں آئے۔ ایسے حال میں کہ اس پر کشف ہو۔ اَمَّا ذَوَاتُہُمْ وَ اَمَّا
نَفِیْہُمْ وَ اَمَّا حَیْثُہُمْ وَ اَمَّا اَیْنَہُمْ اَمَّا عَیْشُہُمْ وَ اَمَّا طَیْسُہُمْ اَمَّا کَوْنُہُمْ وَ اَمَّا طَرَبُہُمْ یعنی ٹھنڈے
سانس لینا پینا، مدد یا زاری غم میں کرنا۔ خوشی یا غصہ کرنا۔ رنج یا فرحت کا مظاہرہ کرنا۔

اس میں مشائخ مختلف ہیں کہ وجد کمال ہے یا وجود۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وجود و صفت میں
کی ہے اور وجد صفت عرفا ہے۔ جب عارفوں کا درجہ مرید سے بلند ہے لازمی ہے کہ ان کا وصف
ان کے کمال تر ہو۔ اس لئے کہ جو چیز دریافت کے تحت میں آئے وہ بھی گئی اور وہ صفت جو جنس ہے
وہ ادراک ہے بالا اور ظاہر ہے کہ ادراک حد کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات حد سے بالا و برتر
ہے تو بندہ نے جو کچھ پایا وہ مشرب ہے اور چونکہ پایا اس کا طالب ہے اور یہاں طلب متعلق اور طالب
عاجز اور واحد کو اس حقیقت حق کا طالب کہا جاسکتا ہے اور اگر کہیں کہ وجد مریدوں کے سوز کا نام
ہے اور وجود تحفہ محبان ہے اور محبوبوں کا درجہ مریدوں سے بلند ہوتا ہے تاکہ تحفہ سے کمال آراہم حاصل
ہو اور سوز میں طلب کا درجہ کم ہے اور یہ معنی ایک حکایت کے غیر واضح نہ ہوں گے اور وہ حکایت یہ ہے۔

ایک روز حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ علیہ محل میں حضرت جنید کی خدمت میں آئے اہل آپ کو
عنناک پایا۔ پوچھا۔ اسے شیخ کیا بات ہے جنید نے فرمایا۔ من طلب وجد جس نے ذکر خدا پایا۔
حضرت شبلی نے عرض کیا۔ حضرت من وجد طلب صحیح ہے جس نے پایا اس نے طلب کیا۔ پھر مشائخ
نے اس میں بیان کیا ہے کہ شبلی نے یہ اس لئے کہا کہ وجد سے ایک نشان دیا۔ دوسرے نے وجود
کی طرہ اشارہ کیا۔ میرے نزدیک حضرت جنید کا قول معتبر ہے۔ اس لئے کہ حب میں نے پہچانا کہ
معبود ہماری جنس سے نہیں تو اسے غم زیادہ ہوتا ہے اور اس کے متعلق اس کتاب میں ذکر ہو چکا اور
مشارۃ رسی اللہ عنہم کا اتفاق ہے کہ سلطان کا علم سلطان وجد سے زیادہ قوی ہونا چاہئے اس لئے کہ
جب سلطان وجد قوی ہے تو درجہ محل خاطر میں ہوتا ہے اور جب سلطان علم قوی ہوتا ہے تو علم محل
من میں رہتا ہے۔ اور اس سبب سے یہ مراد ہے کہ ہر حال میں چاہئے کہ طالب علم اور متبع شوق ہو کہ
حد میں مغلوب ہوتا ہے تو اس سے خطاب اٹھ جاتا ہے اور جب خطاب اٹھ گیا تو ثواب
اب اٹھ گیا۔ اور جب ثواب و عذاب جاتا رہا۔ عزت و اہانت بھی جاتی رہی۔ اس وقت اس کا

حکم دیرانوں کا حکم ہوتا ہے۔ اولیاء و مقربین کا ان پر حکم نہیں ہوتا۔ جب علم کی سلطنت حال کی سلطنت پر غالب برتی تو بندہ امر و نہی کی پٹا میں آیا اور عزت کے خیمہ میں پرورشین اور ہمیشہ مشکور ہوتا ہے۔ پھر حبیب سلطان مال سلطان علم پر غالب ہوتا ہے تو بندہ عدل سے باہر ہو جاتا ہے اور اپنے محل نقص میں خطاب سے محروم رہتا ہے۔ اس حال میں معذور ہوتا ہے یا معذور۔ بعینہ ہی حضرت جنید کا قول ہے جماعتوں نے فرمایا کہ راستے دو ہیں۔ ایک علم سے ایک عمل سے۔ جو عمل بے علم ہو اگرچہ اچھا ہو مگر جہالت اور نقص ہوتا ہے۔ اور علم اگرچہ بے عمل ہو عزت اور شرف ہوتا ہے۔

اسی وجہ میں حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کفر اہل اللہ اشرف من اسلام اہل النبیۃ اہل ہمت کا کفر اشرک ہے کہ وہ کفران صورت پذیر نہیں ہوتا لیکن اگر فرض کریں تو اہل ہمت با کفر اہل نیت با ایمان سے بہتر ہے۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ نے شبلی کو فرمایا الشلی سکران و لو افاق من سکرہ لباء منہ من ذر ما ینتفع بہ شبلی مستی میں ہے اگر ہوش میں ہوتا تو البتہ ایسا مستند ہوتا جس سے کوئی نفع نہ پاتا۔

مشہر حکایتوں میں ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن سروق اور ابوالعباس برہطہ ایک جگہ جمع تھے اور ایک قوال بیت گارہا تھا۔ یہ قوال بد میں تھے۔ مگر حضرت جنید سکون میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا۔ اے شیخ آپ کو اس سماع سے حظ نہیں۔ آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی تَحْسَبُ أَنَّ جَانِدًا قَدْ وَجَّهَ تَسْمُرًا مِّنَ السَّحَابِ۔ تو اُسے ہمیں خیال کرتا ہے اور وہ بادلوں کی طرح چلتا ہے اور وجہ کی حالت میں۔

قوال بد میں تکلف ہے اور یہ انعام اور ثواب حق کا اس پر چوٹ ہے اور وصل کی فکر اور تنہا مردوں کی چال ہے۔ ایک گروہ رسمی ہے جو حرکات ظاہری کی تقلید کرتا ہے اور رقص کی ترتیب کرتا ہے۔ ان کے اشادات کو آرائش دیتا ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ ایک گروہ معوق ہے۔ اس کی مراد حرکات اور رسوم سے حالات اور بندہ کا طلب کرتا ہے۔

حضور صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تشبہ بقوم فہو منہم۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ اذ اقراءتوا القرآن فابکوا فان لم تبکوا فباکوا۔ اگر پڑھاؤ تو اوروں کو رونا لازم۔ اس خبر سے امت واحد

ظاہر ہوتی ہے۔

اور اسی سبب سے اس پیر نے کہ ہزار فرنگ جھوٹ پر چلتا ہوں اس سے ایک قدم دست پر آتا ہے اور اس باب میں بہت زیادہ بیانی ہے لیکن میں اس پر اختصار کرتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

سینتیسواں باب

رقص اور متعلقاتِ رقص

جانتا چاہئے کہ شریعت اور طریقت میں رقص کی کچھ اصل نہیں البتہ بطریق ہزل جو تو لغو ہے۔ اس لئے کہ جب کوشش کر کے کیا جائے تو سب عقائد اسے لہوکتے ہیں۔

اور مشائخ سے کسی نے اسے اچھا نہیں جانا اور جو بطور پیرنی اور بناوٹ کے ہوا وہ مشائخ میں ملے ہوئے ہیں اور بتائنا کراثر جاتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

اور جب وجدی حرکت اور عمل تو احد کے مانند ہوا اور اہل ہزل اس کی تاکید کریں اور اس میں غلو کر کے اس سے ایک مذہب بنالیں وہ بھی باطل ہے۔

میں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا جن کا یہ خیال تھا کہ تصوف کے اندر یہ بھی ایک مذہب ہے۔ انھوں نے یہ اختیار کیا۔ اور ایک گروہ اس کی اصل کا منکر ہے۔

غرض کہ ناچنا شرعاً عقلاً بُرا ہے۔ سب لوگوں نے اسے مومن سے محال مانا ہے اور کہا ہے کہ افضل لوگ ایسا کام نہیں کرتے۔ البتہ جب اس سے دل میں خفت حاصل ہو اور خفقان غالب آجائے۔

اور وقت زور دے اور حال اپنا اضطراب بیدار کرے اور ترتیب رسوم ظاہر ہو۔ اس سے جو اضطراب ہو وہ رقص ہے نہ کہ ناچنا کو نہا۔ اس میں طبع پوری نہیں ہوتی بلکہ وہ جان کا گناہ

کرنا ہوتا ہے۔ اور شخص طریقِ صواب سے بعید ہے جیسا کہ کیفیت کو قصص کتاب ہے اور ایسی حالت ہے کہ اس کی ترجمانی زبان سے نہیں ہو سکتی۔ من بعد یذوق لایدوی النظر فی الاحداث جس نے فہمِ عرفان نہیں چکھا وہ جو انوں کی طرف نظر کرنا نہیں جانتا۔
غرض کہ جو انسان عشق کی طرف دیکھتا ان کی صحبت میں بیٹھا خطرناک ہے اور اسے جائز کئے والا کافر طریقت ہے اور جو اثر اس میں بیان کرتے ہیں وہ نادان اور وابستہ ہیں۔
میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا جو جوہانوں کی تمت سے اہل طریقت سے منکر تھا۔ میں نے دیکھا کہ انھوں نے ایک مذہب بنایا ہے۔
اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم ہر حال میں اسے آفت جانتے ہیں اور یہ حلوئیں کا ایک نشان اور یاد اللہ اور صوفیوں میں رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اڑتیسواں باب

جامہ دری

جاسا چاہئے کہ کپڑے پھاڑنا گروہ صوفیہ میں ایک جماعت میں رہا ہے اور بڑے بزرگوں کی مجلسوں میں یہ کام ہوا ہے۔ میں نے عالموں کا ایک گروہ دیکھا کہ وہ رقص کا منکر تھا اور کتا بھت کہ کپڑے پھاڑنا درست نہیں بلکہ فساد ہے اور یہ محال ہے کہ جس فساد سے ضلالت مراد ہو وہ بہتر بھی ہو۔ اور اکثر لوگ سالم کپڑے پھاڑتے اور قطع کرتے ہیں۔ پھر بیٹے ہیں چنانچہ آستین تٹا اور حبیب و دامان علیحدہ علیحدہ کر کے بیٹے ہیں۔

تو اس میں کچھ فرق نہیں کہ کپڑے کے سوٹکڑے کریں اور ملا کریں اور پانچ ٹکڑے کریں اور سب اس لئے کہ کپڑے کا ٹکڑا سینے سے مومن کے دل میں راحت ہوتی ہے اور اس کی ضرورت عام ہوتی ہے۔ تو جو کپڑے گندے پر بیٹے ہیں تو اس کی طریقت میں اہل نہیں۔

البتہ سلع میں بحالت صحت جو اس بھاڑنا چاہئے کہ وہ اسراف اور فضول خرچی ہے۔ لیکن اگر
سننے والے کو غلبہ ہو جیسے حکم الہی ادا نہ ہو سکے اور بے خبر ہو تو معذور ہے۔ جب ایک کا یہ حال
ہو اور ایک گروہ اس کی موافقت میں کپڑے بھاڑے تو وہ اسے اور طریقت میں کپڑا بھاڑنے والے
تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک۔ وہ درویش جو خود بحالت سلع میں مغلوب ہو کر خود کپڑے بھاڑے۔ دوسرا وہ کہ اپنے
پیر اور پیشوا کے حکم سے کپڑے بھاڑے۔ وہ یا تو گناہ سے استغفار کرنے کی صورت میں یا سکر کی
اور دہد کی حالت میں اور ان سب سے کپڑے بھاڑنا مشکل ہوتا ہے جو سماع سے ہو۔ یہ دو طرح پر
ہوتا ہے۔ ایک مجروح کپڑا دوسرا درست کپڑا۔

مجروح کپڑے کی دو شرطیں ہیں۔ یا تو بھاڑنے کے بعد میں اور بعد میں پہن لیں یا پہلے
کے بعد اور درویشوں میں تہذیب کا تقسیم کریں۔

لیکن جب درست ہو تو دیکھنا چاہئے کہ کپڑا بھاڑنے سے درویش کی کیا مراد ہے۔ اگر قوال
کو دینے کا ارادہ ہو تو اسے ہی دینا چاہئے۔ اور اگر جماعت کو دینا منظور ہو تو اسی کو دینا چاہئے
اور اگر۔۔۔ نہ یونسی ڈال دیا تو پیر کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے اور اگر وہ جماعت کو تقسیم کرنے کا حکم دیں
تو بھاڑ کر تقسیم کریں یا ایک درویش کو دینا چاہیں دے دیں یا تو ان کے حوالے کر دیں۔ اگر قوال کو دینا ہو
تو درویش کی مراد اور اتفاق شرط نہیں۔

ادب اتفاق کے بعد دینا ہو تو درویش کا کپڑا قوال کو نہ دے کیونکہ یہ نالائق کو دینا ہے اور وہ کپڑا
اگر درویش نے حالت اختیار میں دیا ہو گا یا حالت اضطراب میں۔ وہ سوں کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔
اور اگر جماعت کے ارادہ پر کپڑا بھاڑا گیا ہے یا ان کی مراد کے بغیر تو اس کی موافقت شرط ہے جب
کپڑا بھینکنے میں اتفاق کیا گیا تو پھر پیر کو زیبا نہیں کہ وہ درویشوں کا کپڑا قوال کو دے۔ لیکن یہ جائز
ہے کہ ان کا عجب جو چاہے کرے درویشوں کو دے یا سب بھاڑ کر تقسیم کرے۔

اور اگر کپڑا مغلوبیت کی حالت میں گر پڑا ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اکثر کہتے ہیں قوال
کو دینا چاہئے کیونکہ اس میں حدیث ہے۔ من قتل قتیلاً فله سکتہ جس نے مامق کو قتل
کیا۔ اس کا لباس اسی کے لئے ہے۔ اگر وہ قوال کو نہ دیں تو شرط طریقت سے ماہر ہو جاتے ہیں

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اس میں پیر کو بھی اختیار ہے۔ جیسا مذہب فقہائیں بادشاہ کی اجازت سے بغیر مقتول کا کپڑا قاتل کو نہیں دیتے۔ یہاں بھی یہ کپڑا بدلہ حکم پیر کے قوال کو نہ دینا چاہئے۔ لیکن اگر پیر کسی کو نہ دینا چاہے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

انتالیسواں باب

آدابِ سماع

جانتا چاہئے کہ شرطِ ادبِ سماع یہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے اور اسے عادت نہ بنائے اور دیر کے بعد کرے تاکہ اس کی عظمتِ دل سے نہ جائے۔ یہ بھی لازم ہے کہ جب سماع کرے تو شیخ و ہاں حاضر ہو اور عوام سے وہ جگہ خالی ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ قوال صاحبِ عزت ہو اور دل شکنوں سے خالی ہو اور طبیعتِ لہو و لعب سے متفر ہو اور تکلف درمیان نہ ہو اور جب تک قوتِ سماع پیدا نہ ہو۔ یہ شرط نہیں کہ قوال میں مبالغہ کرے۔

جب قوتِ سماع قوی ہو جائے تو اسے آپ سے بڑا تا شرط نہیں اور قوتِ سماع کا تابع ہو جائے۔ یعنی جو اس کا معتقنا ہو وہی کرے۔ اگر وہ قوتِ ہلائے تو پہلے۔ اگر ٹھہرائے تو ٹھہرا کر اور قوتِ طبع اور سوز اور وجد میں فرق کرے اور چاہے کہ سنتے والے کو اس قدر طاقت دیدار ہو کہ وارد حق قبول کر سکے اور اس کی قادی سے سکے۔ اور جب اس کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو تکلف سے اسے اپنے آپ سے دفع نہ کرے اور جب اس کی قوت ٹوٹ جائے تو تکلف سے جذب نہ کرے اور چاہے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے مدد کی امید نہ رکھے اور اگر کوئی مدد کرے تو منع نہ کرے اور اس کا اس کی نیت میں امتحان نہ کرے۔ کیونکہ اس میں آزمانے والے کو بہت پریشانی اور بے برکتی ہوتی ہے اور کسی کے سماع میں دخل نہ دے تاکہ اس کا بخت پرانگندہ نہ ہو۔ اور اس کے روزگار میں نقص نہ کرے۔

اور چاہئے کہ اگر قوال خوش گو ہو تو اسے یہ نہ کہے تو نے خوب کہا ہے اور اگر ناخوش کے تو اسے برا نہ کہے۔ یا اگر وہ شعر ناموں کے جو طبع کو پریشان کرے تو یہ نہ کہے کہ اچھا کہو اور بدل میں اس سے غصہ نہ کرے اور اسے درمیان نہ دیکھے بلکہ سب حوالہ حق کرے۔ اور وہ درست سنئے اور اگر کسی گروہ کو سماع میں دیکھے تو اس کو اس سے فائدہ نہ ہو تو یہ شرط نہیں کہ اپنی ہوشیاری میں اس کی مستی نہ دیکھے اور چاہئے کہ اپنے وقت میں با آرام ہو۔ اس سے اسے فائدہ ہوگا۔ اور سلطان وقت کی عزت کرے تاکہ اس کی برکتیں اسے ملیں۔

اور میں علی بن عثمان حلابی کہتا ہوں کہ مجھے وہ پسند ہے کہ تدویوں کو سماع میں نہ چھوڑیں تاکہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو کیونکہ اس میں بڑے خطرے ہیں اور نہ ہے اس لئے کہ عورتیں چھت سے یا بلند مکان سے انھیں ان کی حالت سماع میں دیکھتی ہیں اور اس سے بیک سٹنے والے کو سخت حجاب پڑتے ہیں۔ اور چاہئے کہ جوان بچوں کو بھی اس کے درمیان نہ بٹھائیں اور ایسا نہ ہو کہ اس کے بعد جاہل صوفیوں نے ان باتوں کو مذہب بنا رکھا ہے اور سچ کو درمیان سے دید کر دیا ہے اور میں اس جنس کی آفتوں سے جو مجھ پر گزریں استغفار کرتا ہوں اور خداوند تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں تاکہ مرے ظاہر و باطن کو آفات سے بچائے اور میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے حکموں کی رعایت رکھیں۔ و بائد التوفیق۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی ولیہ
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم علیما کثیرا
کثیرا برحمتک یا ارحم الراحمین آمین شامین تم

تصحیح کردہ
فقیر قادری خواجہ اعجاز الرحمن عفی عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ